جمعیۃ علماء اسلام اور قائدِ جمعیۃ

مولانا فضل الرحمٰن

زعمائے اُمّت کی نظر میں

ابوالحسن قاری شمس الدین شمسی

جامعہ اسلامیہ تعلیم القرآن پڑھنہ مانسہرہ

نگاہ بلند، سخن دلنواز، جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

جمعیۃ علماء اسلام اور قائدِ جمعیۃ،

بطلِ حریت، امامِ انقلاب

حضرت مولانا فضل الرحمٰن

زعمائے امت کی نظر میں

مرتب: ابوالحسن قاری شمس الدین شمسی
جامعہ اسلامیہ تعلیم القرآن، خیابانِ جمعیۃ
(ٹھاکرمیرا) پڑھنہ مانسہرہ۔

نام کتاب	جمعیۃ علماء اسلام اور قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن زعمائے امت کی نظر میں
مرتب	ابوالحسن قاری شمس الدین شمسی
پروف ریڈنگ	مولانا غضنفر عزیز، مولانا فضل الہادی مولانا شجاع الدین
کمپوزنگ	سہیل زمان، سران (پڑہنہ) مانسہرہ
صفحات	478
تعداد	2200
سرورق	شہزاد احمد صدیقی لاہور
اشاعت باراول	بمطابق مئی 2012
اشاعت باردوم	ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ، بمطابق نومبر 2012
اشاعت بارسوئم	جمادی الاوّل ۱۴۳۴ھ، بمطابق مارچ 2013
ناشر	جامعہ اسلامیہ تعلیم القرآن خیابان جمعیت ٹھاکرمیرا پڑہنہ مانسہرہ

ملنے کے پتے

- قاری شمس الدین شمسی خیابان جمعیۃ پڑہنہ مانسہرہ
  0342-9453402 0343-9691498
- مدنی کتب خانہ مدنی مسجد مانسہرہ
- اسلامیہ کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی
- شبیر بک سٹال میزان چوک کوئٹہ
- مفتی محمود اکیڈمی مینگورہ سوات
- مکتبہ جمال قاسمی سہراب گوٹھ کراچی
- مکتبہ ادارۃ الاشرف پشین بلوچستان
- اسلامی کتاب گھر خیابان سرسید سیکٹر نمبر 2 راولپنڈی

فہرست

☆......☆......☆

انتساب!

میں اپنی اس حقیری کاوش کو اپنے والدگرامی مولانا الٰہی بخش بن احمد جیؒ ، والدہ محترمہ حفظہما اللہ اور بردار محترم قاری عبدالمالک حفظہ اللہ جن کی انتہائی شفقت اور دینی تربیت کی بدولت میں قافلہ علماء وحق سے وابستہ ہوں اور اپنے تمام بھائیوں خصوصاً حافظ علاؤالدین جنہوں نے ہماری توجہ اس جانب مبذول کروائی، اپنے معاونین اور جمعیۃ کے تمام مخلص کارکنوں کے نام کرتا ہوں جو ہر قسم کی مخالفت وتنقید کو بالائے طاق رکھتے ہوئے علماء حق کے اس قافلے کی ترقی وبقا کیلئے کوشاں ہیں۔

فجزاهم الله خيراً

گر قبول افتد زہے عزوشرف

خیر اندیش: ابوالحسن شمس الدین شمسی،

خیابان جمعیۃ، پڑہنہ، مانسہرہ۔

العلماء ورثۃ الانبیاء

مولانا یوسف مدظلہ، مانسہرہ،
فاضل دار العلوم دیو بند

وقارِ زندگی ہم سے جہاں کی آبرو ہم ہیں
جو سچ پوچھو تو گلزارِ جہاں کی رنگ و بو ہم ہیں

ہمارے دمِ قدم سے اس جہاں کی زیب و زینت ہے
ریاضِ علم و عرفاں میں گلہائے خوبرو ہم ہیں

خدائے پاک نے تاجِ امامت ہم کو پہنایا
خدا کے فضل سے سارے جہاں کے پیش رو ہم ہیں

خدا نے چن لیا دیں کی اشاعت کے لئے ہم کو
جہاں میں پاسدارِ لا الٰہ الا ھو ہم ہیں

بلند ہم نے کیا چاروں طرف توحید کا پرچم
علمبردارِ حق، صدق و صفا کی گفتگو ہم ہیں

کمالِ علم ہی سے ہم تو وارثِ انبیاء ٹھہرے
علم کی روشنی ہم سے ادب کی آبرو ہم ہیں

جہادِ زندگانی میں شجاعت کا بھرم ہم سے
جوانوں کی رگ و پے میں جسارت کا لہو ہم ہیں

حبیب خوش نوا سارے جہاں کی رونقیں ہم سے
غلامِ سیدِ کونین ﷺ حاصلِ آرزو ہم ہیں

معطر بیز ہر جانب ہمارے علم کی خوشبو
جدھر دیکھو بہ مثلِ گُلِ خنداں کو بہ کو ہم ہیں

کتاب و سُنّتِ خیر الوریٰ دستور ہے اپنا
امامت کے لئے جس کی طلب وہ جستجو ہم ہیں

زمانہ جن پہ نازاں، اہلِ دنیا مفتخر جن پر
وہ خوشبودار گلدستے وہ خوش قامت سرو ہم ہیں

ہمارے علم کے چرچے زمینوں آسمانوں میں
کمالِ علم و دانش کی کتاب جاھدو ہم ہیں

نگاہِ بد سے گر دشمن ہمیں دیکھے تو لاتحزن
عدو کے سامنے سینہ سپر اور روبرو ہم ہیں

چمن والو نہ تحقیری نگاہ سے ہم کو ٹھکراؤ
چمن زارِ محبت میں طیورِ خوش گلو ہم ہیں

ہمارا دل حقیقت میں خدا کے علم کا مخزن
بمصداقِ حدیثِ خیرکم سے سرخرو ہم ہیں

ہماری زندگی سارے جہاں کے واسطے رحمت
سلیم الفطرت و عالی ظرف اور نیک خو ہم ہیں

زعیمنا المحترم
مولانا فضل الرحمٰن حفظہ اللہ

مولانا فضل الہادی المیدانی،

استاذ الحدیث جامعہ اشاعت الاسلام، مانسہرہ

بَدَأْنَا بِاسْمِ رَبٍّ فِي الْكَلَام — وَنَحْمَدُ فِي الْقُعُوْدِ وَفِي الْقِيَام

نَعُوْذُ بِرَبِّنَا مِنْ كُلِّ شَرٍّ — وَصَلِّ عَلٰى رَسُوْلِكَ فِي سَلَام

حَيَاةُ الشَّيْخِ قَائِدِنَا الْمُوَقَّرْ — وَآرَاءُ الْأَكَابِرِ وَالْكِرَام

يُؤَلِّفُهَا الشُّجَاعُ وَشَمْسُ دِيْنٍ — عَلَاءُ الدِّيْنِ قَامَ بِذَا الْمَرَام

وَإِنَّ لِفَضْلِ رَحْمٰنٍ مَقَامًا — وَلَيْسَ لَهُ مِثَالٌ فِي الْمَقَام

أَبُوْهُ مُحَدِّثٌ مَحْمُوْدُ عَهْدِهِ — وَأَمْجَدُ أَهْلِ حَقٍّ وَاحْتِرَام

وَكَانَ مُجَاهِدًا وَزَعِيْمَ قَوْمِهِ — مُفَسِّرَ عَصْرِهِ لَيْثُ اللُّهَام

وَإِنَّ الشَّهْمَ تِلْمِيْذُ الْأَمَاجِدْ — وَتِذْكَارُ الْأَئِمَّةِ وَالْعِظَام

وَإِخْوَانُ النَّبِيْلِ لَهُمْ كَمَالٌ — وَأَوْلَادُهُ وُلْدُ الْهُمَام

يُهَنِّئُ فَضْلُ هَادٍ بِالْكِتَابِ — فَبَارِكْ فِيْهِ يَا رَبَّ الْأَنَام

☆......☆......☆

دعائیہ کلمات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

شیخ الاسلام مولانا مفتی تقی عثمانی،

نائب صدر جامعہ دارالعلوم، کراچی

مکرم بندہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

دل سے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس مجوزہ کتاب کو بطریق احسن مکمل فرما کر اسے نافع بنائیں۔ البتہ بندہ اپنے آپ کو اس میں کچھ لکھنے کے لئے نااہل پاتا ہے۔ مصروفیات اور اسفار بھی بہت زیادہ ہیں اس لئے معذرت کے سوا چارہ نہیں۔ البتہ دل سے دعائے خیر کرتا ہوں۔

والسلام

☆......☆......☆

مقدمہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم. اَلْحَمْدُلِلّٰہِ ذِی الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ عَلٰی مَا اَوْلَانَا مِنْ جَزِیْلِ الْاِنْعَامِ وَمَنَّ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ بِالْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَزَیَّنَھُمْ بِرِسَالَۃِ السَّیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَاَعَزَّ الْاِسْلَامَ بِاَصْحَابِ النَّبِیِّ الْکِرَامِ وَتَابِعِیْھِمْ وَاَتْبَاعِھِمُ الْعِظَامِ وَسَوَّدَ وُجُوْہَ الْکُفَّارِ وَالْاَشْرَارِ بِاَھْلِ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ الْاَخْیَارِ وَنَوَّرَ دِیَارَ بَاکِسْتَانَ الْاِسْلَامِیَّۃِ بِجَمْعِیَّۃِ الْعُلَمَاءِ الْعَالَمِیَّۃِ وَصَلَوٰۃُ اللّٰہِ وَتَسْلِیْمَاتُہٗ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الْمَبْعُوْثِ اِلَی الْاِنْسِ وَالْجَانِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحَابَتِہٖ وَمَنْ تَبِعَھُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ بِاِحْسَانٍ اَمَّا بَعْدُ.

اللہ جل شانہ نے انسانیت کی دارین کی کامرانی کا تعلق صرف دین اسلام سے جوڑا ہے۔ دین اللہ کے احکامات کو سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے مبارک طریقے پر پورا کرنے کا نام ہے۔ چاہے ان کا تعلق عقائد سے ہو یا عبادات سے، معاملات سے ہو یا معاشرت سے، اخلاقیات سے ہو یا سیاست سے ہر شعبہ زندگی میں سرکار دو عالم ﷺ کی پیروی ہی فلاح کا سبب کامل ہے۔

موجودہ دور میں امت کی اکثریت مادہ پرستی کا شکار ہے اور امت مسلمہ کا ایک بہت بڑا حصہ اس حد تک "روشن خیال" ہو چکا ہے کہ دین کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھ رہا ہے اور یہود و نصاریٰ کے ایما پر مذہب کو انفرادی مسئلہ قرار دے کر اس کی اجتماعی حیثیت کو ختم کرنے کا خواہاں ہے۔ امت کی اصلاح کے لئے علماء کرام مختلف شعبوں میں دین کی محنت میں ہمہ تن مصروف و مشغول ہیں۔ دعوت و تبلیغ، درس و تدریس اور دیگر شعبوں کی طرح میدان سیاست میں بھی علماء حق کی کثیر تعداد جمعیۃ علماء اسلام کے پرچم تلے امام انقلاب حضرت مولانا فضل الرحمٰن حفظہ اللہ کی زیر قیادت بھرپور انداز میں محنت کر رہی ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام ان نظریات

کے تسلسل کا دوسرا عنوان ہے جس کی تعلیم سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے امت مسلمہ کو عطا فرمائی اور خلفاء راشدین اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جس کی اشاعت وترویج کے لئے اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر دنیا بھر میں پھیل گئے۔ نظریات کا یہ تسلسل سینہ بہ سینہ علمی میراث کے طور پر صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سے ہوتا ہوا حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ تک پہنچا تو انہوں نے ان نظریات کے تحفظ واشاعت کی خاطر دیوبند میں مدرسہ کی بنیاد رکھی اور پھر بالخصوص برصغیر پاک و ہند اور بالعموم پورے عالم میں مدارس دینیہ کا جال بچھا دیا۔ ان مدارس کے قیام سے علماء کرام کو حوصلہ ملا اور وہ تحفظ و احیائے دین کے لئے اپنے روحانی مرکز دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی میں میدان عمل میں کود پڑے۔

سیاست (جو کہ اجتماعی زندگی کے حوالے سے) دین اسلام کا ایک اہم ترین شعبہ ہے وطن عزیز پاکستان میں اس شعبہ کو اسلامی تعلیمات کے عین مطابق چلانے میں جمعیۃ علماء اسلام شروع دن سے ہی مصروف عمل ہے لیکن بعض لوگ سیاست کو شجر ممنوعہ قرار دے کر وقت کا ضیاع خیال کرتے ہیں اور عوام الناس اور علماء دین کا اس میدان میں آنا معیوب سمجھتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ الحمد للہ علماء کرام نے آج تک کسی بھی حوالے سے ہر قسم کی بدعنوانی سے پاک سیاست کی ہے لیکن علماء کرام اور خصوصاً قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن حفظہ اللہ کو عموماً تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء اکرام معصوم عن الخطا ہیں۔ جبکہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی محفوظ ہیں اس لئے انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کسی بھی قسم کی تنقید سے بالاتر ہیں۔ ان کے علاوہ امت کے کسی بھی طبقے یا فرد سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے لیکن یہ اختلاف اصول واخلاق کے دائرے کے اندر ہو اور اختلاف اور مخالفت کے فرق کو سامنے رکھتے ہوئے مخالفت برائے مخالفت یا تنقید برائے مخالفت نہ ہو بلکہ تنقید برائے اصلاح ہو۔ امام اعظم ابوحنیفہ کو سب سے زیادہ اختلاف و تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی بناء پر محقق ابن تیمیہؒ نے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا!

لاتُرمیٰ شَجرَ ۃٌ اِلاَّ ذُوثَمرَۃٍ　　　پتھر اسی درخت کو لگتے ہیں جس پر پھل ہو

آج کے دور میں لوگ عمومی طور پر افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ چنانچہ اپنے تو تعریف و توصیف میں غلو اور مبالغہ کر جاتے ہیں جبکہ مخالفین تنقید و مخالفت میں حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ (میڈیا) پر چونکہ اسلام دشمن طاغوتی طاقتوں یہود و نصاریٰ کا قبضہ ہے اور یہود بڑے مکار ہیں اس لئے علماء کرام کے خلاف ایسے منظّم انداز میں بے بنیاد پروپیگنڈہ ہو رہا ہے کہ نام نہاد ''روشن خیال'' یعنی سیکولر (لادین) ذہنیت کے مالک لوگ تو ہیں ہی مخالف لیکن عوام الناس اور ہمارا مذہبی طبقہ بھی راہنمائی کے فقدان کے باعث انتشار کا شکار ہے۔

چھوڑی نہیں غیروں نے کوئی ناوکِ دشنام
چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرزِ ملامت

ہمارے برادر مکرم مولانا شجاع الدین حفظہ اللہ نے خیال ظاہر کیا کہ مفتی محمودؒ کے حوالے سے شائع شدہ کچھ مضامین کو کتابی صورت میں شائع کرنا چاہیے۔ ابھی یہ بات زیر غور ہی تھی کہ ساتھیوں نے تجویز دی کہ حضرت مفتی محمود صاحبؒ کی تو ہر شخص تعریف ہی کرتا ہے (اگرچہ زندگی میں غیروں کے بجائے اپنوں کے تیروں سے انکا کلیجہ زیادہ چھلنی ہوا) آج کل عموماً قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن حفظہ اللہ شدید تنقید کی زد میں رہتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ جی مفتی محمودؒ تو بڑے بزرگ اور اللہ والے تھے انہوں نے دین کی بڑی خدمت کی لیکن مولانا فضل الرحمٰن تو۔۔۔۔۔۔!

اس پر ہم نے سوچا کہ عوام الناس خصوصاً مذہبی سوچ رکھنے والے احباب کو جمعیۃ علماء اسلام اور قائد جمعیۃ کی پالیسیوں سے متفق کرنے کے لئے ادبی حوالہ سے کوئی کوشش کی جانی چاہیے کیونکہ مذہبی طبقے کا یکسو ہونا بھی بڑی بات ہے۔ مذہبی طبقے کے لئے چونکہ ہمارے اکابر علماء کرام و مشائخ عظام کی بات سند کا درجہ رکھتی ہے تو ہم نے ساتھیوں کی مشاورت سے طے کیا کہ جمعیۃ علماء اسلام اور جمعیۃ کی خدمات، کردار اور پالیسی کے حوالہ سے ملک بھر کے جید علماء کرام و مشائخ عظام کے تاثرات جمع کر کے کتابی شکل میں شائع کریں تاکہ کم از کم

مذہبی سوچ وفکر کے حاملین پر جمعیۃ علماء اسلام کی پالیسی کے حوالے سے اکابرین کی رائے واضح ہو جائے تا کہ وہ لوگ نہ صرف خود بھی یکسو ہو کام کریں بلکہ عوام الناس کی بھی راہنمائی کریں کہ جس طرح منبر و مصلیٰ پر ان کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں۔ عام زندگی میں بھی ان کی اقتداء کو سعادت سمجھیں۔

ہمارے ہاں بالعموم یہ رواج ہے کہ کسی شخصیت کی رحلت کے بعد تو ان پر بڑے طویل مقالے اور کتابیں لکھی جاتی ہیں اور رسائل وجرائد خصوصی شمارے شائع کرتے ہیں لیکن زندگی میں اس نوعیت کے کام کا رجحان کم ہے۔ حالانکہ دینی، علمی، ادبی، سیاسی شخصیات کی زندگی ہی میں اسکی شخصیت کی چھپی خوبیوں کو سامنے لانے کے منجملہ فوائد میں سے ایک یہ بھی نظر آتا ہے کہ قارئین اس شخصیت کے فضل وکمال سے کما حقہ فیض پا سکتے ہیں جبکہ مرنے والے کے تمام فضائل وکمالات اسکے ساتھ ہی دفن ہو جاتے ہیں اب اسکے نظریے، فکر اور طرز زندگی سے تو استفادہ کیا جا سکتا ہے لیکن شخصیت کی صرف یادیں باقی رہ جاتی ہیں۔ کسی کی زندگی میں اس طرح کی کاوش کو بعض لوگ تملق، چاپلوسی یا شخصیت پرستی کا نام دیتے ہیں۔ حالانکہ کسی کی مدح سرائی (اگر وہ واقعی اسکا مستحق ہے) نہ صرف اسکی قابلیت اور سچائی کا اعتراف ہے بلکہ نام نہاد روشن خیالی کے اندھیروں میں گھری ہوئی امت کیلئے حقیقت کا مینارہ نور تعمیر کرنے کی جدوجہد ہے۔

ؔ مر جائے انسان تو بڑھ جاتی ہے قیمت
زندہ رہے تو جینے کی سزا دیتی ہے دنیا

اگر چہ ہماری یہ کاوش اس لحاظ سے منفرد نوعیت کی ضرور ہے کہ کسی کی زندگی میں اسکے متعلق زعما امت کے تاثرات پر مبنی کتاب شاید ہی کوئی مرتب ہوئی ہو لیکن یہ اشاعت جمعیۃ اور قائد جمعیۃ کے متوسلین کیلئے نقش اول کی حیثیت تو رکھتی ہے نقش آخر کی نہیں یہ سلسلہ انشاء اللہ جاری رہے گا۔

ہم نے دسمبر ۲۰۱۰ء میں باقاعدہ طور پر اس سلسلے میں کام شروع کیا اور اپنے علاقے

کے ممتاز علماء اکرام سے مشاورت کی تو انہوں نے ہمارے اس عزم کو سراہتے ہوئے حوصلہ افزائی فرمائی۔

اس سلسلے میں اکثر حضرات سے ہمیں براہ راست ملاقات کا شرف نصیب ہوا یا پھر انہیں خطوط ارسال کیئے اور بعض حضرات سے بذریعہ فون گذارش کی۔ مشائخ کرام نے شفقت کی انتہا کرتے ہوئے اپنے مراسلات سے ہمیں نوازا گو کہ ہم ان سے دروان رابطہ انکی شفقتوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ادب کا لحاظ بھی نہ رکھ سکے۔ ہمارے تمام بزرگوں نے کمال شفقت اور حوصلہ افزائی کا ثبوت دیا جس کیلئے شکریہ کے الفاظ ہمارے پاس نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی خاص سے انکو شایان شان بدلہ عطا فرمائیں

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

ہماری خوش قسمتی ہے کہ کتاب ہذا کے تمام مضامین (سوائے حصہ دوئم کے) ہمارے کرم فرما اکابرین نے خصوصی طور پر اسی کتاب کیلئے تحریر فرمائے ہیں۔ یہ کتاب درج ذیل حصوں پر مشتمل ہے۔

۱۔حصہ اول: ملک بھر کے ممتاز مشائخ عظام کے موصول شدہ تاثرات پر مشتمل ہے۔

۲۔حصہ دوئم: یہ حصہ ملک بھر کے نامور شعرا کے منظوم تاثرات کا حامل ہے۔

۳۔حصہ سوئم: اس حصے میں اخبارات ومجلّات کے شذرات واقتباسات درج ہیں۔

ہماری اس مساعی کے دوران مولانا عبدالحکیم اکبری حفظ اللہ (گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان) مولانا قاری عبداللہ حفظہ اللہ، بنوں، برادرم قاری عبدالمالک، برادرم مولانا شجاع الدین، برادرم مولانا محمد انس، برادرم مولانا عبداللہ، برادرم قاری محمد یونس، برادرم حافظ عبدالرحمٰن شاکر، برادرم حافظ علاؤ الدین (سابق صدر جے ٹی آئی، مانسہرہ)

مولانا رفیق الاسلام ، پڑہنہ ، عزیزم عبدالرزاق ، سراں مانسہرہ ، مولانا فضل الہادی ، مانسہرہ ، حافظ محمد حنیف بن مولانا قاری محمد شریف ، لاہور کا ہمیں مسلسل تعاون رہا جبکہ علامہ اکرام القادری مد ظلہ ، حافظ غضنفر عزیز ناظم عمومی سمن آباد ٹاؤن ، لاہور اور مولانا عبد الہادی ، مانسہرہ اور کئی دوسرے حضرات بھی وقتاً فوقتاً خیر خبر لیتے رہے۔

عزیزم سہیل زمان بن بدیع الزمان ، سراں مانسہرہ نے کمپوزنگ کے سلسلہ میں بڑی دل جمعی سے کام کیا۔ ان کی لگن اور خدمات تادیر یاد رہیں گی۔

ہم ان تمام حضرات کا دل کی عمیق گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے خزانوں سے بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ آمین!

قارئین کرام!

اس اشاعت کا مقصد حضرت قائد جمعیۃ کے کمالات کا احاطہ کرنا نہیں ہے بلکہ جمعیۃ علماء اور قائد جمعیۃ کی پالیسیوں پر اکابر علماء کرام کی آراء کو عوام بالخصوص مذہبی طبقہ کے سامنے اجتماعی شکل میں لانا بالفاظ دیگر انکی تائید کو منظر عام پر لانا ہے۔ اس مقصد کیلئے ہمیں بڑے صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑا کیونکہ دسمبر ۲۰۱۰ء تا مئی ۲۰۱۲ء (ایک سال چھ ماہ) ہم حضرات سے مسلسل رابطہ میں رہے اور کئی حضرات کے مضامین ہمیں ایک سال سے زائد عرصہ رابطہ میں رہنے کے بعد موصول ہوئے۔ ڈیڑھ سال کی مسلسل کاوشوں کے نتیجے میں زعمائے امت کے قلم سے بننے والے پھولوں کا یہ گلدستہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اپنے اس مقصد میں ہم کس حد تک کامیاب ہوئے اس کا فیصلہ آپ خود کریں۔ گذارش ہے کہ مجھ ناکارہ اور میرے معاونین اور کارکنانِ جمعیۃ کو اپنی خصوصی دعاؤں میں ضروری یاد رکھیے گا۔

جن اکابرین کے مضامین ہم تک ہنوز نہیں پہنچ سکے یا ہمارا ان سے رابطہ نہیں ہو سکا اگلے مرحلے کے لئے ان سے رابطہ جاری ہے تاکہ ان کے مبارک ارشادات بھی ہماری کتاب کی زینت بن سکیں۔

میری قسمت سے الٰہی پائیں یہ رنگِ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کے لئے

وما توفیقی الا باالله علیه توکلت و الیه انیب. واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین. والصلوة والسلام علیٰ رسوله محمد و اله واصحابه اجمعین. برحمتک یا ارحم الراحمین.

خاکپائے علماء حق:
ابوالحسن قاری شمس الدین شمسی، مدرسہ اسلامیہ تعلیم القرآن، پڑہنہ، مانسہرہ۔

☆......☆......☆

حصہ اوّل

ملک بھر کے ممتاز مشائخ عظام کے موصول شدہ
تاثرات پر مشتمل ہے

مولانافضل الرحمن جیساسیاسی لیڈر حزب اقتدار میں نہ حزب اختلاف میں

شیخ الحدیث استاذ العلماء مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم،

صدر وفاق المدارس العربیہ، پاکستان، رئیس جامعہ فاروقیہ، کراچی

احقر ایک ادنیٰ طالب علم ہے۔ پوری زندگی طالب علمانہ طریقے پر گزاری ہے اور اسی کو زندگی کا سرمایہ تصور کرتا ہے۔ کبھی کبھی بعض مقامی حالات اور تقاضوں کی وجہ سے دوسرے حالات سے ضرور دوچار ہونا پڑا ہے لیکن نہ وہ میرا مزاج ہے نہ اس میں میری افتاد طبع کا دخل ہے۔

پاکستان کے موجودہ حالات سے ہر شخص متاثر ہے، اندرونی اور بیرونی دشمنوں نے وہ غدر مچایا ہوا ہے کہ کسی بھی وقت کوئی انہونی ہوسکتی ہے۔ لا فعلها الله.

عوام سے جینے کا حق ہی چھین لیا گیا ہے، ضرورت کی اشیاء دستیاب نہیں، مہنگائی اور گرانی ہوش ربا ہے، امن وامان ناپید ہے، جنگل کا قانون رائج ہے اور حکومت نام کی کوئی چیز موجود نہیں۔

سیاست اور سیاست دان زوال پذیر ہیں، علماء جو وارثان نبیؐ ہیں قوم کی راہنمائی کے لئے اہل اور لائق ہیں ان میں اتحاد نہیں۔ ابھی حال ہی میں مولانا فضل الرحمٰن سے احقر نے درخواست کی کہ یہ موقع ہے لوہا گرم ہے پاکستان کو دشمنوں کے نرغے سے نکالنے کے لئے ملک بھر میں تحریک زوروں پر ہے، آپ آگے آئیں سب کو جمع کریں اور متحد ہو کر پاکستان کو دشمنوں سے نجات دلائیں۔ احقر نے اصرار کے ساتھ درخواست تو کی ہے اور مولانا نے احقر

کی گزارش کو قبول کیا ہے۔اب دیکھئے کیا ہوتا ہے۔احقر پھر بھی یاد دہانی کرائے گا۔اگر خدانخواستہ اتحاد قائم نہ ہوا تو عیار و مکار دشمن کامیاب ہوگا اور ہم حسب سابق محرومیوں کا شکار ہی رہیں گے۔

باقی ملک میں سیاستدانوں کے کردار پر گفتگو سے احقر کو کسی بھی طور پر فائدہ کی امید نہیں ہے اور امر واقعہ یہ ہے کہ احقر اس کا اہل بھی نہیں ۔اس کے باوجود احقر کے نزدیک مولانا فضل الرحمٰن حفظہ اللہ جیسا سیاسی لیڈر نہ حزب اقتدار میں ہے نہ حزب اختلاف میں۔اللہ تعالیٰ ان کو پاکستان کے مفاد میں استعمال ہونے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔آمین ثم آمین!

☆......☆......☆

سوانح مولانا فضل الرحمن

مولانا ڈاکٹر عبدالحکیم اکبری مدظلہ،
گومل یونیورسٹی ،ڈیرہ اسماعیل خان

خاندان:

آپ کا تعلق افغان قومؒ کے مشہور قبیلے ناصر کی شاخ یحییٰ خیل کے علَم خاندان سے ہے۔آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے۔ فضل الرحمٰن بن محمود بن محمد صدیق بن محمد راز بن گلستان بن عمر بن محمد بن موسیٰ بن علَم ۔ناصر قبیلہ ایک خانہ بدوش قبیلہ ہے جو سردیوں میں گرم علاقوں اور گرمی کے موسم میں سرد علاقے میں خیمہ زن رہتا ہے۔اس قبیلے کا ذریعہ معاش مویشی پالنا اور تجارت ہے۔آنے جانے میں حکومتوں کی طرف سے مشکلات کے باعث اب اس قبیلے کے اکثر خاندان افغانستان میں اور پاکستان کے صوبہ بلوچستان میں اپنے مکانات تعمیر کروا کر اقامت گزیں ہو چکے ہیں۔ بہت کم ایسے خاندان ہیں جو خانہ بدوشی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

جدامجد:

مولانا فضل الرحمٰن کے دادا محمد صدیق ایک عارف باللہ بزرگ ،بہترین عالم دین اور ماہر قاری قرآن تھے۔آپ حضرت سید احمد گل صاحبؒ (المتوفی ۱۳۱۵ھ) سے بیعت تھے۔آپ نے اپنے قبیلے سے ناطہ توڑ کر اپنے پیر و مرشد سے ایسا تعلق جوڑ لیا تھا کہ باقی ساری زندگی اپنے پیرومرشد کی خانقاہ میں گزار دی۔ حضرت سید احمد گلؒ کی وفات کے بعد آپ ان کے بڑے صاحبزادے اور جانشین حضرت سید عبدالحلیم صاحبؒ (المتوفی ۱۹۳۵ھ) سے بیعت ہوئے۔لطائف و وظائف کی تکمیل کے بعد ان کی طرف سے بھی مجاز تھے جس کی وجہ

سے "خلیفہ" آپ کے نام کا حصہ بن گیا تھا۔آپ کی یکے بعد دیگرے دوشادیاں ہوئی تھیں۔پہلی بیوی سے ایک بیٹے کی ولادت ہوئی جس کا نام احمد رکھا گیا جبکہ دوسری بیوی سے محمود، محمد اور ایک بیٹی متولد ہوئے تھے۔احمد جوانی میں فوت ہو گئے تھے۔خلیفہ محمد صدیقؒ 14 نومبر 1951ء کو فوت ہوئے ہیں اور خانقاہ یٰسین زئی میں مدفون ہیں جبکہ آپ کی دوسری بیوی کا انتقال 1961ء میں ہوا اور وہ عبدالخیل کے قبرستان میں دفن ہیں۔

والد ماجد:

مولانا فضل الرحمٰن کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی تاریخ پیدائش ۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ء بمطابق 9 جنوری 1919ء ہے۔آپ کی ولادت آپ کے نانا ملا گل خان کے گھر پنیالہ میں ہوئی تھی جہاں ان کے والد اور والدہ ان دنوں رہائش پذیر تھے جو کہ بعد ازاں خانقاہ یٰسین زئی منتقل ہو گئے تھے۔مفتی صاحب کا بچپن خانقاہ میں گزرا ہے۔آپ نے ابتدائی تعلیم قاعدہ اور ناظرہ اپنے والد گرامی اور خانقاہ میں دیگر علماء سے حاصل کی۔سکول کی تعلیم کے لئے آپ کو گورنمنٹ مڈل سکول پنیالہ میں داخل کرایا گیا۔اگر ایک طرف آپ نے کافیہ، قدوری، شافیہ اور فارسی کی ابتدائی کتب خانقاہ میں مکمل کیں تو اسی سال آپ نے سرحد تعلیمی بورڈ سے اعلیٰ نمبروں کے ساتھ مڈل کا امتحان پاس کیا۔مڈل کے امتحان کے بعد آپ کو ابا خیل ضلع بنوں (اب ضلع لکی مروت) بھیجا گیا جہاں حضرت سید عبدالحلیم صاحبؒ کے چھوٹے بھائی حضرت سید عبدالعزیز شاہ صاحبؒ مقیم تھے جن سے تعلیم سے فراغت کے بعد مفتی صاحبؒ بیعت ہوئے تھے اور ان کی طرف سے مجاز بیعت تھے۔مفتی صاحبؒ نے ابا خیل میں حضرت سید عبدالعزیز شاہ صاحبؒ سے مزید دینی کتب پڑھیں۔اگلے تعلیمی سال کی ابتداء میں آپ کو سید عبدالحلیمؒ کے تینوں صاحبزادوں حضرت سید محمد صاحب، حضرت سید حامد صاحب، حضرت سید محمود صاحب اور حضرت سید عبدالعزیز شاہ صاحب کے دونوں صاحبزادے سید یار محمد صاحب اور سید جان محمد صاحب کے ہمراہ مدرسہ شاہی مراد آباد بھیجنے کا فیصلہ ہوا۔مدرسہ شاہی مراد آباد کو منتخب کرنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ یہ مدرسہ ہندوستان بھر میں

فنون کی کتب کی پڑھائی میں بہت شہرت رکھتا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ وہاں بنوں کے رہنے والے مولانا عجب نور صاحبؒ مدرس تھے جن کا خانقاہ کے حضرات سے قریبی تعلق تھا۔ اس کے علاوہ مولانا عبدالغفور ترکئی بھی وہاں مدرس تھے جن کا خانقاہ یٰسین زئی کے بزرگوں سے بیعت وسلوک کا تعلق تھا۔ اس لئے ان طلباء کو وہاں بھیجنے کا فیصلہ ہوا اور ان کو مراد آباد کے لئے رخصت کیا گیا لیکن ہوا یہ کہ مفتی صاحب ان ساتھیوں کی رفاقت چھوڑ کر دارالعلوم دیوبند چلے گئے۔ یہ کہہ کر کہ میں وہاں داخلہ لوں گا۔ وہاں ابھی داخلے کا سلسلہ شروع تھا۔ اسباق شروع نہیں ہوئے تھے کہ مفتی صاحب کے والد کو اس بات کی اطلاع کر دی گئی۔ اتفاقاً انہی دنوں حضرت سید عبدالحلیم صاحبؒ کے بڑے بیٹے اور جانشین حضرت سید احمد صاحبؒ سرہند شریف جانے والے تھے۔ خلیفہ محمد صدیق نے ان کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ پہلے دیوبند جائیں اور وہاں سے محمود کو لے کر ان کو ان کے ساتھیوں کے پاس مراد آباد پہنچا دیں اور وہاں ان کو داخل کرا دیں۔ صاحبزادہ سید احمد صاحبؒ نے ایسا ہی کیا۔ مفتی صاحب نے دورہ حدیث تک تعلیم کا سلسلہ وہاں جاری رکھا۔ 1942ء میں تعلیم سے فراغت کے بعد چند سال آپ نے مدرسہ معین الاسلام عیسیٰ خیل ضلع میانوالی میں تدریس کی، اس کے بعد دو سال تک سید عبدالعزیز شاہؒ صاحب کے قائم کردہ مدرسہ میں مدرس رہے۔ 1946ء میں آپ کی شادی عبدالخیل کے صوفی نیاز محمد کی بیٹی سے ہوئی جن سے مولانا فضل الرحمٰن اور مولانا عطاء الرحمٰن متولد ہوئے۔ 1947ء میں عبدالخیل کی ایک مسجد کے پیش امام مولانا صالح محمد (فاضل دارالعلوم دیوبند) کا انتقال ہوا۔ گاؤں والے خانقاہ یٰسین زئی گئے اور ان سے مولانا محمود کو عبدالخیل میں امام مقرر کرنے کا مطالبہ کیا۔ خانقاہ کے بزرگوں اور ان کے والد محترم کے مشورہ پر آپ بغرض امامت عبدالخیل منتقل ہو گئے۔ 1951ء میں مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں بغرض تدریس آپ کی تقرری عمل میں آئی جبکہ مسجد کی امامت اور درس کی ذمہ داری ان کے چھوٹے بھائی خلیفہ محمدؒ نے سنبھالی۔ 1956ء میں آپ کی تجویز، جدوجہد اور ملک بھر کے علماء سے رابطوں کے بعد ملتان میں علماء کے بھرپور اجلاس میں جمعیۃ علماء اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا فیصلہ ہوا جس کے

آپ نائب امیر منتخب کیے گئے۔1962ء میں آپ ڈیرہ اسماعیل خان کی قومی اسمبلی کی نشست سے ممبر قومی اسمبلی منتخب ہوئے۔جب کہ 1968ء میں کل پاکستان سطح پر جمعیۃ علماء اسلام کی تنظیم سازی کا فیصلہ ہوا تو آپ کو اس کا مرکزی ناظم عمومی منتخب کیا گیا۔1970ء کے عام انتخابات میں آپ دوبارہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔یکم مئی 1972ء کو آپ نے صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ کا حلف اٹھایا۔ساڑھے نو ماہ آپ اس منصب پر فائز رہے۔1973ء کے آئین کی تدوین وتشکیل اور خاص کر اس میں اسلامی دفعات کی شمولیت میں آپ کا واضح کردار رہا ہے۔1974ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا۔قومی اسمبلی کے اندر مرزائیوں کے دونوں گروپوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانا آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔1977ء کے عام انتخابات میں بھٹو حکومت کی دھاندلی کے خلاف ملک گیر تحریک چلانے کے لئے نو سیاسی پارٹیوں کے "پاکستان قومی اتحاد" کے نام سے تشکیل پانے والے اتحاد کا آپ کو صدر منتخب کیا گیا جو بالآخر بھٹو کی ہٹ دھرمی کے باعث ملک میں جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کی صورت میں سامنے آیا۔

آپ 25 سال سے زیادہ عرصہ کے لئے مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں مدرس، مفتی، شیخ الحدیث اور مہتمم کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ہزاروں فتاویٰ آپ کی نگرانی میں لکھے گئے ہیں۔آپ نے سنن الترمزی کی شرح ''زاد المنتھی'' کے نام سے لکھی ہے۔آپ نے علم قراۃ میں ''التسھیل'' رویت ہلال کے مسئلہ پر ''زبدۃ المقال فی رویت الھلال'' اور مرزائیت کے رد میں ''المتنبی القادیانی من ھو؟'' کتابیں لکھی ہیں۔آپ کے فتاویٰ کو گیارہ جلدوں میں شائع کیا گیا ہے جبکہ آپ کے تفسیری افادات کو ''تفسیر مفتی محمود'' کے نام سے تین جلدوں میں شائع کرایا گیا ہے۔

مفتی صاحبؒ جامعہ ازھر مصر میں قائم مجمع البحوث الاسلامیہ کے رکن تھے ہر سال اس کے اجلاس میں شریک ہوتے اور امت مسلمہ کو درپیش جدید مسائل پر سیر حاصل بحث کرتے اور اس میں فعال کردار ادا کرتے تھے۔14 اکتوبر 1980ء کو سفر حج میں تھے کہ کراچی میں

آپ کا انتقال ہوگیا۔کراچی، ملتان، ڈیرہ اسماعیل خان شہر اور عبدالخیل میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ ہر جگہ لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی اور آپ عبدالخیل کے عام قبرستان میں مدفون ہوئے۔

حضرت مفتیؒ صاحب کی وفات کے وقت ان کے بیٹوں سے مولانا فضل الرحمٰن کی عمر 27 سال، مولانا عطاء الرحمٰن 18 سال، لطف الرحمٰن 15 سال، ضیاء الرحمٰن 6 سال اور عبید الرحمٰن 8 مہینے کے تھے۔

مولانا فضل الرحمٰن کی تاریخ ولادت:

۱۰ ذی الحجہ (یوم الاضحیٰ) ۱۳۷۲ھ بروز جمعہ حضرت مفتی صاحب کے گھر بیٹے کی ولادت ہوئی جس کا نام فضل الرحمٰن رکھا گیا۔اس وقت مفتی صاحب کی عمر تقریباً 35 سال تھی۔

ابتدائی تعلیم:

مولانا فضل الرحمٰن کے بچپن کا اکثر حصہ عبدالخیل میں گزرا۔حضرت مفتی صاحب کا معمول تھا کہ وہ عید الاضحیٰ کی تعطیلات کے اختتام پر اپنے اہل خانہ کو ملتان منتقل کرتے تھے اور تعلیمی سال کے اختتام پر شعبان میں سالانہ تعطیلات کے موقع پر عبدالخیل آتے تھے۔اس طرح پانچ مہینے عبدالخیل میں اور سات مہینے ملتان میں ان کے اہل خانہ رہتے تھے۔جب مولانا فضل الرحمٰن کی عمر حصول تعلیم کی ہوئی تو اپنے چچا خلیفہ محمد صاحبؒ کے حلقہ درس میں شامل کئے گئے اور جب سکول کی تعلیم کے اہل ہوئے تو گورنمنٹ پرائمری سکول عبدالخیل میں داخل کروائے گئے۔شروع کے چند سال تو آپ مسلسل عبدالخیل میں رہے جس میں انہوں نے قاعدہ، ناظرہ اور قرآن مجید خلیفہ محمد صاحب سے پڑھا۔ادھر سکول میں دوسری جماعت میں تھے کہ اس کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ ہر سال اہل خانہ کو ملتان لے جاتے تو ان کا سٹوفکیٹ بنوا کر ملتان سکول میں داخل کراتے اور جب اہل خانہ کو عبدالخیل منتقل کیا جاتا تو فضل الرحمٰن کا سکول سے سٹوفکیٹ بنوا کر عبدالخیل کے سکول میں داخل کراتے۔اس میں ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ملتان سے سکول کا سٹوفکیٹ حاصل نہ کیا جاسکا جبکہ وہ اس وقت چوتھی جماعت میں

تھے۔عبدالخیل کے سکول میں متعین ماسٹر صاحب نے سرٹیفکیٹ کی عدم فراہمی کی وجہ سے ان کو تیسری کلاس میں بٹھا دیا اور یوں ان کا ایک سال ضائع ہوا۔1965ء میں پانچوں جماعت گورنمنٹ پرائمری سکول، عبدالخیل سے پاس کرنے کے بعد وہاں سے سرٹیفکیٹ لے کر حضرت مفتی صاحبؒ نے ان کو مدرسہ قاسم العلوم، ملتان کے قریب کچہری روڈ پر ہی واقع ملت ہائی سکول میں چھٹی کلاس میں داخل کرا دیا جہاں وہ میٹرک تک پڑھتے رہے۔مارچ 1970 میں پنجاب ایجوکیشن بورڈ کے تحت امتحان دیا اور مئی 1970ء میں اس کا رزلٹ نکلا جس میں وہ فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوئے۔عبدالخیل میں خلیفہ محمد صاحب سے آپ نے ناظرہ قرآن مجید کے بعد فارسی اور فقہ کی ابتدائی کتب پڑھ لی تھیں۔مدرسہ قاسم العلوم، ملتان میں مولانا مفتی عبداللطیف صاحبؒ سے آپ مزید دینی تعلیم حاصل کرتے رہے۔سکول کی سطح پر آپ ہمیشہ حسن قرأت کے مقابلوں میں اول پوزیشن میں کامیاب ہوتے رہتے تھے حتیٰ کہ مغربی پاکستان کی سطح پر لاہور میں منعقدہ حسن قرأت کے مقابلہ میں بھی آپ اول آئے۔اس کے بعد کل پاکستان کی سطح پر حسن قرأت کے مقابلے کے لئے ڈھاکہ کا انتخاب ہو چکا تھا مگر ملکی حالات میں بگاڑ کی وجہ سے وہ مقابلہ منعقد نہ ہو سکا تھا۔علم قرأت میں حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کی تصنیف کردہ نہایت مفید کتاب "جمال القرآن" آپ نے حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحب رحیمیؒ سے پڑھی تھی۔حضرت قاری صاحبؒ مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں حفظ وقرأت کے استاد تھے۔پھر حدیث کی کتب کی تدریس بھی کرتے رہے۔اسی کی دہائی میں مدینہ منورہ منتقل ہو گئے۔وہاں مسجد نبوی ﷺ میں بھی آپ کا حلقہ درس جاری رہا اور وہیں انتقال کر گئے۔جنت البقیع میں تدفین ہوئی۔جبکہ آپ کے والد محترم حضرت مفتی صاحبؒ آپ کے ساتھ مشق کیا کرتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب حضرت مفتی محمود صاحبؒ کے ہی لہجے میں بہت ہی خوبصورت اور دلکش انداز میں تلاوت قرآن حکیم فرماتے ہیں۔

میٹرک کے امتحان کے فوراً بعد حضرت مفتی صاحبؒ نے ان کو بستی خلیل آباد، علاقہ

شادن لنڈ ضلع ڈیرہ غازی خان بھیجا۔اس مدرسہ کے سرپرست امام اہل سنت، حضرت مولانا علامہ عبدالستار تونسوی مدظلہ ہیں ۔اس مدرسہ کو اس میں متعین مدرس حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب گورمانی مدظلہ کی وجہ سے شہرت حاصل تھی۔وہ علم صرف کی تدریس اور اس کی مشق طلباء سے بہت ہی محنت سے کراتے تھے۔انہوں نے علم صرف میں "اعجاز الصرف" نامی ایک کتاب بھی مرتب کی تھی۔جسے وہ طلباء کو زبانی یاد کراتے تھے۔ بعد میں مولانا محمد عیسیٰ صاحبؒ اپنے استاد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کی دعوت پر ان کے مدرسہ، مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ میں مدرس و مفتی متعین ہوئے اور آپ کے نام کے ساتھ مفتی کے لفظ کا اضافہ ہوا۔آج کل گوجرانوالہ میں اپنے قائم کردہ ادارہ میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ان کے بہت ہی اہم موضوعات پر تحقیقی مقالات متعدد رسالوں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔وہ اپنی تالیف کردہ کتاب "اعجاز الصرف" کے بارے میں فرماتے تھے کہ ذہین طالب علم کتاب کو چار مہینوں میں یاد کر سکے گا جبکہ متوسط ذہن کا طالبعلم چھ ماہ میں، مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے دیگر اسباق کے ساتھ ساتھ اس کتاب کو چار مہینوں میں یاد کرلیا تو اس پر مولانا محمد عیسیٰ صاحبؒ گورمانی نے حضرت مفتی صاحبؒ کو یہ خوشخبری دی کہ ماشاء اللہ آپ کا برخوردار فضل الرحمٰن بہت ذہین ہے۔مولانا محمد عیسیٰ گورمانی کے ساتھ ساتھ مولانا فضل الرحمٰن صاحب مولانا عبدالغفور صاحب گورمانی سے بھی پڑھتے رہے تھے۔بستی خلیل آباد کے مدرسہ کے بعد حضرت مفتی محمودؒ نے مولانا فضل الرحمٰن کو چاہ دادو والا جھوک وینس بھیجا۔جہاں ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے علاقہ چودھواں کے مولانا محمد امیر صاحبؒ درس و تدریس کی رونق لگائے ہوئے تھے۔ان کو منطق، حکمت، فلسفہ اور دیگر فنون کی کتب میں ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔آپ کے پاس دور دور سے طلباء تکمیل کے لئے داخل ہوتے تھے۔مولانا فضل الرحمٰن اس سال کا بقیہ حصہ اور اگلا مکمل سال وہاں زیر تعلیم رہے۔مولانا محمد امیر صاحبؒ کا 1982ء میں انتقال ہوا۔انتقال سے کچھ عرصہ پہلے چاہ دادو والا جھوک وینس، ضلع ملتان ۔سے اپنے گاؤں علاقہ چودھواں ضلع ڈیرہ اسماعیل خان منتقل

ہو گئے تھے۔راقم الحروف (عبدالحکیم اکبری) کو کئی دن ان کی وفات سے قبل خدمت کا موقع ملا تھا، جب وہ جمعیۃ علماء اسلام ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے دفتر میں مقیم تھے اور ایک مقامی ڈاکٹر کے زیر علاج تھے، راقم الحروف ان دنوں جمعیۃ کا ناظم اعلیٰ جبکہ مولانا فضل الرحمٰن ان دنوں ڈسٹرکٹ جیل ڈیرہ اسماعیل خان میں مقید تھے۔

پہلا سفرِ حج:

مولانا فضل الرحمٰن پہلے حج کی ادائیگی کے لئے جنوری 1972ء ذی اقعدہ ۱۳۹۱ھ میں تشریف لے گئے تھے۔آپ کی دونوں والدہ بھی ہمراہ تھیں۔یہ سفر انہوں نے بحری جہاز کے ذریعہ کیا تھا جبکہ مفتی صاحبؒ بھی اس سال حج کی ادائیگی کے لئے بذریعہ ہوائی جہاز گئے تھے۔

دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک میں داخلہ:

حج کے سفر میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مدرس شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد علی سواتیؒ (المتوفی 1980ء) بھی اسی بحری جہاز میں ان کے ہم سفر تھے۔مولانا محمد علی صاحب "مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے فاضل اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ" کے شاگرد تھے۔تعلیم سے فراغت کے بعد سہارنپور ہی میں مدرس تھے کہ تقسیم ملک کا مرحلہ آیا یہاں آکر آپ نے حکمت آباد (چارسدہ) میں درس کا سلسلہ جاری رکھا۔کچھ عرصہ بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ (المتوفی 1988ء) کی دعوت پر آپ نے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں تدریس کے فرائض سنبھالے۔ بہت قابل استاد اور ماہر مدرس تھے۔طلباء کے ساتھ گھل مل جاتے۔ان کے ساتھ ان کا بہت قریبی اور محبت وشفقت کا تعلق ہوتا تھا۔ان کے ساتھ بہت نرمی اور بے تکلفی فرماتے تھے اور طلباء بھی ان پر جان چھڑکتے تھے لیکن درسگاہ اور خاص طور پر امتحان گاہ میں ان کا بڑا رعب اور دبدبہ ہوتا تھا۔وہاں مار کٹائی سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔جو طالب علم ان کے قریب ہوتا تھا اتنا ہی درس گاہ میں ان سے دبا ہوا اور خائف رہتا تھا۔درسگاہ کے اندر محمد علی صاحبؒ درسگاہ سے باہر کے مولانا محمد علی سے بالکل

مختلف ہوتے تھے۔ بقول مولانا فضل الرحمٰن ''میں نے اپنے علاقے کے طلباء سے مولانا محمد علی صاحبؒ کی بہت تعریف سنی تھی اور ان میں سے بعض نے مجھے ان سے استفادہ کی ترغیب بھی دی تھی۔ حج کی ادائیگی سے واپسی پر حضرت مولانا قاضی عبداللطیف صاحبؒ خلیفہ مجاز حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ مہتمم مدرسہ تعلیم الاسلام حنفیہ، جہلم ہمارے شریک سفر تھے اور ہوائی جہاز میں حجاج کرام کو وعظ و نصیحت بھی فرماتے تھے۔ اس وقت مجھے کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک کے مولانا محمد علی صاحبؒ بھی ہمارے ہم سفر ہیں۔ ایک دن فجر کی نماز کے بعد حضرت قاضی صاحبؒ وعظ فرمارہے تھے کہ میرے قریب ایک بزرگ کمبل اوڑھے ہوئے وعظ کی مجلس میں شریک تھے جب میری نظر ان پر پڑی تو میری چھٹی حس نے گواہی دی کہ ہو نہ ہو یہی بزرگ مولانا محمد علی صاحبؒ ہیں (کیونکہ اس سے قبل ہماری کوئی ملاقات ہوئی تھی اور نہ ہی کوئی جان پہچان تھی) چنانچہ میں نے ان سے استفسار کیا کہ آپ مولانا محمد علیؒ تو نہیں؟ میرے اس طرح کے سوال پر انہوں نے برجستہ پوچھا کہ آپ فضل الرحمٰن تو نہیں؟ اور اس طرح میں ان سے لپٹ گیا۔ انہوں نے بہت ہی پیار، شفقت اور اپنائیت کا اظہار کیا۔ پھر تو روزانہ گھنٹوں ملاقاتوں کا سلسلہ چل نکلا اور ان کے بارے میں جو سنا تھا اس سے بڑھ کر ان کو پایا۔ ایک دن میں نے ان سے علمی استفادہ کی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تمھاری یہ خواہش اس سے قبل بھی مجھ تک پہنچ چکی ہے گویا کہ:

دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی

انہوں نے فرمایا کہ گھر پہنچ کر دارالعلوم حقانیہ آجاؤ وہاں میں آپ کو خود پڑھاؤں گا''۔ بقول مولانا فضل الرحمٰن کے حج سے واپسی پر میں نے اپنے والد صاحب سے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے کے لئے وہاں داخلہ کی خواہش کا اظہار کیا تو آپ نے بخوشی مجھے اجازت مرحمت فرمادی کیونکہ حضرت مفتی صاحبؒ کی بھی یہی خواہش تھی کہ فضل الرحمٰن کو کسی دور دراز کے مدرسہ میں داخل کریں جہاں ان کے ذہن سے صاحبزادگی کا تصور نکل جائے اور بھرپور محنت و توجہ سے اپنے تعلیمی مراحل کی تکمیل کر سکے۔ یہی بات

حضرت مفتی صاحبؒ کے نامور شاگرد مولانا محمد یوسف خان صاحب استاذ الحدیث جامعہ اشرفیہ، لاہور نے لکھی ہے۔

مفتی صاحبؒ کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے اپنی اولاد کو مدرسہ کے نظام اور عمل دخل سے دور رکھا۔ ان کے لڑکوں کو ان کی زندگی میں کوئی فوقیت یا برتری حاصل نہیں رہی جو لڑکا جتنی دیر وہاں پڑھا اسے اسی طرح مدرسہ کے نظام کی پابندی سے گزرنا پڑا اور مفتی صاحبؒ نے ان کے قریب سے بھی یہ خیال نہیں گزرنے دیا کہ ان کا بھی اس مدرسہ سے کوئی غیر معمولی تعلق ہے۔ علاوہ ازیں مفتی صاحبؒ نے کبھی کسی استاد کے سامنے اپنی اولاد کی سفارش نہیں کی۔ کسی کو خصوصی توجہ دینے کا نہیں کہا۔ انہیں اس عادت کا عادی بنایا کہ محنت کریں امتحان دیں اور اچھے نمبر حاصل کریں۔ یہی وجہ تھی کہ مدرسہ کے تمام اساتذہ مفتی صاحب سے ہمیشہ خوش رہتے اور مفتی صاحبؒ کی خوش اخلاقی اور مدرسین کے ساتھ اچھے برتاؤ کے باعث ان کی اولاد پر اساتذہ نے خود بخود ہی توجہ دی۔ ان کے بڑے صاحبزادے مولانا فضل الرحمٰن نے زیادہ تر کتابیں اکوڑہ خٹک میں پڑھی ہیں۔ اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ بعض اساتذہ محض مفتی صاحبؒ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے ان کی تعلیم کا زیادہ خیال کرتے تھے۔ چنانچہ مفتی صاحبؒ نے انہیں اپنے مدرسہ سے دور بھیج دیا تاکہ کوئی استاد اسے زیادہ توجہ دے کر دوسرے طلبہ کی حق تلفی نہ کرے اور طلبہ کے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہ ہو جائے کہ اگر ہم بھی کسی بڑے باپ کے بیٹے ہوتے تو ہمارے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا۔

(قومی ڈائجسٹ: مفتی محمود نمبر، صفحہ 200)

حج سے واپسی کے بعد 19 فروری 1972ء کو آپ نے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں داخلہ لیا۔ چونکہ اس سے قبل 15 شوال سے دارالعلوم میں اسباق شروع ہو چکے تھے اس لئے اس بات کے پیش نظر حضرت مفتی صاحبؒ نے راقم الحروف (عبدالحکیم اکبری) کے نام ایک مکتوب بھی مولانا فضل الرحمٰن کے حوالہ کیا تھا جس میں انہوں نے یہ ہدایات تحریر فرمائی تھیں۔

1۔ فضل الرحمٰن کو اپنے ساتھ کمرہ میں رکھنا۔

2۔ اس سال وہ صرف مولانا محمد علی صاحبؒ کے زیر تعلیم رہے گا۔

3۔ فضل الرحمٰن کا کوئی سبق (نہ اس سال نہ آئندہ) مولانا سمیع الحق کے پاس نہیں ہونا چاہیے۔(یہ آخری بات حضرت مفتی صاحبؒ جب بھی دارالعلوم حقانیہ تشریف لاتے تو دیگر مدرسین، مولانا سمیع الحق اور دارالعلوم حقانیہ کے طلبہ کی موجودگی میں مولانا سمیع الحق کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے کہ میری فضل الرحمٰن کو یہی ہدایت ہے کہ وہ مولانا سمیع الحق کا شاگرد نہیں بنے گا۔اس وقت کے دارالعلوم حقانیہ کے تمام طلباء اس بات کے گواہ ہیں اور یہ واقعہ ایک بار نہیں بلکہ کئی بار واقع ہوا تھا)

راقم الحروف اس سال احاطہ قاسمیہ کے ایک کمرہ میں اپنے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ رہائش پذیر تھا جبکہ احاطہ مدنیہ تعمیر کے آخری مراحل میں تھا جب اس کی تعمیر مکمل ہوگئی تو ہمیں مدرسہ کی انتظامیہ کی طرف سے اس میں ایک کمرہ دیا گیا جس میں مولانا فضل الرحمٰن، مولانا سید عبدالمالک شاہ (المتوفی 10 اکتوبر 2011ء)، مولانا محمود صاحبؒ اور راقم الحروف رہائش پذیر ہوئے۔ مولانا فضل الرحمٰن نے اس تعلیمی سال میں حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ سے کافیہ اور علم نحو، صرف اور منطق کے ان کے اپنے مرتب کردہ قواعد و ضوابط زبانی یاد کئے۔روزانہ عشاء کی نماز کے بعد مولانا فضل الرحمٰن سابقہ قواعد سناتے اور نیا سبق استاد صاحب ان کو پڑھاتے۔اگلے تعلیمی سال سے آپ نے باقاعدہ درجہ میں شامل ہو کر اپنے اسباق کی تکمیل کی۔ شعبان ۱۳۹۹ھ بمطابق جولائی 1979 میں وفاق المدارس العربیہ کے تحت امتحان دے کر وہاں سے سند حدیث حاصل کی۔

دستار فضیلت:

پاک و ہند کے دیگر مدارس کی طرح دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک میں بھی سالانہ جلسہ کا اہتمام ہوتا تھا جس میں اس وقت کے مشائخ عظام اور علماء کرام کی تقاریر کے ساتھ دورہ حدیث میں شریک طلباء کی دستار بندی کرائی جاتی تھی۔ان جلسوں میں قرب و جوار کے علماء و

طلباء کے علاوہ دور دور سے لوگ شرکت کرتے تھے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارلعلوم دیوبند، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ، حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اس جلسہ کے خاص مقررین ہوتے تھے۔ ایک تو علماء وطلباء اور عوام کی کثرت تعداد کی وجہ سے انتظامات میں ہر سال مشکلات پیدا ہو رہی تھیں جس کی وجہ سے دارلعلوم حقانیہ کے سالانہ جلسہ اور فضلاء کی مجموعی دستار بندی کا یہ سلسلہ منقطع کردیا گیا تھا۔ جن دنوں ہم وہاں زیر تعلیم تھے ان دنوں یہ طریقہ تھا کہ کوئی فاضل، دارالعلوم حقانیہ کے دفتر سے سند فضیلت کے حصول کے لئے آتا تو اپنے ساتھ ایک دستار بھی لاتا تھا اس کی طرف سے تمام اساتذہ کرام کو اطلاع دی جاتی تھی اساتذہ کرام کسی بھی نماز کی جماعت کے بعد اس کی دستار بندی فرماتے تھے۔ حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی وفات کے بعد مولانا فضل الرحمٰن صاحب اپنے اساتذہ کی زیارت وملاقات کے لیے دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے تھے۔ مولانا قاری محمد عبداللہ صاحب سابق رکن سینیٹ آف پاکستان اور موجودہ امیر جمعیۃ علماء اسلام، ضلع بنوں کے بقول جبکہ آپ ان دنوں دارالعلوم حقانیہ میں مدرس تھے۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ سے ملاقات وزیارت کے لئے اکوڑہ خٹک کی بستی میں ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ ہم بھی ان کے ہمراہ تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے مکان سے ملحق بیٹھک میں مولانا فضل الرحمٰن کو ملاقات وزیارت کا نہ صرف شرف بخشا بلکہ خوب خاطر وتواضع بھی کی اور بہت ہی شفقتوں سے نواز اور ڈھیر ساری دعائیں دیں۔ اسی میں مولانا فضل الرحمٰن نے عرض کیا کہ حضرت: "آپ کی طرف سے اور دیگر اساتذہ حدیث کی طرف سے سند حدیث کی اجازت تو مل چکی ہے مگر دستار فضیلت حاصل نہیں ہوئی ہے"۔ یہ بات سنتے ہی حضرت شیخ الحدیثؒ نے فوراً اپنا دستار مبارک سر مبارک سے اتار کر مولانا فضل الرحمٰن کے سر پر رکھا اور فرمایا کہ میں اپنی ہی دستار سے تمھاری دستار بندی کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا فضل الرحمٰن کو اس سعادت سے سرفراز فرمایا کہ ان کے اپنے ہی شیخ نے اپنے زیر ستعال دستار سے ان کی دستار بندی فرمائی۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت مفتی صاحبؒ کی عبدالخیل میں نماز جنازہ سے قبل لاکھوں کے مجمع میں جنرل ضیاء الحق، جنرل فضل حق اور دیگر علماء، اکابرین اور حکومتی نمائندوں کی موجودگی میں حضرت سید احمد صاحبؒ سجادہ نشین خانقاہ یٰسین زئی نے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی دستار بندی فرمائی تھی اسی طرح 9، 10، 11 پریل 2001ء کو پشاور میں ڈیڑھ سو سالہ خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس کے موقع پر دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم حضرت مولانا محمد عثمان صاحب نے اعلان کیا کہ اس عظیم الشان کانفرنس میں ہندوستان کے وفد نے فیصلہ کیا ہے کہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن امیر جمعیۃ علماء اسلام، پاکستان کی درالعلوم دیوبند کے اساتذہ دستار بندی کریں گے۔ بیس لاکھ فرزندان توحید کے اجتماع میں مولانا مرغوب الرحمٰن، مولانا اسعد مدنی، مولانا محمد عثمان نے دستار بندی فرمائی یہ ان پر ان کے اعتماد کا اظہار تھا۔

اساتذہ کرام:

گورنمنٹ پرائمری سکول، عبدالخیل: ماسٹر عبدالکریم صاحب، ماسٹر گل اختر صاحب، ماسٹر محمد نواز صاحب، جناب ماسٹر سید امیر حسین شاہ صاحب، جناب ماسٹر عزت شاہ صاحب اور جناب ماسٹر جواہر شاہ صاحب۔

ملت ہائی سکول، ملتان: جناب سید اقبال شاہ صاحب اور جناب مرزا مسرت بیگ صاحب، مرحوم (سید اقبال شاہ، حضرت مفتی صاحب کے انگریزی کے استاد رہے ہیں، مولانا فضل الرحمٰن کے بھی استاد ہیں اور بقول مولانا فضل الرحمٰن کے میں نے اپنے بڑے بیٹے اسعد محمود کو ان کی شاگردی میں دیا تھا۔ یوں وہ تین نسلوں کے استاد رہے ہیں)

عبدالخیل: خلیفہ محمد صاحبؒ سے ابتدائی قاعدہ، ناظرہ قرآن مجید، فارسی کے ابتدائی اسباق:

مدرسہ قاسم العلوم ملتان:

والد بزرگوار حضرت مفتی محمود صاحبؒ سے علم قرأت (مشق)۔ مولانا مفتی عبداللطیفؒ

سے علم صرف ونحو کی ابتدائی کتب، کریما، پند نامہ، گلستان۔ مولانا محمد اکبر صاحب مدظلہ، مولانا قاری محمد طاہر رحیمی صاحبؒ سے جمال القرآن۔

مدرسہ شادن لُنڈ، ضلع ڈیرہ غازی خان:

مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب گورمانی سے اعجاز الصرف وغیرہ، مولانا عبدالغفور صاحب گورمانی سے نحو اور علم منطق کے ابتدائی مسائل۔

مدرسہ چاہ دادو والا جھوک وینس:

مولانا محمد امیر صاحبؒ سے شرح مأتہ عامل، ہدایۃ النحو، مرقات اور رسائل منطق۔

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک:

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ سے بخاری شریف جلد اول (ابتدائی چند ابواب)

مولانا محمد حسن جان شہیدؒ سے بخاری شریف جلد اول، ترمذی شریف، (جبکہ سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، موطائین، شمائل ترمذی اور جلالین جلد ثانی (خارجی وقت میں)۔

مولانا عبدالحلیم زروبویؒ سے مسلم شریف، بخاری شریف جلد ثانی، بیضاوی شریف اور توضیح تلویح۔

مولانا مفتی محمد فرید صاحب سے بخاری شریف (چند ابواب) ابوداؤد شریف، جلالین، شرح جامی (معرب)۔

مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحبؒ سے مقامات، نور الانوار وغیرہ۔

مولانا عبدالغنی صاحب سے مشکوٰۃ شریف جلد ۲، شرح چغمینی، حمد اللہ، تحریر اقلیدس، صدرا وغیرہ۔

مولانا محمد علی سواتیؒ سے کافیہ، مختصر المعانی، ہدایہ ثالث و رابع، طحاوی شریف، ترمذی شریف جلد ثانی۔

مولانا محمد ہاروت صاحبؒ سے سلم العلوم، میبذی، حسامی، شرح تہذیب وغیرہ۔

مولانا فضل مولیٰ صاحبؒ سے شرح عقائد مع خیالی، مشکوٰۃ شریف، میر زاہد ملا

جلال، مطول۔

مولانا عبدالحلیم ڈیروی مدظلہ سے ہدایہ اولین، دیوان متنبی، حماسہ وغیرہ۔

قاری علی الرحمٰنؒ سے مشق وحدر۔

مولانا فضل الرحمٰن کو اپنے اساتذہ کے علاوہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی طرف سے بھی سند حدیث حاصل ہے۔ راقم الحروف کو بھی ان کے ساتھ ساتھ سند حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ایک مرتبہ تبلیغی اجتماع، رائیونڈ کے موقع پر حضرت مفتی صاحبؒ کی حضرت شیخ الحدیثؒ صاحب سے ملاقات کے وقت مولانا عبید اللہ انور صاحبؒ، جناب عبدالحمید بٹ صاحب، مولانا فضل الرحمٰن اور راقم بھی موجود تھے۔ مولانا فضل الرحمٰن کی خواہش پر حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب نے حضرت شیخ الحدیثؒ سے سند حدیث کی اجازت کا اظہار کیا جس پر حضرت شیخ الحدیث نے طحاوی شریف کی حدیث کی کتاب منگوا کر اس کی پہلی حدیث سنانے کا حکم دیا اور اسے سن کر اجازت مرحمت فرمادی۔ راقم الحروف کے عرض کرنے پر راقم کو بھی سند عطا کر دی۔

تدریس:

دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک سے دورہ حدیث کی تکمیل کے بعد اگلے تعلیمی سال شوال ۱۳۹۹ھ بمطابق ستمبر 1979ء سے آپ نے اپنے والد گرامی اور دیگر اساتذہ کی نگرانی میں مدرسہ قاسم العلوم، ملتان سے تدریس کا آغاز کیا۔ اسباق کے ساتھ ساتھ کچھ وقت دارالافتاء کو بھی دیتے تھے اور فقہی سوالات کی تحقیق کر کے جوابات تحریر کرتے تھے۔ آپ کا مدرسہ قاسم العلوم ملتان سے یہ تعلق 1985ء تک قائم رہا۔ اگرچہ وقتاً فوقتاً آپ کی گرفتاری اور قید و بند کا سلسلہ بھی جاری تھا مگر جب بھی رہائی ملتی تو تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔

بیعت واجازت:

ظاہری تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ باطنی علوم کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ جانشین خانقاہ یٰسین زئی حضرت صاحبزادہ سید احمد صاحبؒ

سے بیعت ہوئے۔ دو مہینے مسلسل شعبان و رمضان آپ حضرت صاحبؒ کی خدمت میں خانقاہ ہی میں رہے۔ اور وظائف و لطائف کی تکمیل کرتے رہے۔ تدریسی مشغولیت اور حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات کی وجہ سے مصروفیت کی بناء پر اگرچہ آپ اس طرف مکمل توجہ نہ دے سکے۔ مگر جب آپ کی گرفتاری عمل میں آئی اور آپ ڈسٹرکٹ جیل، ڈیرہ اسماعیل خان میں قید تھے تو راقم کے ذریعہ آپ کا رابطہ اپنے پیرومرشد حضرت صاجزادہ سید احمد صاحبؒ کے ساتھ ہوتا تھا اور یوں آپ نے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے بنوریہ سلسلے کے وظائف و لطائف کی تکمیل کی جس پر حضرت صاحبؒ نے آپ کو مجاز بیعت قرار دیا۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ شہید، خلیفہ مجاز حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے بھی جب عرفات کے میدان میں حج میں شریک تھے تو آپ کو چاروں سلسلوں میں اپنی خواہش پر مجاز فرمایا تھا۔

مدرسہ تعلیم القرآن، عبدالخیل کا اہتمام:

حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی نگرانی اور اہتمام میں عبدالخیل میں "مدرسہ تعلیم القرآن" کی بنیاد رکھی جس میں گاؤں کے بچوں، بچیوں کو حفظ و ناظرہ اور ابتدائی درجات کی کتب کی تعلیم دی جاتی تھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے شاگرد اور مدرسہ کی عمارت کے لئے اپنی زمین وقف کرنے والے مولانا احمد دینؒ مدرسہ کے ناظم تھے۔ مفتی صاحبؒ جب بھی تعطیلات کے موقع پر عبدالخیل تشریف لاتے تو مدرسہ کا معائنہ فرماتے اور گاؤں والوں کا اجلاس بلا کر اس کی بہتری کے لئے مزید اقدامات کے بارے میں ان سے مشورہ کرتے اور تجاویز لیتے تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات کے بعد مولانا فضل الرحمٰن اس مدرسہ کے مہتمم مقرر ہوئے ہیں ان کے دور میں مدرسہ نے مزید ترقی کے مراحل طے کئے ہیں۔ بچیوں کے لئے علیحدہ تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔

جامعۃ المعارف الشرعیہ، ڈیرہ اسماعیل خان:

ڈیرہ اسماعیل خان شہر میں عرصہ سے ایک اعلیٰ دینی درسگاہ کی ضرورت محسوس کی جا رہی

تھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ کو بھی اس ضرورت کا احساس تھا جس کا وہ کئی مرتبہ اظہار بھی کر چکے تھے مگر اپنی مصروفیات کی وجہ سے وہ اس کو عملی جامہ نہ پہنا سکے تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات کے بعد جب علماء کا مولانا فضل الرحمٰن پر اصرار بڑھا تو انہوں نے اپنی سرپرستی اور اہتمام میں جامعۃ المعارف الشرعیہ کی بنیاد رکھی۔ جامعۃ المعارف الشرعیہ کا سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب میں حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ، حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ، رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل عبداللہ عمر نصیف، جامعہ ازہر مصر، جمعیۃ الدعوۃ طرابلس لیبیا کے وفود کے علاوہ بہت بڑی تعداد میں ملکی اور علاقائی علماء اور جمعیۃ علماء اسلام کے کارکنوں نے شرکت کی۔ ابتدائی چند سال ایک عارضی عمارت میں تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا گیا بعد میں جب اس کی اپنی عمارت مکمل ہوئی تو 1992ء میں اس کو مستقل عمارت میں منتقل کر دیا گیا۔ اس جامعہ میں حفظ و ناظرہ سے لے کر دورہ حدیث تک تمام درجات کے اسباق کی تعلیم دی جاتی ہے۔ وفاق المدارس العربیہ، پاکستان سے اس کا الحاق ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن کی سیاست میں آمد:

صدر محمد ایوب خان نے جب ہمہ گیر عوامی احتجاج کی وجہ سے 25 مارچ 1969ء کو اقتدار بری فوج کے کمانڈر انچیف جناب جنرل یحییٰ خان کے سپرد کیا تو جنرل یحییٰ خان نے ملک میں مارشل لاء نافذ کر کے سیاسی جماعتوں پر پابندی لگادی۔ 1962ء کے آئین کو منسوخ کیا مگر ان پابندیوں کے باوجود جمعیۃ علماء اسلام کے اکابرین نے "نظام العلماء" کے نام سے اپنی دینی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ 29 نومبر 1969ء کو جنرل یحییٰ نے اپنی نشری تقریر میں یکم جنوری 1970ء سے سیاسی پابندیاں ہٹانے اور 7 دسمبر 1970ء کو ملک میں قومی اسمبلی کے الیکشن کے انعقاد کا اعلان کیا۔ 15 شعبان سے 15 شوال تک دینی مدارس میں سالانہ تعطیلات رہتی ہیں اس سال یہ 15 اکتوبر سے 15 دسمبر کی تاریخیں بنتی تھیں۔ جمعیۃ علماء اسلام نے ملک کے دونوں حصوں مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان میں اپنے امیدوار کھڑے کیے تھے۔ ملکی تاریخ میں یہ بہت بھرپور انتخابی مہم تھی اور خاص طور پر جمعیۃ علماء اسلام کے لئے

اس الیکشن کی یوں بھی اہمیت تھی کہ ایک طرف بعض علماء نے جمعیۃ علماء اسلام کی مخالفت میں سرتوڑ کوششیں شروع کی ہوئی تھیں دوسری طرف حضرت مولانا مفتی صاحبؒ کے مقابلہ میں جناب ذوالفقار علی بھٹو نے ڈیرہ اسماعیل خان کی قومی اسمبلی کی نشست پر الیکشن لڑنے کا اعلان کر دیا تھا۔ وہ اس کے علاوہ بھی پانچ نشستوں سے الیکشن لڑ رہا تھا۔ اس لئے ان حالات میں مفتی محمودؒ کے گھر پیدا ہونے والا بچہ جو کہ اس وقت نوجوانی کی عمر میں قدم رکھ چکا تھا کیسے سیاست سے دامن بچا سکتا تھا۔ ان دنوں حضرت مفتی صاحبؒ ملکی اور بین الاقوامی حالات کے تناظر میں دلائل سے بھر پور بہت جذباتی تقریریں کرتے تھے۔ مولانا فضل الرحمٰن بھی حضرت مفتی صاحبؒ ہی کے انداز میں عام جلسوں سے خطاب کیا کرتے تھے۔ ڈیرہ اسماعیل خان کی مفتی صاحب کی نشست کو جیتنے اور بھٹو صاحب کو شکست دینے کے لئے جمعیۃ علماء اسلام کے رہنماؤں اور کارکنوں نے دن رات ایک کر دیا تھا۔ وہ ہر حال میں اس نشست کو جیتنا چاہتے تھے۔ راقم بھی اسی سال مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ میں زیر تعلیم تھا اور سالانہ تعطیلات کے موقع پر گاؤں آیا ہوا تھا۔ اس الیکشن کی مہم میں اکثر دیہات کے دوروں میں راقم مولانا فضل الرحمٰن کے ہمراہ ہوتا تھا۔ بستی بستی، گاؤں گاؤں پیدل سفر کئے جاتے تھے۔ روزہ کی حالت میں بعض دفعہ سحری سے لے کر افطاری تک مسلسل سفر ہوتا تھا۔ الیکشن کے نتائج کے اعلان کے مطابق جناب ذوالفقار علی بھٹو پانچ حلقوں سے قومی اسمبلی کی نشستیں جیت چکے تھے۔ جبکہ ڈیرہ اسماعیل خان کی نشست وہ تیرہ ہزار (13000) ووٹوں سے حضرت مفتی صاحب سے شکست کھا چکے تھے۔ اس الیکشن میں دوڑ دھوپ، عوام سے رابطہ اور دیہاتوں کا یہ دورہ مولانا فضل الرحمٰن کی سیاست میں آمد کا آغاز تھا۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں دوران تعلیم آپ نے جمعیۃ طلباء اسلام کا رکنیت فارم پر کیا تھا۔ جمعیۃ طلباء اسلام کے ایک فیصلے کے تحت صوبہ خیبر پختونخواہ میں دینی مدارس میں تنظیم کی تشکیل کے لئے علیحدہ باڈی تشکیل دی گئی تھی اور راقم کو اس کا صوبائی کنوینئر مقرر کیا گیا تھا مگر جب راقم کو 1976ء میں جمعیۃ طلباء اسلام کی مرکزی کنوینگ باڈی کا صدر مقرر کیا گیا جس کے ذمہ ملکی سطح پر تنظیموں کا قیام عمل

میں لانا لگایا گیا تھا تو اس دوران صوبہ صرحد کے صوبائی انتخابات میں مولانا فضل الرحمٰن صوبائی صدر منتخب کئے گئے تھے جب کہ ان کے ساتھ صوبائی ناظم اعلیٰ حافظ بشیر احمد کمال (گورنمنٹ ڈگری کالج مردان) موجودہ ڈپٹی ڈائریکٹر دعوۃ اکیڈمی (فیصل مسجد) انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد منتخب کئے گئے تھے۔ مولانا فضل الرحمٰن کے اس عہدہ پر انتخاب کی اجازت راقم نے حضرت مفتی صاحبؒ سے خود بذریعہ فون لی تھی۔ 1977ء میں بھٹو حکومت کے خلاف پاکستان قومی اتحاد کی ملک گیر احتجاجی تحریک میں مولانا فضل الرحمٰن نے جمعیۃ طلباء اسلام کی نمائندگی کرتے ہوئے پشاور میں صوبائی اسمبلی کے گھیراؤ کے لئے نکالی جانے والی ریلی کے قائدین میں آپ بھی شامل تھے جس میں آپ کی گرفتاری عمل میں آئی تھی اور آپ کو ہری پور جیل میں رکھا گیا تھا جہاں پہلے سے ان کے والد گرامی حضرت مفتی صاحبؒ سینکڑوں علماء اور ہزاروں کارکنوں کے ساتھ قید تھے۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد مولانا فضل الرحمٰن نے اپنی پوری توجہ درس و تدریس اور مطالعہ کتب کی جانب مبذول کر رکھی تھی کہ اس دوران حضرت مفتی صاحبؒ کے انتقال کا سانحہ پیش آگیا۔ امیر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ نے آپ کو جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ کا رکن اور مجلس عاملہ میں ناظم اول مقرر کیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی جگہ ناظم عمومی کے انتخابات کا جب مرحلہ آیا اور اس کے لئے جمعیۃ علماء اسلام کی مرکزی مجلس عمومی کا اجلاس طلب کیا گیا تو ان دنوں مولانا فضل الرحمٰن جیل میں تھے مگر ارکان نے بھاری اکثریت سے آپ ہی کا انتخاب کیا۔ 28 مارچ 1995ء سے تا حال آپ جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی امیر ہیں۔

مولانا فضل الرحمٰن پارلیمنٹ میں:

1988ء کے عام انتخابات میں آپ ڈیرہ اسماعیل خان کی نشست سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے۔ 1993ء کے جنرل الیکشن میں بھی آپ اسی نشست سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی برائے امور خارجہ کے چیئرمین منتخب ہوئے۔

2002ء کے عام انتخابات میں آپ نے NA/ 24اور NA /25 کی دونشستوں ڈیرہ اسماعیل خان اور ٹانک سے حصہ لیا تھا اور کامیاب ہوئے تھے۔ بعد ازاں ایک نشست چھوڑ کر اس پر ضمنی الیکشن میں اپنے بھائی مولانا عطاء الرحمٰن کو کامیاب کروایا۔ آپ قومی اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر تھے۔ فروری 2008ء کے عام انتخابات میں آپ بنوں کی قومی اسمبلی کی نشست NA /26 سے منتخب ہوئے ہیں اور قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی برائے امور کشمیر کے چیئرمین ہیں۔ آپ ہی ہمیشہ اپنی جماعت کے قومی اسمبلی میں پارلیمانی لیڈر رہے ہیں۔ اس حیثیت سے قومی اسمبلی کے آئینی امور میں آپ کا نہایت فعال کردار رہا ہے۔ آپ نے قومی اسمبلی کے فلور پر علاقائی مسائل کو بھی اجاگر کرنے اور ان کے حل کے لئے حکومت کو متوجہ کرنے کا فریضہ احسن طریقہ سے سرانجام دیا ہے۔

بیرون ملک اسفار:

مولانا فضل الرحمٰن نے اپنی زندگی کا پہلا بیرونی سفر حج کے لئے 1972ء میں کیا۔ 1985ء کے بعد اب تک سوائے تین چار بار آپ ہر سال حج کی ادائیگی کے لئے تشریف لے جاتے رہے۔ حج کی ادائیگی کی صحیح تعداد شاید خود ان کو بھی یاد نہ ہو۔ تقریباً سال میں ایک بار ضرور اور کبھی اس سے زیادہ مرتبہ عمرہ کی ادائیگی کی توفیق ان کو ملتی رہتی ہے۔ مارچ 1980ء میں دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جشن میں شرکت کے لئے حضرت مفتی صاحب کی معیت میں تشریف لے گئے تھے۔ 1985ء میں دہلی میں شیخ الہند سیمینار میں شرکت کے لئے علماء کا ایک وفد لے کر گئے تھے۔ اس کے بعد متعدد بار ہندوستان کے دورے پر گئے ہیں۔ 1993ء میں آپ کو قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی برائے امور خارجہ کا چیئرمین منتخب کیا گیا، اس حیثیت سے آپ نے متعدد ممالک کے دورے کئے ہیں۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے آپ نے خطاب فرمایا ہے۔ اس کی سیکیورٹی کونسل سے بھی آپ کو خطاب کا موقع ملا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ کون سے ممالک ہیں جہاں آپ نہیں گئے تو ان کو گنا جاسکتا ہے مگر یہ کہ وہ کون سے ممالک ہیں جہاں آپ تشریف لے گئے ہیں تو ان کو گننا

شاید مشکل ہو جائے۔بعض ممالک تو ایسے ہیں جہاں آپ نے متعدد بار سفر کئے ہیں۔

قید و بند:

حق کی خاطر قید و بند اور جیل جانا پیغمبرانہ سنت ہے۔اہل حق کو ہمیشہ ایسے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جہاں سے وہ کندن بن کر نکلتے ہیں۔ہر دور میں اہل حق کا یہ وطیرہ رہا ہے اور حق گوئی و بیباکی اور سلطان جابر کے سامنے کلمہ حق کہنے کی پاداش میں گرفتاری و نظر بندی اور جائیداد کی ضبطگی کو حقانیت کا اعلیٰ معیار سمجھا جاتا ہے۔مولانا فضل الرحمٰن بھی قید و بند کے مراحل سے بار بار گزرے ہیں۔مجموعی طور پر ساڑھے پانچ سال آپ کی قیمتی زندگی کے قید و بند اور نظر بندی کی نظر ہو چکے ہیں جنہیں آپ نے نہایت خندہ پیشانی، جرأت و استقلال سے حوالہ زنداں کیا ہے اور کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لائے ہیں۔

شادی و اولاد:

28 مئی 1980ء کو حاجی فیض اللہ خان کی بیٹی سے آپ کی شادی ہوئی۔حضرت مفتی صاحبؒ دلہن لانے کے لئے خود عبدالخیل سے پشاور بارات کے ساتھ گئے تھے۔حاجی فیض اللہ خان احمد خیل شرقی ضلع لکی مروت کے ایک معزز قریشی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔پاکستان آرمی سے صوبیدار میجر ریٹائرڈ ہونے کے بعد گورنمنٹ ٹرانسپورٹ سروس سے بطور سٹور آفیسر وابستہ ہوگئے تھے وہاں سے ریٹائرمنٹ کے بعد آپ نے پشاور میں ذاتی کاروبار شروع کیا تھا۔پشاور ہی میں ذاتی مکان بنوا کر آپ نے وہاں رہائش اختیار کر لی تھی۔2010ء میں گزشتہ سال ان کا انتقال ہو گیا تھا بہت ہی نیک، صالح، معاملہ فہم اور علماء و بزرگان دین کے بڑے قدردان تھے۔ان کے تین بیٹے ہیں۔بڑے بیٹے عبید اللہ گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان میں آفس سپرنٹنڈنٹ ہیں۔

مولانا فضل الرحمٰن کے تین بیٹے اور تین ہی بیٹیاں ہیں۔بڑے صاحبزادے مولانا اسعد محمود جامعہ خیر المدارس، ملتان کے فارغ التحصیل ہیں۔بی۔اے کر چکے ہیں اور اس سال سے جامعہ قاسم العلوم، ملتان میں تدریس کے شعبہ سے منسلک ہیں۔دوسرے صاحبزادے

انس محمود جامعہ قاسم العلوم، ملتان میں اس سال موقوف علیہ (درجہ عالیہ) کے طالب علم ہیں وہ بھی بی۔اے پرائیویٹ طور پر پاس کر چکے ہیں۔ تیسرے صاحبزادے اسجد محمود حافظ قرآن ہیں۔سکول اور دینی تعلیم کے طالب علم ہیں جبکہ آپ کی دو بیٹیاں شادی شدہ ہیں دونوں عالمہ ہیں جبکہ چھوٹی بیٹی ابھی زیر تعلیم ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن کی شخصیت و کردار میں حضرت مفتی محمودؒ کی تربیت کا حصہ:

حضرت مفتی صاحبؒ کا سانحہ ارتحال ملک وقوم کے لئے بڑا دھچکا تھا یہی وجہ تھی کہ آپ کی وفات کی خبر سن کر ہر پاکستانی عموماً اور طلباء وعلماء خصوصاً غم واندوہ میں ڈوب گئے تھے۔یہ جہاں جمعیۃ علماء اسلام، پاکستان کے لئے ایک عظیم نقصان تھا وہاں ملک وقوم کے لئے بھی ایک عظیم حادثہ تھا۔یہی وجہ تھی کہ کئی دن تک ملکی و بین الاقوامی نشریاتی ادارے آپ کی وفات پر پروگرام نشر کرتے رہے تھے۔بہت سے شعراء نے مرثیے لکھے، بہت سے اخبارات و رسائل نے خصوصی نمبر شائع کئے اور مضامین کا تو کوئی شمار نہیں جو آپ کی خدمات پر لکھے گئے۔

آپ کی وفات کا سب سے بڑا صدمہ فطری طور پر آپ کے خاندان کو سہنا پڑا۔ چونکہ آپ کے خاندان میں اب مولانا فضل الرحمٰن ہی بڑے تھے اس لئے ان کو جو دلی صدمہ پہنچا ہوگا ہر شخص اس کا اندازہ نہیں کرسکتا۔مگر اس جانکاہ صدمہ کے باوجود آپ نے حضرت مفتی صاحبؒ کے چھوڑے ہوئے مشن کو آگے بڑھانے کا فیصلہ کیا۔مفتی صاحبؒ کی وفات کے کچھ دنوں بعد جمعیۃ علماء اسلام، کراچی نے آپ کی یاد میں ایک پروگرام کا اہتمام کیا اور اس میں انہوں نے مولانا فضل الرحمٰن کو بھی شرکت کی دعوت دی وہاں مولانا فضل الرحمٰن نے اپنے جن خیالات کا اظہار کیا اس میں انہوں نے حضرت مفتی صاحبؒ کے مشن کے لئے اپنی زندگی وقف کرنے کا اعلان کیا۔آپ کی اس تقریر سے جمعیۃ علماء اسلام کے کارکنوں کے حوصلے بلند ہوئے اس کے ساتھ ساتھ وہ تقریر آپ کی پوشیدہ صلاحیتوں کے اظہار اور سامعین کو اس کے پرکھنے کا ایک بہترین موقع تھا۔ادھر مارشل لاء حکومت بھی چوکنا ہوگئی۔کراچی کے بعد آپ کا دوسرا پروگرام کوئٹہ میں تھا۔آپ کوئٹہ جارہے تھے کہ آپ کو وہاں تحویل میں لے کر حکومت نے

صوبہ بدر کیا اور پھر آپ کی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ لیکن آپ نے ہمت نہیں ہاری۔ خود بھی حوصلہ سے رہے اور جمعیۃ کے کارکنوں کو بھی حوصلہ کا پیغام دیتے رہے۔ آپ نے اگر ایک طرف جمعیۃ علماء اسلام کی تنظیم کو برقرار اور فعال رکھا تو دوسری طرف قومی و بین الاقوامی سیاست میں آپ کے فعال کردار نے بہت سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ ان حالات میں یہ سوال بھی اٹھنے لگا کہ اتنی کم عمری اور ناتجربہ کاری کے باوجود یہ صلاحیتیں آپ میں کیسے سامنے آئیں۔ یہ فیضان نظر تھا یا مکتب کی کرامت تھی۔ شروع میں لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی گئی کہ یہ تو بچہ ہے یہ سیاست کی وادی کے نشیب و فراز کو کیا جانے۔ یہ علماء کا اعتماد حاصل کرنے کے لائق ہے اور نہ ہی دیگر سیاسی و مذہبی رہنماؤں کے شانہ بشانہ کھڑے ہونے کے قابل ہے۔

اس سلسلہ میں راقم کچھ حقائق کو خود حوالہ قلم و قرطاس کرنے کے بجائے کیوں نہ مولانا فضل الرحمٰن کے اس مضمون کو اپنی اس تحریر کا حصہ بنائے جس میں انہوں نے واضح طور پر اپنی شخصیت کی کردار سازی میں حضرت مفتی صاحب کی تربیت اور انداز تربیت کو نہایت خوبصورت پیرایہ میں تحریر کیا ہے۔ آپ کا یہ انٹرویو مضمون کے انداز میں ماہنامہ قومی ڈائجسٹ (مفتی محمود نمبر) لاہور میں شائع ہوا ہے۔ جس سے ہر پڑھنے والے کو بخوبی اس بات کا اندازہ ہوسکے گا کہ حضرت مفتی صاحبؒ باوجود تعلیمی و سیاسی مصروفیات اور شب و روز اسفار میں مشغولیت کے اپنی اولاد کی تربیت سے کبھی غافل نہیں رہے تو دوسری طرف ان کی اولاد نے بھی اپنے عظیم والدؒ کی عظیم دینی، علمی اور سیاسی خدمات کی لاج رکھتے ہوئے اپنے لئے جس راستے کا انتخاب کیا وہ واقعتاً اسی کے مستحق تھے۔ وہ (مولانا فضل الرحمٰن) لکھتے ہیں:

”کسی شخص کی عزت و عظمت کا اندازہ اس کے نام و نسب سے نہیں بلکہ سیرت و کردار اور علم و فضل سے ہوتا ہے۔ تاہم نام و نسب سے بھی بسا اوقات کسی کی خاندانی روایات، علمی برتری اور روحانی وجاہت سامنے آتی ہے۔ میں اسے خدا کا فضل و کرم سمجھتا ہوں کہ میرے والد محترم مفتی محمودؒ صاحب کو قدرت نے یہ دونوں شرف عطا فرمائے۔ ہمارا

خاندان کئی پشتوں سے علم وفضل اور روحانیت کے حوالہ سے پہچانا جاتا تھا۔لیکن ہمارے روحانی سلسلہ میں ذکروفکر کی محفلیں عام نہیں۔یہاں روحانی علوم کو سینہ بہ سینہ سکھایا اور چلایا جاتا ہے۔ذکر بھی آہستہ کیا جاتا ہے کوئی باقاعدہ خانقاہ ہے نہ چلہ کشی،ریا ہے نہ دکھلاوا۔بس ایک محنت ہے جو سالک سے کرائی جاتی ہے۔جس سے اس کا باطن روشن ہوتا ہے اور اس محنت سے حلقہ ذکر کے بہت کم لوگ باخبر ہوتے ہیں۔مفتی صاحبؒ کے علاوہ ہمارے تایا خلیفہ محمد اور چچا محمد بھی عالم تھے۔ہمارے دادا مولانا محمد صدیق بھی اپنے دور کے عالم و عارف انسان تھے ان سے آگے ان کے والد اور دادا بھی علم وفضل کے حامل تھے۔اس طرح ہمارا خاندان برسوں سے علم کا گہوارا چلا آرہا ہے۔

میں سن شعور کو پہنچا تو اپنے والد کو تعلیم و تدریس میں مشغول پایا۔وہ اس زمانے میں مدرسہ قاسم العلوم کے استاد تھے۔تدریس کا یہ منصب کوئی غیر معمولی نہیں ہوتا لیکن ہماری نظر میں یہ اس وقت غیر معمولی تھا۔ہم سمجھتے تھے ہمارے والد عام لوگوں سے مختلف ہیں۔لوگ ان کی عزت کرتے ہیں۔انہیں جھک جھک کر سلام کرتے ہیں۔وہ گھر آتے ہیں تو گاؤں سے باہر ان کے ساتھ جاتے ہیں ہم سوچتے تھے ہمارا باپ گاؤں کا نمبردار ہے نہ جاگیردار نہ وڈیرا،نہ کسی کو کچھ دیتا ہے نہ کسی کا کوئی کام کرتا ہے اس کے باوجود لوگ ان سے محبت کرتے ہیں۔اس کا سبب یہی ہے کہ یہ ایک دینی مدرسہ کا استاد ہے۔اس لئے دینی مدرسے کا استاد ہم بچوں کی نظر میں بہت بڑا آدمی ہوتا تھا۔لیکن ایک طرف ہماری عقل بڑھ رہی تھی تو دوسری طرف ان کی عظمت میں اضافہ ہو رہا تھا۔چنانچہ 1962ء میں جب وہ قومی اسمبلی کے ممبر بنے تو اس احساس میں مزید اضافہ ہو گیا کہ ہمارے والد غیر معمولی آدمی ہیں۔یہ ایسی جگہوں پر جاتے ہیں جہاں لوگوں کے مسائل پر بحث ہوتی ہے۔حق داروں کو ان کا حق دلایا جاتا ہے اور مظلوموں کو انصاف مہیا کیا جاتا ہے۔ان دنوں لوگ ان کے پاس اپنے مسائل لے کر آتے ہم ان کی خدمت کرتے۔ہمیں ان کی خدمت کرتے ہوئے کوئی تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی تھی کیونکہ ہمارے چھوٹے سے ذہن میں یہ بات موجود تھی کہ یہ لوگ ہمارے باپ کو بڑا

سمجھتے ہیں اس لئے ہمیں ان کی خدمت کرنی چاہیے۔

1965ء میں جب میں چھٹی جماعت کا طالب علم تھا تو والد صاحب کو صدر ایوب خان نے بلایا۔ان کا کہیں جانے کا پروگرام تھا وہ اپنا پروگرام ملتوی کر کے اسلام آباد تشریف لے گئے۔مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میرے والد کو عام لوگ ہی اپنے گھر نہیں بلاتے ہمارے ملک کا صدر بھی ان کی عزت کرتا ہے۔اس ملاقات کی تصویر اخبارات میں چھپی تو ایوب خان کے ساتھ والد صاحب کے علاوہ مولانا غلام غوث ہزاروی اور دوسرے افراد بھی موجود تھے ۔میں نے یہ تصویر کاٹ کر اپنی کتاب میں رکھ لی۔مجھے پہلی بار معلوم ہوا کہ ہمارے ملک میں اور بھی بڑے لوگ ہیں جن کی ہمارے والد کی طرح لوگ عزت کرتے ہیں۔ایک دفعہ والد صاحب میرا امتحان لے رہے تھے کہ کتاب میں رکھی ہوئی اس تصویر پر ان کی نظر پڑ گئی۔مجھ سے پوچھا تم نے یہ تصویر کیوں رکھی ہے؟ میں نے جواباً کہا کہ مجھے آپ کی تصویر اچھی لگی اور میں نے کتاب میں رکھ لی۔کہنے لگے مسلمان بچے تصویریں نہیں سنبھالا کرتے۔اس تصویر میں غیر لوگ بھی بیٹھے ہوئے ہیں اگر اس پر ہمارے گھر کی کسی عورت کی نظر پڑی تو بہت گناہ ہوگا۔مسلمان عورتیں غیر مردوں کی تصویریں نہیں دیکھا کرتیں۔میں نے تصویر اسی وقت ضائع کردی اور مجھے یہ تصویر ضائع کرنے کا کوئی رنج نہیں ہوا کیونکہ میں سمجھ گیا تھا کہ یہ کوئی اچھا کام نہیں۔مجھے انہوں نے پیار محبت سے اس طرح بات سمجھائی کہ کم عمری میں ہی مجھے دو مسئلے معلوم ہوگئے۔ایک یہ کہ تصویر رکھنا بری بات ہے اور دوسرا یہ کہ عورتوں کے لئے غیر مردوں کا دیکھنا ہی حرام نہیں بلکہ ان کی تصویر دیکھنا بھی حرام ہے۔

جوں جوں میری عمر بڑھتی گئی ان کی عزت وشہرت میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔جب بڑا ہو کر مجھے اچھے برے کی تمیز ہوئی تو میرے چھوٹے سے ذہن میں ان کی جو قد آور شخصیت تھی وہ چھوٹی نہیں ہوئی بلکہ پہلے سے زیادہ بڑی اور پر کشش نظر آنے لگی۔اگر بات گھر کے حوالے سے کی جائے تو مجھے اپنے عہد شباب سے لڑکپن کے دور تک جانا ہوگا جہاں میں تھا اور ان کی گود تھی۔ان کے شانے تھے اور میرا وجود،میرا کھیلنا اور ان کا کھلانا تھا،میری طفلانہ شوخیاں

تھیں اور ان کا محبت آمیز تبسم تھا، میرا تکرار تھا اور ان کا پیار، میرا مچلنا تھا اور ان کا بہلانا تھا، میری ضد تھی اور ان کی دانائی، میرا ہاتھ تھا اور ان کی انگلی۔ وہ مجھے ساتھ لے کر چلتے تھے اور میں ان کے ساتھ چل کر نہ صرف خوش ہوتا تھا بلکہ ہمیشہ کوئی نئی بات سمجھتا اور سیکھتا تھا لیکن گیا وقت واپس نہیں آسکتا۔ بیتے لمحات پلٹ نہیں سکتے۔ گزرا دور لوٹنا ممکن نہیں۔ گزشتہ ساعتیں حال میں نہیں آسکتیں۔ ماضی کو حال و مستقبل نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ یہ طویل داستان ہے جسے زبان وقلم سے بیان نہیں کیا جاسکتا صرف محسوس کیا جاسکتا ہے لیکن اپنی تربیت کے حوالہ سے کچھ کہنا آسان ہے اس لئے کہ وہ تربیت میرے حال سے پیوست ہے۔ مجھے وہ دور خواب کی طرح یاد ہے جب وہ مدرسہ (ملتان) سے چھٹی پر گھر (عبدالخیل) آتے تھے اور چند دنوں کے بعد واپس چلے جاتے تھے۔ واپسی کے وقت میں ان سے لپٹ کر ضد کرتا تھا کہ مجھے ساتھ لے جائیں۔ وہ ہر بار یہ کہہ کر مجھے مطمئن کرتے تھے کہ میں جلد واپس آؤں گا اور پھر تمھیں کھلاؤں گا۔ تمھارے لئے چیزیں بھی لے کر آؤں گا۔ اس وقت ہمارے گھر (گاؤں) تک کوئی سواری نہیں جاتی تھی۔ لوگ اونٹوں پر سفر کیا کرتے تھے۔ والد صاحب بھی اونٹ پر سوار ہو کر گھر پہنچتے اور جاتے وقت بھی اونٹ پر بیٹھ کر گاؤں سے رخصت ہوتے چونکہ ان کی وضع قطع دوسرے لوگوں سے مختلف تھی اس لئے جب گھر آتے تو دور سے ہی ان کی سواری دیکھ کر ہم انہیں پہچان لیتے اور خوشی سے بھاگم بھاگ ان کی طرف چلے جاتے اور وہ مجھے اپنے ساتھ سوار کر کے گھر تک لاتے۔ میں ان کے دیر سے آنے کی شکایت کرتے ہوئے کہتا آپ کہہ جاتے ہیں کہ میں جلدی آؤں گا۔ آپ آنے کا ایک دن بتا کر ہی کیوں نہیں جاتے تاکہ ہم اس دن آپ کا انتظار کیا کریں۔ اس پر وہ فرماتے اگر اس دن میں نہ آسکوں تو تمھارا انتظار تمھیں پریشان کرے گا۔ میں ضد کرتا کہ آپ ضرور آنے کا دن طے کریں اس پر وہ فرماتے کہ اگر دن طے کر کے نہ آیا تو یہ جھوٹ ہوگا۔ تمھارا کیا خیال ہے میں جھوٹ بول دوں؟ ان کی یہ بات مجھے لاجواب کر دیتی۔ چونکہ وہ ہر بار میری اس ضد کے جواب میں یہی کہتے اس لئے مجھے جھوٹ سے نفرت ہوگئی۔ میں سوچتا کہ جھوٹ ہی سب سے بڑا گناہ ہے

اب سوچتا ہوں تو گمان ہوتا ہے کہ شاید وہ مجھے جھوٹ سے نفرت دلانے کے لئے ہی ایسا کرتے تھے۔ کیونکہ گھر (گاؤں) آنے کے لئے چھٹی کے دن تو طے شدہ ہوتے ہیں لیکن اس وقت میرے ذہن میں یہ بات نہیں آتی تھی۔ بہرحال یہ بات ابتدائی دور کی ہے۔ اس دور کی بات ہے جب میں ان کا اس لئے انتظار کرتا تھا کہ وہ آئیں تو میں ان کے ساتھ کھیلوں۔ وہ مجھ سے پیار کریں۔ وہ آتے تو میرے لئے کوئی نہ کوئی کھانے یا استعمال کی چیز لے کر آتے۔ میں ان سے پہروں کھیلتا رہتا جب واپس جاتے تو اس وقت تک انہیں کھڑا دیکھتا رہتا جب تک ان کی سواری انہیں لے کر آنکھوں سے اوجھل نہ ہو جاتی۔ مجھے ان کے محبت بھرے الفاظ یاد آتے "میں جلد واپس آؤں گا" ان کے جانے کے بعد دیر تک مجھے یہ الفاظ سنائی دیتے اور جب کچھ دنوں کے بعد واپس آتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے ایک زمانہ بیت چکا ہے۔ ایک عرصہ گزر گیا ہے۔ طویل عرصہ۔ میرے انتظار سے بھی طویل۔ مگر جب وہ گھر پہنچ جاتے تو دل بہل جاتا اور طبیعت سنبھل جاتی۔

پھر انہوں نے مجھے سکول میں داخل کرانے کے علاوہ ابتدائی کتب پڑھانے کے لئے اپنے چھوٹے بھائی خلیفہ محمد کے سپرد کر دیا۔ وہ مجھے سکول کا سبق یاد کرانے میں بھی مدد دیتے اور دینی کتب بھی پڑھاتے۔ اس دوران والد صاحب میری صلاحیت دیکھنے کے لئے کبھی کبھی میرا امتحان بھی لیتے اور محنت سے مطمئن ہو کر کوئی نہ کوئی انعام دے کر حوصلہ افزائی کرتے۔ ابتداء وہ میرے ساتھ بہت بے تکلف تھے میں ان سے بہت گھل مل گیا تھا وہ میرے ساتھ ہنسی کھیل میں شامل ہوتے میرے کھیلنے سے خوش ہوتے۔ میری شوخیوں اور شرارتوں سے محظوظ ہوتے۔ البتہ تعلیم کے وقت کھیل کود کی قطعاً اجازت نہیں ہوتی تھی۔ انہوں نے میرے لئے ایک اصول بنا دیا تھا " کھیل کے وقت کھیل اور تعلیم کے وقت تعلیم " تعلیم کے دوران کھیل اور کھیل کے دوران سبق مجھے کبھی یاد نہیں آئے۔ کیونکہ دونوں کا وقت مقرر تھا اور وقت سے بے وقت ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ اس پابندی نے مجھے سمجھا دیا کہ وقت بہت قیمتی چیز ہے۔ اسے ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ دس بارہ سال کی ہی عمر میں کھیل کود کو

میں نے خود ہی ترک کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ تبدیلی بھی آئی کہ میری عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ والد صاحب کی بے تکلفی کم ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ جب میں سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا تو میرے اور ان کے درمیان ایک پروقار سا حجاب اور ایک غیر محسوس سا تکلف پیدا ہو چکا تھا۔ انہوں نے مجھے تمیز سکھانے کے لئے سختی کی بجائے حکمت استعمال کی ان کا رویہ ہمیشہ حکیمانہ رہا۔ جب تک میری کھیلنے کی عمر تھی کھیلا۔ جب کھیلنے کی عمر ختم ہوگئی تو صرف پڑھنے کی طرف توجہ مبذول ہوگئی۔ مجھے کسی کے بتائے بغیر خود ہی معلوم ہو گیا کہ والد کے ساتھ بچے ہنسی مذاق کرتے ہیں نہ بے تکلف ہوتے ہیں۔ اس کے سامنے زیادہ بولتے ہیں نہ شوخیاں کرتے ہیں وہ ایک محترم ہستی ہوتا ہے اس کا ہمیشہ اور ہر حال میں احترام کیا جاتا ہے اور یہی تصور والدہ کے بارے میں بھی دل میں پیدا ہو گیا۔ یہ سب کچھ ان کی حکیمانہ تربیت کا اثر تھا۔

ایک اور بات جو اس سے زیادہ میرے لئے تعجب کا باعث بنی وہ یہ تھی کہ والد صاحب نے مجھے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں کیا پڑھوں اور کیا نہ پڑھوں۔ والدین کے لئے اولاد کی تعلیم کا مسئلہ ہمیشہ اہم رہا ہے خاص طور پر عصر حاضر میں اکثر دیندار گھرانے اسی شش و پنج میں مبتلا رہتے ہیں کہ اولاد کو دینی تعلیم دی جائے یا عصری علوم سے روشناس کرایا جائے۔ اس کے لئے باقاعدہ منصوبہ بندی کی جاتی ہے لیکن ہمارے گھر میں اس بارے میں کبھی مشورہ نہیں ہوا۔ میرے سامنے اپنے والد کی شخصیت تھی۔ میں قدرتی طور پر اس علم کی طرف توجہ دینے لگا جو میرے والد کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ چنانچہ میں نے کسی جھگڑے یا اختلاف کے بغیر ہی 1969ء تک ابتدائی دینی کتب پر دسترس حاصل کرنے کے علاوہ میٹرک کا امتحان بھی اچھے نمبروں سے پاس کر لیا۔ میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد والد صاحب نے مجھے ضلع ڈیرہ غازی خان کے ایک دور دراز قصبے میں مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب کے پاس پڑھنے کے لئے بھیج دیا۔ مفتی صاحب کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ صَرف کے بہت ماہر استاد ہیں۔ وہ مروجہ کتب کے علاوہ صَرف کی ایک قلمی کتاب "اعجاز الصَرف" بھی پڑھایا کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ طالب علم بہت ذہین ہو تو یہ کتاب چار ماہ میں پڑھ لیتا ہے کم ذہین ہو تو چھ ماہ میں، غبی ہو تو

آٹھ ماہ میں ۔ بہت زیادہ غبی ہوتو سال میں۔میں نے یہ کتاب چار ماہ میں پڑھ لی تو انہوں نے والد صاحب کو میرے ذہین ہونے کی خوشخبری دی۔اس پر وہ محض مسکرا کر رہ گئے۔کیونکہ اب میری عمر ایسی نہیں تھی کہ مجھے ایسی کتاب پڑھنے پر کوئی انعام دیا جاتا۔لیکن ڈیرہ غازی خان کے دور دراز قصبے میں بھیجنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ مجھے علم صرف کا ماہر بنانا چاہتے تھے۔یہ چیز مجھے والد صاحب کے قریب رہ کر بھی حاصل ہوسکتی تھی۔والد صاحب کے پیشِ نظر تین وجوہات تھیں۔اِس وجہ سے مجھے میٹرک پاس کرنے کے فوراً بعد گھر سے دور بھیج دیا۔پہلی وجہ یہ تھی کہ ہمارے گھر کا ماحول سیاسی تھا۔اور والد محترم مجھے اس ماحول سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ اگر میں اپنے موجودہ ماحول میں رہا تو سیاسی دلچسپیاں مجھے اپنی طرف کھینچ لیں گی اور ان مشغلوں سے میری تعلیم متاثر ہوگی۔ اس موقع پر مجھ پر حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ وہ میری عادت، خصلت اور دلچسپیوں سے پوری طرح باخبر ہیں اور میری تعلیمی اور سیاسی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھے ہوئے ہیں۔ مجھے اس بات کا اندازہ یوں ہوا کہ میرے گھر سے دور بھیجنے کا ان کا فیصلہ اٹل اور حرفِ آخر تھا ان دنوں میں چھپ چھپا کر ان کی اور دیگر سیاسی لیڈروں کی تقاریر سنا کرتا تھا۔تعلیم سے کچھ وقت نکال کر اخبار بینی بھی کر لیتا تھا۔جس شخص کے صبح وشام سیاسی باتوں میں گزرتے ہوں جس کے پاس سیاسی لیڈروں اور ورکروں کا آنا جانا ہو اس کا بیٹا سیاست سے کیسے بچ سکتا ہے؟ انہوں نے اپنی زبان سے تو مجھے کچھ نہیں کہا۔مگر ان کے تیور بتاتے تھے کہ میرے چوری چھپے کی اخبار بینی اور جلسوں میں شمولیت سے وہ واقف ہیں اور اسی وجہ سے مجھے دور بھیج رہے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ میٹرک کے بعد وہ مجھے کالج کے ماحول سے دور رکھنا چاہتے تھے جب میں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا تو میرے ایک سکول کے استاد نے والد صاحب کے پاس آکر مشورہ دیا کہ مجھے مزید تعلیم کے لئے کالج میں داخل کرایا جائے لیکن انہوں نے سختی سے انکار کردیا۔اس کے بعد ملتان کے ایک مقامی کالج کے پرنسپل صاحب جو ان کے دوست تھے گھر آئے اور انہوں نے بھی والد صاحب کو قائل کرنے کی بہتیری کوشش کی مگر وہ کسی

صورت بھی مجھے کالج میں داخلہ دلوانے پر آمادہ نہ ہوئے۔ میرے استاد اور دوسرے محترم نے جو کوشش کی میں اس سے بے خبر تھا ان (میرے استاد اور پرنسپل صاحب) کی اپنی خواہش تھی کہ میں کالج میں داخل ہو کر مزید تعلیم حاصل کروں جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں نے ذہنی طور پر فیصلہ کر لیا تھا کہ پہلے دینی کتابوں کی تکمیل کروں گا اس کے بعد مزید عصری علوم کی طرف توجہ دوں گا لیکن والد صاحب کا کہنا تھا کہ دینی علوم کی تکمیل کے بعد بھی کالج میں داخلہ نہیں لینا۔ وہ اس تعلیم کے مخالف نہیں تھے لیکن کالجوں کے ماحول سے بہت زیادہ غیر مطمئن تھے ان کا کہنا تھا کہ کالجوں کا موجودہ ماحول انسان کی انسانیت چھین لیتا ہے اس کے علاوہ یہ چیز بھی ان کے پیشِ نظر تھی کہ کالجوں میں سیاسی سرگرمیاں طالب علم کو تعلیم سے ہٹا کر سڑکوں پر لے آتی ہیں۔ وہ حق وصداقت اور جمہوری اقدار کے احیاء کے لئے ان نوجوانوں کا سڑکوں پر آنا بھی درست سمجھتے تھے لیکن ان کا کہنا یہ تھا کہ حصولِ تعلیم کے دوران بنیادی توجہ تعلیم پر ہونی چاہیے۔

یہ بات کہ وہ انگریزی تعلیم کے مخالف نہیں تھے میں اس لئے وثوق سے کہتا ہوں کہ وہ خود بھی قومی اسمبلی کا ممبر ہونے کے بعد اپنے دوست شیخ محمد اقبال صاحب سے انگریزی سیکھتے اور پڑھتے رہے۔ انہوں نے ابتدائی طور پر ان سے کچھ انگریزی کتابیں پڑھیں۔ چونکہ وہ بہت زیادہ ذہین تھے اس لئے تھوڑے ہی عرصہ میں رواں ہو گئے۔ وہ انگریزی بولنے پر تو قادر نہیں تھے لیکن سمجھنے پر انہیں پوری قدرت تھی۔ وہ انگریزی پڑھنے میں بھی دقت محسوس نہیں کرتے تھے۔ اردو اخبارات کے علاوہ انگریزی اخبارات بھی ان کے مطالعہ میں رہتے تھے۔ البتہ انگریز اور انگریزی تہذیب کے سخت مخالف تھے۔ کالجوں کے بارے میں ان کی رائے یہ تھی کہ یہاں جس قسم کا طرز تعلیم رائج ہے وہ بچوں کو انگریزی تہذیب کا دلدادہ بناتا ہے اور فرنگی تہذیب کی مخالفت ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا حصہ تھی۔ اس بارے میں وہ خود کہا کرتے تھے کہ ایک بار میں نے خواب میں دیکھا کہ رسول کریم ﷺ مجھے مخاطب کر کے فرماتے ہیں "اپنے لوگوں کو تقلید سے بچاؤ" میں حیران ہوا کہ میرے تو تمام بزرگ مقلد تھے

پھر آپ ﷺ مجھے تقلید سے لوگوں کو روکنے کا حکم صادر فرمارہے ہیں۔ پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "مسائل فقہ تو عین نص ہیں" اس سے خواب ہی میں میرا اشکال رفع ہو گیا۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ فقہی مسائل دراصل قرآن و حدیث ہی سے مستنبط ہیں اس لئے ان کا ماننا ائمہ کرام کی تقلید نہیں بلکہ قرآن و حدیث کی تقلید ہے۔ بیدار ہونے کے بعد میں نے سوچا کہ دنیا میں کون سی ایسی قوم ہے کہ لوگ جس کی نقالی کرتے ہیں تو محسوس ہوا کہ نقالی تو کسی نہ کسی حد تک سب کی کرتے ہیں لیکن انگریز کی نقالی سب سے زیادہ کی جاتی ہے۔ چنانچہ میں نے عہد کر لیا کہ اقوام غیر کی نقالی سے لوگوں کو تو پہلے بھی روکتا تھا اب اس چیز پر زیادہ محنت کروں گا۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے ہر موقع پر انگریزی تہذیب کی مخالفت کی۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے مجھے کالج میں داخل ہونے سے روک دیا اور ساتھ ہی اس بات کی اجازت بھی دے دی کہ اگر تم چاہو تو پرائیویٹ طور پر مزید تعلیم حاصل کر سکتے ہو۔ چنانچہ ان کی اجازت کے بعد میں نے ایف اے کا پرائیویٹ طور پر امتحان دیا جب دینی کتابوں کی تکمیل ہوئی تو دل نے فیصلہ دیا کہ کتابیں پڑھانے سے علم میں پختگی آئے گی۔ یہ خیال اتنا پختہ ہوا کہ میں نے قاسم العلوم ہی میں تدریس کا کام شروع کر دیا۔ اس لئے ایف اے کے امتحان کے بعد مزید کسی امتحان کی تیاری نہ کر سکا۔ ڈیرہ غازی خان سے واپس آنے کے بعد اگر مجھے قاسم العلوم میں داخلہ ملتا تو میں جدید تعلیم میں آگے بڑھ سکتا تھا لیکن ہوا یہ کہ وہاں سے واپس آنے کے بعد مجھے دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک میں بھیج دیا گیا۔ باقی کتابوں کی میں نے وہاں تکمیل کی۔

مجھے گھر سے دور بھیجنے کی تیسری وجہ یہ تھی کہ والد صاحب کا خیال تھا کہ گھر کی سہولتیں اور آسائشیں طالب علم کو سست اور کاہل بنا دیتی ہیں۔ آرام پسندی اسے آگے بڑھنے سے روکتی ہے جبکہ گھر سے دور رہ کر وہ مشکلات و مصائب کا خوگر بنتا ہے۔ مشکلات اسے حالات کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ بخشتی ہیں۔ انسان کے اندر آگے بڑھنے کی امنگ پیدا ہوتی ہے۔ ماں باپ سے دور رہ کر اسے ان لوگوں کا خیال آتا ہے جو ماں باپ جیسی نعمت سے یتیم ہونے کے

سبب محروم رہتے ہیں۔اور ایسے لوگ جب خود ماں باپ کی شب وروز کی شفقت ومحبت سے دور رہتے ہیں تو ان کے دل میں یتیموں اور غریبوں کی محبت پیدا ہوتی ہے پھر جب وہ عملی زندگی میں قدم رکھتے ہیں تو ان کے دل میں عالم انسانیت کے لئے جذبہ ترحم پیدا ہو چکا ہوتا ہے۔وہ کسی غریب، ناتواں اور کمزور پر ظلم کرنا یا کسی اور کو ظلم و ناانصافی کرنے کی اجازت دینا پسند نہیں کرتے۔ان کی اپنی تکلیف انہیں دوسروں کی تکلیف کا احساس دلاتی ہے اور جب دوسروں کو وہ تکلیف میں دیکھتے ہیں تو اپنا آرام ان پر قربان کر دیتے ہیں۔یہیں سے اس کی سوچ انسان کے بنیادی حقوق کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور جب وہ دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص یا طاقت انسان سے اس کے بنیادی حقوق چھین رہی ہے تو وہ سر بکف ہو کر سامنے آجاتے ہیں اور اس طرح گھر سے بے گھر، وطن سے بے وطن، آرام سے بے آرام ہونے والے اپنی ذات اور تجربات کے حوالے سے انسانیت کے محافظ اور قانون و انصاف کے علمبردار بن جاتے ہیں۔مزید برآں ماں باپ کے سایہ عاطفت سے دور رہ کر پیغمبر اسلام کے ایام طفولیت سے ایک عملی مشابہت پیدا ہوتی ہے۔اس دریتیم سے یہ مشابہت انسان کو اس کی پیروی اور اتباع کی راہ پر گامزن کرتی ہے اور ساتھ ہی پیغمبر کائنات ﷺ کی ہجرت کی سنت بھی ادا ہو جاتی ہے۔یہ تمام امور انسان کو سرفراز و سربلند بنانے میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔اس قسم کی باتیں وہ اکثر کہا کرتے تھے۔اس لئے جب میں حصول تعلیم کے لئے گھر سے جانے لگا تو میں نے اپنے دل پر کوئی بوجھ محسوس نہیں کیا کیونکہ یہ سفر میری تعلیم و تربیت کا حصہ تھا اور والد محترم باتوں ہی باتوں میں مجھے اس کام کے لئے آمادہ کر چکے تھے اور میں نے ان کی زندگی میں ہی ان مراحل سے گزر کر درس و تدریس کا کام شروع کر دیا تھا۔

مجموعی طور پر میں نے اپنے والد کو اپنی 20 سالہ شعوری زندگی میں پانچ حیثیتوں سے دیکھا ہے۔باپ، مربی، استاد، عالم اور سیاستدان بحثیت باپ وہ قابل فخر تھے۔

1۔ بحثیت باپ:

وہ صرف حقوق والدین کے معلم ہی نہیں تھے بلکہ حقوق اولاد بھی ان کے پیش نظر رہتے

تھے۔ باپ کی حیثیت میں اولاد کے لئے جو شفقت ہر باپ کو قدرت نے دی ہے وہ ان کو بھی دی تھی۔ لیکن میرے محسوسات یہ ہیں کہ یہ نعمت ان کو قدرت نے کچھ زیادہ فراوانی سے عطا فرمائی تھی وہ بچوں کے ساتھ گھر میں اس طرح گھل مل جاتے تھے کہ ہمیں حیرت ہوتی تھی۔ کوئی بڑا آدمی اپنی اولاد کو اتنا خوش نہیں رکھ سکتا نہ اتنا بہلا سکتا ہے جتنا وہ خوش رکھتے یا بہلاتے تھے۔ گھر میں بیٹھ کر احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ شخص اتنا بڑا رہنماء ہے جو ہر وقت ملکی اور قومی مسائل میں الجھا رہتا ہے۔ وہ چند لمحے جو بچوں کے ساتھ گزارتے تھے بڑے خوشگوار ہوتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان کا کوئی کام ہی نہیں یہ صرف بچوں سے ہنسنا کھیلنا جانتے ہیں اور کبھی کبھی اس صورت حال میں فخر کا احساس بھی ہوتا تھا کہ اس عظیم انسان کی صورت میں اس کی جو شفقت اس گھر کے افراد کو حاصل ہے وہ کسی اور کو ہرگز حاصل نہیں۔ عمر کے آخری دنوں میں بھی وہ گھر آتے تو چھوٹے بچوں کے لئے کوئی نہ کوئی چیز ضرور لے کر آتے۔ ہوائی سفر کے دوران وقت گزاری کے لئے ٹافیاں بھی پیش کی جاتی ہیں۔ یہ ٹافیاں والد صاحب ہمارے لئے سنبھال لیتے۔ گھر آتے تو یہ میرے چھوٹے بہن بھائیوں کو دیتے۔ میں ہنس کر پوچھتا آپ کو سفر میں بھی ان کا خیال رہتا ہے جو یہ ٹافیاں اب تک جیب میں ہیں۔ فرماتے جب تم باپ بن جاؤ گے تو سوال کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کرو گے اور جب تک باپ نہیں بنو گے اس سوال کا جواب نہیں سمجھ سکو گے۔ اولاد کے لئے رزق حلال فراہم کرنا، ان کی جائز ضرورت کو جائز طریقے سے پورا کرنا، ان کی صحیح رہنمائی کرنا حتیٰ کہ ان کو شفقت سے دیکھنا بھی عبادت ہے جب وہ گھر میں کوئی بات کرتے یا کسی سوال کا جواب دیتے تو ان کی باتوں میں علم و حکمت کی تعلیم ہوتی اور ہم یہ محسوس کرتے کہ ہمارے باپ کی سیاسی اور تدریسی زندگی کی طرح ان کی خانگی زندگی بھی بڑی خوبصورت ہے۔

2۔ بحیثیت مربی:

بحیثیت مربی انہوں نے اولاد کی پرورش میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ بچوں کی تعلیم و تربیت، بود و باش، رہائش، خوراک اور جائز ضروریات کا انہوں نے ہمیشہ خیال رکھا اور ساتھ

ہی یہ احساس بھی دلایا کہ جائز ضرورت وہی ہوتی ہے جو جائز طریقے سے حاصل کی جائے۔ جس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے انسان کو ناجائز ذرائع اختیار کرنے پڑیں وہ جائز نہیں ہوتی۔ اگر ان کی زندگی وفا کرتی تو وہ میری طرح اپنی دوسری اولاد کے شادی بیاہ کا بندوبست بھی کرتے لیکن قدرت کو یہی منظور تھا کہ ان امور کی انجام دہی سے پہلے ہی انہیں اپنے پاس بلالے۔ ان کے طفیل ہمیں جو کچھ میسر تھا کافی تھا۔ میں نے یا میرے بہن بھائیوں میں سے کسی نے آج تک یہ کبھی محسوس نہیں کیا کہ ہم ضرورت زندگی کے حصول کے سلسلے میں کسی سے پیچھے ہیں یا ہم سے کوئی بہتر پوزیشن کا مالک ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہوں نے ہمارے لئے کوئی وسیع اراضی، بنک بیلنس یا کوئی دوسری بڑی جائیداد بنائی بلکہ انہوں نے ہماری تربیت اس انداز سے کی کہ ہم نے تھوڑے کو ہمیشہ زیادہ سمجھا اور جو کچھ میسر آیا اس پر قناعت کی۔ زیادہ کی حرص نہیں کی۔ اگر وہ ہمیں اربوں روپے کی جائیداد بنا دیتے اور قناعت کی تعلیم نہ دیتے تو میں اپنے آپ کو مفلس سمجھتا اور اس تعلیم کے ساتھ جو کچھ میسر ہے وہ ان سے بہت ہیچ ہے۔ ہمارا سب سے بڑا سرمایہ اور سب سے اہم دولت قناعت ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو سب کچھ ہونے کے باوصف کچھ نہ ہوتا۔ یہ موجود ہے تو کسی اور چیز کی ضرورت ہی نہیں۔

3۔ بحیثیت استاد:

بحیثیت استاد وہ سخت گیر واقع ہوئے تھے۔ تعلیمی کوتاہی ان کے نزدیک ناقابل معافی جرم کی حیثیت رکھتی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی وہ نرم خو بھی تھے۔ اگر سبق یاد نہ کرنے پر ان کا جلال غالب آجاتا تھا تو سبق یاد کرنے پر ان کا جمال بھی دیدنی ہوتا تھا۔ میں نے ان کے چہرے پر ہمیشہ نرمی کے آثار دیکھے ہیں لیکن جب وہ میرا امتحان لیتے تھے تو ان کے چہرے سے نرمی کے آثار یکسر غائب ہو جاتے تھے۔ اگر کسی سوال کا صحیح جواب نہ دے پاتا تو سخت گرفت اور باز پرس کرتے تھے۔ سبق پڑھانے کا انداز حکیمانہ تھا وہ پڑھانے سے زیادہ سمجھانے کے قائل تھے۔ ان کی سمجھائی ہوئی بات ناقابل فراموش ہوتی تھی۔ فنون کی کتابوں

کے مشکل مقامات مجھ سے پوچھتے اور جہاں محسوس کرتے کہ میرا اظہار خیال مشکل اور طوالت لئے ہوئے ہے وہاں مشکل ترین بحث کو چند آسان جملوں میں اس طرح سمجھاتے کہ وہی مشکل بحث سب سے آسان نظر آتی اور اسے انتہائی آسان الفاظ میں بیان کرنے کی قدرت حاصل ہو جاتی۔ منطق و فلسفہ ان کا پسندیدہ موضوع تھا وہ ان موضوعات کی اساس، افکار اور طولانی مباحث میں الجھے بغیر قانونی پیچیدگیوں اور فنی مشکلات کو اس طرح آسان انداز میں پیش کرتے کہ پڑھنے اور سننے والوں کو سخت حیرت ہوتی۔ منطق اور فلسفہ کے ماہرین میں ایک خرابی یہ ہے کہ وہ ان فنون کے مضبوط دلائل سے متاثر ہو کر کلام و عقائد کو دوسرے درجے کی چیز سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ دراصل ان موضوعات کی قطعیت کا ایک لازمی تاثر ہوتا ہے لیکن والد صاحب دلائل سے موازنہ کرتے اور عقائد کی برتری کے ثبوت پر ایسے دلائل دیتے کہ طلبہ پر واضح ہو جاتا کہ علوم و فنون میں منطق و فلسفہ اصل نہیں بلکہ عقائد و کلام اصل ہیں اور یہ فنون صرف اس حد تک ضروری ہیں کہ مبتدی کو غور و فکر اور تحقیق و جستجو کے بعد یہ معلوم ہو سکے کہ حق و باطل، سیاہ و سفید اور اصل و فرع میں کیا فرق ہے؟ ان کے پاس پڑھنے والے طلبہ میں کئی ایسے قابل مدرس بھی ہوئے جن کو منطق و فلسفہ پر بڑا عبور حاصل ہے لیکن ان کے نزدیک ان فنون کے دلائل کو عقائد کے مقابلہ میں کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ اس طرح تدریسی اور تعلیمی میدان میں وہ ایک ایسی فکر دینے میں کامیاب ہوئے جو منطق و فلسفہ کے معلم اور متعلم کو توازن و اعتدال کی راہ دکھاتی ہے۔

4۔ بحیثیت عالم:

بحیثیت عالم ان کا مقام بہت بلند رہا تھا لیکن اگر اس سے مراد مجرد علم ہے تو اس بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ کہنا ممکن نہیں کہ وہ کس پائے کے عالم تھے اس کا فیصلہ کرنا خود علماء کے لئے مشکل ہے جنہوں نے ان کے فقہی استدلال سنے۔ انہوں نے انہیں فقیہ مانا جنہوں نے حدیث پڑھی انہیں وہ محدث نظر آئے جنہوں نے تفسیر پڑھاتے دیکھا انہوں نے انہیں مفسر قرار دیا۔ جنہوں نے منطق و فلسفہ پڑھاتے دیکھا انہوں نے ایک معقولی عالم

سمجھا۔ جنہوں نے میدان سیاست میں بولتے دیکھا انہوں نے ایک سیاستدان کی حیثیت سے پہچانا۔

وہ کتنے بڑے عالم تھے؟ یہ طویل بحث ہے تاہم اس بحث کو یوں سمیٹا جا سکتا ہے کہ پھل سے بھرا درخت جھکا ہوتا ہے اہل علم کی پہچان یہ ہے کہ ان پر خشیت الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے ان کا علم انہیں مغرور ہونے کے بجائے منکسر بنا دیتا ہے وہ خدا سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔ ہم نے گھریلو زندگی میں انہیں دوسروں سے بڑھ کر دیکھا ہے۔ ان کے صبح شام یادالٰہی میں بسر ہوتے تھے۔ بڑائی ان کے قریب سے بھی نہیں گزری تھی۔ انکساری ان کی رفیق تھی۔ وہ رات گئے تک قومی امور میں الجھے رہتے تھے لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ گھر دیر سے آئے اور تہجد کا وقت انہوں نے بستر پر لیٹ کر گزار دیا۔ ہم نے اکثر انہیں راتوں کو خدا کے سامنے سربسجود پایا۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے "لوگو علم سیکھو اور یہ جان رکھو کہ اللہ کی ایک مخصوص چادر ہے جس کو وہ محبوب رکھتا ہے۔ سو جو شخص علم کے دروازے پر دستک دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی یہ چادر اسے پہنا دیتا ہے۔ پھر اگر اس سے کوئی غلطی بھی ہوتی ہے تو اس کو تین بار معاف کرتا ہے اور بخشش و مغفرت کا یہ سلسلہ اس کی موت تک جاری رہتا ہے۔ ابن المبارکؒ سے پوچھا گیا کہ انسان کون ہیں؟ فرمایا علماء۔ سوال کیا گیا بادشاہ کون ہیں؟ فرمایا عابد و زاہد۔ دریافت کیا سفلاء (کمینے لوگ) کون ہیں؟ ارشاد ہوا وہ لوگ جو دین بیچ کر دنیا حاصل کرتے ہیں۔ ابن مبارکؒ نے علماء ہی کو انسان اس لئے قرار دیا ہے کہ حیوانات میں سے یہ اپنے علم ہی کی وجہ سے ممیز ہے اور اس کی بدولت وہ اس شرف کا حامل ہے ورنہ طاقت میں اونٹ اس سے کہیں بڑا ہے۔ جہاں تک ہڈی اور گوشت کی بہتات کا تعلق ہے تو ہاتھی اس سے کہیں بڑا ہے۔ شجاعت و بسالت میں درندے اس پر فوقیت رکھتے ہیں۔ کھانے پینے میں یہ بیل کا کیا مقابلہ کر سکے گا؟ اگر علم کی اس تعریف کی روشنی میں ان کی ذات کا تجزیہ کیا جائے تو وہ ابن مبارکؒ کی تعریف پر پورے اترنے والے انسان تھے۔ خدا خوفی کا ایک وصف یہ ہوتا ہے کہ انسان انسانوں کی طرف سے بے خوف ہو جاتا ہے۔ مفتی صاحب کو قدرت نے ہر خوف سے

بے نیاز کر دیا تھا۔ان کے نزدیک طاقت کا سرچشمہ اللہ کی ذات تھی اور وہ اس ذات کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔

5۔بحیثیت سیاستدان:

بحیثیت سیاستدان وہ ایک خاص ڈھب کے انسان تھے۔سیاسی زندگی میں صبح شام لوگوں سے ایسے وعدے کیے جاتے ہیں جن کا ایفاء غیر ضروری ہوتا ہے۔لوگ رات کو ایک بیان دیتے ہیں اور صبح اس کے بالکل برعکس ایک نیا بیان موجود ہوتا ہے۔ان کے نزدیک سیاست عبادت تھی۔اس عبادت میں جھوٹ کی آمیزش کو انہوں نے ہمیشہ گناہ سمجھا۔جب وہ سیاست پر اظہار خیال کرتے تو ان کی گفتگو میں کوئی ابہام، پیچیدگی یا پہیلی نہیں ہوتی تھی۔وہ جس چیز پر بولتے کھل کر بولتے۔جس کی گرفت کرتے کس کر گرفت کرتے۔ذاتی حیثیت میں کسی کے دوست تھے نہ دشمن۔ان کی دوستی بھی خدا کے لئے تھی اور دشمنی بھی خدا کے لئے۔جب کوئی شخص اسلام کے خلاف لب کشائی کرتا تو اس سے ان کی ٹھن جاتی۔وہ ہر بات منہ پر کرتے۔پشت پر وار کرنا اور سہنا ان کے نزدیک جائز نہ تھا۔وہ اسلام کے مقابلے میں کسی دوسرے نظام کو لانے کے روادار نہ تھے اور ان لوگوں کو اسلامی نظام نافذ کرنے کا اہل نہیں سمجھتے تھے جن کی اپنی زندگی اسلام کے خلاف تھی۔بعض لوگ ان سے کہا کرتے تھے کہ فلاں آدمی ذاتی حیثیت میں بڑا نیک ہے اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟مفتی صاحب فرماتے ذاتی نیکیاں اپنی ذات کے لئے ہوتی ہیں۔قومی امور کی انجام دہی کے لئے ضروری ہے کہ آدمی صرف نماز روزہ کا دعویدار نہ ہو وہ دین کے بارے میں اتنا علم بھی رکھتا ہو کہ دین کو دین کی حیثیت میں نافذ کرے اگر دین سے بے خبر آدمی کامل نیک نیتی سے بھی نافذ کرے تو اپنی کم علمی کے باعث ایسی باتیں اور اقدامات کر گزرے گا جو دین کے بجائے بے دینی کے زمرہ میں آئیں گے۔علاوہ ازیں دین کے مبلغ اور نافذ کرنے والے افراد کے لئے ان کا عادل وصادق ہونا بھی ضروری ہے جو لوگ عدل سے دور ہوں ان کا وجود ہی ظلم کی دلیل اور ان کے صدق وکذب میں کوئی فرق نہ ہو ایسے لوگ اسلام کی بدنامی کا باعث تو بن سکتے ہیں

لیکن اسلام کو نافذ نہیں کر سکتے۔ اسلام کا نفاذ اپنی ذات سے شروع ہوتا ہے جو لوگ اپنی ذات پر اس کو نافذ نہیں کر سکتے وہ خدا کی دھرتی پر بھی اسے نافذ نہیں کر سکتے۔ اسلامی نظام کا نفاذ ان کی سب سے بڑی آرزو تھی۔ وہ ہمیں اکثر ہدایت کرتے رہتے تھے کہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے اپنی زندگی وقف کئے رکھنا۔ ظلم کو ظلم کہنے سے کسی حال میں باز نہ رہنا۔ حق کی حمایت کرنا اور باطل کے خلاف بھرپور جدوجہد کرنا ہمارے لئے ان کی سب سے بڑی تعلیم اعلاء کلمۃ اللہ ہے ہم اس تعلیم کو ہرگز نہیں بھول سکتے۔ ان کی میراث عدل و انصاف کا پیغام ہے ہم اس پیغام کو تاحیات لوگوں تک پہنچاتے رہیں گے۔ ان کا مشن حق کی سرفرازی و سربلندی تھا۔ ہم اس مشن کو جاری رکھیں گے۔ اس وقت تک جب تک ہماری رگوں میں خون چلتا اور پہلو میں دل دھڑکتا ہے (ان شاء اللہ)

☆......☆......☆

میدان سیاست میں علماء حق کے نمائندہ و ترجمان

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم،
مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

نحمدہ و نصلی علیٰ رسول اللہ الکریم. وعلیٰ آلہ و صحابہ اجمعین. اما بعد!

علامہ حصکفیؒ (۱۰۲۵ھ۔۱۰۸۸ھ) نے درمختار کے مقدمہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ کے مذہب و مسلک کے برحق ہونے کے دلائل میں سے منجملہ یہ دلیل بھی ہے کہ آپ کے پیروکاروں میں مجاہدات، ریاضت اور مشاہدات حق جیسی صفات کے حامل اولیاء کرام بھی شامل رہے ہیں جن میں دنیائے مجاہدہ اور عالم مشاہدہ کے نامور بزرگوں میں سے ابراہیم بن ادہمؒ، شقیق بلخیؒ، معروف کرخیؒ، ابویزید بسطامیؒ، فضیل بن عیاضؒ، داؤد طائیؒ، ابو حامد لفافؒ، خلف بن ایوبؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، وکیع بن الجراحؒ اور ابوبکر الوراقؒ جیسے اساطین شریعت و طریقت شامل ہیں۔

یہ فہرست ذکر کرنے کے بعد علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ اگر امام صاحب کے مسلک کے بارے میں ان اصحاب حق کو ذرا بھی شبہ ہوتا تو یہ لوگ امام صاحب کے پیروکاروں، مقلدین اور موافقین میں ہرگز شامل نہ ہوتے۔ (مقدمہ درمختار مع ردالمختار)

علامہ حصکفی صاحب کے اس استدلال سے معلوم ہوا کہ اگر دنیا میں کسی مقتدا اور پیشوا کے بارے میں حق و حقیقت کی پیروی کا اندازہ لگانا ہو تو اس کے پیروکاروں اور حمایتیوں کو دیکھا جائے گا کہ وہ کس قسم کے لوگ ہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب حفظہ اللہ اور ان کی جماعت کو علامہ حصکفیؒ کے مذکورہ استدلال کی روشنی میں دیکھا جائے تو آپ کی جماعت کو اہل حق کی جماعت اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو اہل حق کا پیشوا کہا جاسکتا ہے کیونکہ آپ کو اپنا امیر اور مقتدیٰ ماننے والوں میں صرف رسمی سیاسی کارکن ہی نہیں بلکہ اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء، فقہاء، محدثین اور اولیاء اللہ بھی شامل تھے اور ہیں جو چشم بصیرت وطریقت سے غیر مبصر کو بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اگر آپ کی سیاست محض رسمی و روایتی سیاست ہی ہوتی اور آپ کی جدوجہد محض مغربی جمہوری پارلیمان تک رسائی کے لئے ہوتی تو اتنے بڑے بڑے صلحاء و اولیاء آپ کی ہم نوائی اختیار نہ کرتے۔

اس لئے ہماری نظر میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب حفظہ اللہ میدان سیاست میں علماء حق کے نمائندہ و ترجمان ہیں اور ہم اس بات پر مسرت و اعتماد کا اظہار کرتے ہیں کہ الحمد للہ مولانا میدان سیاست میں علماء حق کی صحیح اور بروقت نمائندگی اور ترجمانی کا حق ادا کرتے ہیں۔ فجزاھم اللہ عنا وعن الامۃ المسلمۃ خیر الجزاء۔

علماء کی پارلیمانی جدوجہد سے متعلق عوام اور بعض خواص کے مختلف تبصرے اور خیالات ہیں۔ بعض اسے مغربی جمہوری طرزِ سیاست کی حصہ داری قرار دے کر خلاف شرع کہتے ہیں کسی کا خیال ہے کہ ساٹھ سالہ پارلیمانی سیاست کے ذریعہ اسلام کے نفاذ کی کوشش اور انقلاب کے دعوے لایعنی اور بے سود کام ثابت ہوا ہے۔ یہ سب افکار اپنی جگہ اخلاص پر مبنی ہوسکتے ہیں لیکن ہم اس پر یہ اضافہ کرتے ہوئے اگر دیکھیں کہ ہماری پارلیمنٹ جس کی اکثریت مغرب زدہ سیکولر قوتوں پر مشتمل ہوتی ہے ان کا ہدف روز اول سے یہ رہا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی نمائندگی کا فرض و قرض ادا کرنے کی بجائے اغیار کی خوشنودی اور تقرب حاصل کرنے کے لئے شاہ سے زیادہ شاہ کی وفاداری میں مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ گذشتہ پارلیمانی سالوں میں توہین رسالت ایکٹ، حقوق نسواں بل ملکی سلامتی کے حوالے سے ان کیمرہ مشترکہ پارلیمانی اجلاس اور دینی مدارس کی حریت فکر و عمل کا قضیہ ایسے مسائل

ہیں جن کے بارے میں ہمارے منتخب نمائندوں نے مغربی قوتوں سے زیادہ اپنے آپ کو مغرب پسند ظاہر کرنے کی جب کوششیں کیں تو ان کی اکثریت کے سامنے اکثریتی وعددی قوت ان مسائل کے دفاع کے لئے ہرگز موجود نہیں تھی۔

مگر الحمداللہ، آوازِ حق بہرحال موجود تھی جس کے ذریعہ دینی شعائر کا نہ صرف دفاع کیا گیا بلکہ مخالف رائے کو موثر انداز میں رد بھی کیا گیا اور عملاً مسلم پاکستانی معاشرے کو یہ بتایا گیا کہ علماء دین مغربی طرز کے دیسی پارلیمنٹ میں مسلمان معاشرے کی ترجمانی کا حق کس طرح ادا کرتے ہیں؟۔

لہٰذا مغربی جمہوری طرزِ سیاست میں شراکت سے اختلاف کے باوجود پارلیمنٹ میں علماء حق کی نمائندگی کو بے سود قرار دینے کے بجائے ضروری قرار دینا چاہیے اور عوام وخواص کو چاہیے کہ وہ اپنے پارلیمانی نمائندوں کا انتخاب کرتے ہوئے ایسے لوگوں کا انتخاب کریں جو پارلیمنٹ میں آپ کی اور آپ کے مذہب کی ترجمانی کرنے والے ہوں۔ مغرب اور اس کے مفادات کے تحفظ کی جنگ لڑنے والے نہ ہوں۔

پس اگر اہل حق کی نمائندگی "نفاذِ اسلام" کے لئے کچھ نہ کر سکی تو کم از کم "نفاذ اسلام" کی کاوشوں کی راہ میں رکاوٹ کا کام تو ضرور کرے گی۔ فقہاء کرام نے ایسے ہی مواقع کے لئے شاید فرمایا ہے کہ دفع المضرۃ اولیٰ من جلب المنفعۃ۔

موجودہ دور میں مولانا فضل الرحمٰن طبقہ اہل حق کے لئے یاس اور مشکل کی گھڑیوں میں ماوی وملجا کے درجہ پر فائز ہیں۔ ہماری رائے میں آپ کی ذات اور سیاسی انداز سے اختلاف کرنے والے ہم مسلک مذہبی حلقے اپنی الجھی ہوئی گتھیاں سلجھانے کے لئے بالآخر آپ کے حلم وتدبر اور حکمت ومصلحت کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں اور آپ اپنے بڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسے تمام حلقوں کی مشکلات کو اپنی مشکلات سمجھ کر اپنے انداز سے حل کرانے میں بھرپور مدد فرماتے ہیں۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اہل حق کے تمام طبقوں کو چاہیے کہ وہ شدت وجذباتیت کے دباؤ سے آزاد ہو کر مولانا کے فہم وتدبر سے استفادہ کریں اور پُرامن

بقائے باہمی کے لئے نیز دینی وملی وحدت کے لئے اپنے ضروری اور غیر ضروری گلے شکوے بھلا کر ایک ہو جائیں۔اجتماعیت میں برکت بھی ہے اور نجات بھی!

بہر کیف حضرت مولاناؒ فضل الرحمٰن صاحب حفظہ اللہ کی شخصیت کے موضوع پر جن دوستوں نے اہل علم ،اکابر و مشائخ کی آراء کی جمع بندی اور اشاعت کا کام شروع کیا ہے وہ لائق تحسین ہے۔ہم ان کی کامیابی کے لئے دعا گو ہیں اور یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب سمیت جملہ علماء حق کو صحت و عافیت کے ساتھ اپنی حفاظت میں رکھے اور انہیں دین اسلام کی سربلندی ،سرفرازی اور آبیاری کے لئے صحیح طور پر خدمات سرانجام دینے کی مزید توفیق نصیب فرمائے۔۔۔آمین! وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

وصلی اللہ وسلم علی سیدنا و مولانا محمد وعلیٰ آله وصحبه اجمعين.

☆......☆......☆

مولانا فضل الرحمن میری نظر میں

مولانا حافظ فضل الرحیم اشرفی دامت برکاتہم،

نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ، لاہور

علماء دیوبند کی نظر میں کبھی بھی ملکی اور سیاسی معاملات میں شرکت شجرِ ممنوعہ نہیں رہی۔ قیامِ پاکستان کی تحریک میں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ بنفسِ نفیس شریک رہے۔ قراردادِ مقاصد کی متفقہ تیاری بھی انہی کی کاوشوں کا ثمر ہے جسے آئین پاکستان کے دیباچہ کی حیثیت سے شاملِ دستور کیا گیا ہے۔ بعد ازاں مفکرِ اسلام مولانا مفتی محمودؒ نے جمعیۃ علماء اسلام کی سیاسی اور آئینی جدوجہد کی قیادت کی۔ انہوں نے آئین پاکستان میں اسلامی دفعات شامل کروانے کی قابلِ تحسین جدوجہد کی۔ اسی طرح قادیانیت کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کے لئے ان کی کدوکاوش کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے قائدِ جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن نے اس وادیٔ پرخار میں قدم رکھا اور اپنی فہم و فراست اور حکمت ودانش کی بدولت جلد ہی ایک نمایاں مقام حاصل کیا۔ جہاں تک میری معلومات اور مشاہدے کا تعلق ہے وہ اتحادِ امت کے داعی اور فرقہ وارانہ سوچ وفکر سے کوسوں دور ہیں۔ دینی مدارس پر نائن الیون کے بعد آنے والی مشکلات میں انہوں نے ایک مضبوط ڈھال کا کردار ادا کیا ہے۔

موجودہ پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت کی پارلیمنٹ میں آئین پر نظرِ ثانی کے دوران آئین میں موجود اسلامی دفعات کا تحفظ ان کا انتہائی لائقِ تحسین کارنامہ ہے جس کی جتنی ستائش کی جائے کم ہے جس پر میں ان کے لئے وسطِ قلب سے دعا گو ہوں۔ مولانا فضل الرحمٰن مفکرِ اسلام مولانا مفتی محمودؒ کے حقیقی جانشین ثابت ہوئے ہیں۔ گزشتہ سال "تحریک ناموسِ

رسالت" میں انہوں نے پوری قوم کی قیادت کی اور قانون ناموسِ رسالت کے خاتمہ سے متعلق حکومتی اور عالمی سازشوں کو ناکام بنایا۔ وہ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے داعی ہیں اور اس کے لئے آئینی و دستوری طریقے سے پرامن جدوجہد کررہے ہیں۔

احقر کی دلی خواہش ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو خداوند کریم نے بڑی صلاحیت اور استعداد سے نوازا ہے خدا کرے کہ حضرت موصوف اس خداداد صلاحیت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے تمام مسالک اور خصوصاً علماء دیوبند کو متفق اور متحد کرنے کی سعی فرمائیں اور اس عظیم مقصد کیلئے اپنی پیرانہ سالی کے باوجود میں خود بھی ان کے شانہ بشانہ جدوجہد کرنے کیلئے تیار ہوں۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا میں ان کے خلاف چلنے والی مہم میرے لئے ہمیشہ فکر مندی کا باعث رہی۔ خدا کرے کہ اپنی خداداد فہم وفراست کے ذریعے وہ اس کا بھی کوئی مداوا کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مشن میں کامیاب فرمائے اور ان کی تگ وتاز کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین!

☆......☆......☆

مولانا فضل الرحمن میری نظر میں

مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہ،
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس پاکستان، مہتمم جامعہ خیرالمدارس، ملتان

مانسہرہ کے قاری شمس الدین عرصے سے مصر ہیں کہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی شخصیت اور خدمات کے حوالے سے ان کی زیر طبع کتاب کے لیے میں اپنے تاثرات و تجربات پر مشتمل چند سطور قلم بند کروں لیکن گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے اس میں تاخیر ہوتی رہی اب انہوں نے بعض قابل احترام شخصیات سے سفارش کروا کر مجبور کیا تو اس حوالے سے مختصراً چند تاثرات پیش خدمت ہیں۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے ہمارا تعلق بہت قدیمی اور دیرینہ ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ تعلق نسل در نسل ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمودؒ چونکہ جامعہ قاسم العلوم، ملتان میں مسند نشیں رہے اس لیے میرے والد گرامی اور جدّ امجدؒ و دیگر بزرگوں کی ان سے شروع سے ہی یاد اللہ تھی اور مولانا فضل الرحمٰن کے عنفوان شباب سے ہی ہمارا اور ان کا باہمی تعلق استوار ہو گیا تھا۔ یادش بخیر 1981ء میں جب میرے والدِ محترم کی مکہ مکرمہ میں رحلت ہوئی اور جنت المعلیٰ میں ان کی تدفین ہوئی اس کے بعد جامعہ خیرالمدارس کے سینئر اساتذہ کرام، مجلس شوریٰ اور اکابر اہل علم نے خیرالمدارس جیسی معروف اور وقیع درسگاہ کے انتظام و انصرام کی ذمہ داریاں میرے ناتواں کندھوں پر ڈالیں تو اس وقت میرے اعزاز میں سب سے پہلا استقبالیہ مولانا فضل الرحمٰن نے دیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب مولانا ابھی تک قومی سیاست کے افق پر پوری طرح نمودار نہ ہوئے تھے۔ اس استقبالیہ کے موقع پر مولانا نے ازراہِ تفنن کہا کہ میں اور آپ دونوں صاحبزادے ہیں لیکن ہمارے درمیان وجہ فرق

یہ ہے کہ آپ کے والدِ گرامی کے رفقاء نے آپ کو قبول کیا، آپ پر اعتماد کیا اور آپ کے والد گرامی کی دستار آپ کے سر پر سجادی جبکہ مجھے اس لحاظ سے مشکلات کا سامنا ہے کہ میرے والدِ گرامی کے رفقاء مجھے تسلیم کرنے، قبول کرنے اور میرے والد کی دستار میرے سر پر رکھنے سے گریزاں ہیں۔ ان کا اشارہ جمعیۃ میں ہونے والے اختلافات اور ٹوٹ پھوٹ کی طرف تھا۔ میں نے عرض کیا کہ مجھ پر میرے اکابر نے جو اعتماد کیا مجھے اس کی لاج رکھنے کے لیے انتھک محنت کرنی پڑے گی اور پھر اللہ کی دی ہوئی توفیق سے گزشتہ تین دہائیوں سے بزرگوں کی دعاوں اور اکابر کے اعتماد کی برکت سے اللہ نے کچھ ٹوٹا پھوٹا کام کرنے کی توفیق مرحمت فرما رکھی ہے۔ آج سے تیس برس قبل مولانا فضل الرحمٰن نے جو گلہ کیا اس کے بعد ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے مولانا نے جس طرح اپنے سیاسی سفر کا آغاز کیا اور اس میں کامیابیاں حاصل کرتے گئے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور کارکردگی سے خود کو منوایا اور پھر وہ لوگ جو ابتداء میں مولانا کے بارے میں اختلافات، خدشات اور تحفظات رکھتے تھے ان کے اختلافات، خدشات اور تحفظات رفتہ رفتہ دور ہوتے چلے گئے۔

مولانا فضل الرحمٰن کو اللہ تعالیٰ نے یوں تو کئی امتیازی خوبیوں سے مالا مال فرمایا ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ ان میں استدلال اور گفتگو کی جو صلاحیت ہے، وہ جس طرح منطق اور دلیل سے اپنا مقدمہ پیش کرتے ہیں اور اپنے سامعین و حاضرین بلکہ ناقدین تک کو اپنا موقف تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں یہ انہی کا خاصہ ہے۔ اگر چہ بعض اوقات حقائق دلائل سے مختلف ہوتے ہیں لیکن مولانا فضل الرحمٰن "دلائل" کی ایسی مالا پروتے ہیں کہ ان کی بات تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا۔ یہ وصف اللہ رب العزت نے مولانا فضل الرحمٰن کو وہبی اور موروثی طور پر عطا فرمایا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمودؒ بھی اس فن کے امام تھے انہیں بجا طور پر متکلم اسلام کہا جاتا تھا۔ حضرت مفتی محمودؒ نے اور اب ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مولانا فضل الرحمٰن نے جس طرح مختلف فورمز پر اسلام، اہلِ اسلام اور اہل حق کی نمائندگی اور

ترجمانی کی وہ بلا شبہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔آج بھی مولانا فضل الرحمٰن مختلف فورمز پر، کئی طرح کی کمیٹیوں میں، ذرائع ابلاغ کے سامنے اور عوامی اجتماعات میں جو گفتگو کرتے ہیں اس کو خراج تحسین پیش نہ کرنا ناانصافی ہی کہلائے گا۔مولانا فضل الرحمٰن بجا طور پر پاکستان کی قومی سیاست کی ان چند ایک شخصیات میں سے ہیں جن کی سیاسی سوجھ بوجھ کے اپنے ہی نہیں بلکہ پرائے بھی معترف ہیں۔ دین اور علمائے اہل حق سے نسبت و تعلق کی بنا پر مولانا کی اس سوجھ بوجھ پر ان کی مومنانہ بصیرت سونے پر سہاگے کا مصداق ہے۔مولانا کی پالیسیوں، حکمت عملی اور طرزِ سیاست سے اختلاف کرنے والے بھی موجود ہیں لیکن ان کی خداداد صلاحیتوں کا انکار ممکن نہیں۔

میں مدارس دینیہ کے خادم کی حیثیت سے اس حقیقت کا اعتراف کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام کے ان قلعوں کی بقا اور دفاع کے لیے جب بھی ضرورت پڑی مولانا فضل الرحمٰن نے بھرپور تعاون کیا، قیمتی مشوروں سے نوازا، سیاسی محاذ کو کمال بصیرت سے سنبھالا اور ہر موقع پر مدارس دینیہ کی قیادت کے شانہ بشانہ رہے۔صرف مدارس ہی نہیں بلکہ ختم نبوت کا معاملہ ہو یا قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مسئلہ، ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا قانون ہو یا شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ، قانون سازی کے مراحل ہوں یا پالیسیوں کی تشکیل کے مواقع مولانا فضل الرحمٰن نے ہر معاملے میں بہت فعال اور کلیدی کردار ادا کیا۔تاہم مولانا فضل الرحمٰن چونکہ روایتی سیاستدانوں سے مختلف ہیں ان کا خاندانی، تعلیمی اور مذہبی پس منظر اور ان سے اہل دین اور اہل وطن کی جو توقعات ہیں ان کے تقاضے بہت سوا ہیں اس لحاظ سے مولانا کی سیاست دودھاری تلوار اور تنی ہوئی رسی کے مترادف ہے اور انہیں بہت زیادہ احتیاط اور توازن کی ضرورت رہتی ہے۔ اسی لیے ہم ان کے لیے ہمیشہ دعا گو رہتے ہیں کہ اللہ رب العزت مولانا فضل الرحمٰن کو دین کی خدمت کی مزید توفیق بخشیں۔ (آمین)

☆......☆......☆

اکابر کی روایات کے محافظ

مولانا زاہد الراشدی مدظلہ،

جانشین امام اہلسنت مولانا سرفراز خان صفدرؒ، جنرل سیکرٹری پاکستان شریعت کونسل،
ڈائریکٹر الشریعہ اکیڈمی، شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ

قومی سیاست میں علماء حق کا ہر دور میں مؤثر کردار رہا ہے اور تحریک آزادی، تحریک پاکستان، تحریک نفاذ شریعت، تحریک تحفظ ختم نبوت، تحریک تحفظ ناموس رسالت اور تحریک تحفظ ناموس صحابہؓ میں اہل حق کی جدوجہد اور قربانیاں تاریخ کے اہم باب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ہمارے آج کے اس دور میں اکابر علماء حق کی ان روایات کا پرچم جن اصحاب ہمت و عزم کے ہاتھ میں ہے ان میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا نام سرفہرست ہے وہ قومی سیاست میں دینی اقدار اور اکابر کی روایات کے تحفظ و تسلسل میں مسلسل مصروف عمل رہتے ہیں۔ ان کے بعض سیاسی افکار یا طریقہ کار کے کسی پہلو سے اختلاف ممکن ہے لیکن اس کے باوجود پاکستان کی قومی سیاست میں علماء حق کی جدوجہد اور اکابر کی روایات کی وہ پورے حوصلے کے ساتھ نمائندگی کر رہے ہیں۔ ہمارے عزیز فاضل قاری شمس الدین شمسی نے مولانا فضل الرحمٰن کے بارے میں اہل علم کے تاثرات اور واقعات کا زیر نظر مجموعہ مرتب کیا ہے جو یقیناً تاریخ کا حصہ بننے کے ساتھ ساتھ جماعتی کارکنوں کے لئے بھی رہنمائی کا کام دے گا۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبولیت سے نوازیں اور سعادت دارین سے بہرہ ور فرمائیں۔ آمین ثم آمین یارب العالمین!

☆......☆......☆

بیدار مغز قائد

شاہینِ ختم نبوت مولانا اللہ وسایا دامت برکاتہم،
مرکزی راہنما عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

باسمہ تعالیٰ وتقدس:

قائد جمعیۃ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اس دور میں قافلہ حق کے حدی خواں ہیں۔عالم اسلام کی آنکھوں کا تارا ہیں۔دنیا بھر کے کفر کو اگر کوئی کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے تو وہ مولانا فضل الرحمٰن کا وجود ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن بہت بیدار مغز قائد ہیں۔آپ استدلال کے بادشاہ ہیں۔اپنا موقف پیش کرنے اور فریق ثانی سے منوانے میں اپنی مثال آپ ہیں۔آپ اعتدال پسند ہیں۔آپ کی اعتدال پسندانہ قیادت نے ہماری مساجد و مدارس کو کفر کی یلغار سے بچائے رکھا ہے۔آپ نے سرحد(موجودہ خیبر پختونخوا) اور بلوچستان میں بڑی کامیابی سے حکومتیں چلا کر دوست و دشمن کو باور کرا دیا کہ علماء کرام کو بھی حکومتیں چلانے کا ڈھنگ بطریق احسن آتا ہے۔

لال مسجد میں مولانا عبدالعزیز کی بحالی،جامعہ فریدیہ کا دوبارہ کھلوانا اور جامعہ حفصہ کے لئے زمین کا حصول یہ سب مولانا فضل الرحمٰن کی حسنات میں شامل ہے۔لال مسجد کے بعد وفاق المدارس میں بعض نوجوانوں نے اعتراضات کا ماحول پیدا کیا تو مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے اسے حیران کن طریقہ پر حل کر کے اس ماحول کی تلخی کو ختم کیا۔

حضرت مولانا اعظم طارق شہیدؒ کی 9 ماہ کی روپوشی کو ختم کرانے میں آپ کا کردار ہے۔حضرت مولانا اعظم طارق شہیدؒ نے بھوک ہڑتال کی تو وہ آپ نے سپاہ کی قیادت کی

درخواست پر جا کر ختم کروائی۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کو فتنہ قادیانیت کے خلاف کام کرنے میں جہاں رکاوٹ پیش آئی ہے سب سے پہلے اسے حل کرنے میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب اپنا کندھا پیش کرتے ہیں۔یہ ملکی حوالے سے سرسری طور پر چند مثالیں عرض کی ہیں۔ہر مشکل وقت میں تمام ملکی اداروں و جماعتوں کی آپ راہنمائی اور مدد کرتے ہیں۔

اس کے باوجود اگر کوئی بدنصیب ان پر تنقید کرتا ہے تو اسے سوائے ذہنی مریض قرار دینے کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔مولانا فضل الرحمٰن کے وجود سے اللہ تعالیٰ نے خیر کو وابستہ کر رکھا ہے۔اپنے اکابرین کی طرز پر جس طرح جمعیۃ علماء اسلام کو آگے بڑھا رہے ہیں یہ انہی کا خاصہ ہے اور ہم اس پر ان کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

☆......☆......☆

اکابر کے مشن کے امین

حضرت مولانا پیر عزیز الرحمٰن ہزاروی مدظلہ،
خلیفہ مجاز شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ، مہتمم دارالعلوم زکریا، راولپنڈی

حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ فی الجملہ بہت سی خوبیوں کے مالک ہیں مگر ان کا یہ اعزاز بھی بہت اہم ہے کہ وہ مفکرِ اسلام شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے صاحبزادہ گرامی قدر ہیں۔ اسی طرح وہ اس وقت اس تکریم سے بھی مزین ہیں کہ وہ اہل حق اولیاء اللہ کی مبارک جماعت جمعیۃ علماء اسلام کے امیر ہیں۔ جمعیۃ علماء اسلام کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس کی بنیاد امت کے اکابر علماء و مشائخ اولیاء اللہ نے رکھی ہے کہ یہ جماعت اسلامی عقائد کی حفاظت اور ہر باطل کے خلاف جہاد کر رہی ہے اور اسلامی سیاست کے ذریعے ملک وملت کی خدمت کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس وقت مولانا اپنے اسلاف کی یاد تازہ کرتے ہوئے یہود ونصاریٰ اور ان کے ایجنٹوں کے خلاف اور مجاہدین اسلام کے دفاع میں اسلام زندہ باد کا نعرہ بلند کر رہے ہیں۔

مجھے خوشی ہے کہ برادر محترم قاری شمس الدین حفظ اللہ ان کی خدمات پر کتاب لکھ رہے ہیں۔ میں مولانا کی بہت سی خدمات کا معترف ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اکابر کی طرح اخلاص للّٰہیت اور ہمت وقوت عطا فرمائے اور ان کی حفاظت فرمائے اور جمعیۃ علماء اسلام کو ہر باطل کے خلاف ہر محاذ پر کامیابی نصیب فرمائے۔ آمین! بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

☆......☆......☆

رہبر ہمیں درکار نہ محتاج خضر ہم

مولانا محمد الیاس گھمن مدظلہ
ناظمِ اعلیٰ اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ، پاکستان

افقِ عالم پر بامِ شہرت کو پہنچنے والی ہستیوں میں سے ایک ہستی ہمارے مخدوم و مکرم عالم باعمل مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کی ہے جنہوں نے میدانِ سیاست میں اہل حق کی ترجمانی فرمائی اور ایوانِ اقتدار سے اٹھنے والی ہر اس بادِ سموم کا سختی سے مقابلہ کیا جو گلشنِ اسلام کو ویرانے میں بدلنا چاہتی تھی۔ ہر دور کے کٹھن حالات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرنا، اپنوں کے نشتر سہہ کر مسکرانا اور خرمن باطل پر بجلیاں گرانا یہ وہ صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مولانا موصوف کو وافر مقدار میں عطا فرمائی ہیں۔ مولانا علماءِ حق کی اس جماعت کے سرخیل ہیں جس جماعت نے اس وقت مسندِ نبوی کا تحفظ کرتے ہوئے امتِ مسلمہ کی اشک شوئی کی تھی جب وراثتِ پیغمبر کے وارث میراثی بن رہے تھے اور انبیاء کی مقدس وراثت سیاست نااہل لوگوں کے ہاتھ میں کھلونا بن چکی تھی۔ شاید آپ کو لفظ ''سیاست انبیاء کے ساتھ دیکھ کر اچنبھا محسوس ہو تو اس اجنبیت کو بخاری شریف کی مندرجہ ذیل حدیث پڑھ کر دور فرمائیں:

"عن النبی ﷺ قال کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء".

(بخاری شریف رقم الحدیث ۳۱۹۶)

ترجمہ (: بنی اسرائیل کے سیاست دان ان کے انبیاء کرام تھے)۔

اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ بدرالدین عینیؒ ارشاد فرماتے ہیں:

"ای تتولیٰ امورھم کما تفعل الامراء والولاۃ بالرعیۃ والسیاسۃ"

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۵۴)

ترجمہ: کہ بنی اسرائیل کے امور کے متولی ان کے انبیاء کرام تھے۔

تو سیاست انبیاء کرام کی مقدس وراثت ہے جسے اہلِ حق علماء ہی کے ہاتھوں میں رہنا چاہیے۔ ہم سرزمین ہند کی سیاست پر نظر دوڑائیں تو جمعیۃ علماء اسلام کا کردار سب سے نرالا اور اجلا نظر آتا ہے۔ تاریخ کے طالب علم کے لئے یہ بات باعث تشنگی ہوگی اگر جمعیۃ کے موجودہ سیٹ اپ کے تعارف سے قبل اس کے شان دار ماضی کی جھلک نہ دکھائی جائے، کیونکہ وہی قومیں اپنا مستقبل محفوظ کرسکتی ہیں، جو اپنے ماضی کے تابناک اور المناک واقعات سے آشنا ہوں، جنہیں اپنے قومی دوست اور دشمن کی پہچان ہو۔

آیئے! ہم مختصراً جمعیۃ کے ماضی پر نظر دوڑائیں تاکہ موجودہ جمعیۃ کی قدر واہمیت کا اندازہ ہو اور ہر اٹھتے طوفان کو دیکھ کر اصحاب علم و فضل کو ہدف طعن بنانے کے بجائے انہیں اپنے اسلاف کی یادگار سمجھ کر سینے سے لگائیں۔

غنیمت ہے جو بچ گئے کچھ آدھ جلے تنکے
سینے سے لگا لو یادگارِ آشیاں سمجھو

آیئے! ذرا آشیانہ تو دیکھ لیں کہ کس قدر محنت اور جانفشانی سے امت کو جمعیۃ کا سائبان فراہم کیا گیا جس نے کڑکتی دھوپ میں نونہالانِ چمن کو ٹھنڈا سایہ فراہم کیا۔

برصغیر پاک و ہند میں ۱۷۰۱ء میں انگریز کے منحوس قدم براجمان ہونے سے لے کر ۱۹۴۷ء کی آزادی تک وہ کون سا دن تھا جب اہلِ دل آزادیٔ وطن کے لئے بے تاب ہو کر سوچ و بچار اور جہدِ مسلسل نہ کرتے رہے ہوں۔ انگریزی جبر و استبداد کے خلاف پہلی تحریک سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی زیرِ قیادت ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو دونوں بزرگوں کی شہادت پر ختم ہوئی۔ دوسری تحریک ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی تھی جسے غدارانِ ملت نے "غدر" کا لقب دیا۔ تیسری تحریک علماءِ صادق پور کی تھی جو ۱۸۸۲ء کو مشہور مقدمہ انبالہ پر ختم ہوگئی۔ چوتھی تحریک حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کی زیرِ قیادت شروع کی گئی جو تحریکِ ریشمی رومال کے نام سے معروف ہوئی اور یہی تحریک تھی جس نے بعد ازاں 1919ء میں جمعیۃ

العلماء کی شکل اختیار کی۔ یہ وہ وقت تھا جب بہت سے اصحاب جبہ ودستار انگریز کی خدمت میں اپنے سپاس نامے پیش کر کے اس کی خوشنودی کے سرٹیفکیٹ لے رہے تھے۔ یہ جمعیۃ ہی تھی جوان دگ گوں حالات میں دفاعِ اسلام اور دفاعِ مسلمین کا فریضہ انجام دے رہی تھی۔ جمعیۃ علماء اسلام کے دستور میں چونکہ اسلامی مراکز اور مسلمانوں کے قومی تشخص کا دفاع کرنا شامل ہے لہٰذا ۱۹۱۴ء میں برپا ہونے والی جنگِ عظیم کے سلسلہ میں جب انگریزی استعمار نے حجازِ مقدس پر قبضہ جمانے اور خلافتِ عثمانیہ کو ختم کردینے کا تہیہ کرلیا تھا تو جمعیۃ العلماء ہی نے ترکِ موالات اور عدم تعاون کی تحریک چلا کر انگریز کے مصائب میں خاطر خواہ اضافہ کیا، ترکوں کی بھرپور معاونت کی اور اپنے جماعتی دستور کی لاج رکھ لی۔ ۱۹۳۲ء میں جب برطانوی اسمبلی میں مسلم اور غیر مسلم کے باہمی نکاح کا ایجنڈا پیش کیا گیا تو جمعیۃ ہی تھی جس نے ڈٹ کر اس کا مقابلہ کیا حتی کہ ظالمانہ قانون ختم ہوگیا۔ ۱۹۲۹ء میں حکومتِ ہند کی مرکزی اسمبلی میں ایک قانون پاس ہوا جس کی رو سے اسلام کے ازدواجی قوانین میں بے جا مداخلت کی گئی تھی اور یہ قانون "ساردا ایکٹ" کے نام سے معروف ہوا۔ جمعیۃ نے بروقت اس خلافِ شرع قانون کا تعاقب کیا اور سول نافرمانی کی تحریک چلا کر اس قانون کو بے اثر بنادیا۔

الغرض ۱۹۲۷ء کے سائمن کمیشن کا بائیکاٹ ہو یا ۱۹۳۰ء کو پشاور کے قصہ خوانی بازار کی اندوہناک شہادتیں، انقلابِ ہند کے بعد مرزائیت کے مقابلے میں تحفظِ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء کی جنگ ہو یا ایوانِ اقتدار سے ۱۹۷۴ء میں قائدِ حریت مفکرِ اسلام مفتی محمود صاحبؒ کا مرزائیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنا، یہ ساری تاریخ شاندار ہے اور اس داستان کا ہر فرد تاریخِ اسلام کا ایک چمکتا ستارہ ہے۔ جمعیۃ کی قیادت یومِ تاسیس سے آج تک ان لوگوں کے ہاتھ میں رہی ہے جو دینی رسوخ اور سیاسی بصیرت رکھتے ہیں۔

؎ در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نہ داند جام و سندان باختن

یہاں یہ بات لطف سے خالی نہ ہوگی کہ تحفظِ ناموسِ رسالت کا قانون اگر اسمبلی سے

پاس کروایا ہے تو مفتی محمودؒ نے اور اگر اغیار کے اشاروں پر اب اسلامی جمہوریہ پاکستان میں تحفظِ ناموسِ رسالت کے قانون 295.C سے گورنمنٹ نے چھیڑ چھاڑ کی تو اس قانون کو مزید پیوندکاری سے اگر تحفظ فراہم کیا ہے تو عظیم باپ کے عظیم بیٹے مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے۔ تحفظِ ناموسِ رسالت کا مسئلہ ہو یا دفاع افغانستان و پاکستان کا، ناموسِ مدارس کی جنگ ہو یا تحفظِ مساجد کی مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے اپنے فرائضِ منصبی کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں فرمائی اور ہر دور میں قوم کی تمناؤں کی لاج رکھی۔ جب ایک سابقہ جرنیل اس قوم کی بچیوں کو میراتھن کے نام پر سڑکوں پہ لانا چاہتا تھا تو بانگِ دہل پارلیمنٹ میں اس کے خلاف آواز بلند کرنے والے یہی مردِ قلندر تھے جن کو ہر دور میں مطعون کیا گیا مگر وہ بغیر کسی طعن کی پرواہ کئے قافلہ کو لیکر جانب منزل رواں دواں رہے۔

یوں تو ہر دور کی تذلیل ہم نے سہی ہے لیکن
ہم نے ہر دور کے چہرے کو ضیاء بخشی ہے
کج کلاہوں کی رعونت کا اڑایا ہے مذاق
ہم نے مجبور زبانوں کو نوا بخشی ہے

میدانِ سیاست میں مولانا حفظہ اللہ کی موجودگی میں ہم تو بے فکری سے یوں ہی کہیں گے۔

مجذوب ہیں طے جذب سے کر لیں گے سفر ہم
رہبر ہمیں درکار نہ محتاج خضر ہم

☆......☆......☆

فضلِ خدا بصورت فضل الرحمن

مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل مدظلہ،

رئیس جامعہ صدیقیہ گلشن معمار، کراچی، مدرس و امام جامعہ فاروقیہ کراچی

اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں اور احسانات اپنے بندوں پر ہیں۔ ہر نعمت کی نوعیت اور کیفیت دوسری نعمتوں سے الگ اور جدا۔ انسان کا وجود اور اس میں مختلف اعضاء اور قویٰ کو ودیعت رکھنا۔ پھر دنیا میں انسان کو ظاہری اور باطنی ان گنت نعمتوں سے نوازنا۔ نیلگوں آسمانوں میں سورج، چاند اور تاروں کی نعمت الگ۔ بارش و بادلوں کا انعام الگ۔

خشک زمینوں کی سیرابی کے لئے بارشوں کا نظام۔ سبزیوں، ترکاریوں اور فصلوں کے پکانے کے لئے سردی و گرمی اور ہواؤں کا نظام، انسان کی خدمت پر فرشتوں اور جنات کا مامور ہونا۔ خلق خدا کو جہنم سے نکال کر جنت اور خالق سے ملانے کے لئے حضرات انبیاء کرامؑ کی پاکیزہ جماعت کو مبعوث فرمانا اور ہر زمانہ میں اپنے دشمنوں (کفار اور طاغوتی طاقتوں) کو کچلنے کے لئے حضرات انبیاء کرامؑ اور ان کے وارثین (علماء کرام) کو بھیجنا۔ رات کی تاریکیوں کو سورج کی روشنیوں سے مات کرنا اور کفریہ اور طاغوتی طاقتوں کو علماء اور مجاہدین کے ذریعہ سے کچلنا۔ غرض یہ سلسلہ اگر ازلی اور ابدی نہیں تو طویل ضرور ہے۔ اگر زمینوں کی سیرابی کے لئے بارش کو رحمت کہا جاسکتا ہے اور رات کی تاریکیوں کو زائل کرنے کے لئے دن کی روشنیوں کو احسان اور انعام گردانا جاسکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ کفریہ اور طاغوتی طاقتوں کو کچلنے کے لئے اور نماردہ اور فراعنہ کے مقابلہ کے لئے علماء کرام کے وجود مسعود کو کیوں ایک عظیم نعمت شمار نہیں کیا جاسکتا۔

علماء کرام کے لئے خدائی سٹرفکیٹ:

آج اگر یہود ونصاریٰ کے حواری حکمرانوں کی نگاہوں میں علماء کی قدر اور عظمت نہیں تو کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماءاور ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون اور العلماء ورثۃ الانبیاء۔ کے تمغہ جات ان کے لئے کافی ہیں۔اس دور میں حکومتیں اور اہل حکومت اور عوام اس بات کے محتاج ہیں کہ علماء کرام ان کو ایک حقیقی انسان شمار کریں اور ان کو کسی مقام و مرتبہ کا حامل سمجھیں اور ان کی عظمت کو تسلیم کرلیں چہ جائیکہ علماء کرام ان سے عزت وقار کی بھیک مانگیں۔

پاسداران شریعت:

اللہ پاک نے علماء کرام کو جن صلاحیتوں اور خوبیوں سے نوازا ہے وہ کسی سے بھی مخفی نہیں۔بقول اہل فارس! عیاں را چہ بیاں

نواب محمد اکبر بگٹی مرحوم جیسا انسان (جو شاید ہی اپنی زندگی میں کسی کو مانتا ہو) نے اپنے دور وزارت علیاء میں جب جمعیۃ علماء اسلام کے نمائندوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ حضرات بوریہ نشین نہایت ہی بیدار دماغ اور زیرک لوگ ہیں۔ظاہر ہے کہ الفضل ما شھدت به الاعداء (کمال وہ ہے کہ جس کا اعتراف دشمن بھی کرلے) کے قانون کے پیش نظر پھر بھی علماء کرام کو غافل اور مغفل اور دقیانوسی کے القابات سے موسوم کرنا سوائے معاند اور احمق کے اور کون کرسکتا ہے۔اللہ کے فضل وکرم سے ہر عالم کی صلاحیتیں جدا، ہر ایک کی خوبیاں الگ، ہر ایک کی خوشبو دوسرے سے ممتاز۔اس برصغیر و پاک و ہند میں اللہ پاک نے علماء دیوبند کثر اللہ سوادھم کو جن علمی اور عملی کمالات سے نوازا ہے ان کا اعتراف اگر کسی نام نہاد مسلمان کو نہ ہو تو نہ ہو لیکن کوئی تو یہ بتائے کہ برصغیر پاک و ہند میں اور افغانستان میں روس اور امریکہ اسکے حامی نیٹو کو لوہے کے چنے چبوانے پر مجبور کرنے والے سوائے علماء دیوبند کے اور کون ہیں۔آج امریکہ کے حامی نیٹو کو بھی اس کا بخوبی علم ہے اس لئے ملت کفر کی دولت اور طاقت جتنا علماء دیوبند کی تقسیم اور ان کو آپس میں لڑانے پر خرچ ہو رہی ہے کسی

اور جماعت کے خلاف اتنا نہیں۔

تفرقہ بازی کے خلاف مولانا فضل الرحمٰن کی کاوشیں:

احقر کا تعلق ایک طویل زمانہ سے درس و تدریس اور وعظ و نصیحت و مناظرہ جیسے امور سے رہا ہے۔ظاہر ہے کہ مدرسہ کے اندر چار دیواری میں رہتے ہوئے ایک شخص امت مسلمہ کے مسائل کو اتنا سمجھ نہیں سکتا جتنا ایک عظیم مفکر اور قائد اس امر کو تاڑ لیتا ہے اور بھانپ لیتا ہے۔میں ایسے مولویوں کو بھی جانتا ہوں جو چند فروعی مسائل کو عقیدہ کا عنوان دے کر امت مسلمہ کو تقسیم کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں اور میں بخوبی جانتا ہوں کہ سوائے ان چار مسائل کے ان کو اور کچھ آتا ہی نہیں تو یہ حضرات ان مسائل کو چھوڑ کر کیا کریں گے دیگر فرق باطلہ سے تو یہ گلہ اور شکوہ بے جا ہے۔افسوس ہے بعض نام نہاد دیوبندیوں پر جو آج ملت کفر سے امت کی نگاہیں ہٹا کر اپنی بعض دینی طاقتوں کے خلاف امت کو ابھار رہے ہیں۔مولانا فضل الرحمٰن کو اس امر کے خلاف احقر نے ہمیشہ کوشاں اور پریشان پایا ہے۔

ایک عجیب واقعہ:

ایک دفعہ کراچی میں ایک مجلس میں ہمارے رفقاء کار ایک عالم دین کے خلاف حضرت مولانا موصوف کو ابھار رہے تھے کہ فلاں شخص پنج پیری ہے۔حضرت مولانا فضل الرحمٰن نے نرم لہجہ میں جواباً فرمایا کہ " بھائی اگر ہم لوگ آپ جیسے تنگ ظرف اور تنگ نظر ہو جائیں تو جماعت کو ہمیں پچاس جگہوں میں بانٹنا ہوگا ،لڑانا ہوگا پھر تو جمعیۃ علماء اسلام کو ختم کرنا ہوگا"۔

مولانا فضل الرحمٰن کا تحملِ تنقید:

حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے یہ خوبی عنایت فرمائی ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھا ہمیشہ ناقدین کی تنقید کو خندہ پیشانی سے سن کر اس کا معقول جواب دیا کرتے ہیں کسی نے کہا کہ آپ کی بڑی دولت بنکوں میں رکھی ہوئی ہے تو فرمایا کہ بھائی مجھے بتا دو کون سا بنک اور برانچ ہے آپ کو میری طرف سے اجازت ہے رقم وصول کرو دو تہائی

آپ لے لو اور ایک ثلث مجھے دیدو آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔امت اخبار والوں نے آپ سے کہا کہ سنا ہے آپ نے باہر ملک میں شادی کی ہے تو فرمایا کہ دوسری تیسری شادی ناجائز نہیں لیکن مجھے معلوم نہیں کہ میری دوسری بیوی کہاں ہے آپ نشاندہی فرمائیں۔غرض یہ ہے کہ آپ نے کئی دفعہ علماء کرام کی مجلس میں یہ بات کئی دفعہ دہرائی ہے کہ میری غلطیوں کی نشاندہی کی جائے میں اصلاح کی کوشش کروں گا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک وسیع قلب اور سینہ عنایت فرمایا ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن سیاست میں:

اگر سیاست منافقت اور دغا بازی کا نام ہے تو حضرت مولانا ایسی سیاست سے یقیناً ناواقف اور نابلد ہیں اور اگر بھٹکی ہوئی قوم کی راہنمائی، ملک و ملت کا تحفظ، اپنے کاز کی حفاظت، لٹیروں اور راہزنوں کا مقابلہ، مظلوم کی فریاد رسی اور پریشان کن حالات میں ان کی دستگیری اور صحیح راہنمائی اور خلفائے راشدین کے نقش قدم پر ان کو چلانا، ملکی اور ایمانی سرحدات کی حفاظت کا نام اگر سیاست ہے تو آنکھیں بند کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس قسم کا سیاسی لیڈر اور قائد اس وقت مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے نہ کوئی بڑا ہے اور نہ ان کے برابر کا، نہ اسکی امید اور توقع ہے۔پاک و ہند کی بدقسمتی ہے کہ اپنے زندہ قائدین کا احترام نہیں کرتے جب ان کا عالم یا لیڈر فوت ہو جاتا ہے تو اس کے بعد اس کو ہیرو بناتے ہیں۔الی اللہ المشتکیٰ والیہ المفزع۔

مولانا فضل الرحمٰن اور جہاد:

میرے بہت پکے اور اچھے دوست یہ بات دہراتے نہیں تھکتے کہ مولانا فضل الرحمٰن کا جہادی میدان میں کوئی کردار نہیں۔نہایت ادب کے ساتھ ان سے میری گزارش ہے کہ آپ نے کتنے پہاڑوں میں کتنے مورچے بنائے ہیں اور کتنے موچوں میں بیٹھ کر آپ نے دشمن پر کتنے گولے برسائے ہیں اور کتنے کافروں کو جہنم رسید کیا ہے۔میں ایسے فضلاء کو بھی جانتا ہوں جن کی دید کو افغانستان کے پہاڑ بھی ترستے ہیں کہ اے کاش ایسے مدعیان جہاد کو قیامت

سے پہلے ہم دیکھ لیتے لیکن شاید افغانستان کے پہاڑوں ، درختوں اور جنات کی یہ حسرت تا قیامت پوری نہ ہو۔ تنقید ایک ایسا سرمایہ ہے کہ ہر ایک کو مفت میں تنقید کرنے کا حق ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جمعیۃ علماء اسلام سے وابستہ جتنے لوگوں نے جتنی قربانیاں دی ہیں شاید ہی کسی اور پارٹی کی اتنی قربانیاں ہوں۔ راقم الحروف کا ایک چھوٹا سا گاؤں وڈمد ضلع خضدار میں زرچین ایک چھوٹی بستی ہے جس کے چار پانچ افراد ایک ہی سال میں افغانستان میں جامِ شہادت نوش فرما چکے ہیں جو کہ جمعیۃ کے پکے کارکن، عاشق اور گرویدہ لوگ تھے۔

مولانا فضل الرحمٰن اور ان کا طریقہ کار:

ہمارے بہت سے دوستوں کو اپنا تعارف اور نمایاں ہونے کا بڑا شوق اور جذبہ و امنگ رہتی ہے۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن میں اللہ پاک نے یہ خوبی رکھی ہے کہ آپ تعارف اور تشہیر کے خواہش مند نہیں بلکہ کارکردگی کے قائل ہیں۔ جو حضرات کام سے پہلے نعرہ لگا کر اپنی تشہیر کے خوگر ہیں ان سے بہت کم ہی کام اور فائدہ کسی کو ملا لیکن جو لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں کے بارے میں شور شرابہ نہیں کرتے وہ لوگ کام والے ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن اور جمعیۃ علماء اسلام کی شوریٰ:

میری دانست اور علم کے مطابق حضرت مولانا فضل الرحمٰن نے آج تک اپنی انفرادی رائے کو کبھی بھی جماعت پر مسلط کیا ہو ایسا کبھی نہیں ہوا ہے یہ ہو سکتا ہے کہ میں جذبات کی موجوں کا شکار ہو کر غلط تحریر کر رہا ہوں اگر کبھی ایسی مثال کسی کے علم میں ہو تو وہ مجھے بتا دیں بلکہ ہمیشہ شوریٰ نے جو طے کیا مولانا موصوف نے اسی کو آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے بلکہ کئی دفعہ اس طرح بھی ہوا ہے کہ مولانا کی رائے بالکل شوریٰ سے مختلف اور شوریٰ کی رائے بالکل الگ۔ حقائق اور مستقبل نے مولانا کی رائے کی تائید کی ہے اور مولانا موصوف کی بات بالکل قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید کا مصداق ثابت ہو چکی ہے اور شورائی رائے سے نقصان بھی ہوا ہے ، لیکن پھر بھی مولانا موصوف نے اپنی ہوشیاری اور بیدار دماغی کا طعنہ دوستوں کو نہیں دیا۔ اس کے برخلاف شاید ہماری جماعت میں شاید ایسے افراد بھی موجود ہیں جو کہ عقل کل،

عقل فعال، عقل فیاض اور عقل عاشر کے مصداق بھی ہیں جنہوں نے کبھی بھی اکثریت کے مقابلہ میں اپنی رائے ترک کی ہو اسکی مثال وہ پیش نہیں کر سکتے۔

حاشاو کلا الی اللہ المشتکیٰ والیہ المفزع.

مولانا فضل الرحمٰن کے مخالفین سے ایک سوال:

حضرت مولانا کے مخالفین سے گزارش ہے کہ مولانا موصوف نہ معصوم عن الخطاء ہیں نہ محفوظ عن الخطاء والنسیان ہیں نہ مولانا کو خود اس کا شوق ہے نہ اس کا دعویٰ ہے نہایت ہی مئودبانہ اور عاجزانہ اپیل ہے کہ مولانا کو برطرف کیا جا سکتا ہے۔ مولانا موصوف امیر منتخب بھی ہوئے ہیں تو شوریٰ کے فیصلہ کی روشنی میں اور ان کو جمعیۃ اور اس کی مجلس عمومی ہی برخاست و معزول کر سکتی ہے مہربانی کر کے مولانا کا نعم البدل پیش کیا جائے بلکہ ایسے افراد سے گزارش ہے کہ ایسا رجل کامل آپ نے کس وقت کے لئے چھپا رکھا ہے امت کو آج اس ہولناک اور قیامت خیز حالات میں قائد اور لیڈر کی شدید ضرورت ہے۔ ایسی عظیم ہستیوں کی نشاندہی کی جائے تو اس امت پر احسان ہو گا۔ نعم البدل تو دور کی بات ہے ان شاء اللہ آپ کے موازی اور مساوی بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔

احقر کا جتنا تعلق اہل علم اہل مدارس اور مجاہدین سے ہے شاید ہی کسی اور کا ہو۔ میری دانست اور علم کے مطابق ہماری تجوری اور تھیلی یا کارخانہ علماء میں ایسا فرد نہیں۔ یقیناً علم و عمل اور تقویٰ اور طہارت میں مولانا سے بڑے لوگ موجود ہیں اس کا انکار نہیں لیکن شاید "یک من علم را دہ من عقل باید" کے قانون کے پیش نظر مولانا کی عقل اور تجربہ ان کے پاس نہ ہو۔

حضرت مولانا نے کئی دفعہ اپیل بھی کی ہے کہ میری غلطیوں کی نشاندہی کی جائے جو حضرات باہر رہتے ہوئے سنگ باری کرتے رہتے ہیں وہ بتائیں کہ مولانا کے آمنے سامنے ان کی بات کتنی مرتبہ ہوئی ہے اور بات معقول ثابت کرنے کے بعد پھر بھی مولانا نے ان کو نظر انداز کیا۔ نہیں ان شاء اللہ ایسا واقعہ کوئی نہیں بتا سکتا۔ اگر مولانا نے کسی موقع پر ایسا کیا

ہے تو وہ بھی مولانا کا انفرادی عمل نہیں ہوگا بلکہ شوریٰ اور اجتماعی رائے کے بعد اس طرح ہوا ہوگا۔

جمعیۃ علماء اسلام نظریاتی گروپ:

جمعیۃ علماء اسلام نظریاتی گروپ کی تشکیل اور جدا ہونے کا سبب بھی مولانا موصوف نہیں بلکہ نظریاتی گروپ والے احباب اگر خدا کو حاظر و ناظر سمجھ کر گواہی دیں تو وہ بھی چند دوسرے افراد سے نالاں نظر آئیں گے۔ مولانا فضل الرحمٰن کے خلاف ان شاء اللہ ان کے پاس بھی کوئی شکایت نہیں ہوگی بلکہ حضرت مولانا کی ایک حسرت اور کوشش تھی کہ یہ برے دن ہم نہ دیکھیں لیکن قسمت کی بدنصیبی کہ فریقین کے درمیان کچھ ایسے کھلاڑی آگئے جن کی وجہ سے یہ نفرت بڑھ گئی اور اس آگ کو بجھایا نہ جا سکا لیکن الحمد للہ ان کا یہ خداع اور دجل کارکنوں سے مخفی نہیں۔ ان شاء اللہ آئندہ کی تاریخ میں مولانا فضل الرحمٰن ان کو آٹے سے بال کی طرح نکال کر الگ کریں گے اور ان گرگ صفات افراد کو بھی نامزد کیا جائے گا۔

یہ امت ایسی غافل امت نہیں بلکہ حلیم و متحلم اور مخلص و بناوٹی شخص کا فرق سمجھتی ہے۔

فتربصوا انا معکم من المتربصین.

مولانا فضل الرحمٰن اور حلیۃ العلماء یا صبغۃ اللہ:

ہمارے کچھ وفاق المدارس کے خریج جو پروفیسر اور لیکچرار لگے تو بجائے اس کے کہ کالجز و یونیورسٹیز کے طلباء کو دین دار بنائیں خود اپنی ڈاڑھیوں کو بھی مصریوں کی طرح تراشنے لگے۔ قمیض شلوار کی شکل پینٹ پتلون کی ہوگئی۔ بھیجا تھا ہم نے شکار کے لئے لیکن شیطان اور اس کے حواریین کے شکار ہوگئے۔ کمال ہے مولانا فضل الرحمٰن کا ایک عرصہ سے حکومت میں رہتے ہوئے گرگ اور ذیاب (بھیڑیوں) کی اسمبلیوں میں رہنے کے باوجود نہ لباس کو انگریزی بنایا نہ ڈاڑھی کو چھیڑا نہ مفتی محمودؒ کی پگڑی (رومال) کو ترک کیا نہ نماز باجماعت کو نظر انداز کیا۔ اگر یہ اللہ کی خصوصی نگاہ اور رحمت کا اثر نہیں تو کیا ہے؟

مفتی محمودؒ اور مولانا فضل الرحمٰن نے حکومت کر کے دکھائی:

شیخ الہندؒ نے نفاذ اسلام کی تحریک چلائی مگر حکومت کرنے کا موقع ہاتھ نہیں آیا ان کے شاگرد رشید شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ نے تحریک چلائی مگر حکومت کرنے کا موقع آپ نے بھی نہیں دیکھا مگر مفتی محمودؒ نے سرحد کے وزیر اعلیٰ بن کر دکھایا اور اس کے بعد جمعیۃ علماء اسلام کے کئی اراکین کو مختلف ادوار میں کلیتاً حکومت کا موقع نہیں ملا مگر جزوی طور پر ہی حکومت کر کے گوروں کے ثنا خوانوں اور بوٹ پالش کرنے والوں کو دکھا دیا کہ علماء بھی حکومت کرنا جانتے ہیں۔ اس وقت علماء اگر اپنی اہلیت کی مثال پیش کر سکتے ہیں تو سوائے جمعیۃ علماء اسلام کے کس کو بطور مثال پیش کریں گے؟

مولانا فضل الرحمٰن اور ان کے ناقدین:

ہم پہلے ہی عرض کر چکے ہیں کہ مولانا موصوف تنقید سے بالاتر نہیں ہیں اور مولانا پر تنقید کرنے والوں میں سے بعض کی نیتوں پر شک بھی نہیں کیا جا سکتا لیکن بعض تو ماشاء اللہ بڑے کھلاڑی ایجنسیوں کے آلہ کار بالواسطہ یا بلا واسطہ اگر تحقیق کی جائے تو بعض حضرات تہہ در تہہ آخر کار ایجنسیوں کے شکار ہیں۔ علماء دیوبند کی یہی ایک جماعت ہے جو حکومتی سطح پر اغیار و دشمنوں کی آنکھوں میں کھٹکتی ہے جس کا ہر حکومت پر ایک پریشر ہے چاہے وہ مسلم لیگ ہو یا پیپلز پارٹی۔ آج تک مولانا موصوف کا ایک طویل عرصہ میدان سیاست میں گذرا ہے اور ملک پاکستان کی قیادت اور ملک وملت کے مفاد میں مولانا کی کارکردگی کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں۔ کسی بھی بڑے لیڈر کے سر پر قرآن رکھ کر حقیقت کا اظہار ان سے کرایا جائے تو اکثر اس بات کا اعتراف کریں گے کہ اس میدان کے شہسوار اور سباق الغایات مولانا ہی ہیں۔ اللہ بھلا کرے معاندین اور اعداء علماء کا جو اس حقیقت کا اعتراف نہیں کرتے ورنہ حقیقت بالکل واضح ہے۔ مولانا کے مخالف بعض قد آور علماء کرام ہیں جو بالکل حقیقت سے غافل ہیں اور بعض ان میں مخلص بھی ہیں لیکن ان کو حقائق سے بالکل دور رکھا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ حضرات معذور ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو خود لیڈر بننے کے شوقین ہیں جن

کا جواب بالکل واضح ہے۔ایسے لوگوں سے نمٹنے کی ضرورت نہیں۔مولانا موصوف اوران کے حامی ان کے سامنے ہتھیار ڈالدیں اور اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً۔کا مصداق سمجھ کران سے کنارہ کش ہوں تو بہتر ہے میرے پاس اس قسم کے بہت سے لوگ تشریف بھی لائے ہیں جن کے سامنے مولا فضل الرحمٰن سے بڑھ کر دین کا کوئی دشمن نہیں ایسے لوگوں کو خدا ہی سمجھائے۔

بعض لوگ تو ایسے بھی ہیں کہ انگریز نواز میڈیا کی جھوٹی خبروں پر کان دھرتے ہیں ان کے سامنے اگر سچی خبر رکھ دی جائے تو اسے حدیث موضوع سمجھ کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتے ہیں ان کو وہ خبر چاہیے جس میں مولانا فضل الرحمٰن کی تذلیل اور تحقیر ہو۔کاش یہ حضرات مولانا کو قریب سے جا کر دیکھتے تو ان باتوں کی نوبت نہ آتی۔خلاصہ یہ ہے کہ:

اول:

مولانا موصوف تنقید سے بالاتر نہیں مگر تنقید مدلل اور ثبوت کے ساتھ ہونی چاہیے۔ انشاء اللہ مولانا اسے قبول کرنے میں تامل سے کام نہیں لیں گے۔

دوئم:

مولانا کا موقف شوریٰ کا فیصلہ ہوتا ہے پھر صرف اکیلے مولانا کو تنقید کا ہدف کیوں بنایا جاتا ہے۔

سوئم:

بہت سے حکومتی اہل کاروں کو جتنا مولانا صاحب قریب سے جانتے ہیں عام شخص کو ان کا علم نہیں تو بغیر تحقیق مولانا پر سنگ باری شرعاً اور اخلاقاً کسی طرح بھی روا نہیں۔

چہارم:

مولانا کے ناقدین بتادیں کہ ہمارے پاس کون سا ہیرو ہے جس کو مولانا کی جگہ پر امیر منتخب کیا جائے اور مولانا کو معزول کر دیا جائے۔

پنجم:

ہم نے مولانا کو کتنا سپورٹ کیا ہے اور ہماری سیٹوں کا تناسب مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کے مقابلہ میں کیا ہے۔کون سی بھاری تعداد میں ہم نے علماء کو جتوایا ہے اور ان کو اسمبلیوں میں بھیجا ہے کہ آپ نے ہمارے ساتھ خیانت کی ہے اور ہماری صحیح ترجمانی نہیں کی۔غرض یہ کہ علماء کرام کو خاص طور پر اور عوام کو چاہیے کہ جمعیۃ علماء اسلام کا ہاتھ بٹا کر دین کا ساتھ دیں۔اغیار و اعداء کی دھوکہ بازی کا شکار نہ ہوں اور ان حضرات کی جزوی کامیابی اور چند معدودے وزارتوں کو سامنے رکھ کر ان کی کارکردگی کو اسی تناسب سے دیکھا جائے اور اس کا تقابل مسلم لیگ، پیپلز پارٹی اور دیگر تنظیموں کو سامنے رکھ کر کیا جائے تو ان شاء اللہ بات سمجھنے میں دشواری پیش نہیں آئے گی۔خاص طور پر ان علماء سے گزارش ہے کہ کیا جمعیۃ علماء اسلام کے کارکن اتنے گئے گزرے ہیں کہ ان کے مقابلہ میں آپ کو پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ اچھے لگے۔کیا اس ڈاڑھی اور ریش کے ساتھ ہم لوگ پیپلز پارٹی، مسلم لیگ یا عوامی نیشنل پارٹی میں اچھے لگتے ہیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت مولانا کی کاوشوں اور ان کے رفقاء کار کے مجاہدہ اور ریاضتوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔اللہ تعالیٰ پوری امت مسلمہ کا حامی و ناصر ہو۔

☆......☆......☆

مفتی محمودؒ کے حقیقی جانشین

حضرت مولانا محمد حسن عباسی،
خلیفہ مجاز مولانا احمد علی لاہوریؒ، مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم، شاہ پور چاکر، ضلع سانگھڑ

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور زندگی گزارنے کا مکمل ضابطہ ہے۔ انفرادی و اجتماعی تمام معاملات میں دین کی اتباع ضروری ہے۔ انفرادی معاملات میں علماء کی انفرادی آراء کافی ہیں لیکن ملکی معاملات میں انفرادی آراء کافی نہیں ہیں اس کے لئے علماء کرام کی باہمی سوچ و مشاورت کی ضرورت ہے جس کے لئے ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے موجودہ دور میں امت مسلمہ کی اس سلسلہ میں راہنمائی کے لئے جمعیۃ علماء اسلام (جو کہ علماء حق کی سب سے بڑی اور نمائندہ جماعت ہے) حالات اور وقت کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بطریق احسن کام کر رہی ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام ہر دور میں اکابر علماء کرام کی سرپرستی و قیادت میں کام کرتی رہی ہے اور آج بھی اکابرین امت کی سرپرستی میں کام کرنے والی واحد جماعت ہے جس کی قیادت کا تاج قائد ملت اسلامیہ امام انقلاب مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ کے سر پر سجا ہوا ہے۔ درحقیقت مفتی محمودؒ کے فرزند نے ان کی جانشینی کا حق ادا کیا۔ قائد جمعیۃ کی پالیسیاں حالات اور وقت کے تقاضوں کے عین مطابق ہوتی ہیں۔ قائد جمعیۃ ہر موقع پر جید علماء کرام کی مشاورت سے راستے کا تعین کرتے ہیں۔ مولانا فضل الرحمٰن کی صورت میں اللہ پاک نے امت مسلمہ پر بڑا احسان کیا ہے۔ ہمیں قائد محترم کے فیصلوں پر مکمل اعتماد ہے اور انہیں ہماری مکمل حمایت حاصل ہے اور ہمیں ان کی قیادت پر فخر ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن کا سایہ تادیر امت مسلمہ کے سروں پر قائم و دائم رکھے اور ہر طرح کے فتنوں سے ان کی اور ہم سب کی حفاظت فرمائے اور ان کی کاوشوں کو ہماری فلاح دارین کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

☆......☆......☆

بے مثال قائد

مولانا عبدالصمد ہالیجوی حفظہ اللہ،
امیر جمعیۃ علماء اسلام، سندھ، سجادہ نشین درگاہالیجی شریف، سکھر

مولانا فضل الرحمٰن نے جو کارنامے سرانجام دیئے وہ کسی اور کے بس کی بات نہیں۔میرے خیال میں مولانا نے مفتی محمودؒ سے بھی بڑھ کر کام کیا ہے۔میں ان کی شان میں کچھ بھی کہوں کم ہے۔اللہ پاک ان کے علم، دماغ وعقل میں برکت عطا فرمائے۔آمین!

☆......☆......☆

جمعیۃ اور قائد جمعیۃ کی خدمات

مولانا حمد اللہ جان دامت برکاتہم،
بانی و مہتمم دارالعلوم عربیہ مظہر العلوم، ڈاگئی صوابی خیبر پختون خواہ

جب بھی مسلمانوں پر کڑا وقت آیا ہے علماء کرام اور اولیاء اللہ نے مسلمانوں کی اقدار، عقائد اور مفادات کے تحفظ کیلئے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ یوں تو علماء کی قربانیوں اور کاوشوں کی تاریخ کافی طویل ہے لیکن امام اعظم ابو حنیفہؒ سے لیکر حضرت شاہ ولی اللہؒ تک علماء نے ہمیشہ جاندار کردار ادا کیا۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اکبر کے دین الٰہی کے خلاف حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحریک ہو، 1857ء کی جنگ آزادی ہو، بالاکوٹ کا معرکہ ہو یا کالا پانی کی صعوبتیں ہوں فرنگی استبداد کے سامنے سیسہ پلائی دیوار کی طرح کھڑے ہو کر اسلامی اقدار اور تشخص کی حفاظت اپنے جان و مال کی قربانیاں دیکر جس طرح علمائے دیوبند نے کی ہے تاریخ میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ فرنگیوں سے ہندوستان کی آزادی اور مشنری اداروں کے ذریعے مسلمانوں کو دوسرا مذہب اختیار کرنے سے روکنے کے لیے علمائے دیوبند کا کردار کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس طرح لاتعداد علماء وطلباء کی قربانیوں سے وجود میں آنے والی مملکت پاکستان کی بقاء اور اسلامی تشخص کی حفاظت کے لیے علمائے دیوبند کی روایت جمعیۃ علماء اسلام کا کردار روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اسلام کے نام پر حاصل کردہ اس وطن کو شروع دن سے ہی سیکولرازم کے پجاریوں نے اپنی نظر میں رکھا اور اس کے اسلامی تشخص کے خلاف سازشوں میں مصروف عمل رہے لیکن اللہ تعالیٰ کے کرم سے دیوبند کے نظریہ کے امین علماء کرام نے ہر دور میں ان سازشیوں کو ناکام بنایا ہے۔ علماء کی پہلی کامیابی 1948ء میں قرارداد مقاصد کی منظوری تھی جو آج تک آئین پاکستان کی بنیاد ہے جس کے مطابق حاکم

اعلیٰ اللہ کی ذات ہے اور قرآن و سنت دستور کی بنیاد ہوگا۔ جمعیۃ علماء اسلام نے ہر دور میں اسلامی نظام کے نفاذ اور غیر اسلامی قوانین کو روکنے کے لیے عملی جدوجہد کی ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمودؒ، حضرت مولانا عبدالحقؒ، حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور دیگر اکابرین جمعیۃ نے اسمبلی کے اندر اور باہر بھرپور طریقے سے اپنے عقیدے کا دفاع کیا۔ 1973ء کے آئین کی اسلامی دفعات انہی علمائے کرام کی مرہون منت ہیں۔ 1974ء میں قادیانیوں کو متفقہ طور پر کافر قرار دینے والے بھی یہی علماء کرام تھے۔ عالمی اسلامی تحریکوں کی بھی ہر ممکن حد تک حمایت علماء دیوبند کا وطیرہ رہا ہے۔

جب حضرت مولانا مفتی محمودؒ اس دار فانی سے کوچ کر گئے تو اکابر علماء کا خیال تھا کہ انکے نوجوان فرزند مولانا فضل الرحمن کے لیے جمعیۃ علماء اسلام کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانا مشکل ہوگا یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء نے مولانا عبداللہ درخواستیؒ کو امیر مقرر کرنے کا فیصلہ کیا لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا فضل الرحمن نے انتہائی فہم و فراست سے جمعیۃ کے معاملات کو آگے بڑھایا اور اپنے آپ کو مولانا مفتی محمودؒ کا حقیقی جانشین ثابت کیا۔ جس طرح انہوں نے ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھایا اور احسن طریقے سے ان سے عہدہ برا ہوئے یقیناً حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور دیگر اکابرین کی روحیں آج بھی اپنی قبروں میں مسرور ہوں گی۔ تقریباً اکثر علماء کرام جو کہ مولانا فضل الرحمن کی نوجوانی کو تجربہ کی کمی سے تعبیر کرتے تھے آج انکی قیادت پر متفق ہیں۔

مولانا فضل الرحمن کے ساتھ ہمارا اس زمانے سے تعلق ہے جب حضرت مفتی محمودؒ کی انتخابی مہم کے سلسلہ میں ہم انکے انتخابی حلقہ میں انتخابی مہم کے لیے جایا کرتے تھے۔ یہ مولانا فضل الرحمن کی جوانی کا زمانہ تھا اس وقت ان میں ایک جوش تھا اور وہ ہر جگہ حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی انتخابی مہم میں پیش پیش رہتے تھے۔ جمعیۃ علماء اسلام شروع دن سے ہی اپنے مقصد اور نصب طاقت رکھنے والی جماعت کے طور پر اسے جانا جاتا ہے اور کسی بھی قومی فیصلے میں اسے نظر انداز کرنا ناممکن ہے۔ مولانا فضل الرحمن کی قیادت کی بدولت تاریخ میں پہلی بار ملک کی دینی جماعتوں کو اکٹھا کیا گیا اور قومی اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر اور سرحد (خیبر پختونخواہ) اور بلوچستان میں حکومتیں

بنائیں جس کے ثمرات اور کامیابیوں کی ایک دنیا معترف ہے۔ اس ملک کی سیکولر قوتیں اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کیلئے اس ملک کے اسلامی تشخص کے خلاف سازشوں میں مصروف عمل رہتی ہیں۔ کبھی راجہ داہر کو ہیرو ماننے کا اعلان کرتے ہیں نعوذ باللہ، کبھی اللہ اکبر کا دور گزرنے کا تو کبھی ناموس رسالت کے قانون میں تبدیلی کا اور کبھی مدارس و مساجد کے خلاف پراپیگنڈا چلاتی ہیں لیکن ان تمام سازشوں کا جمعیۃ علماء اسلام مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت میں پر عزم انداز میں مقابلہ کرتی ہے اور سیکولرازم کے پجاریوں کو ان کے ناپاک عزائم میں کامیاب نہیں ہونے دیتی۔ جمعیۃ علماء اسلام دین کے ہر شعبے میں گرانقدر خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ جہاد افغانستان سے لیکر مسلم ممالک میں امریکہ اور دوسری سامراجی قوتوں کی مداخلت کے خلاف دینی مدارس و مساجد کے تحفظ، ناموس رسالت کے تحفظ، ملک کے اسلامی تشخص کے بچاؤ اور وطن عزیز کی سالمیت کیلئے جے یو آئی کا کردار سنہرے حروف میں لکھا جائے گا۔ آج بھی پوری دنیائے کفر کی نظریں وطن عزیز پاکستان پر لگی ہوئی ہیں اور یہ کفریہ طاقتیں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے سازشوں میں مصروف عمل ہیں۔ ایسے میں پوری قوم کو چاہئے کہ وہ جمعیۃ علماء اسلام اور مولانا فضل الرحمٰن کے ہاتھ مضبوط کریں۔ ہم امید کرتے ہیں کے انشاءاللہ بہت جلد جمعیۃ علماء اسلام ایک مرتبہ پھر متحد ہوگی اور جمعیۃ کے اکابرین کے اتحاد کے ثمرات امت پر عیاں ہونگے اور اللہ رب العزت کی نصرت آئے گی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مولانا فضل الرحمٰن سمیت دیگر اکابرین جمعیۃ، کارکنان جمعیۃ اور تمام مسلمانوں کو حفظ و آمان میں رکھیں اور ہمیں "اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام" کے نفاذ کیلئے عملی جدوجہد کی توفیق عطاء فرمائیں۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین!

☆......☆......☆

قائد جمعیۃ کی خدمات

مولانا محمد مجاہد خان الحسینی،

فاضل دارالعلوم دیوبند، خادم خاص شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنیؒ

مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ پاکستان میں اس جماعت کے امیر ہیں جس کے اکابر علماء حق نے انگریز سامراج سے برصغیر کی آزادی کی بنیاد رکھی تھی۔ 1857ء کی جنگ آزادی سے دارالعلوم دیوبند کے قیام تک حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا مجاہدانہ کردار، تحریک ریشمی رومال سے جمعیۃ علماء ہند کی سیاسی جدوجہد تک حضرت شیخ الہندؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، شیخ الاسلام حضرت سید حسین احمد مدنیؒ کی وہ بیش بہا خدمات اور قربانیاں جن کی بدولت ہمیں آزادی ملی اُن کا تذکرہ چند سطور میں ممکن نہیں۔

یہ نصف صدی کا قصہ ہے

دو چار برس کی بات نہیں

قیام پاکستان کے وقت مسلمانان ہند کو باور کرایا گیا تھا کہ یہاں اسلامی نظام کا نفاذ ہوگا لیکن بدقسمتی سے آج تک اسلام کا عملی نفاذ نہ کیا گیا۔ جمعیۃ علماء اسلام جماعتِ شیخ الہندؒ کا تسلسل ہے اس لئے جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت میں آج سب سے بڑے سامراج اور عالمی دہشت گرد امریکہ سے وطن عزیز کو حقیقی آزادی دلانے اور ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے کوشاں ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن اپنے والد مولانا مفتی محمودؒ کی طرح علماء کا معتمد ہے۔

مولانا کی سیاسی جدوجہد میں کارہائے نمایاں تو بے شمار ہیں لیکن چند ایک کا تذکرہ مناسب سمجھتا ہوں۔

مولانا نے جمعیۃ کی قیادت اس وقت سنبھالی جب ملک پر جنرل ضیاء الحق کی آمریت مسلط تھی۔ مولانا نے بحالی جمہوریت کیلئے MRD کی تحریک میں ہراول کردار ادا کیا۔

دیوبندی بریلوی اختلاف کو ختم کرنے کیلئے علامہ شاہ احمد نورانیؒ کے ساتھ ملکر اسلامی جمہوری محاذ کا قیام اور بعد میں اس کے دائرہ کو مزید وسیع کر کے MMA کا قیام۔

افغانستان پر امریکی حملہ کے بعد تحریک تائید طالبان میں قائدانہ کردار۔

پشاور میں ڈیڑھ سو سالہ خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس کا انعقاد۔

تحفظ ناموس رسالت کے قانون کا مکمل دفاع، تحفظ ختم نبوت اور تحفظ دینی مدارس کے سلسلے میں مولانا کا کردار قابل تحسین ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا فضل الرحمٰن کو اپنی حفظ وامان میں رکھیں اور اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے جمعیۃ علماء اسلام کی کاوشوں کو قبول فرمائیں۔

☆......☆......☆

ایک حق گو عالم دین

مولانا مفتی محمد حسن دامت برکاتہم،
خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی شاہؒ، استاذ الحدیث جامعہ مدنیہ (جدید)، رائیونڈ روڈ لاہور

نحمده و نصلی علیٰ رسوله الکریم. امابعد!

اللہ رب ذوالجلال کا بہت بڑا احسان وفضل وکرم ہے کہ انہوں نے اپنے دین مبین کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون.

اور عالم اسباب میں اس کی حفاظت کا انتظام یوں فرمایا ہے کہ اہل حق کی ایک جماعت کو اپنے دین مبین کے تمام شعبوں کی حفاظت کے لئے چن لیا ہے جو قیامت کی صبح تک دین حق کے تمام شعبوں کی نگہبانی کا فریضہ سرانجام دیتی رہے گی۔

اہل حق کے اس قافلہ کی ایک عظیم خوش نصیب ہستی قائد جمعیۃ حضرت اقدس مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم العالیہ کی ہے جنھوں نے اپنے عظیم والد گرامی حضرت اقدس حضرت مفتی محمود صاحبؒ کی جانشینی کا صحیح حق ادا کرتے ہوئے دین حق کی پاسبانی کرتے ہوئے ہر مشکل موڑ میں اہل حق کی طرف سے حق گوئی کا پورا فریضہ سرانجام دیا۔ بندہ اہل حق کی جماعتوں کے تمام ارکان کی خدمت میں ایک عرض پیش کرتا ہے کہ بڑوں میں کسی مسئلے میں اختلاف رائے ہو بھی جائے لیکن ہم چھوٹوں کے لئے یہ ہے کہ ان بڑوں کے ادب واحترام میں کوئی فرق نہ آنے پائے اور اللہ پاک کی بارگاہ میں یہ التجا کرتے ہیں کہ یا اللہ ہمارے اور ہمارے تمام اکابر کے قلوب کو خیر پر مجتمع فرمادے۔ انشاء اللہ یہ نیک جذبہ قلوب کو اپنے اکابر کی محبت سے سرسبز وسرشار رکھے گا۔

اللہ تعالیٰ قاری شمس الدین صاحب زید مجدھم اور حضرت مولانا شجاع الدین صاحب مدظلہ کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے قائد جمعیۃ حضرت اقدس مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے ذکر خیر کو بڑی محنت سے جمع کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس نیک کاوش کو قبول فرمائے اور اپنی رضاء اور خوشنودی کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

☆......☆......☆

رشک زمانہ

مولانا سعید یوسف مدظلہ

امیر جمعیۃ علماء اسلام، آزاد جموں وکشمیر، مدیر جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ تعلیم القرآن، پلندری آزاد کشمیر، جانشین شیخ الحدیث مولانا یوسف خانؒ، رکن مجلس عاملہ وفاق المدارس العربیہ، پاکستان

۷۰ء کی دہائی کا زمانہ تھا۔ کمیونزم اپنے عروج پر تھا۔ کمیونزم اور سرمایہ دارانہ نظام کی سرد جنگ بھی اوج ثریا پر تھی۔ اسلام اور اس کی تعلیمات ازلی، ابدی اور حق ہونے کے باوجود مستور تھیں۔ مذہب بیزار لوگ مذہب کو افیون قرار دے چکے تھے۔ ان کے ہاں مذہب کا سیاست میں کردار شجر ممنوعہ تھا۔ ان حالات میں ذات باری تعالیٰ (جس نے تعلیماتِ وحی کی حفاظت کا ذمہ لیا ہوا ہے) حضرت مفتی محمودؒ کی قیادت میں علماء حق کی جماعت کو میدان میں لے آئی۔ علماء کی اس جماعت نے زمانے کو اسلام کے اصل چہرے اور اس کی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ اپنی بساط کے مطابق بلکہ اس سے بھی بڑھ کر نہ صرف بیرونی دشمن کا مقابلہ کیا بلکہ ردائے اسلام کی اوٹ میں چھپے اغیار کے گماشتوں سے بھی اپنی صفوف کی تطہیر کی کہ "پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا"۔

مگر موت ایک اٹل حقیقت ہے اس سے مفر ممکن نہیں۔ قافلہ حق وصداقت کے افراد ایک ایک کر کے بچھڑتے گئے تا آنکہ میر کارواں بھی داعی اجل کو لبیک کہہ کر ان ساتھیوں کے ہم نشین ہوئے جو اپنا مشن مکمل کر کے اس سرعت سے اللہ کو پیارے ہوئے کہ خال خال ہی کوئی شخص رہ گیا ہو۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی رحلت ایسا خلا پیدا کرگئی کہ یوں محسوس ہونے لگا کہ شاید یہ

خلا اب پر نہ ہو سکے، نامعلوم اس کے لئے کتنا عرصہ درکار ہوگا۔ برصغیر کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ بڑی بڑی سیاسی، مذہبی اور سماجی تنظیموں کا زوران کے اکابر کی موت سے ٹوٹ گیا۔ کانگریس و مسلم لیگ کی عظمت و ہمہمہ گاندھی اور جناح صاحب کے ساتھ ہی رخصت ہوگیا۔ حضرت شاہ جیؒ کی موت احرار کا طنطنہ و دبدبہ ساتھ لے گئی، بلکہ احرار کی تصویر کا رنگ ہی پھیکا کر گئی۔ یہی خطرہ حضرت مفتی صاحبؒ کی رحلت کے بعد محسوس کیا جانے لگا لیکن قدرت نے امید ویاس کے اس موقع پر ایک نوجوان فضل الرحمٰن کو دنیا کے سامنے متعارف کروایا۔ قبل ازیں لوگ اس نام سے کم ہی واقف تھے۔ اسے سوئے اتفاق کہیے یا کچھ اور کہ جب اس نوجوان نے سیاست کی ہزار شیوہ دلہن سے آنکھیں چار کیں تو مارشل لاء کا دور دورہ تھا۔ آزادیِ رائے عنقا تھی۔ جمہوریت کی رسمِ قل بھی ادا ہو چکی تھی۔ جمہوریت کے احیا کے لئے دیگر جماعتوں نے MRD کے پلیٹ فارم سے جدوجہد شروع کی۔ اس اتحاد میں شامل سیکولر جماعتوں کے ساتھ کام کرنے میں اکابر علماء کو کچھ تحفظات تھے مگر مارشل لاء حکومت کے خاتمے کے ساتھ ملک بھر میں پہلے عام انتخابات ہوئے تو جمعیۃ علماء اسلام ملک بھر میں سب سے بڑی دینی جماعت بن کر ابھری۔ یہی نہیں بلکہ بلوچستان میں حکومت سازی میں اس کا کلیدی کردار رہا۔ اکابرین کے تحفظات کے بادلوں کو اپنے عمل و کردار اور جہدِ مسلسل سے منتشر کر کے ثابت کر دیا" کبرنا موت الکبراء" (بڑوں کی موت نے ہمیں بڑا کر دیا)۔

مولانا فضل الرحمٰن کی صلاحیتوں کے نکھار میں مکتب کی کرامت کے ساتھ ساتھ فیضان نظر کا بھی ہاتھ تھا۔ جب آپ نے آنکھ کھولی تو حضرت مفتی محمودؒ جیسے باپ کی شفقت ملی۔ مولانا عبدالحقؒ صاحب اوران جیسے دیگر اکابرین کی تربیت ملی۔ سیاست آپ کی جیب کی گھڑی اور ہاتھ کی چھڑی بنی۔ رموزِ سیاست سے واقفیت آپ کیلئے چنداں دشوار ثابت نہ ہوئی۔

راقم کے والد گرامی (شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف خان صاحبؒ) جب بقیدِ حیات تھے تو ان کا وجودِ مسعود اور پھر ان کے وصال کے بعد ان کی تعلیمات راقم کے لئے ہمیشہ مینارۂ نور ثابت ہوئیں۔ حضرت والد گرامی جہاں اپنے اکابرِین سے بے پناہ محبت وعقیدت رکھتے

تھے وہاں ان کی تعریف میں بھی رطب اللسان رہتے تھے وہیں اپنے اصاغر کی صلاحیتوں کے بھی معترف تھے۔ انہیں داد تحسین دینے میں ہمیشہ فراخ دل رہے۔ ان کی تعریف وتوصیف میں کبھی بھی بخیلی کو قریب نہ آنے دیا۔ حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانیؒ صاحب، مولانا مفتی تقی عثمانیؒ صاحب اور سیاست کے میدان میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب خاص کر ان کے ممدوح اصاغر رہے۔ دیگر وجوہات میں سے شاید یہی راقم کے دل و دماغ میں مولانا فضل الرحمٰن کی محبت دو چند کر گئی۔

مولانا نے سیاست میں اصول وضع کیے۔ رواداری وتحمل کے جذبات پیدا کیے اس وادی پرخار میں نہایت پھونک کر قدم رکھا۔ ایسے کسی بھی قول وفعل سے اجتناب کیا جس سے اسلام اور اکابرین کی عزت پر آنچ آتی ہو۔ مجھے ۸۰ء کی دہائی کا زمانہ اچھی طرح یاد ہے جب بے نظیر بھٹو حکومت کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش ہوئی تو فریقین کے اراکین کی بولیاں لگ رہی تھیں۔ سودے بازی عروج پر تھی۔ ہر فریق اپنے اپنے MNAs کو مری اور سوات میں چھپائے بیٹھا تھا کہ کہیں زیادہ بولی پر بک نہ جائیں مگر جمعیۃ کے یہ درویش اور فاقہ مست انمول نکلے کسی بھی قسم کی پیشکش کو پائے حقارت سے ٹھکرا کر اپنے اکابرین کی سنت کی لاج رکھی۔ سیکولر، لادین اور مفاد پرست عناصر کو واضح پیغام دیا کہ قافلہ حق وصداقت کا ہر سپاہی انمول ہوتا ہے۔

مولانا نے پارلیمنٹ کے فلور پر اسلام، اسلامی قوانین، اہل اسلام اور مسئلہ ختم نبوت کا بڑی جرات سے دفاع کیا۔ اسلامی نظریاتی کونسل کا مسئلہ ہو، حدود آرڈیننس کا معاملہ ہو، ۷۳ء کے آئین کی بقاء کا معاملہ ہو، قرارداد مقاصد اور اسلامی شناخت، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا مسئلہ ہو یا دینی مدارس کی بقا کی جنگ ہو ہر معاملہ میں آپ نے دلائل و براہین کے انبار لگا کر مخالفین کو ناکوں چنے چبوائے۔ ہر ایسی بات جو دین حنیف کے مغائر ہو کے سامنے آپ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے۔ مولانا کا وجودِ مسعود اسلامیانِ پاکستان کے لئے راحت واطمینان کا باعث ہے۔ ان جیسی وقیع، فہیم، زیرک وزمانہ شناس شخصیت کی موجودگی میں

خلافِ شریعت کوئی قانون سازی نہیں ہو سکے گی۔ ان شاء اللہ!

مولانا آسمانِ سیاست کے ہی درخشندہ ستارے نہیں، آپ میدانِ خطابت کے بھی بے مثل شہسوار ہیں۔ آپ کی تقریر جذباتیت سے بالکل پاک اور دلائل و براہین سے پُر ہوتی ہے۔ ایک خوبصورت وجود میں عنفوانِ شباب میں جو رعنائیاں ہوتی ہیں وہ آپ کی تقریر و دلائل میں ہیں۔ آپ کے دلائل و استدلال سے آپ کے بدترین مخالفین بھی نہ تو انکار کر سکتے ہیں اور نہ ہی داد دیئے بغیر رہ سکتے ہیں۔ آپ برجستہ گو، حاضر جواب، بذلہ سنج ہونے کے ساتھ ساتھ شعر و سخن سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔

مولانا کی وجہ شہرت تو سیاست ہے لیکن آپ کی زندگی کا ایک پہلو جس سے شاید بعض احباب شناسا نہ ہوں وہ آپ کا علمی تبحر ہے۔ مجھے کئی ایک دینی اجتماعات میں خصوصاً افتتاح یا اختتامِ بخاری شریف کے عنوان سے معنون پروگرامز میں مولانا کو سننے کا موقع ملا تو یوں گمان ہوا کہ شاید مولانا ساری زندگی درس و تدریس کرتے رہے یا جیسے کسی بڑے مدرسے کا شیخ الحدیث گل افشانی کر رہا ہے۔ یہ آپ کی علم دوستی اور وسیع مطالعہ کی دلیل ہے۔ مولانا جامع صفات شخصیت ہیں لیکن راقم کو ان کی جس صفت و خوبی نے بہت متاثر کیا وہ آپ کا سمندر جیسا تحمل و بردباری ہے۔ آپ کبھی بھی جذبات کے ہاتھوں مغلوب نہ ہوئے۔ آپ نے قوم کے جذبات کو بھڑکا کر اس سے اپنی دکان چمکانے اور اپنا چولہا گرم کرنے کے بجائے سچی اور حق بات کہنے کی پاداش میں اپنی عزت و شہرت کو تنور کا ایندھن بننے کو ترجیح دی۔ یہ ہماری سیاست کی بدقسمتی ہے کہ اختلاف رائے کو برداشت کرنا جوئے شیر لانے سے بھی مشکل ہے۔ اپنے آپ کو ایماندار اور مخالف کو غدار کہنا معمولی بات ہے۔ آپ کے بدترین مخالف بھی آپ کی صلاحیتوں کے زبانِ قال سے نہ سہی مگر زبانِ حال سے معترف ہیں۔ دین دشمنی اور علماء دشمنی علی الاعلان ان کے اعتراف میں رکاوٹ ہے۔

پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں جتنی کردار کشی آپ کی کی گئی شاید ہی کسی اور کی کی گئی ہو اس کے باوجود مولانا کبھی بھی چیں بجبیں نہ ہوئے۔ اپنے بدخواہوں کی زہرافشانی کو درخورِ اعتنا

نہ سمجھا بلکہ بڑی بے پروائی سے نظر انداز کر دیا۔ انہیں کیا معلوم کہ سیاست کھیل تماشا نہیں بلکہ اس میں بہت دور تک سوچا جاتا ہے۔ بیسیوں ترازو میں تول کر بات کی جاتی ہے۔ سیاست میں گالی عقل کے لئے طاعون اور مریض کے لئے بد پرہیزی ہے۔ جو لوگ سیاست میں گالی کو عادت بنا لیتے ہیں وہ درحقیقت بد پرہیزی کے مرتکب ہوتے ہیں جس کا واضح نتیجہ عقل و خرد کی موت کی صورت میں نکلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا پر تبرا کرنے والے کچھ تو حرفِ غلط کی طرح مٹ گئے اور کچھ آسمانِ سیاست سے غروب کے قریب ہیں۔

آپ حقیقی معنوں میں ان اکابرین کے وارث اور سچے جانشین ہیں جو دین کی سیاست سے دوری کو چنگیزیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ جو ملکی و غیر ملکی سامراج کی بیڑیوں کو موئے آتشِ دیدہ سے زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے۔ اللہ کے خوف نے انہیں ہر خوف سے بے خوف کر رکھا تھا۔ غرض مولانا کی ذات میں کئی شخصیتیں جمع ہیں۔ آپ عالموں میں عالم، زاہدوں میں زاہد، عابدوں میں عابد، سیاست دانوں میں سیاست دان اور مقرروں میں بڑے پائے کے مقرر ہیں۔ آپ جامع جہات، جامع صفات ہونے کے ساتھ ساتھ جامع حیثیات شخصیت بھی ہیں۔ عقلِ سلیم رکھنے والا انسان خواہ وہ کسی بھی مکتب فکر و عمل سے تعلق رکھتا ہو آپ کی سوجھ بوجھ کا معترف ہے۔

رشکِ آئینہ ہے اس رشکِ قمر کا پہلو
صاف اِدھر سے نظر آتا ہے اُدھر کا پہلو

ذات قدوس آپ کی مساعی جمیلہ کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے۔ آپ کی حیات مبارکہ میں برکتیں نازل کرے، ہر حاسد کے حسد اور ہر شریر کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین!

☆......☆......☆

قائدِ جمعیۃ کی سیاسی بصیرت

حافظ محمد اکرم طوفانی مدظلہ،
مرکزی ڈپٹی سیکرٹری، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم.

حضرت مولانا فضل الرحمٰن جمعیۃ علماء اسلام کے امیر مرکزیہ پاکستان میں قافلہ اہل حق کے میر کارواں اور اس دور میں علماء حق کے حدی خواں ہیں۔ مولانا فضل الرحمٰن کی رائے دور رس نتائج کی حامل ہوتی ہے۔ وہ کسی بھی سیاسی مسئلہ پر رائے دینے سے پہلے اس میں نفع و نقصان کے پہلو پر خوب غور کرتے ہیں۔ جمعیۃ علماء اسلام کو انہوں نے جمہوری انداز میں چلانے کا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ وہ اپنی رائے کو جمعیۃ کی مرکزی شوریٰ میں پیش کر کے اس رائے کے مثبت و منفی پہلوؤں پر غور کرتے ہیں۔ تب کہیں جا کر وہ رائے دیتے ہیں لیکن یہ واقعہ ہے کہ وہ جس مسئلہ پر رائے دے دیں پیش آمدہ حالات اس رائے کو حرف آخر کا درجہ دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ ان کی سیاسی پختگی کی دلیل ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن نے دینی حلقہ میں دلائل سے بات کرنے کا کلچر جاری کیا ہے۔ جذباتیت اور انتہا پسندی کو اپنی صفوں سے دیس نکالا دے دیا ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی دیگر خوبیوں کے علاوہ یہ خوبی بھی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ وہ جو موقف اختیار کرتے ہیں وہ تخیلات سے پاک ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ زمینی حقائق کے مطابق بات کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کا بڑے سے بڑا حریف بھی تسلیم کرتا ہے کہ وہ گفتگو کرنے اور اپنا مئوقف منوانے میں ثانی نہیں رکھتے۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے میری نیازمندی اس وقت سے قائم ہے جب انہوں نے ایم آر ڈی کی تحریک کے لئے علماء کی سیاست کو حجروں سے نکال کر میدان عمل کی جولان گاہ میں لا کھڑا کیا۔

مولانا فضل الرحمٰن سے میری محبت کا باعث یہ بھی ہے کہ وہ ہمارے مخدوم، مخدوم المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ کے محبوب ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب مرحوم مولانا کی اصابت رائے کے قائل تھے اور ان سے بے پناہ بزرگانہ محبت فرماتے تھے۔

مولانا فضل الرحمٰن اسلامی عقائد کے تحفظ کے لئے کسی مصلحت کا شکار نہیں ہوئے۔ عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ ہو یا تحفظ ناموس رسالت ﷺ کا مسئلہ وہ تحریک میں قیادت کرتے اور فتح کے جھنڈے لہراتے نظر آتے ہیں۔ اس محاذ پر بلاشبہ وہ اپنے والد گرامی مولانا مفتی محمودؒ بلکہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی کی روایات کے علم بردار نظر آتے ہیں۔ ان کا وجود اس دھرتی پر انعام الٰہی سے کم نہیں۔ وہ حق کے نمائندہ ہیں اور حق پر ثابت قدم رہنا ان کا شیوہ ہے۔ وہ اہل حق میں ایسے خوش بخت جرنیل ہیں کہ جس محاذ کو سنبھالتے ہیں کامیابی ان کے قدم چومتی ہے۔ ان کی عدیم المثال معتدل شخصیت کے باعث عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ایسی دینی نظریاتی جماعت بھی انہیں ہر دینی امر میں اپنا قائد تسلیم کرتی ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی مجاہدانہ قیادت، بہادر شخصیت، ایمان پرور جذبہ، جہاد آفریں جدوجہد اور حقائق افروز مساعی جمیلہ پر ان کو جتنا خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے۔

☆......☆......☆

مولانا فضل الرحمن بحیثیت قائدِ جمعیۃ

حاجی یعقوب مدظلہ، اسلام آباد

خادم خاص حضرت مولانا خواجہ خان محمدؒ

الحمدللہ حمدا کثیرا والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ خاتم الانبیاء۔اما بعد۔

کسی آدمی کا مقام ومرتبہ دیکھنا ہو تو اس کے دوستوں کو دیکھا جاتا ہے اور کسی درخت کی قدر وقیمت معلوم کرنی ہو تو اس کا پھل دیکھا جاتا ہے۔پھل لذیذ ہے، مقوی ہے، خوبصورت اور خوش ذائقہ ہے تو کہا جاتا ہے کہ بہت اچھا درخت ہے۔اسی طرح اگر دوست بااخلاق، وفادار، فداکار، ہمدرد اور نیک سیرت ہوں تو بلاتردد کہا جاسکتا ہے کہ یہ آدمی ایک قیمتی ہیرا ہے کیونکہ اس کے اردگرد سارے دوست عمدہ انسان ہیں۔

قائدِ جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن صاحب حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ کے صاحبزادے اور ڈیرہ اسماعیل خان کی نزدیکی بستی عبدالخیل کے رہنے والے ہیں۔ان کا مقام ومرتبہ دیکھنے سے پہلے ہم ان کے دوستوں کو پرکھیں گے۔اگر ان کے اردگرد دوست، احباب اور بزرگ انسانیت کے معیار پر پورا اترتے ہیں تو اسی سے مولانا فضل الرحمٰن کا مقام بھی معلوم کیا جاسکتا ہے کیونکہ کسی بھی شخصیت کو اچھا مسلمان ثابت کرنے سے پہلے اسے اچھا انسان ثابت کرنا پڑتا ہے۔پھر مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے دوستوں پر روشنی ڈالنے سے پہلے ضروری ہے کہ جمعیۃ علماء اسلام کے خدوخال کو مختصراً بیان کیا جائے تاکہ واضح ہوسکے کہ جمعیۃ کے کیا تقاضے ہیں۔پھر دیکھا جائے گا کہ مولانا فضل الرحمٰن ان تقاضوں پر پورا اتر رہے ہیں یا نہیں۔اسی

طرح ایک اور بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ علماء کرام کی ذمہ داری تو مسجد اور قرآن مجید کی خدمت تک محدود رہنی چاہیے آخر کیا وجہ ہے کہ علماء کرام سیاست کے میدان میں پوری شدومد سے اترتے ہیں۔اس مضمون کے آخر میں ہم اپنا مشورہ پیش کریں گے جو ناظر و ناقد سے متوقع ہوتا ہے۔

جمعیۃ علماء اسلام، پاکستان:

اسلامی سلطنت کی بنیاد خود نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں رکھی اور اس کی تمام ذمہ داریوں کا خلاصہ اور نچوڑ بھی عملاً پیش فرما دیا۔آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس ذمہ داری کو آگے بڑھایا۔یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے مختلف برِاعظموں تک پہنچا۔اسی کی ایک کڑی برِصغیر پاک و ہند میں اسلامی حکومت کا قیام تھا۔مغل بادشاہوں کے آخری دور میں یہ نعمت عظمیٰ مسلمانوں کے ہاتھوں سے چلی گئی اور انگریز اس ملک پر قابض ہو گئے۔ہندوستان میں بسنے والی تمام اقوام انگریزوں کو نکالنے کے درپے ہو گئیں۔مسلمان، ہندو اور سکھ سب پریشان ہو کر اس عمل میں شریک ہو گئے۔گویا مغل بادشاہوں کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ان کی جماعت کے بے شمار فرزندوں نے انگریزوں کے خلاف تحریک کو منظم کیا۔انگریزی فوج کے خلاف جھڑپیں شروع ہو گئیں۔آگے چل کر شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور ان کے شاگردِ عزیز حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے یہ سلسلہ آگے بڑھایا۔انہی دنوں مسلمانوں کی نمائندہ جماعت جمعیۃ علماء ہند نے ہندوؤں اور سکھوں کو ساتھ ملا کر انگریزوں سے ملک کو پاک کر دیا لیکن اسلامی حکومت ہاتھ سے جا چکی تھی۔انگریزوں کو جب یقین ہو گیا کہ ان کی حکومت ختم ہو رہی ہے تو ہندوستان کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔۱۹۷۱ء تک دو حصے یعنی مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان متحد رہے پھر یہ علیحدہ ہو گئے۔پاکستان کے دونوں حصوں میں جمعیۃ علماء اسلام کی داغ بیل ڈالی گئی۔پاکستان ٹوٹنے کے بعد مغربی پاکستان کا نام "پاکستان" رہ گیا اور مشرقی پاکستان کا نام "بنگلہ دیش" رکھا گیا۔جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ اسلامی

حکومت تو ختم ہو چکی تھی اب ایک جماعت جو مسلمانوں کو متحد کر کے اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھی اس کا نام جمعیۃ علماء اسلام، پاکستان تھا۔ انگریز پاکستان کے ہر ایک شعبے پر شروع سے ہی گہری نظر رکھتا ہے اور جہاں کہیں اسے اپنے خلاف کوئی تحریک نظر آتی ہے تو اسے کچلنے کی کوشش کرتا ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام کی ہر کاروائی پر انگریز کی کڑی نظر رہتی ہے۔ بھلا وہ کس طرح برداشت کرسکتا ہے کہ مفتی محمود گروپ متحد رہے لہٰذا اس کو دو حصے کرنے کے لئے ایک بھاری بھرکم شخصیت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ کو لاکر درخواستی گروپ کھڑا کر دیا گیا مگر یہ جادو زیادہ دیر نہ چل سکا۔ انڈیا سے حضرت مدنیؒ کے صاحبزادے مولانا سید اسعد مدنیؒ تشریف لائے اور حضرت درخواستیؒ نے فضل الرحمٰن گروپ میں شمولیت کا اعلان کر دیا لیکن ان کے حواریوں نے اپنا علیحدہ گروپ بنا لیا۔

آج جمعیۃ علماء اسلام کے چار گروپ بن چکے ہیں اگرچہ باقی گروپ اسمبلی کی کوئی سیٹ جیت سکتے ہیں اور نہ ہی سینٹ کی۔ یہاں پہنچ کر ایک واقعہ قارئین کی آنکھیں کھولنے کیلئے پیش کرتا ہوں تاکہ وہ بھی حالات سے باخبر رہیں۔ یہ واقعہ مجھے جمعیۃ علماء اسلام (ف) کے راولپنڈی کے ذمہ دار کارکن قاری عبدالمالک صاحب نے سنایا۔ انہوں نے فرمایا کہ ایم۔ آر۔ ڈی کی تین سالہ قید و بند کی سزائیں بھگتنے کے بعد جب ہم راولپنڈی پہنچے تو ہمارا جیل کا ایک ساتھی جو انٹیلی جنس کا تھا وہ ہمارے ساتھ ماریں کھاتا تھا میرے پاس آیا اور کہنے لگا آج میں آپ سے دوٹوک فیصلہ کرانے آیا ہوں۔ میرا ایک معمولی سا مطالبہ ہے اگر آپ پورا کریں تو آپ کو مندرجہ ذیل سہولیات ملیں گی:۔

1۔ جتنی بڑی سے بڑی مسجد چاہے بنالو خرچہ ہم دیں گے۔

2۔ جتنا بڑے سے بڑا مدرسہ چاہو بنالو خرچہ ہم دیں گے۔

3۔ رہائش کے لیے سیٹلائٹ ٹاؤن کی جس کوٹھی پر ہاتھ رکھو آپ کو مل جائے گی۔

4۔ جیب خرچ کے لیے 25 لاکھ روپے ملیں گے۔

5۔ شوفر ڈرِوَن کار آپ کو ملے گی۔ کار آپ کی ملکیت ہو گی تیل اور ڈرائیور کا خرچہ بھی ہم دیں گے۔

میں نے کہا ارے بے ایمان! تو میرا ایمان لینا چاہتا ہے جو اتنی بڑی پیشکش کر رہا ہے؟ اس نے کہا ہرگز نہیں! میرا معمولی سے مطالبہ ہے جب تم سنو گے تو ہنس پڑو گے۔ میں نے کہا اچھا بتاؤ کیا مطالبہ ہے؟ اس نے کہا ایک انٹرنیشنل پریس کانفرنس کا انتظام ہم کرتے ہیں آپ اپنے چند مولویوں کو بٹھا کر ایک بیان دو۔ اگر مولوی نہیں ملتے تو چھلیاں بیچنے والے پٹھانوں کو نہلا دھلا کر اچھے کپڑے پہنا کر اپنے ساتھ بٹھاؤ، ان کو بھی سات لاکھ روپے ہم دیں گے۔ آپ یہ بیان دیں کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب بہت اچھے آدمی ہیں لیکن اسلام کے لیے انہوں نے کچھ نہیں کیا۔ میں آج J.U.I قاری عبدالمالک گروپ کا اعلان کرتا ہوں۔ بس اتنی سی بات ہے اگر آپ راضی ہیں تو آؤ قطر کا سفیر یہ انعام و اکرام دینے کے لیے آپ کا انتظار کر رہا ہے۔ میں نے کہا قطر کا سفیر مجھے کیسے جانتا ہے۔ اس نے کہا اس بات کو چھوڑو تم میرے ساتھ چلو جو وعدہ کیا ہے میں آپ کو پورا کر کے دکھاتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے اسے کہا کہ میں معذرت خواہ ہوں۔ فضل الرحمٰن ہمارا لیڈر ہے میں زندہ ہوں تب بھی اسی کے ساتھ رہوں گا اور مر جاؤں تو بھی اسی کی جماعت میں میری موت آئے گی۔ اس طرح وہ مایوس ہو کر چلا گیا اور میں ایک گناہ کبیرہ سے بچ گیا۔ والحمد اللہ علیٰ ذلک۔ قارئین آج مختلف سیاسی جماعتوں میں جتنے دھڑے نظر آتے ہیں سب کے پیچھے وہی محرکات ہیں جو میں نے عرض کیے۔

جمعیۃ علماء اسلام کے خدوخال:

یہ جماعت انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کی ذمہ دار ہے۔ یہ جماعت ملک بھر میں مساجد و مدارس کا وسیع جال بچھا کر مذہبی فریضہ سرانجام دے رہی ہے تاکہ اجتماعی طور پر نہ سہی کم از کم انفرادی طور پر لوگ دینداری کی زندگی گزار سکیں۔ جمعیۃ علماء اسلام کا مونوگرام اس کے عزائم کی نشاندہی کرتا ہے یعنی لِلّٰہ الامر۔

جمعیۃ کی روزِ اول سے یہ خواہش ہے کہ سُود، رشوت اور حرام کاری سے پاک معاشرہ تیار کیا جائے۔عوام کو رزق حلال کمانے کی سہولیات میسّر ہوں۔غریب لوگوں کو روزی کمانے کے لئے عزتیں نہ بیچنی پڑیں۔علاج معالجہ، عدل و انصاف اور تعلیم کی سہولت گھر کے سامنے موجود ہو۔تمام ممالک کے ساتھ آزاد تجارت ہو۔ ملک کے اندر تعلیم حاصل کرنے والے فرزندوں کو اتنا معاوضہ دیا جائے کہ انہیں غیر ملک نہ جانا پڑے۔جب اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کو ملک کے اندر عزت ومقام ملے گا تو صنعتی ترقی کو عروج ملے گا۔آج ہم بجلی کو ترس رہے ہیں، زراعت پانی نہ ملنے کی وجہ سے مفلوج ہوگئی ہے، فرٹیلائزر غیر ممالک سے منگوانے پڑتے ہیں۔آئے دن تیل بجلی اور گیس کے نرخ بڑھائے جا رہے ہیں۔جب مزدور کا معاوضہ تیل کی قیمت کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا تو خود بخود مہنگائی کا زور ٹوٹ جائے گا۔ہماری اولین خواہش ہوگی کہ ملک کی دفاعی پالیسی، خارجہ پالیسی اور تعلیمی پالیسی آزاد اور واضح ہو۔پاکستان کی ترقی میں رکاوٹ کرپٹ بیوروکریسی ہے۔جب دیندار لوگ سامنے آئیں گے تو ملکی املاک لوٹنے والے اپنی موت آپ مر جائیں گے۔یہ بات اخباروں میں کئی مرتبہ چھپ چکی ہے کہ سینکڑوں لوگ ملک سے اربوں ڈالر لوٹ کر غیر ملکوں کو بھیج چکے ہیں۔اگر انتخابات میں ایسے ہی لوگ آتے رہے تو ہماری اصلاح و ترقی ممکن نہیں۔یہی وہ منشور ہے جسے روز اوّل سے جمعیۃ علماء اسلام پیش کر رہی ہے اسی وجہ سے ملک کے خیر خواہ لوگ جمعیۃ کے نمائندوں کو ووٹ دے کر کامیاب کرتے ہیں۔

جمعیۃ علماء اسلام کی کارکردگی:

ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان کی آبادی کا پچاس فیصد حصہ جمعیۃ کے منشور کو پسند کرتا ہے مگر ہماری سیاست پر بیرونی دباؤ ہوتا ہے جس کی وجہ سے ووٹوں میں دھاندلی کرکے ایسے لوگ کامیاب کروائے جاتے ہیں جو ذاتی مفاد کو ملکی مفاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ایم۔ایم۔اے کے انتخابات میں صوبہ سرحد اور بلوچستان کی حکومت جمعیۃ علماء اسلام کے حصہ میں آئی۔سینٹ اور قومی اسمبلی میں کافی نشستیں ملیں اور عوام کو واضح تبدیلی نظر آئی۔بعض افراد

غیروں کے ایجنٹ ہوتے ہیں وہ کسی نہ کسی طریقہ سے جمعیۃ علماء اسلام میں گھس کر جماعت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔اس کے باوجود عوام نے دیکھا کہ ایک عام آدمی آسانی سے وزیر تک پہنچ کر اپنی عرض معروض پیش کرسکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ جمعیۃ کا اولین مقصد نظام کی اصلاح ہے اگر نظام درست ہوگیا تو دور دراز کے دیہات میں غریب آدمی بھی مرکزی خیر سے محروم نہیں رہے گا۔بعض لوگوں کے کام ہمارے نمائندے کرواسکتے ہیں اور بعض کے کام نہیں ہوسکتے لیکن پھر بھی ہمارے نمائندوں کی ہمدردی اور حمایت ہر فرد کے لئے عام ہوتی ہے۔ جمعیۃ کے کارکن عام طور پر اپنے بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کر کے مسجد اور مدرسہ کی آبادکاری کرتے ہیں ۔یہ لوگ جمعیۃ کا اصل سرمایہ ہیں۔ جمعیۃ کے وہ متعلقین جو سکول وکالج کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ جس شعبہ میں بھی جاتے ہیں ان کی انسان دوستی اور ہمدردی سب پر عیاں ہے۔کوئی ڈاکٹر ہے، انجینئر ہے، فوجی ہے یا سول بیوروکریٹ ہے اس کی کارکردگی میں دین کو ترجیح ہوتی ہے۔ لوگوں کے کام بہت سہولت سے سرانجام پاتے ہیں۔اب عامۃ الناس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو مسجد و مدرسہ سے شناسا کریں پھر دیکھیں معاشرہ کی اصلاح کیسے ہوتی ہے۔تمام پاکستانیوں کے لئے ضروری ہے کہ ووٹ دیتے وقت ہر نمائندہ کا ماضی دیکھیں۔ یہ نمائندہ مال کہاں سے اور کیسے کماتا ہے۔ اگر اس کی کمائی غلط طریقہ سے ہے تو وہ عوام کی خاک خدمت کرے گا؟۔ پھر یہ دیکھنا ہے کہ اس نمائندہ کا چال چلن کیسا ہے۔ان خصوصیات کو مدنظر رکھ کر ووٹ دیا جائے تبھی ملک ترقی کر سکے گا۔

غیر ملکی طاقتوں کو مسجد اور مدرسہ سے بہت خطرہ ہے اس لئے معمولی بہانے بنا کر معصوم طالب علموں پر ڈرون حملے کیے جاتے ہیں۔سینکڑوں مساجد اور مدارس تباہ کیے جا چکے ہیں۔ پرویز مشرف کے دور میں جب لال مسجد اور جامعہ حفصہ کو تباہ کر دیا گیا تو انکی ہوس کی آگ مزید بھڑک اٹھی اور یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ ملک بھر کی مساجد اور مدارس کو ایک ہی حملہ سے تباہ و برباد کر دیا جائے۔ اگر جمعیۃ علماء اسلام سینہ تان کر سامنے نہ آتی تو آج شاید مساجد اور مدارس کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ چکا ہوتا۔ گریجویٹ اسمبلی کے لئے مدارس کے ڈگری ہولڈرز

کو نااہل سمجھا گیا اس کے پیچھے یہی عوامل کارفرما تھے کہ دینداروں کو ملکی سیاست سے باز رکھا جائے۔ اگر اس موقع پر جمعیۃ علماء اسلام سامنے نہ آتی تو ایک مولوی بھی اسمبلی تک نہ پہنچ پاتا۔ آج مدرسہ کی اسناد الیکشن کے لئے اسی طرح کارآمد ہیں جس طرح دیگر یونیورسٹیوں کی اسناد کارآمد ہیں۔ غیر ملکی ایجنٹوں نے آئین کی دفعہ 295-C کو ناکارہ کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جس کا حتمی نتیجہ یہ ہوتا کہ قادیانی اپنے آپ کو دوبارہ مسلمان بنا کر پیش کرتے اور ناموسِ رسالت ایک کھلونا بن جاتی۔ جمعیۃ نے آڑے آکر ان دفعات کا تحفظ کیا اور ناموسِ رسالت ﷺ کے تحفظ کیلئے اپنی جانوں کو پیش کرنے کا عزم کر لیا۔ جگہ جگہ جلوس اور مظاہرے کئے تب جا کر حکمرانوں کو ایسے منحوس بل واپس لینے پڑے۔ لیکن ہم مطمئن ہو کر نہیں بیٹھ گئے ہمیں پورا خطرہ ہے کہ یہ غیر ملکی ایجنٹ کسی نہ کسی طرح قادیانیوں کو اپنے سے بہتر مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے اور ہم ان کا مناسب سدِ باب کرتے رہیں گے۔ ایک عام شہری کو یہ بتانا ضروری ہے کہ آئینی فیصلے اسمبلی اور سینٹ میں ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ کوئی بات آئین کا حصہ بن جائے تو اس کو ہٹانا بے پناہ مشکل ہوتا ہے۔ اگر جمعیۃ علماء اسلام کے ممبران اسمبلی اور سینیٹ میں موجود نہ ہوں تو دینی دفعات کو بیدردی سے ختم کر دیا جائے۔ جب تک یہ ملک قائم و دائم ہے ہم اس کی حفاظت کے لئے ہر طرح کی قربانی دیں گے۔ ہمیں اس ملک کی سیاست کا حصہ بن کر رہنا پڑے گا۔ افغانستان میں طالبان کی حکومت کا ایک وزیر پاکستان آیا اس سے پوچھا گیا کہ آپ اپنی حکومت کو کیسا محسوس کرتے ہیں تو اس نے جواب دیا کہ ہم جو فیصلہ کرنا چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں اگر حکومت میں نہ ہوتے تو درخواستیں دینا پڑتی تھیں پھر اگلوں کی مرضی وہ قبول کریں یا نہ کریں۔ یہ ایک اصولی بات ہے کہ اگر آپ حکومت میں نہیں ہوں گے تو پھر درخواستیں دائر کرتے پھریں گے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت بنایا جائے یا ناموسِ رسالت کو آنچ نہیں آنی چاہیے۔ پھر اگلوں کی مرضی وہ قبول کریں یا نہ کریں۔ یہ ملک مسلمانوں کا ہے اور اس کا نظم و نسق سنبھالنا اور حفاظت کرنا مسلمانوں کا حق ہے اگر اچھے مسلمان اسمبلی میں نہیں آئیں گے تو گلشن کا خدا حافظ۔

اچھے مسلمان اور برائے نام مسلمان کا فرق ظاہر کرنے کے لئے ایک مثال پیش کی جاسکتی ہے۔گزشتہ سال اسفند یار ولی صاحب پر خودکش حملہ ہوا کافی آدمی مارے گئے اور بہت سے زخمی ہو گئے۔اسفند یار ولی صاحب ایسے گھبرائے کہ فوراً اسلام آباد پہنچ کر پناہ لی اور اگلے روز دبئی چلے گئے اور کئی مہینوں بعد واپس لوٹے۔اسی طرح کے حملے مولانا فضل الرحمٰن صاحب پر پے در پے دو مرتبہ ہوئے۔ ہر روز درجنوں قتل اور بیسیوں زخمی ہوئے۔مولانا فضل الرحمٰن ڈر کر بھاگے نہیں بلکہ اسی روز جلسہ سے خطاب کیا۔جنازے پڑھے اور حالات کا مقابلہ کیا کیونکہ یہ ملک اور یہ عوام ہمارا اوڑھنا بچھونا ہیں۔

جمعیۃ علماء اسلام کے باقی دھڑوں سے التماس!:

ہمیں کسی گروپ کے افراد کی عظمت سے انکار نہیں۔انہوں نے خواہ خلوص نیت سے اس گروپ کی بنیاد رکھی ہے یا "قطر ایمبیسی" کے ایماء پر۔ایک بات کی طرف ان کی توجہ مبذول کرانا ضروری ہے کہ پیپلز پارٹی، مسلم لیگ، ایم کیو ایم یا دیگر جماعتوں والے آپ کو مشکل سے ووٹ دیں گے۔آپ کو وہی ووٹ ملیں گے جو جمعیۃ علماء اسلام کے پکے ووٹ ہیں۔بالفاظ دیگر آپ نے اپنے ہی ووٹوں کو توڑنا ہے جس کا فائدہ مخالف جماعتوں کو ہوگا۔آپ کامیاب ہوسکیں گے یا نہیں آپ کے مخالف ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔اس لئے ایک لمحہ سوچیں کہ آپ کی انتخابی مہم کا فائدہ کس کو ہوگا۔اس کا ایک آسان سا فارمولا یہ ہے کہ جس علاقے میں ایک جمعیۃ کے نمائندہ کو اکثریت حاصل ہے وہاں دوسرے دھڑے والے اپنا نمائندہ کھڑا نہ کریں بلکہ تمام گروپ مل کر ایک ہی نمائندے کو کامیاب کرانے کی کوشش کریں تو اس کے دوررس نتائج و اثرات مرتب ہوں گے۔

فیصلہ ترا تیرے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم!

مولانا فضل الرحمٰن کے دوست راہنما:

مولانا فضل الرحمٰن کا مقام و مرتبہ معلوم کرنے کے لئے ان کے دوستوں کو دیکھا جائے گا۔اس سلسلہ میں اصل بات تو وہی ہے کہ مولانا اسی تحریک کا حصہ ہیں جو 1919ء میں

حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے شروع فرمائی۔ایک فیصلہ کے مطابق اس تحریک کا نام غیر مسلح تحریک رکھا گیا۔شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی تحریک کا واحد مقصد انگریز سے ملک کو پاک کرنا اور انگریز کے انخلاء کے بعد ملک میں اسلامی نظام رائج کرنا تھا۔اس تحریک کے جو بھی افراد تھے وہ سب مولانا فضل الرحمٰن کے دوست یا راہنماء کہلائیں گے۔اس منزل کے جتنے راہی تھے ہم مختصراً ان کی مساعی کا ذکر کر کے یہ دیکھتے ہیں کہ مولانا فضل الرحمٰن ان کے نقش قدم پر ثابت قدم ہیں یا نہیں۔

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ:

آپ دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی امیدوں کا سرمایہ تھے۔شروع شروع میں آپ نے مسلح جہاد میں بھی حصہ لیا لیکن بعد میں اصولی طور پر غیر مسلح جہاد کی تحریک شروع کی۔جزائرِ مالٹا میں نظر بند رہے۔اسی قید کے دوران آپ کو انگریز کے خلاف تحریک چلانے کے جرم مین دو مرتبہ پھانسی کا فیصلہ سنایا گیا۔قدرتی طور پر پھانسی نہ لگ سکی۔آپ کی للّٰہیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب مالٹا جیل سے رہا ہو کر جانے لگے تو اس وقت جیل میں تقریباً ۶ ہزار قیدی تھے سب کے سب آپ کی جدائی پر رو رہے تھے ان میں مسلمان ،ہندو، سکھ اور عیسائی سبھی شامل تھے۔آپ کو پیشاب کا عارضہ لاحق تھا اس کے باوجود سخت سردی کے موسم میں بھی تہجد کی نماز ادا فرماتے تھے۔رہائی کے بعد ہندوستان پہنچے تو تھوڑی مدت کے بعد انتقال ہو گیا۔جب غسل کے تختہ پر لٹا کر کپڑے اتارے گئے تو دیکھا گیا کہ آپ کی پیٹھ کا چمڑا ادھڑا ہوا تھا اور ہڈیاں صاف ظاہر تھیں۔لوگوں نے حضرت مدنیؒ سے پوچھا کہ آپ نے ہمیں پہلے کیوں نہ بتایا تو فرمانے لگے جب یہ راز پہلی دفعہ میرے اوپر منکشف ہوا تو حضرت شیخ الہندؒ نے سختی سے منع فرما دیا تھا کہ میرا راز میری زندگی میں کسی کو معلوم نہیں ہونا چاہیے اور میں اس کا پابند تھا۔

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ:

آپ حضرت شیخ الہندؒ کے مایہ ناز شاگرد، محبوب اور خادم بھی تھے۔ جب شیخ الہندؒ نے مالٹا کی اسیری کے دوران قرآن مجید کی تفسیر لکھنی شروع کی اور سورۂ بقرہ تک مکمل بھی کرلی تب خیال آیا کہ یہ تفسیر تو صرف پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مفید ہوگی عوام الناس تو اس سے فائدہ حاصل نہ کرسکیں گے کیوں نہ ایک آدمی تیار کیا جائے جو ابرِ کرم کی طرح لوگوں کے دلوں کو آباد کرے۔ پھر آپؒ نے تمام تر توجہ شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ پر مبذولِ فرمادی۔ خود حضرت مدنیؒ اپنی کتاب اسیرِ مالٹا میں لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ جیل جانے کے تین مقاصد میرے پیش نظر تھے۔

پہلا: حضرت کی خدمت

دوسرا: حفظ قرآن مجید

تیسرا: مقصد حضرت سے اللہ اللہ سیکھنی تھی۔

پہلے دو مقصد تو حاصل ہوگئے مگر تیسرے مقصد میں جیسے پہلے کورا تھا اسی طرح کورا ہی رہا۔ میں کہتا ہوں یہ حضرت مدنیؒ کی کسرنفسی تھی ورنہ ایک ظاہر بین دیکھتا ہے کہ حضرت محمود حسنؒ تو شیخ الہند بنے اور حسین احمد مدنی شیخ الاسلام بنے۔ یہ سب حضرت شیخ الہندؒ کی توجہات کا ثمر تھا۔

آپ نے حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک کو چلانے کا حق ادا کردیا۔ جس طرح آج کل لوگ کہتے ہیں کہ اصل سے بڑھ کر نقل۔ بالکل اسی طرح حضرت مدنیؒ نے حق ادا کیا۔ آپ عموماً جیل میں یا سفر میں رہتے تھے۔ آپ پر جماعتی ذمہ داری کے علاوہ یہ ذمہ داری بھی تھی کہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے۔ کبھی رات بارہ بجے سفر سے لوٹ رہے ہیں تو سبق کی گھنٹی بجتی تمام طالب علم وضو کرکے کمرہ جماعت میں پہنچ جاتے کبھی دن کو گھنٹہ پیریڈ ہوتا تو کبھی رات کو۔ سفر سے واپس آتے تو خانقاہ کے مہمانوں کی فکر لاحق ہوتی۔ ایک دفعہ رات گئے پہنچے تو ایک فقیر بھوکا بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے شکایت کی کہ کھانا نہیں ملا۔ پھر جو ہونا تھا ہوا

اسے کھانا کھلایا اور خود بھوکے سوئے۔ایک مرتبہ ایک ہندو آپ کی خانقاہ پر رات گزارنے آیا۔آپ حسبِ معمول رات گئے واپس پہنچے اور مہمانوں کے پاؤں دبانے شروع کئے۔پاؤں دبانے کا فن اپنے شیخ کی خاطر آپ نے ایک مالشئے سے سیکھا تھا۔ہندو مہمان جاگ پڑا اور کہنے لگا حضرت میرے پاؤں نہ دبائیں میں تو ہندو ہوں۔حضرت نے فرمایا میں اپنے مہمان کے پاؤں دبانے کا مکلف ہوں خواہ ہندو ہو یا مسلمان۔صبح وہ ہندو اٹھا اور حضرت کی خدمت میں گیا۔حضرت میں مسافر تھا میرے پاس سولہ ہزار روپے تھے اگر سرائے میں سوتا تو چوری کا خطرہ تھا اس لئے آپ کی خانقاہ میں آکر سو گیا۔میں نے اب یہ نیت کی ہے کہ یہ رقم آپ کی خدمت میں پیش کروں، آپ قبول فرمائیں۔حضرت سخت ناراض ہوئے۔خیر یہ ہندو واپس چلا گیا اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لایا اور حضرت کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اس کے بعد حضرت کی خدمت میں بہت لجاحت سے وہ رقم پیش کی جو حضرت نے قبول فرمالی۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ:

آپ پاکستان بننے کے بعد جمعیۃ علماء اسلام کے پہلے امیر تھے۔حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور مولانا تاج محمود امروٹیؒ دونوں حضرات کے فیض یافتہ تھے۔آپ کا درسِ قرآن مجید پوری دنیا میں مشہور تھا۔قطبِ دوراں حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ اکثر و بیشتر اس درس میں شریک ہوتے اور فرماتے احمد علی لاہور کا نور ہے، میں شیرانوالہ کی طرف نگاہ کرتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے فرشِ زمین سے عرشِ بریں تک نور کی قندیلیں روشن ہیں اور دنیا کو منور کر رہی ہیں۔حضرت علامہ انور شاہ صاحب کاشمیریؒ قیامِ لاہور کے دوران حضرت کے ہاں ہی ٹھہرتے تھے۔حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ حضرت شیخ التفسیرؒ پر جی جان سے فدا تھے۔آپ دورہ حدیث کے اختتام پر علماء کرام سے فرماتے:۔"علم کی تحصیل آپ نے آٹھ سال دیوبند میں رہ کر لی لیکن آپ کی تکمیل حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے دورہ تفسیر سے ہوگی۔اللہ کا ایک شیر لاہور کے دروازہ شیرانوالہ میں بیٹھا ہوا ہے۔اللہ اللہ کی ضربوں سے کائنات کا دل مسخر کرنے میں مصروف ہے۔وہ اللہ کا ایسا مقبول بندہ ہے کہ اس کے درسِ

قرآن میں شمولیت جنت کی ضمانت ہے"۔

یہی وجہ تھی کہ حکیم الاسلام علامہ قاری محمد طیبؒ صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند اور علامہ سید ابوالحسن علی ندویؒ جیسے اصحابِ فکر ونظر بھی آپ کے دورہ تفسیر میں شامل ہوئے اور برکات و حسنات سے اپنی جھولیاں بھریں۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے جب حضرت لاہوریؒ کے وصال کی خبر سنی تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے حضرت لاہوریؒ کے ایک مرید حاجی دین محمد صاحب سے فرمایا کہ آپ کے شیخ کا رتبہ کیا عرض کروں ایک سو سال پہلے اور ایک سو سال بعد تک، مجھے ان جیسی کوئی شخصیت نظر نہیں آتی۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ مینارۂ نور تھے جس مشن کو آپ نے پہلے امیر کی حیثیت سے جاری فرمایا آج مولانا فضل الرحمٰن الحمدللہ اسی نہج پر چل رہے ہیں اور یہ مشن ان شاءاللہ قیامت تک جاری وساری رہے گا۔

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ:

آپ کی عظمت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ آپ کے فیض یافتہ اور سوتیلے بیٹے بنے۔ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ عموماً حضرت سندھیؒ کے فرمودات سنایا کرتے تھے جو اہلِ پاکستان کے لئے مشعل راہ ہیں۔ حضرت سندھیؒ فرماتے تھے کہ پاکستان بنا رہے ہو تو وہاں اسلام کا نام نہ لینا ورنہ رکاوٹوں کے پہاڑ سامنے کھڑے ہو جائیں گے جس طرح ہندو بظاہر سیکولر حکومت بنا رہے ہیں مگر درحقیقت وہ ہندومت کے لئے کام کرتے ہیں تم بھی پاکستان میں سیکولر حکومت بنا کر اسلام کی خدمت کرو گے تو کامیاب ہو گے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے بچوں کو فوج میں بھرتی کراؤ کل تمہارے کام آئیں گے۔ زمانے کی آنکھ نے دیکھا کہ پاکستان کی ساٹھ سالہ زندگی میں چالیس سال مارشل لاء رہا ہے۔ اگر حضرت سندھیؒ کی نصیحت پر عمل کیا جاتا تو ملک میں فوج کے ذریعہ اسلام آچکا ہوتا۔ یہی حضرت سندھیؒ مولانا فضل الرحمٰن کے بالواسطہ راہنماء ہیں۔

حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ:

صوبہ سندھ میں ضلع سکھر کا ایک قصبہ امروٹ شریف ہے۔ یہاں حضرت ابو الحسن شاہ سید تاج محمودؒ رہائش پذیر تھے۔ عام طور پر آپ حضرت امروٹیؒ کے نام سے مشہور تھے۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ اپنے وقت میں تمام مجذوبوں اور اصحابِ خدمت کے لئے حلقے تقسیم کرنا یا ان کے تبادلے کرنا آپ کی ذمہ داری تھی۔ اسی لئے آپ کو قطبُ الاقطاب کے لقب سے ملقب کیا جاتا ہے۔ ان کے شیخِ طریقت امام الاولیاء حضرت حافظ محمد صدیقؒ بھرچونڈی شریف تھے۔ حضرت مولانا سندھیؒ بھی انہی حافظ صاحبؒ کے دستِ حق پرست پر دولتِ اسلام سے روشناس ہوئے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے حضرت شیخ الہند محمود حسن دیوبندیؒ سے تحصیل علم کی۔ حضرت حافظ محمد صدیقؒ کی وفات کے بعد حضرت عبید اللہ سندھیؒ کی تربیت حضرت شیخ المشائخ خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ نے فرمائی۔ یہی حضرت دین پوریؒ حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ کے پیرو مرشد بھی تھے۔

قارئین کو اس تفصیل سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ پورا گلدستہ جو اللہ والوں کا ہے جمعیۃ علماء ہند اور پھر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کا حامی و فدا کار رہے۔ آج بھی الحمد اللہ دین پور شریف، امروٹ شریف، بیر شریف، ہالیجی شریف اور سندھ کی تمام معروف خانقاہوں کا تعلق مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے ساتھ ہے جو جمعیۃ علماء اسلام کے موجودہ امیر ہیں۔ گویا بالفاظ دیگر مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو تائید غیبی حاصل ہے۔ والحمدللہ علی ذلک۔

حضرت مولانا حماد اللہؒ ہالیجی شریف، سندھ:

ہالیجی کی خانقاہ سندھ میں مخلوقِ خدا کو اللہ تعالیٰ سے جوڑنے کا فریضہ ادا کر رہی ہے۔ حضرت مولانا حماد اللہ صاحبؒ حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ کے خلیفہ اور مجاز تھے۔ اس وقت اس خانقاہ کی سرپرستی مولانا فضل الرحمٰن کو حاصل ہے۔ عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کی سرپرستی بھی یہی خانقاہ فرما رہی ہے۔ یہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ کی خوش نصیبی ہے کہ تمام اہلِ حق مشائخ و بزرگان نے انہیں جمعیۃ علماء اسلام کی خدمت کے لئے چن لیا ہے۔ اللہ

تعالیٰ ان کی دستگیری فرمائیں اور اسلام کی عظمتِ رفتہ کو بحال کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین!

حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؒ، (بیر شریف) سندھ:

یہ ایسی پرہیزگار شخصیت ہیں کہ ساری عمر تصویر نہیں بنوائی جس کی وجہ سے پاسپورٹ بن سکا اور نہ ہی حج پر جا سکے۔ جہاں کہیں تقریر فرماتے کیمرے والوں کو منع فرمادیتے کہ میری تصویر نہیں بنانی۔ اس شخصیت کو دیکھ کر حضرات صحابہ کرامؓ کا دور یاد آتا ہے۔ ۲۰۰۹ء میں چناب نگر کی سالانہ ختمِ نبوت کانفرنس کے موقع پر لمبا سفر کرکے چناب نگر تشریف لائے اور خواجہ خواجگان حضرت مولانا خان محمد صاحبؒ کی زیارت فرمائی اس کے بعد فوراً واپس سندھ تشریف لے گئے۔ جلسہ کی انتظامیہ نے بہت منت و سماجت کی کہ پہلا بیان فرما کر تشریف لے جائیں مگر آپ نے انکار فرما دیا اور فرمایا کہ میں اپنے گھر سے صرف حضرت خواجہ صاحب کی زیارت کی نیت سے نکلا تھا اب میں اس نیت میں کوئی اور عمل شامل نہیں کرنا چاہتا اس لئے معذرت کر کے تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا عبدالکریمؒ صاحب عمر بھر جمعیۃ علماء اسلام فضل الرحمٰن گروپ کے اعلیٰ عہدوں پر رہے اور مثالی خدمات سرانجام دیں۔ لاہور میں ہونے والی آئینِ شریعت کانفرنس میں آپ کا خطاب مثالی تھا۔ ایسی عظیم شخصیت جس پلڑے میں ہو اس کی عظمت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ:

اتنی عظیم شخصیت سالہا سال کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اپنے زمانے میں آسمانِ علم کے سورج تھے۔ بعض لوگوں نے دھوکہ دے کر آپ کو مولانا فضل الرحمٰن کے مقابلہ میں گروپ کا امیر بنا دیا مگر حق تعالیٰ کو حضرت درخواستیؒ سے پیار تھا۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ جب اس اختلاف کو ختم کرنے کے لئے پاکستان تشریف لائے تو جامعہ مدنیہ لاہور میں اجلاس ہو رہا تھا۔ بنوری ٹاؤن کے سترہ علماء کرام کی رہائی کے سلسلہ میں اجلاس کے دوران وزیرِ داخلہ،

سندھ کا مولانا فضل الرحمٰن کو فون آیا۔ان دنوں موبائل فون جاری نہیں ہوئے تھے۔تقریباً پون گھنٹہ مولانا بات کرتے رہے اور پورا اجلاس ایک طرف کی گفتگو سنتا رہا۔جب بات ختم ہوئی تو حضرت درخواستیؒ اٹھ کھڑے ہوئے کہ جو آدمی حکمرانوں سے اس طرح کی گفتگو کر سکتا ہے میں اس کے مقابلہ میں جماعت نہیں بنا سکتا۔میں مولانا فضل الرحمٰن کو اپنا قائد سمجھتا ہوں اور اپنے گروپ کو اس میں ضم کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ!۔

حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ کندیاں شریف:

حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ نے زندگی کے آخری ایام میں مولانا فضل الرحمٰن کا ہاتھ حضرت خواجہ خان محمد صاحبؒ کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا اس کا ہر لحاظ سے خیال رکھنا۔حضرت خواجہؒ نے بسروچشم اس امانت کو قبول فرمایا اور زندگی بھر اس کی حفاظت کی۔ادھر مولانا فضل الرحمٰن نے بھی اپنے آپ کو حضرت کے بیٹوں میں سے ایک بیٹا بن کر وقت گزارا۔صرف بیٹا ہی نہیں خادموں میں سے ایک خادم بن کر وقت گزارا۔اس واقعہ کے بعد شاید ہی کوئی موقع آیا ہو کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب مہینہ یا ہر عشرہ میں خانقاہ سراجیہ حاضر نہ ہوئے ہوں۔حضرت خواجہؒ کی وفات کے موقع پر مولانا فضل الرحمٰن نے فرمایا کہ میں دو مرتبہ یتیم ہوا ہوں ایک اپنے والد صاحب کی وفات کے وقت اور ایک حضرت خواجہؒ کی وفات کے وقت۔یوں تو مولانا فضل الرحمٰن صاحب کئی مرتبہ خانقاہ شریف میں حاضر ہوتے رہتے تھے مگر آپ کی حضرت خواجہؒ کے ساتھ گفتگو کا کسی کو علم نہ ہوتا۔ایک مرتبہ راقم الحروف حضرت خواجہؒ کے ساتھ سفر پر جانے کے لئے کار پر بیٹھنے ہی والے تھے کہ مولانا تشریف لائے۔حضرت خواجہ صاحبؒ کار سے اتر کر مولانا کے ساتھ کمرے میں تشریف فرما ہوئے اور تقریباً پون گھنٹہ گفتگو جاری رہی اس کے بعد مولانا فارغ ہوئے اور حضرت واپس آکر کار میں تشریف فرما ہوئے۔کار میں بیٹھتے ہی حضرت نے فرمایا کہ مولانا کی پوری گفتگو صرف اس عنوان پر تھی کہ حضرت خواہ کچھ بھی ہو جائے میری اور مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی صلح کروادیں۔میں مولانا کی خاطر امارت چھوڑنے پر تیار ہوں اس کے علاوہ جس قسم کی شرائط چاہیں لگا دیں میں

قبول کروں گا۔ حضرت خواجہؒ کو مولانا فضل الرحمٰن پر پورا پورا اعتماد تھا۔ صاحبزادہ نجیب احمد صاحب نے بتایا کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہؒ مواجہہ شریف پر صلوٰۃ وسلام پڑھ کر واپس لوٹے تو جامعہ اشرفیہ والے حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی صاحبؒ مواجہہ شریف پہنچنے سے چند قدم پہلے حضرت خواجہ سے ملے اور مصافحہ کرنے کے بعد گویا ہوئے کہ حضرت یہ فضل الرحمٰن کیا کر رہا ہے۔ حضرت نے فرمایا وہ جو کچھ کر رہا ہے ٹھیک کر رہا ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ حضرت کی ناگواری بھانپ گئے اور فوراً حضرت سے معافی مانگی اور دعا کی التماس کی۔

یہ تو عموماً ہوتا رہا ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن کو چشمہ ریسٹ ہاؤس میں کئی کئی ماہ کے لئے نظر بند کر دیا جاتا۔ یہ ریسٹ ہاؤس خانقاہ شریف سے دس بارہ کلومیٹر دور ہے۔ اگر رمضان ہوتا تو سحری کے وقت سحری اور افطار کے وقت افطاری ورنہ تین وقت کا ناشتہ، گرم گرم کھانا اور چائے خانقاہ سراجیہ سے عموماً صاحبزادہ سعید احمد صاحب لے جاتے۔

حضرت خواجہؒ 1977ء سے لے کر 2010ء تک عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت کے امیر رہے۔ آپکے دور میں آئینی جنگ کے ذریعے قادیانیت چاروں شانے چت جا گری۔ اب ان شاء اللہ اس کے پاکستان میں سنبھلنے کا کوئی امکان نہیں۔ آپ 1956ء سے تاحیات یعنی 5 مئی 2010ء تک سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی خانقاہ سراجیہ، کندیاں ضلع میانوالی کے سجادہ نشین رہے اور لاکھوں افراد کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑتے جوڑتے واصل باللہ ہو گئے۔ آپ نے چوالیس مرتبہ حج کی سعادت حاصل کی اور عمرے کے اسفار اس کے علاوہ ہیں۔ آپ تاحیات جمعیۃ علماء اسلام (ف) کے سرپرست اعلیٰ رہے۔ قارئین کو شاید معلوم نہ ہو کہ خانقاہ سراجیہ چند گھروں کی بستی ہے، ستر اسی سال سے قائم ہے لیکن ابھی تک یہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے نہ عید کی۔ جب حضرت خواجہؒ کی وفات ہوئی اور جنازہ پڑھا گیا تو ملک اور بیرون ملک سے اتنے افراد جنازہ میں شرکت کے لئے آئے کہ 140 ایکڑ اراضی کا قطعہ بھی جنازہ کے لئے کم پڑ گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعہ۔ یہ گراں قدر شخصیت یومِ وفات تک مولانا فضل الرحمٰن صاحب پر سایہ فگن رہی۔ جب حضرت خواجہؒ سیال کلینک میں زیرِ علاج رہے تو مولانا

صاحب وہاں حاضر ہوتے رہے۔ جب حضرت خواجہؒ کا جنازہ ایمبولینس میں جنازہ گاہ کی طرف لایا گیا تو مولانا اسی ایمبولینس میں سوار تھے۔ جنازہ کے بعد شام کے وقت مولانا صاحب اپنے لاؤ لشکر سمیت ڈیرہ اسماعیل خان واپس چلے گئے اور اگلی صبح پھر حاضر ہوکر پورا دن یہاں تعزیت میں مصروف رہے۔ دوسرے دن سجادہ نشینی کی تقریب میں مولانا نے تاریخی بیان فرمایا اور تیسرے دن بھی صبح سے شام تک تعزیت میں مصروف رہے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مولانا کے اپنے والد صاحب کی وفات ہوئی ہے۔

حضرت خواجہؒ عمر بھر کوشاں رہے کہ مولانا فضل الرحمٰن اور مولانا سمیع الحق صاحب میں صلح ہوجائے۔ اسی صلح کے لئے ملک بھر کے مشاہیر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ اجل مولانا فقیر محمد صاحبؒ کی خانقاہ پشاور میں جمع ہوئے۔ یہ وہ دن تھا جب ڈیرہ اسماعیل خان میں مفتی محمودؒ کانفرنس ہورہی تھی اور الیکشن کی مہم اپنے زوروں پر تھی۔ حضرت خواجہؒ صلح کی کوشش کو سعادت سمجھ کر پشاور پہنچے۔ راقم الحروف بھی آپ کے ساتھ تھا۔ عصر کے وقت ڈیرہ اسماعیل خان میں کسی نے یہ خبر اڑا دی کہ حضرت خواجہ صاحبؒ مولانا فضل الرحمٰن سے ناراض ہوگئے ہیں اس لئے کانفرنس میں شریک نہیں ہوئے۔ ادھر پشاور میں مولانا سمیع الحق صاحب کا عصر تک انتظار ہوتا رہا جب حضرت خواجہؒ کو یہ افواہ پہنچی تو آپ فوراً پشاور سے چل پڑے، مغرب کی نماز درہ آدم خیل میں پڑھی۔ رات بارہ بجے جلسہ گاہ میں پہنچے جب جلسہ ختم ہوا تو رات اڑھائی بجے عشاء کی نماز پڑھی اور کھانا کھایا یہ اس لئے کہ حضرت خواجہؒ افواہ کی عملی تردید چاہتے تھے۔ گویا مولانا فضل الرحمٰن نے حضرت خواجہؒ کی رضامندی کا پروانہ حاصل کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ لاکھوں لوگ حضرت خواجہؒ کے جنازہ میں شامل ہوئے حتیٰ کہ ابابیل اور بادل بھی جنازہ میں اپنی موجودگی کا اظہار کر رہے تھے لیکن مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم جنازہ میں شامل نہ ہوسکے۔ میں کہتا ہوں کہ مولانا سمع الحق صاحب کو حضرت کی عمر بھر منت سماجت قائل نہ کرسکی تو قدرت نے ان کو جنازہ میں شرکت سے محروم کردیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ حضرت خواجہؒ کی طبعی ناگواری کا اظہار تھا ورنہ آپ مولانا سمیع الحق صاحب

سے محبت فرماتے تھے۔عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کی تحریک چلی تو مجلس عمل میں شریک بریلوی حضرات حضرت خواجہؒ کے شانہ بشانہ چل رہے تھے اور آپ کی محبت اور احترام میں ہمیشہ سرنگوں رہے۔ اہلِ حدیث حضرات اپنی شوخی میں مشہور ہونے کے باوجود حضرت خواجہؒ کے سامنے سرنگوں رہے۔شیعہ حضرات قطعاً پیچھے نہیں تھے وہ بھی حضرت کی قیادت پر پورا اطمینان رکھتے تھے اور سو جان سے فدا ہونے کو تیار تھے مگر۔

جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے
باغ تو سارا جانے ہے

حضرت خواجہ صاحبؒ سے پوچھا گیا کہ جمعیۃ علماء اسلام کے کئی گروپ بن گئے ہیں ہم کس کا ساتھ دیں تو آپؒ نے فرمایا میں تو مولانا فضل الرحمٰن کے پاسنگ میں بھی کسی کو نہیں سمجھتا۔ایک مرتبہ ایک صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مولانا فضل الرحمٰن کے خلاف دل کھول کر بولتے رہے۔حضرت خواجہ صاحبؒ حسب معمول خاموش رہے جب سائل نے حضرت خواجہ صاحبؒ کو متوجہ کر کے ان کی تائید حاصل کرنے کی درخواست کی تو حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا آپ مطمئن رہیں میں فضل الرحمٰن کے ساتھ ہوں، بس پھر کیا تھا کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔میں لوگوں کو کہتا ہوں کہ حضرت خواجہ تقریباً ستر سال حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں گردن جھکائے بیٹھے رہتے تھے۔آپ کی کمر ہاکی کی طرح خمیدہ ہوگئی تھی۔وہ بولتے بہت کم تھے مگر جب بولتے قدرت ان کی تائید فرماتی تھی۔میری تمام لوگوں سے التجاء ہے کہ آج حضرت ہم میں نہیں مگر آپ کی تعلیمات ،ارشادات اور فرمودات ہمارے درمیان موجود ہیں۔اگر اپنی آخرت کی خیر مناتے ہو تو آؤ حضرت خواجہؒ کی ترجیحات کو اپنا لو،فلاح پالو گے۔

میں نے چند مشہور اکابر صوفیا و مشائخ کا ذکر مولانا فضل الرحمٰن کے راہنماؤں اور دوستوں میں کیا ہے۔ان میں سے ہر ایک کی عظیم خانقاہ ہے جو لاکھوں فرزندانِ توحید کی روحانی پرورش کر رہی ہے بلکہ اب تو ان کے بیٹے اور پوتے آفتابِ روحانیت بن چکے ہیں۔

اگر پورے پاکستان کے اکابرین و مشائخ جو مولانا فضل الرحمٰن کی تائید کر رہے ہیں کی فہرست مرتب کی جائے تو اس کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔علماء حضرات اپنی اصطلاح میں اسی اجماع کو سوادِ اعظم سے تعبیر کرتے ہیں۔اب جو آدمی اپنے آپ کو سوادِ اعظم میں شریک کرنا چاہے کر لے ورنہ اس کی مرضی اور اس کی قسمت۔

ملک بھر میں جمعیۃ علماء اسلام کے جتنے گروپ ہیں وہ سارے مل کر بھی مولانا فضل الرحمٰن کے ووٹوں کا دسواں حصہ بھی حاصل کرلیں تو ہم کہیں گے کہ ان کا حق ہے انہیں جماعت بنانے دیں۔مثلاً مولانا فضل الرحمٰن سات سیٹیں جیت لیتے ہیں اور باقی سارے گروپ مل کر چھ سیٹیں جیت لیں تو ان کو زندہ رہنے کا حق ہے۔اگر سارے مل کر دسواں حصہ بھی حاصل نہیں کر سکتے تو اسے بغض وعناد کا نام دیا جائے گا اور بقول کسے یہ لوگ "وہی کنجڑے والا رمضانی مار کھانے کی نشانی" ہی کہلائیں گے۔ان کو باقی رہنے کا کوئی حق نہیں۔

نیک شخصیات کا سلسلہ:

یہ اللہ جل شانہ کی کرم نوازی اور حضرت شیخ الہندؒ کا خلوص ہے کہ ان کی چلائی ہوئی تحریک مقدس ہستیوں کے ہاتھوں میں ہے۔آج ہمارے سامنے اس تحریک کی قیادت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے ہاتھوں میں ہے۔مولانا فضل الرحمٰن پر جو خودکش حملے ہوئے ہیں ان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ حملے غیر ملکی ایجنسیوں نے کروائے ہیں اور دوسری بات جو کھل کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ مولانا مخلص مسلمان ہیں جو غیر ملکیوں کی آنکھوں میں کھٹک رہے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو کہ تحریک کی ابتداء ہی انگریز دشمنی پر مبنی ہے۔اب انگریز کو کہاں گوارا ہے کہ ان کے دشمنوں کی تحریک کامیاب ہو جائے۔

1956ء میں جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کی بنیاد رکھی گئی تو اس کے پہلے امیر شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ بنے جن پر یہ جملہ صادق آتا ہے کہ "دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں"۔آپ کے بعد حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ اس قدوسی جماعت کے امیر بنے۔دین پور شریف سے حضرت میاں سراج احمد دین پوریؒ امیر بنے۔آپ کے

بعد بیر شریف والے حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؒ کو امارت کا تاج پہنایا گیا۔ اسی طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا حامد میاںؒ صاحب، مہتمم جامعہ مدنیہ کو جمعیۃ کا امیر بنایا گیا۔ مولانا فضل الرحمٰن کو حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ کی وفات کے بعد جمعیۃ کا ناظم عمومی بنایا گیا۔

مختلف سلسلہ ہائے تصوف سے تعلق رکھنے والی ان شخصیات کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو انسان کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس جماعت کے ساتھ غیبی تائید ہے۔ اس جماعت کے ہوتے ہوئے کسی اور طرف تو وہی آدمی توجہ کر سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو۔ اگر دیانتداری سے دیکھیں تو یہی کہنا پڑتا ہے کہ ملکِ پاکستان جس نیک جذبے سے بنایا گیا تھا اور نعرہ لگایا گیا تھا کہ:۔ "پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ تو اس کے تقاضوں کو سمجھنے والی اس جماعت سے بڑھ کر کوئی اور جماعت نہیں ہو سکتی۔ آج ہم ملکی سیاست پر نظر دوڑائیں تو صاف نظر آتا ہے کہ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔ وہی لوگ جو راہنماء بنے ہوئے ہیں وہی حقیقی راہزن بھی ہیں۔ کروڑوں روپے کے قرضے لے کر اور پھر اپنے آپ کو دیوالیہ ظاہر کر کے قرضے معاف کروا لیتے ہیں۔ ملک میں توانائی کا بحران پیدا کرنے کے ذمہ دار یہی راہنماء ہیں۔ چینی کا بحران انہی راہنماؤں نے پیدا کیا کیونکہ چینی سستی فروخت ہونے لگ جائے تو ان کی اپنی شوگر ملز فیل ہو جائیں۔ ریلوے کو اس لئے فیل کیا گیا کہ ان کی اپنی بسوں کا کاروبار چل رہا ہے۔

ادھر مولانا فضل الرحمٰن صاحب جس سلسلہ کی کڑی ہیں اس سلسلہ کی چند عظیم شخصیتوں کا ذکر دیگ کے ایک چاول کے طور پر پیش کیا ہے۔ مدارس دینیہ کی تعداد بارہ ہزار سے زیادہ ہے ہر مدرسہ کے اساتذہ تقویٰ اور پرہیزگاری کی علامت ہیں اور مدرسہ میں سو دو سو سے لے کر دو تین ہزار تک طالب علم قرآن و حدیث کی تعلیم سیکھ رہے ہیں اور اساتذہ سے عملاً تقویٰ اور پرہیزگاری سیکھ رہے ہیں۔ ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ "رد دانق من حرام تعدل سبعین حجۃ مبرورۃ" یعنی حرام کا حاصل کیا ہوا ایک روپیہ مالک کو واپس لوٹا دینے کا اجر ستر مقبول حج کے برابر ہے۔ مدرسہ کے طالبعلم اس طرح کی ہزاروں احادیث پاک پڑھتے یاد

کرتے اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ یہی طالب علم مدرسہ سے فارغ ہو کر مسجد اور مدرسہ آباد کر کے سیکھا ہوا علم آگے پھیلاتے ہیں۔ یہ سب مولانا فضل الرحمٰن کے حواری، حامی، دوست یا ووٹر کہلاتے ہیں۔ اس طرح کے لوگ اسمبلی میں آئیں تو ملک کی قسمت ہی بدل جائے۔

مولانا فضل الرحمٰن کی زندگی:

جس طرح ان کے پیشوا حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی زندگی تھی اسی طرح دن رات سفر، دن رات خطرہ عموماً نظر بندی کا جھومر ماتھے پر سجا رہتا ہے۔ بادشاہی مسجد کے خطیب مولانا عبدالقادر آزادؒ صاحب ایک عرب سے گفتگو کر رہے تھے۔ عرب ساتھی نے پوچھا آپ حنفی کیوں ہیں؟ مولانا آزاد نے جواباً کہا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جابر بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا سب سے افضل جہاد ہے۔ آپ اس کو مانتے ہیں؟ عرب ساتھی نے کہا بالکل صحیح ہے تو مولانا آزاد نے کہا کہ کلمہ حق کہنے کا تقاضہ ہے کہ کہنے والے کو جیل میں ڈال دیا جائے۔ عرب ساتھی نے کہا بالکل صحیح ہے۔ مولانا آزاد نے کہا یہی کلمہ حق کہنے کی پاداش میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کو جیل میں ڈال دیا گیا اور جیل سے ہی ان کا جنازہ نکلا۔ آپ اس کو مانتے ہیں؟ عرب ساتھی نے کہا بالکل صحیح کہا تو مولانا آزاد نے فرمایا کہ جس امام صاحب کا جنازہ جیل سے نکلا وہی سب سے افضل ہوا یا نہیں؟ عرب ساتھی نے کہا تو اب میں بھی حنفی ہوں۔ یہی حال مولانا فضل الرحمٰن کا ہے کہ تقریباً پاکستان کے ہر سربراہ نے آپ کو نظر بندی میں ڈالا۔ کبھی انکے گھر کو سب جیل قرار دیا اور کبھی ریسٹ ہاؤس کو۔ مولانا فضل الرحمٰن تقریباً ہر سال رمضان المبارک کا آخری عشرہ مسجد نبویؐ شریف میں گزارتے ہیں اسی طرح تقریباً ہر سال حج کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ آپ ہر نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ گونا گوں مصروفیات کے باوجود رمضان المبارک میں اعتکاف بھی ادا کرتے ہیں۔ کئی مرتبہ دیکھا گیا کہ رات بارہ بجے ایک جلسہ ختم ہوا اور صبح چار بجے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر رہے ہیں۔ حکومتی ایجنسیاں اس قسم کے لیڈروں پر زنا اور حرام کاری کے الزام تو نہیں لگا سکتیں البتہ جہاد افغانستان کے موقع پر آپ کو "مولانا ڈیزل" کا لقب دے کر بدنام کیا گیا۔

سب لوگ جانتے ہیں کہ اسی جہاد میں روس کو افغانستان سے طالبان نے بھگایا تھا اور روس کو بھگانے میں پاکستان صف اوّل میں تھا۔ اب طالبان کو ٹینک چلانے کے لئے ڈیزل کی ضرورت تھی اس کا انتظام حکومت پاکستان کے ذریعہ مولانا فضل الرحمٰن کر رہے تھے۔ یار لوگوں نے یہ انتظام کرنے پر آپ کو مولانا ڈیزل کا لقب دے کر بدنام کرنے کی کوشش کی۔ جب تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ مولانا کو بدنام کرنے میں زیادہ تر انہی پاکستانیوں کا ہاتھ تھا جو روس کو افغانستان اور پاکستان پر مسلط کرنا چاہتے تھے۔ اگر روس پاکستان پر مسلط ہو جاتا تو یہاں کس قسم کا معاشرہ فروغ پاتا اس کی صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ سرحد سے ایک طالبعلم روس میں انجینئرنگ کرنے گیا واپس آیا تو والدین نے شادی کی بات چلائی تو طالب علم نے کہا کہ میری بہن جوان ہے اس کی بھی تو شادی کرنی ہے کیوں نہ میری شادی میری بہن سے کر دی جائے۔ والد کو آگ لگ گئی۔ بندوق اٹھائی اور بے غیرت بیٹے کو وہیں ڈھیر کر دیا۔ اس قسم کے گندے معاشرے سے پاکستان کو بچانے کا سہرا مولانا فضل الرحمٰن کے سر ہے اس کے صلے میں آپ کو مولانا ڈیزل کا لقب ملا۔

مولانا فضل الرحمٰن کی باطنی صفات کو لکھا جائے تو خود ان کا سیاست میں چلنا مشکل ہو جائے۔

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز وخرام نیست
بتاں راہزار شمہ ہا است کہ نام نیست

مولانا فضل الرحمٰن درس و تدریس، جنات کا علاج جادو کا علاج اور اس طرح کے دیگر عملیات میں نہایت مہارت رکھتے ہیں لیکن ملکی مصروفیات کی وجہ سے وقت نہیں ملتا۔

ابھی حال ہی میں الیکشن کمیشن آف پاکستان نے تمام ممبرانِ اسمبلی و سینیٹ کے اثاثوں کا اعلان کیا تو مولانا فضل الرحمٰن کا بینک بیلنس صفر تھا۔ ذاتی کار نہیں ہے۔ اس کے باوجود لوگ آپ کو ہاتھوں ہاتھ اٹھائے پھرتے ہیں جسے بزرگوں کا فیضان نظر بھی کہا جا سکتا ہے اور مکتب کی کرامت بھی کہہ سکتے ہیں۔ حج بھی کر رہے ہیں، عمرے بھی کر رہے ہیں، بیرون ملک

اسفار بھی جاری ہیں اور مہمان نوازی بھی جاری ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو تائیدِ ایزدی حاصل ہے اس کا مشاہدہ کرنا ہو تو کبھی ان کا بیان سنیں۔خواہ جلسہ سے خطاب ہو یا جلوس سے۔آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ خطاب شروع ہونے سے قبل تقریباً آدھا منٹ یا زیادہ پورا مجمع ساکت ہو جاتا ہے حالانکہ ان کے بیان سے قبل اودھم کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔

ایک صاحب نے حضرت خواجہ خان محمد صاحبؒ سے عرض کیا کہ مولانا فضل الرحمٰن ہمارے کام نہیں کراتے تو حضرت خواجہؒ نے جواب دیا کہ ہمارا تعلق کام نکلوانے کے لئے نہیں گویا حضرت خواجہؒ فرما رہے تھے کہ مولانا کی تمام تر کوشش نظام درست کرنے کی ہے اگر نظام درست ہو گیا تو ہر فرد کے کام خود بخود ہونے شروع ہو جائیں گے۔امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ بھی اسی نظام کی درستگی کے لئے روس گئے اور وہاں کے حکمرانوں کو اسلام کا نظامِ معیشت سمجھایا۔جب انہیں سمجھ آ گئی تو کفِ افسوس ملنے لگے کہ چند دن پہلے یہ نظام ہمیں مل جاتا تو ہم اسے ملک میں لاگو کر دیتے اب تو ہماری کابینہ دوسرے نظام کی منظوری دے چکی ہے۔تاہم مولانا سندھیؒ کی عظمت ان کے دلوں میں گھر کر چکی تھی۔جب مولانا سندھیؒ کی وفات ہوئی تو انہیں دین پور شریف کے غیر معروف قبرستان میں دفن کیا گیا۔روس اور جرمنی سے وفود آئے اور ان کی قبر پر خراجِ تحسین پیش کیا۔

مولانا فضل الرحمٰن کی للّٰہیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستان کی سب سے بڑی تبلیغی جماعت کے روحِ رواں حضرت حاجی عبد الوہاب صاحب ہر سال عید کے موقع پر تمام مذہبی شخصیات کو عید ملنے کے لئے جاتے۔میں نے کئی مرتبہ دیکھا حضرت حاجی صاحب خانقاہِ سراجیہ پہنچے۔حضرت خواجہ خان محمد صاحبؒ کے پاس تقریباً ایک گھنٹہ گزارا اور پوری نشست میں دونوں شخصیات دو زانو بیٹھی رہیں۔اس کے بعد اجازت لے کر حضرت حاجی عبد الوہاب صاحب سیدھا عبد الخیل مولانا فضل الرحمٰن کو ملنے گئے۔حضرت حاجی صاحب اس طوفانی سفر میں تبلیغی جماعت کے حضرات کو ایک خاموش سبق دے کر جاتے کہ یہ بھی ہمارے

ہیں یہ بھی ہمارے ہیں۔

میں ایک دنیا دار آدمی ہوں مجھے مولانا فضل الرحمٰن میں کوئی بشری کمزوری نظر نہیں آئی بلکہ روحانی شخصیات میں سے ایک شخصیت معلوم ہوتے ہیں۔شاید شاعر نے انہی کے لئے کہا تھا۔

کبھی اے نوجوان مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا کہ تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

تنقیدی جائزہ:

اگر مولانا فضل الرحمٰن کی روحانی جماعت کی بیس پشتوں کا ذکر کیا جائے تو ہر فرد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قریب تر نظر آئے گا اور جیسے جیسے اوپر چلتے جائیں ہر فرد حُبِ رسول ﷺ میں شرابور نظر آئے گا۔ان کے مقابلہ میں دیگر سیاسی جماعتوں کے لیڈروں کا شجرہِ نسب پڑھا جائے تو:۔

1۔ کوئی سکھ کی اولاد ثابت ہوتا ہے۔

2۔ کوئی ہندو کی اولاد ثابت ہوتا ہے۔

3۔ کوئی انگریز کا وفادار ثابت ہوتا ہے۔

4۔ کوئی روس کا جاں نثار ثابت ہوتا ہے۔

5۔ کوئی ملکی اثاثے لوٹ رہا ہے۔

6۔ کوئی جامعہ حفصہ پر بمباری کر رہا ہے۔

7۔ کوئی مساجد پر ڈرون اٹیک کر رہا ہے۔

میری تمام سیاسی جماعتوں کے لیڈروں سے التماس ہے کہ ذرا غور فرمائیں کہیں آپ پر مندرجہ بالا الزامات تو نہیں لگ رہے اگر جواب ہاں میں ہے تو اپنی قبر اور حشر کی فکر کریں۔پل صراط اور حوض کوثر کی فکر کریں۔ہاں جس آدمی کو نہ قبر کی فکر ہے، نہ حشر کی فکر ہے ،نہ پل صراط کی فکر ہے، نہ حوض کوثر کی اور نہ نبی کریم ﷺ کی شفاعت کبریٰ کی فکر ہے وہ جس جماعت میں چاہے شامل ہو جائے اس پر تمام راہیں کشادہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہماری راہنمائی فرمائے اور ہمیں عظمتِ رفتہ کے حصول کی توفیق عطا فرمائے۔بے غیرتی، بزدلی اور بے حیائی کی زندگی سے محفوظ و مامون فرمائے۔آمین!

والحمدلله اولاً وآخرا و صلی الله تعالیٰ علیٰ خیر خلقه، سیدنامحمد و علیٰ اله و اصحابه اجمعین.

☆......☆......☆

اکابر کے حقیقی جانشین

شیخ الحدیث مولانا محب النبی مدظلہ،
خلیفہ مجاز سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ، بانی و مہتمم دارالعلوم مدنیہ، رسول پارک لاہور

مولانا فضل الرحمٰن حضرات اکابر علماء دیوبند مولانا نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا شیخ الہند محمود حسنؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ کے فہم کے مطابق اپنے سیاسی عمل کو جاری رکھے ہوئے ہیں تاکہ اندرون ملک نافذ العمل قانون کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اپنے اسلامی مقاصد تک پہنچا جائے۔ اس مقصد کے لئے مولانا کا ذاتی، سیاسی، علمی و عملی ہر طرح کا کردار شاہد عدل ہے۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ اپنے اکابرین کے صحیح جانشین ہیں۔ اس وقت کے علماء اور باقی مسلمانوں کو ان کا تعاون اپنی سعادت ہی نہیں بلکہ اپنا فریضہ سمجھنا چاہیے تاکہ اسلامی نظام عدل کے نفاذ کے لئے جو ہم پر فریضہ شرعی عائد ہوتا ہے اس سے سبکدوش ہو سکیں ورنہ پاکستان میں اس طریقہ کار کے علاوہ جو مولانا فضل الرحمٰن نے اختیار کیا ہوا ہے کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔

☆......☆......☆

قائدِ جمعیۃ اہل حق کا سرمایہ

مولانا قاضی عبدالرشید مدظلہ،
مہتمم جامعہ فارقیہ، راولپنڈی، ڈپٹی سیکرٹری جنرل، وفاق المدارس، پاکستان

حضرت مولانا فضل الرحمٰن کی شخصیت جامع کمالات ہے۔آپ بیک وقت گوناں گوں خوبیوں کے حامل ہیں۔تبحر عالم، بہترین قاری، بہترین خطیب، سب سے بڑھ کر دور رس بصیرت کے حامل سیاسی راہنماء، دور اندیش مدبر اور امت کے امراض کے بہترین معالج ہیں۔اس پرفتن دور میں مولانا کی شخصیت گھٹا ٹوپ اندھیروں میں روشن چراغ اور صحرا میں شجر سایہ دار کی مصداق ہے۔آپ اہل حق کا بہت بڑا سرمایہ اور امید کی بہت بڑی کرن ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت نصیب فرمائیں اور ان کی عظیم قیادت میں اللہ تعالیٰ پاکستان کو اسلامی اور فلاحی مملکت بنائے۔آمین!

☆......☆......☆

نذرانہء عقیدت

مولانا سید غلام نبی شاہ دامت برکاتہم،

شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ عربیہ سراج العلوم، جبوڑی مانسہرہ

محترم المقام فی عقیدتی عنداللہ و عند الناس حضرت العلامہ مولانا فضل الرحمن صاحب زیدت معالیھم کی خدمت عالیہ میں اپنی عقیدت ان اشعار کی صورت میں نذر کرتا ہوں:

سَبَقت العالمین الی المعالی

تورفعتوں میں سارے جہان پر سبقت لے گیا

بصائب فکرہ وعلو ھمہ

اپنی درست فکر اور بلند ہمت کے سبب

یُرید الحاسدون لیطفئوہ

حاسدین چاہتے ہیں کہ اس کو بجھائیں

ویابی اللہ الا ان یتمہ

اور اللہ تعالیٰ اس کے نور کو پورا ہی کرنا چاہتے ہیں

حسدو الفتیٰ اذلم ینالوا فضلہ

لوگ جب اس کے مقام تک نہ پہنچ سکے تو حسد کرنے لگے

الناس اعداءُ لما جَہِلُوا

لوگ جس چیز سے ناواقف ہوں اس کے دشمن ہوتے ہیں

کـــفـــراء الـــحســـنـــا قُـــلـــن لـــو جـــهـــهـــا
جیسا کہ خوبصورت عورتوں کی سوکنیں
بـــغـــضـــاً و حـــســـداً انـــــه لـــــذمـــيـــم
بغض وعداوت کی وجہ سے ان کے خوبصورت چہرے کو بھی کہتی ہیں کہ یہ بدشکل ہے

عداوت کی نگاہ میں یوسف نہ حسین ٹھہرے
محبت کی نگاہ میں زنگی ماہ جبیں ٹھہرے

اللہ سبحانہ و تعالیٰ جلت قدرتہ وعز سلطانہ ان کو اپنے مشن میں کامیابی نصیب فرمائے اور ان کا سایہ پوری امت مسلمہ پر تا دیر قائم و دائم فرمائے۔ آمین!

☆......☆......☆

کاروانِ جمعیۃ اور قائد جمعیۃ کا قائدانہ کردار

مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی مدظلہ،
استاذ حدیث جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک

1947ء میں برِصغیر کی تقسیم دوقومی نظریہ کی بنیاد اور اساس پر عمل میں لائی گئی تھی یعنی مسلم لیگ اس نظریہ پر کام کر رہی تھی کہ ہندو اور مسلم دو جداگانہ قومیتیں ہیں اس لئے یہ دونوں ایک ملک میں اکٹھے نہیں رہ سکتیں اور دوسری بات یہ ہے کہ یہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے اس لئے یہ قوم مسلمانوں کے لئے مستقل دردِ سر بنی رہے گی اور نہ ہی یہاں مسلمان اپنی تہذیب و ثقافت، دین و مذہب اور اسلامی شعائر پر پابندی کے ساتھ عمل کر سکیں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس خطہ میں مسلمانوں کی علیحدہ شناخت ہو اور ان کی مستقل ایک مملکت ہو جس میں آزادی کے ساتھ اسلامی قانون کے تحت اپنی زندگی گزار سکیں۔ چنانچہ اس نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جدوجہد شروع ہوئی اور پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کے جذباتی نعرے پر مسلمانانِ برِصغیر نے اس موقف پر لبیک کہا۔ الختصر عظیم قربانیوں کے بعد مملکتِ پاکستان خریطہ عالم پر ظہور پذیر ہوئی اور دنیا کے نقشے پر یہ واحد ملک ہے جو کہ ایک نظریہ کی بنیاد پر معرضِ وجود میں آیا۔

اس جدوجہد کے نتیجے میں جو تاریخ ساز قربانیاں دی گئیں وہ اپنی مثال آپ ہیں اور یہاں کے باسی مسلمان اس بات پر خوشیاں منا رہے تھے کہ اب یہاں پر اسلامی قانون کی بالادستی ہوگی۔ شریعت کا قانون نافذ ہوگا اور عدل و انصاف پر مبنی ایک پاک و صاف اور

شفاف معاشرہ وجود میں آئے گا لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کا نعرہ لگانے والے اپنے موقف سے راہِ فرار اختیار کرتے چلے گئے اور اس وقت بھی یہ بات محسوس کی جارہی تھی جو اہل نظر تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ ہمارے ساتھ بہت بڑا فریب کیا گیا کیونکہ جو اولین کابینہ تشکیل دی گئی اور جن لوگوں کے ہاتھ میں زمام اقتدار دی گئی، ان سے قطعی طور پر یہ توقع نہیں کی جارہی تھی کہ یہ لوگ یہاں پر اسلامی نظام یا شرعی قانون کی تنفیذ کریں گے بلکہ بعض راہنماؤں نے یہاں تک کہا کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ یہ مسلم لیگ کا نعرہ نہیں تھا بلکہ یہ تو چند جذباتی چھوکروں کی آواز تھی۔ ہم تو ایک سیکولر فلاحی مملکت کے لئے جدوجہد کررہے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور اب حالت یہ ہے کہ یہاں عملی طور پر نہ اسلامی نظام موجود ہے اور نہ یہ ایک خوشحال فلاحی ریاست ہے۔

ملک کی اسی حالت کو دیکھ کر ملک کے جید اہل درد علماء اکٹھے ہوئے اور انہوں نے اس مملکت میں اسلامی نظام کے نفاذ کی جدوجہد کے لئے جمعیۃ علماء اسلام کے نام سے ایک جماعت کی داغ بیل ڈالی جو کہ پاکستانی عوام کی مذہبی راہنمائی کے ساتھ ساتھ ان کی سیاسی تربیت بھی کرے گی اور اس پلیٹ فارم سے ہر قسم کے فتنوں کا تعاقب بھی کرے گی۔ چنانچہ حضرت لاہوریؒ اور ان کے رفقاء کار اور ان کے بعد آنے والے زعماء ملت نے ہر موقع پر اور ہر تحریک میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ تحریک ختمِ نبوت ہو، پرویزی فتنہ کے خلاف جہاد ہو، ڈاکٹر فضل الرحمٰن جیسے ملاحدہ و زنادقہ کی سرکوبی ہو، تحریک نظام مصطفیٰ ہو، تحریک بحالیٔ جمہوریت ہو، کیمونزم و سوشلزم کے خلاف جدوجہد ہو یا روسی الحاد کے خلاف یلغار ہو، جہاد افغانستان اور دیگر متعدد مہمات میں جمعیۃ علماء اسلام کا کردار مثالی رہا۔ پارلیمانی سیاست میں جمعیۃ علماء اسلام نے جو کردار ادا کیا اس کی ایک دنیا معترف ہے۔ اپنے تو اپنے بے گانے بھی اس بھرپور کردار و عمل کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ 1973ء میں جب قائدِ جمعیۃ مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ کو سابق صوبہ سرحد (موجودہ صوبہ خیبر پختونخوا) کی وزارت علیا کا قلمدان تفویض کیا گیا تو انہوں نے اپنی وزارت کے دوران ایسے کارنامے سرانجام

دیئے جن کی بازگشت آج بھی سنائی دے رہی ہے چونکہ اس وقت ملک و ملت کے مسلم زعماء اور اہم قد آور شخصیات موجود تھیں اس لئے ان کی حیثیت بھی عظیم تھی۔ اکتوبر 1980ء میں جب قائدِ جمعیۃ حضرت مولانا مفتی محمودؒ کا انتقال ہوا اور آپ کے ارتحال کا سانحہ پیش آیا تو اس وقت ایک بحرانی کیفیت پیدا ہوئی کہ اب حضرت مفتی صاحبؒ کا جانشین کون ہوگا۔ ایسا جانشین جو حضرت مفتی صاحب کی مسند پر پورا اتر سکے چنانچہ مجلس شوریٰ کی اکثریت نے آپ کے فرزند قائدِ جمعیۃ حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اس پر ہمارے بعض بزرگوں نے تحفظات کا اظہار کیا جس سے نوبت بدقسمتی سے تشتت و افتراق تک پہنچ گئی۔ وہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن کی کم عمری اور ناتجربہ کاری دلیل میں پیش کرتے کہ اس عظیم منصب کے لئے تجربہ کار اور قد آور علمی و سیاسی شخصیت کی ضرورت ہے۔ بہرحال حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے وہیں سے عملاً سیاسی جدوجہد کا آغاز کیا ورنہ 1978ء میں فراغت کے بعد انہوں نے اپنے عظیم والد حضرت مفتی صاحبؒ کی زیرِ سرپرستی تدریسی سفر کا آغاز کیا تھا اور ماشاء اللہ ان کی خداداد قابلیت کی وجہ سے تلامذہ آپ سے مطمئن تھے۔ لیکن حضرت مفتی صاحبؒ کی ناگہانی وفات کی وجہ سے ان کو یہ ذمہ داری سنبھالنی پڑی۔

راقم الحروف اور قائدِ محترم دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک میں ہم سبق رہے ہیں۔ تقریباً چھ سال ہم اکٹھے رہے ہیں اور دورۂ حدیث میں ہم ساتھی رہے ہیں تو زمانہ طالب علمی ہی سے ہماری دوستی ہے۔ نیرنگیٔ دوراں نے انہی خارزارِ سیاست میں پہنچا دیا۔ دورانِ حصول تعلیم ہمارا تعلق جمعیۃ طلباء اسلام سے تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے دورانِ وزارت اعلیٰ صوبہ سرحد بندہ نے انہیں کہا کہ ہمیں بھی صوبائی اسمبلی کی سیر کروائیں تاکہ ہم بھی اسمبلی کی کاروائی دیکھ لیں۔ چنانچہ راقم اور برادرِ محترم مولانا عبدالحکیم اکبری اور دو ایک ساتھی اور بھی تھے۔ ہم پشاور گئے جب اسمبلی میں پہنچے تو اس وقت اسمبلی کا اجلاس ختم ہو چکا تھا اور حضرت مفتی صاحبؒ دیگر ممبرانِ اسمبلی کے ہمراہ ایوان سے باہر تشریف لا رہے تھے۔ ہم نے ان سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ انہی دنوں شیرِ سرحد حضرت امیرِ شریعت سید گل بادشاہ صاحبؒ

امیر جمعیۃ علماء اسلام،صوبہ سرحد شدید علیل تھے اور پشاور کے لیڈی ریڈنگ ہسپتال (L.R.H) میں زیرِ علاج تھے۔ہم چند ساتھی جن میں قایدِ محترم بھی تھے ان کی عیادت کے لئے گئے۔اس وقت ان کی طبیعت انتہائی ناگفتہ بہ تھی اور ان کی حالت تشویشناک حد تک نازک تھی۔ڈاکٹروں نے کہا کہ حضرت کو خون کی اشد ضرورت ہے۔چنانچہ جن ساتھیوں نے خون دیا ان میں قائدمحترم بھی شامل تھے۔اسی طرح اس دوران تحریک ختم نبوت چلی تو اس میں بھی مولانا نے بھرپور انداز میں شرکت کی اور مختلف مقامات پر جلسوں سے خطاب بھی کیا۔بعض مواقع پر راقم بھی ان کے ساتھ شریک رہا۔راقم عرض کر رہا تھا کہ اگرچہ حضرت مفتی صاحبؒ نے مولانا کو دورانِ تحصیل علم سیاست میں عملی طور پر حصہ لینے سے منع کیا تھا لیکن ہم ساتھی ان کو مجبور کیا کرتے تھے۔

حضرت قایدِ محترم کو اس وقت جمعیۃ کی نظامت علیا تفویض کی گئی جب جنرل ضیاء الحق کا دورِ اقتدار اپنے عروج پر تھا اور اس کے خلاف حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے آخری ایام میں تحریک شروع کی۔آپ کی وفات کے بعد ایم۔آر۔ڈی کی تشکیل عمل میں لائی گئی۔چوں کہ اس میں پیپلز پارٹی کا مرکزی کردار تھا اور اس کی قیادت نسوانی تھی کیونکہ اس وقت پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن ذوالفقار علی بھٹو کی بیوہ بیگم نصرت بھٹوتھیں اس لئے جماعت کے بعض ارکان نے ایم۔آر۔ڈی تحریک سے اختلاف کیا۔اس دوران مولانا فضل الرحمٰن نے اپنی نوعمری کے باوجود اپنی قوتِ استدلال سے اپنی سیاسی بصیرت کا لوہا منوایا اور ملک کے مقتدر صحافی حضرات نے یہاں تک لکھا کہ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ جوانی میں تو انسان کا خون گرم ہوتا ہے اور اس عنفوانِ شباب میں نوجوان ہوش کے بجائے جوش سے کام لیتے ہیں لیکن تعجب ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ان کے ہاں استدلال اور قوتِ دلیل ہی بہت بڑا ہتھیار ہے۔پھر ان کو پابندِ سلاسل کیا گیا اور پسِ دیوار زنداں دھکیل دیا گیا۔جیل سے رہائی کے بعد آپ کو ڈیرہ اسماعیل خان میں گھر پر نظر بند کیا گیا۔اسی دوران راقم نے آپ کی جیل یاترا اور نظر بندی پر ان کو بطورِ خراج عقیدت بدست برادرم حضرت مولانا قاری

عبداللہ، بنوں (سابق سینٹر) یہ نظم بھیجی۔

اے کہ تیرا دل ہے بحرِ دین وملت دردمند
تری ہمت نے تو ڈالی ہے ثریا پر کمند

تیرے استقلال وقوت حق پرستی کو سلام
ورنہ تجھ کو کتنے پہنچائے ہیں اپنوں نے گزند

حق کی خاطر بارہا جھیلے مصائب آپ نے
اور کی اپنی جوانی وقف و نذر قید و بند

آپ تاریخ عزیمت کے جلی عنوان ہیں
کاروانِ حریت میں نام تیرا ہے بلند

جبر و استبداد کے مدِ مقابل مثلِ کوہ
ظلم سے ٹکرا گیا ہر حال میں یہ حق پسند

تو ہے سچا پاسباں فکر ولی اللہ کا
ہو سدا تابندہ تو اے افتخارِ دیوبند

تجھ سے قائم ہے یہاں اس ملک میں ناموس دیں
تیری عزت تیری عظمت میں اضافہ ہو دوچند

تیری رگ ریشہ میں ہو جاری نہ کیوں عزت کا خوں
حضرت محمودؒ کے جب تو ہیں فرزندِ ارجمند

فانی بیچارہ حافظ نے کہا کیا خوب ہے
نذرِ مولانا ہے اب دیوانِ حافظ کا یہ بند

در سفالیں کاسہ رنداں رار نجوری منگرید
کیں حریفاں خدمت جام جہاں بیں کردہ اند

شہپر وزاغ وزغن در بندِ صید وقید نیست
ایں سعادت قسمتِ شہباز وشاہیں کردہ اند

(اس نظم پر ۱۵ اپریل ۱۹۸۵ء کی تاریخ درج ہے)

یہ وہ دور تھا جب جنرل ضیاء کے مارشل لاء کے خوف سے اہل مدارس مولانا کو اپنے ہاں بلانے سے نہ صرف کتراتے تھے بلکہ اگر از خود مولانا ان کے ہاں تشریف لے جانے کی بات کرتے تو اس پر بھی مولانا کے سامنے معذرت کرتے۔ان تمام نامساعد حالات کے باوجود آپ نے ہمت نہیں ہاری اور گرد وپیش کی ریشہ دوانیوں سے بے نیاز ہو کر اپنے کام میں مگن رہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ ہر دام تزویر سے سرخرو ہو کر نکلے۔

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

قائدِ محترم کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے جمعیۃ کو عوامی جماعت میں تبدیل کیا اور اب یہ جماعت صرف علماء وطلبہ تک محدود نہیں رہی بلکہ اس میں ہر طبقہ کے لوگ شامل

ہیں خواہ وہ وکلاء ہوں ، دانشور، طلبہ (یونیورسٹیوں اور کالجز کے) اور عوام سب کی نمائندہ مذہبی اور سیاسی جماعت بن گئی ہے۔ پہلے انتخابات میں ہم اکثر ووٹروں کو کہا کرتے تھے کہ ہمیں صرف قومی اسمبلی میں ووٹ دے دیں صوبائی اسمبلی میں اپنی مرضی سے ووٹ استعمال کریں اور اگر صوبائی اسمبلی میں ہمارے امیدوار ہوتے بھی تو برائے نام، لیکن مولانا کے دور قیادت میں اس طرف بھی بھرپور توجہ دی گئی کیونکہ ترقیاتی کام زیادہ تر صوبائی ممبران کراتے ہیں جس سے پھر قومی اسمبلی کی سیٹ بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ اسی طرح آپ نے دنیا کے مختلف ممالک کے دورے کر کے جمعیۃ کو نہ صرف متعارف کروایا بلکہ اس کے پیغام سے بھی ایک عالم کو شناسا کیا اور آج اپنی خداداد قابلیت و استعداد کی وجہ سے آپ کا نام دنیا کے چند نامور گنے چنے سیاستدانوں میں ہوتا ہے، عالمِ اسلام میں آپ کی رائے کو اہمیت دی جاتی ہے۔ مغرب آپ کی قوت استدلال سے واقف ہے۔ آپ نے اسلام کے آفاقی پیغام کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا۔ مسلمان حکمرانوں کو حریت، آزادی اور عزت و عزیمت کا درس دیا تاکہ مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ بحال ہو۔

سرِ دار بھی پکارا لبِ بام بھی صدا دی
میں کہاں کہاں نہ پہنچا تری دید کی لگن میں

پارلیمانی سیاست میں آپ کے کردار سے صرفِ نظر کرنا سورج کی روشنی کا انکار کرنے کے مترادف ہے۔ آج اگر پارلیمنٹ میں اسلامی نظام، شرعی قانون اور ملک کی سلامتی کے لئے کوئی توانا آواز موجود ہے تو وہ قائدِ محترم کی ہے۔ اس قدر کم حجم کے باوجود حکومت اور اکثریتی جماعتوں کو یہ ہمت نہ ہو سکی کہ وہ خلافِ اسلام کسی قسم کی قانون سازی کریں۔ آپ کی رگ و ریشہ میں حریت کا خون دوڑ رہا ہے کیونکہ آپ ان اولوالعزم اکابرین کی وراثت کے امین ہیں جن کو گھٹی میں آزادی اور حریت کا شہد پلایا گیا تھا۔

آج مغرب مولوی کو دہشت گرد باور کرانے میں مصروف ہے لیکن قائدِ محترم نے اپنے کردار و عمل سے ان کے اس پروپیگنڈے کا توڑ کیا کیونکہ قائدِ محترم جمہوری انداز میں اپنے

اہداف کے حصول کے لئے کوشاں ہیں۔آپ کی اسی صائب اور معتدل پالیسی کی وجہ سے بعض کج فہم ان پر تنقید کرتے ہیں لیکن یہ لوگ عالمی بساط سیاست سے نابلد ہیں ایسے وقت اور ایسے حالات میں مولانا جیسا منجھا ہوا دانا سیاستدان ہی اپنے مہرے کھیل سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پاکستان میں طبقہ علماء میں ایسی شخصیت پیدا فرمائی جو کہ اس طبقہ کے لئے نہ صرف باعث افتخار بلکہ ایک نعمت غیرِ مترقبہ ہے لیکن ان کو بدنام کرنے، ان کی راہ میں روڑے اٹکانے کے لئے اغیار کے ساتھ ساتھ اپنے بھی پیش پیش ہیں اس پر سوائے افسوس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

دیکھا جو تیر کھا کے کمین گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

پاکستان کے سب سے زیادہ مظلوم سیاستدان قائدِ محترم ہیں جن پر ہر طرف سے طعن و تشنیع کے تیر برسائے جارہے ہیں لیکن بحمد اللہ آپ کا دامن "دوستوں اور بہی خواہوں" کے الزامات سے پاک ہے۔یہود و ہنود اور سامراج کے ایجنٹوں اور استعماری طاقتوں کے آلہ کارگماشتوں نے ان کی رسوائی کے لئے کتنے شیطانی حربے استعمال کئے لیکن ہر بار آپ سرخرو ہو کر نکلے اور پھر وہی لوگ جنہوں نے آپ پر طعن و تشنیع کے تیر برسائے تھے ان پر جب کوئی افتاد پڑی تو اسی شخصیت کے درِدولت پر جبیں سائی میں عافیت سمجھی۔بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے۔اب تو سب کچھ واضح ہو چکا ہے اور انشاء اللہ وقت آنے پر مزید انکشافات طشت ازبام ہوں گے۔مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ:

جہاں میں اہل ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

سامراجی طاقتیں آپ کو اپنے مقاصد کے حصول کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتی ہیں اس لئے کئی بار آپ کو قتل کرنے کی سازشیں کی گئیں اور گزشتہ مارچ میں آپ پر مسلسل دو خودکش دھماکے کئے گئے جن میں اللہ کے فضل و کرم سے آپ محفوظ رہے البتہ ان

دھماکوں میں جمعیۃ کے درجنوں کارکن شہید اور زخمی ہوئے لیکن قائدِ محترم نے جس جرأت، بہادری، استقلال اور ہمت کا مظاہرہ کیا اس پر ایک عالم انگشت بدنداں ہے۔ان مسلسل اور پے درپے دو مہلک ترین حملوں کے تناظر میں راقم نے چند اشعار لکھے ہیں۔قارئین کی نذر کررہاہوں۔

تو ملتِ اسلام کی عظمت کا امیں ہے ۔۔۔ جو تجھ پہ حملہ زن ہے وہ لاریب لعیں ہے
کیا خوف دلاتے ہیں تجھے دہشتِ بم سے ۔۔۔ خائف تری للکار سے ہر دشمنِ دیں ہے
ہے قوتِ افرنگ ترے نام سے لرزاں ۔۔۔ اس وحشت و بیداد پہ ہر شخص حزیں ہے
صد شکر خدا نے تجھے محفوظ ہی رکھا ۔۔۔ سجدہ میں اسی فضلِ الٰہی پہ جبیں ہے
ہم راہِ عزیمت کے ہیں پر جوش مسافر ۔۔۔ مقصود کو پائیں گے یہی ہم کو یقیں ہے
یہ جذبہ حق دل سے ہمارے نہیں مٹتا ۔۔۔ یہ کیفِ دروں قابلِ تسخیر نہیں ہے
اے راہبرِ دین و اسد بیشہء اسلام ۔۔۔ جرأت پہ تری نازکناں عرشِ بریں ہے
یہ محفلِ قدسی ترے جلووں سے عبارت ۔۔۔ اس حلقہ زریں کا فقط تو ہی نگیں ہے
اس عہد میں بس خدمتِ اسلام کا داعی ۔۔۔ دینی جو جماعت ہے وہ تجھ ہی سے حسیں ہے
ہو زندگی طویل تمہاری بمثلِ نوح ۔۔۔ بس یہ دعائے فانی بدرگاہِ متیں ہے

★ آئینی کمیٹی میں جب دستورِ پاکستان کا مسئلہ پیش آیا تو بعض ناعاقبت اندیش ممبرانِ اسمبلی نے یہ تجویز پیش کی کہ پاکستان کے نام سے اسلامی کا لفظ حذف کرنا چاہیے۔یعنی بجائے "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کے "عوامی جمہوریہ پاکستان" ہونا چاہیے اور اسی طرح آئین سے یہ دفعات بھی حذف کرنی چاہئیں کہ مملکت کا صدر اور وزیرِاعظم مسلمان ہوگا اور دفعہ ۶۲ اور ۶۳ کی بھی ضرورت نہیں اور ایک بے شرم اور بے غیرت وحیا سے عاری ایک رکن نے یوں ہرزہ سرائی کی کہ پاکستان میں ہم جنس پرستی کو قانونی جواز فراہم کرنا چاہیے اور اسی قسم کی دوسری واہیات تجاویز پیش کی گئیں جن کا اس مردِ قلندر نے بروقت اور برموقع بھرپور جواب دیا۔آج اگر یہ مردانِ باخدا پارلیمنٹ میں نہ ہوتے تو نہ معلوم کیا کیا گل کھلائے

جاتے۔قائدِ محترم کی مضبوط اور توانا آواز نے ان ملاحدہ وزنادقہ اور لادین سیکولر طاقتوں کا ناطقہ بند کر دیا ہے۔

امریکی جارحیت اور پاکستان میں ڈرون حملوں کے خلاف پارلیمنٹ کے اِن کیمرہ اجلاس میں صرف آپ ہی کی جرات مندانہ للکار تھی جبکہ دیگر اراکینِ اسمبلی گم سم بیٹھے تھے۔امریکہ کے خلاف زبان کھولنے کی ان میں ہمت نہ تھی۔قائدِ محترم نے بلاخوف لومتہ لائم پارلیمنٹ کے سامنے ایسا چشم کشا تاریخی خطاب فرمایا جس سے ہال میں موجود افراد کی آنکھیں پُرنم ہوئیں جس کے نتیجے میں امریکہ کے خلاف متفقہ قرارداد سامنے آگئی لیکن بعض نادیدہ قوتوں کی ریشہ دوانیوں سے اس قرارداد کو اہمیت نہیں دی گئی جس کے نتیجہ میں امریکی جارحیت اور ڈرون حملوں میں مزید تیزی آگئی اور اس کے بعد پاکستان کی تاریخ کا ایک ایسا سانحہ رونما ہوا جو کہ مملکت کے چہرے پر بدنما داغ ہے جس کا ازالہ کسی بھی طرح ممکن نہیں یعنی 2 مئی کو ایبٹ آباد میں امریکی جارحیت اور دیدہ دلیری سے آپریشن۔کیا ایک باغیرت اور ایک باضمیر قوم ایسے واقعات برداشت کر سکتی ہے؟

اسی طرح ناموس رسالت تحریک میں آپ کے قائدانہ کردار نے ایسی جان ڈال دی کہ حکومت کو پسپائی اختیار کرنی پڑی۔ بہر حال ملک وملت کی بھلائی اور اسلامیان پاکستان کی راہنمائی کے لئے آپ نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور جب بھی وطنِ عزیز کو آپ کی خدمت کی ضرورت پڑی آپ بلا تأمل اس پر کمر بستہ ہوگئے اور لبیک کہا۔گویا آپ بزبانِ حال کہہ رہے ہیں۔

خونِ دل دے کے نکھاریں گے رخِ برگِ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

☆......☆......☆

جمعیۃ علماء اسلام اہل حق کے تحفظ کی چھتری

مولانا محمود میاں دامت برکاتہم،
شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ مدنیہ (جدید)، لاہور

جمعیۃ علماء اسلام موجودہ دور میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ کی قیادت میں اہل حق کی نمائندگی بھی کر رہی ہے اور اہل حق کی جتنی بھی چھوٹی بڑی جماعتیں ہیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے جمعیۃ علماء اسلام کی صورت میں تحفظ کی چھتری بنا رکھا ہے جس کے سائے میں کفر اور طاغوتی قوتوں کے شر اور فتنے سے اللہ تعالیٰ نے سب کی حفاظت فرما رکھی ہے اور دنیا بھر میں علماء حق کی یہ واحد ایسی جماعت ہے جو کافر اور طاغوتی قوتوں کے ہتھکنڈوں کو سمجھتے ہوئے ان کے ناپاک عزائم کو ناکام بھی بناتی ہے اور ان کے خلاف تیر بہ ہدف جوابی کاروائی بھی کرتی ہے۔اس وقت بین الاقوامی سطح پر اہل حق کی اس سے مضبوط کوئی جماعت نہیں ہے لہٰذا ہر مسلمان پر بالخصوص علماء وطلباء پر لازم ہے کہ وہ اس جماعت کا ساتھ دیں۔اس کی ہر مرحلے پر حمایت کریں کیونکہ کفر کی نظر میں دینی مدارس اور اہل حق کی یہ سیاسی قوت سب سے اہم ہدف ہے جنہیں وہ تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں لہٰذا دین کی بقاء اور آئندہ اس کی اشاعت کے لئے دینی مدارس کا وجود بہت اہم ہے۔جیسے ہر مسلمان اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے ویسے ہی ہر علاقے کے مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اپنے علاقوں کے دینی مدارس کی بھی حفاظت کریں ورنہ اگر خدانخواستہ دینی مدارس ختم ہوگئے اور مسلمانوں کی دنیا میں یہ بڑی سیاسی قوت انتشار کا شکار ہوگئی تو آنے والی نسلوں کی دینی راہنمائی کرنے والا کوئی باقی نہیں

رہے گا اور کفار کے لئے اس سے بڑی کوئی خوشی کی چیز نہ ہوگی۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی ترقی اور کامیابی میں بہت بڑا دخل اپنے بڑوں کا ادب اور تعظیم ہے۔ انہوں نے اسلاف کے طریقے کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور جس وقت مولانا سیاست میں آئے اس وقت پاکستان کے جتنے بھی اہل اللہ تھے اور پاکستان کی جتنی بھی خانقاہیں تھیں سب کا دستِ شفقت مولانا کے سر پر تھا سب کی دعائیں مولانا کے ساتھ تھیں۔ ان کی دلی دعاؤں اور توجہات کا ثمرہ ہے کہ آج اللہ تعالیٰ نے مولانا کے ہاتھوں اور ان کی قیادت میں جمعیۃ علماء اسلام کو بین الاقوامی سطح پر اس مقام پر لاکھڑا کیا ہے جس مقام پر حضرت شیخ الہندؒ کی حیات میں یہ جماعت تھی۔

☆......☆......☆

حضرت خواجہ خواجگانؒ اورقائد جمعیۃ

مولانا محب اللہ حفظہ اللہ،لورہ لائی،
خلیفہ مجاز حضرت خواجہ خواجگان خان محمدؒ

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ میدان سیاست میں علماء کرام کی بڑی ضرورت ہے۔حضرت تھانویؒ کے ملفوظات میں کچھ اس طرح لکھا ہے:

"آج کل حالات ایسے ہیں کہ ہر آدمی انتہائی مصروفیت کی زندگی گزار رہا ہے۔میری اپنی اتنی ہمت نہیں ہے کہ میدان میں آ کر کام کرسکوں لیکن جولوگ میدان میں آ کر کام کر سکتے ہیں میں ان کے لئے دعا گو ہوں۔ان لوگوں کو کامیابی کے لئے دعاؤں کی سخت ضرورت ہے"۔

دین کے پھیلنے کا بنیادی ذریعہ دعوت ہے۔انبیاءؑ دعوت سے ہی دین کی محنت کا آغاز کرتے۔ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت دعوت کے بعد آئی۔موسیٰؑ نے پہلے فرعون کو دعوت دی بعد میں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد آئی۔شعیبؑ نے اپنی قوم کو پہلے دعوت دی بعد میں نصرت خداوندی آئی۔اسی طرح باقی تمام انبیاء کرام نے دین کی محنت کا آغاز دعوت سے کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ان کی مدد فرمائی۔

جمعیۃ علماء اسلام کی محنت اسلامی نظام کے نفاذ کے ساتھ ساتھ دین کی دعوت بھی ہے۔عوام الناس کو دین کی دعوت پہنچانے میں آئمہ وخطباء کے مواعظ اور تبلیغی جماعت کی محنت کا سلسلہ بڑا مفید ہے لیکن سربراہان مملکت،افسران اسمبلی اور حکومتی سطح کے دوسرے لوگوں کو

بھی دین کی دعوت کی ضرورت ہے لیکن ان تک ہر آدمی کی رسائی نہیں۔اس طبقے میں یہ کام جمعیۃ علماء اسلام احسن طریقے سے سرانجام دے رہی ہے۔

میرے خیال میں جمعیۃ ہی کی وجہ سے حکومتی ایوانوں میں دین کی محنت ہو سکتی ہے۔علاوہ ازیں پاکستان اور مختلف اسلامی ممالک میں کفریہ طاقتیں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے دین اسلام کے خلاف اپنے عزائم کی تکمیل میں مصروف ہیں ان کے راستے میں بھی جمعیۃ علماء اسلام ہی رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ ہمارے شیخ و مربی حضرت خواجہ خان محمدؒ تادم زیست جمعیۃ علماء اسلام اور قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن کی سرپرستی فرماتے رہے۔ وہ مولانا صاحب کا بڑا اکرام کرتے اور بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے۔ ایک دفعہ خضدار (بلوچستان) میں ہم حضرت خواجہ صاحبؒ کے ساتھ ایک جلسہ میں شرکت کے لئے گئے رات کے وقت حضرت جی ایک علیحدہ کمرے میں (سب ساتھیوں کو باہر بھیج کر اور لائٹ بند کر کے) آرام فرمارہے تھے کہ کچھ ہی دیر بعد مولانا فضل الرحمٰن حفظہ اللہ ان کے کمرے میں چلے گئے (انہیں علم نہ تھا کہ حضرت آرام فرمارہے ہیں) تو حضرت خواجہ صاحبؒ مولانا کے اکرام میں یک دم چارپائی سے اٹھ کھڑے ہوئے لیکن مولانا حضرت جی سے مل کر فوراً واپس ہو گئے۔

بعض لوگ حضرت جی کے پاس آکر مولانا صاحب اور مولانا محمد خان شیرانی صاحب کے خلاف باتیں کرتے رہتے تھے۔ بے نظیر کے دور حکومت کے بعد ایک ساتھی نے حضرت کی صحبت میں کہا کہ اس دفعہ لوگ مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو ووٹ نہیں دیں گے۔ حضرت کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد فرمانے لگے کہ:

''مولانا کو نہیں دیں گے تو پھر کیا چوروں کو دیں گے''۔

اسی طرح ایک دفعہ کسی نے کہا کہ مولانا صاحب بے نظیر کے ساتھ اتحاد کی وجہ سے سربراہی کے قابل نہیں رہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ان کا نعم البدل پھر اور کون ہے؟ اس نے کسی اور مولوی صاحب کا نام لیا تو حضرت نے فرمایا کہ:

''اس وقت مولانا فضل الرحمٰن ہی قیادت کے اہل ہیں''۔

مدارس کی تعطیلات میں ایک دفعہ میں نے خانقاہ سراجیہ جانے کا پروگرام بنایا۔ ان ہی دنوں (جنرل ضیاؤ الحق کے دور حکومت میں) انتخابی مہم جاری تھی۔ جمعیۃ علماء اسلام، لورہ لائی کے کچھ ساتھی میرے پاس آئے اور کہا کہ ہمارے ساتھ انتخابی مہم میں حصہ لیں۔ جب ساتھیوں نے بہت اصرار کیا تو میں نے حضرت خواجہؒ صاحب سے رابطہ کر کے صورتحال بتائی تو حضرت نے فرمایا کہ: ''جمعیۃ کے ساتھ محنت کرو، دل لگا کر کام کرو، خوب محنت کرو، فضل الرحمٰن گروپ کو کامیاب بناؤ''۔

ہم محنت کے مکلّف ہیں نتیجہ کے نہیں:

جنرل پرویز مشرف کے دور حکومت کی بات ہے میں نے خواجہ صاحبؒ سے عرض کیا کہ حالات بہت خراب ہیں کیا کریں؟ حضرت نے فرمایا:

''ہمیں کام کرنا چاہیے نتیجے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے''۔

رسول اکرم ﷺ کو اللہ جل شانہ نے فرمایا:

ان الذین کفرو سواء علیھم ء انذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون.

لیکن رسول اللہ ﷺ پھر بھی دعوت دیتے رہے کیونکہ اللہ جل شانہ نے یہ تو فرمایا کہ ان کے لئے ڈرسنانا اور نہ سنانا برابر ہے لیکن تمہارے لئے دعوت دینا نہ دینا برابر نہیں تم اپنا کام جاری رکھو اور مسلسل دعوت دیتے رہو۔ ان کو ڈراتے رہو اگرچہ وہ ایمان نہ لائیں۔

اس لئے حالات جیسے بھی ہوں پاکستان میں شرعی نظام نافذ ہو سکے یا نہ ہو سکے کفر ختم ہو یا نہ ہو سکے لوگ مانیں یا نہ مانیں لیکن ہمیں کام کرنا چاہیے۔ مسلسل محنت کرنی چاہیے کیونکہ ہمارا کام یہی ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین.

☆......☆......☆

ہر مجلس کے میر مجلس

مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری، ملتان،
مرکزی رہنما عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، پاکستان

قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن دینی مدارس کے محافظ، عالم اسلام کی منفرد شخصیت اور وقت کی آواز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم و عمل اور سیاست میں مہارت نامہ سے سرفراز فرمایا ہے اور مقبولیت عامہ عطا فرمائی ہے۔ وہ ہر مجلس میں میر مجلس ہی ہوتے ہیں۔ امت مسلمہ عموماً اور اہل پاکستان کو خصوصاً مولانا پر فخر کرنے کا حق حاصل ہے۔

تحفظ ختم نبوت کا میدان ہو یا دین کا کوئی اور شعبہ مولانا سیاسی میدان میں تمام اہل علم و اہل بصیرت کے نمائندہ کے طور پر اس کا تحفظ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہر شر سے محفوظ رکھیں۔ آمین!

☆......☆......☆

اقلیم دلائل کا بے تاج بادشاہ

مولانا فضل علی حقانی مدظلہ،

ممبر اسلامی نظریاتی کونسل و سابق وزیر تعلیم صوبہ خیبر پختونخوا

امام انقلاب، قائدِ جمعیۃ علماء اسلام، رہبرِ ملتِ اسلامیہ، افتخارِ علماء دیوبند، امت مرحومہ کی عظمت رفتہ کی نشانی، میدانِ سیاست کے شہسوار، دلائل و براہین کی اقلیم کے بے تاج بادشاہ، اپنی متانت اور سنجیدگی کے حوالے سے پاکستان کے تمام سیاسی زعماء پر سبقت لے جانے والے جس کے نام کی ہیبت و دہشت سے ملت کفریہ لرزہ براندام ہے۔وہ نام نامی، اسمِ گرامی تاریخ کے اوراق میں جلی حروف سے لکھنے کے قابل حضرت مولانا فضل الرحمٰن کا ہے۔

حضرت قائدِ جمعیۃ سے بندہ کی شناسائی زمانہ طالب علمی سے ہے جبکہ ہم دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک میں ایک ہی ہاسٹل احاطہ قاسمیہ میں رہائش پذیر تھے۔گو کہ تعلیمی حوالے سے ہم سے سینئر تھے لیکن ایک ہی احاطہ میں قیام کی وجہ سے اکثر و بیشتر ہماری ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔اسی طرح آپ امامِ المتکلمین صدر المدرسین حضرت مولانا عبدالحلیم صاحبؒ کی قیام گاہ پر تشریف لاتے اور راقم بھی ان کے ہاں اکثر قدم بوسی کے لئے حاضر ہوتا کیونکہ ہم ایک ہی گاؤں زروبی کے باسی ہیں تو وہاں بھی ان سے ملاقات کی راہ نکلتی۔کسے خبر تھی کہ مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ کا یہ فرزند ایک دن امت مسلمہ کے عظیم قائد کے روپ میں آسمانِ سیاست کے افق پر عیاں اور نمودار و جلوہ نما ہوگا۔

جب سے بندہ نے ہوش سنبھالا ہے اس وقت سے جمعیۃ کے ساتھ وابستگی میرے رگ و ریشہ میں رچی بسی ہے۔اسی وجہ سے ہم اپنے عظیم قائد مولانا مفتی محمودؒ کے فرزند ہونے کے

ناطے بھی ان کے ساتھ بہت محبت کرتے تھے۔گوکہ اس وقت جمعیۃ کے حوالے سے ہماری سرگرمیاں بہت محدود تھیں اور ہماری زیادہ تر توجہ اپنے اسباق کی طرف تھی۔لیکن عام انتخابات اور دیگر دینی تحریکوں کے موقع پر مثلاً تحریک ختم نبوت، تحریکِ نظام مصطفیٰ میں بھرپور شرکت کرتے۔قائدِ محترم راقم کو صوفی صاحب کے نام سے پکارتے تھے۔جب 1980ء میں حضرت مفتی صاحبؒ کا سانحہ ارتحال پیش آیا تو گوکہ اس وقت ہماری ذہنی پختگی نہ ہونے کے برابر تھی لیکن پھر بھی ایک تشویش سی رہتی کہ اب تو ایسی کوئی جامع الصفات شخصیت موجود نہیں کہ وہ حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کو پر کر سکے اور اس عظیم بارِگراں کا متحمل ہو سکے۔اگرچہ اس وقت بعض عظیم ہستیاں موجود تھیں لیکن وہ اپنی نقاہت و کبرسنی کے باعث اس بوجھ کے اٹھانے کے قابل نہ تھے۔مگر بحمد للہ سیاسی میدان میں نووارد اس نوجوان کو جمعیۃ کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا تو انہوں نے ہر حوالے سے عملی طور پر اپنے آپ کو اس بھاری ذمہ داری کو بطریقہ احسن نبھانے کا اہل ثابت کیا اور فتوحات کے ایسے جھنڈے گاڑ دیئے کہ بڑے بڑے جغادری اور کہنہ مشق سیاستدان اس پر انگشت بدنداں رہ گئے۔حالانکہ وہ ایسا وقت تھا کہ آپ کے سامنے مشکلات کے پہاڑ کھڑے کئے گئے اور جنرل ضیاء الحق کی مارشل لائی حکومت ہر حالت میں آپ کی راہ مسدود کرنا چاہتی تھی اور خفیہ ہاتھ آپ کو عمر بھر کے لئے سیاست کے میدان سے باہر کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے اور اس کام میں ان کو بدقسمتی سے علماء ہی کے طبقہ سے تعلق رکھنے والے آلہ کار بھی مل گئے لیکن اس مردِ قلندر نے گردو پیش کے حالات اور سامنے آنے والے طوفانوں سے بے نیاز ہو کر اپنے کام سے کام رکھنے کا وطیرہ اپنایا اور برہان واستدلال کی قوت سے مخالفین کے مکروہ پروپیگنڈے کا ایسا منہ توڑ مسکت اور دندان شکن جواب دیا کہ آج بھی ایک دنیا آپ کی اس صفت کا اعتراف برملا طور پر کرنے پر مجبور ہے۔کہنے والوں نے تو آپ کی بے داغ شخصیت پر بدنما چھینٹے لگانے اور پگڑی اچھالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن آپ کا شدید ترین ناقد بھی جب انصاف سے ان کے بارے میں بات کرے گا تو وہ سچ بولنے پر مجبور ہو جائے گا۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ زمانہ طالب علمی ہی سے ہمارے اور آپ کے درمیان بے تکلفی تھی۔2002ء میں انتخابات کے موقع پر بندہ نے جماعتی احباب کے پرزور اصرار پر حلقہ 35 صوابی سے مجلسِ عمل کے ٹکٹ پر کاغذات نامزدگی داخل کرائے اور الحمد للہ راقم کو اللہ تعالیٰ کے خصوصی کرم اور مخلص ساتھیوں کی انتھک اور شبانہ روز محنت سے انتخابات میں کامیابی نصیب ہوئی۔اس کے بعد جب پشاور دارالعلوم سرحد میں کامیاب شدہ ممبران کا اجتماع بلایا گیا تو بندہ بھی اس اجتماع میں شرکت کے لئے وہاں گیا اور اپنے ساتھ برادرِ محترم مولانا محمد ابراہیم فانی استاد دارالعلوم حقانیہ کو لیا۔جب وہاں سے ورکشاپ کے بعد حاجی غلام علی صاحب (موجودہ سینیٹر) کے دولت کدہ پر ظہرانے کے لئے حاضر ہوئے تو تمام ممبران اسمبلی اور اہم عہدیداران بھی اس موقع پر موجود تھے۔جب ہم ہال میں داخل ہوئے تو قائدِ محترم تشریف فرما تھے۔راقم اور فانی صاحب ہال میں داخل ہوئے۔قائدِ محترم نے جب ہمیں دیکھا تو انتہائی تپاک سے معانقہ کیا اور اس کے بعد فانی صاحب سے کہا کہ صوفی صاحب نے تو کمال کر دیا حالانکہ یہ حلقہ نمبر 35 صوابی اس لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل تھا کہ اس کے بارے میں اے این پی والے کہتے تھے کہ یہ حلقہ ہماری جیب کی گھڑی اور ہاتھ کی چھڑی ہے اگر ہم یہاں سے کسی کھمبے کو ٹکٹ دے دیں یا کسی درخت کو اپنا امیدوار مقرر کریں تو وہ بھی کامیاب ہو جائینگے۔اس کے بعد بندہ کو صوبائی وزارتِ تعلیم کا قلمدان سپرد کیا گیا۔اس دوران قائدِ محترم کے ساتھ موقع بہ موقع ملاقاتوں اور ان کو سمجھنے کا موقع ملتا رہا جس سے ہمیں یہ بات علی وجہ البصیرت معلوم ہوئی کہ ملکی سیاسی صورتحال اور عالمی سیاست پر ان کی کتنی عمیق نظر ہے۔اس کے بعد قائدِ محترم نے بندہ کو اسلامی نظریاتی کونسل کے لئے نامزد کیا اور اسلامی نظریاتی کونسل کی کاروائیوں کے بارے میں ہم رابطہ میں رہتے اور وقتاً فوقتاً استفسار کرتے کہ آپ لوگوں نے کتنا کام کیا ہم ان کو اس کی رپورٹ سے آگاہ کرتے (اور تا حال یہی سلسلہ جاری ہے) اور جہاں کہیں غور طلب یا تفصیل طلب مسئلہ ہوتا ہے اس کے بارے میں مکمل راہنمائی فرماتے ہیں۔

عالمی سیاستدانوں میں جو اہم، ناموراور صف اول کے سیاستدان ہیں مولانا کا نام ان گنے چنے راہنماؤں میں آتا ہے۔آپ ملتِ اسلامیہ کے لئے دردمند دل رکھتے ہیں آپ کا دل عشقِ رسول ﷺ سے بھرا ہوا اور پورے عالمِ اسلام کی بالادستی کے لئے دھڑکتا ہے۔آپ نے عالمِ شباب میں اسلامی موقف اور کاز کے لئے اپنی زندگی وقف کی اور اسلام کے آفاقی پیغام کو اکنافِ عالم میں پھیلایا۔یورپی پارلیمنٹ سے خطاب فرمایا اور وہاں نماز کے وقت پارلیمنٹ کے اندر نماز ادا کی ۔چین اور افریقی ممالک کے دورے پر گئے۔ان کے ہاں بھی اربابِ اقتدار اور صاحبانِ حل وعقد کو اسلامی نظام کی خوبیوں سے آگاہ کیا اور ان کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اسلام میں ہمارے تمام مسائل کا حل موجود ہے خواہ وہ معاشی ہوں، سماجی ہوں یا اقتصادی اور جبکہ اسلام میں حکمرانی کا رنگ جدا ہے جس کا عملی نمونہ خلافتِ راشدہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ بھارت کے صدر اور وزیر اعظم اور دیگر اعلیٰ حکام سے آپ نے ملاقاتیں کیں اور ان کے ساتھ کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کے بارے میں بات کی اور ان کو سمجھایا کہ جنگ اور خون ریزی مسائل کا حل ہرگز نہیں ۔ہم ایک دوسرے کے ہمسایہ ممالک ہیں۔ہم اگر اپنے باہمی تنازعات افہام وتفہیم اور اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کریں تو اس خطہ میں امن آجائے گا اور یہ پورا خطہ جو کہ بارود کے ڈھیر پر کھڑا ہے پر امن ہو جائے گا۔اس طرح اگر ہم ایک دوسرے کے پشتیبان بن گئے تو اس میں ہماری بھلائی ہے۔اسی طرح آپ نے ایران ،عالمِ عرب اور دیگر اسلامی ممالک سے بھی اس موضوع پر بات کی کہ ہم استعماری اور سامراجی قوتوں کے پنجہ استبداد سے نکل کر اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکتے ہیں۔

قائدِ محترم کا آفاقی پیغام سامراجی قوتوں، اسلام دشمن عناصر اور عالمی استعمار اور اسی طرح آپ کے ساتھ حسد کرنے والوں کے لئے دردِ سر بنا ہوا ہے۔اسی حق گوئی، حق پرستی اور حریتِ فکر کی پاداش میں عالمی طاغوتی طاقتوں کی طرف سے آپ پر دوبار مسلسل بم دھماکے کئے گئے جس میں خدا کے فضل وکرم سے آپ محفوظ رہے۔یہ قائدِ محترم کا سینہ ہے کہ باوجودیکہ لوگ ان کے درپے آزار ہیں اور مولانا ان کو بخوبی جانتے بھی ہیں ۔پھر بھی جب

ان پر کوئی افتاد پڑتی ہے تو قائدِ محترم ہی ان کے دفاع میں کھڑے ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ مکمل تعاون کرتے ہیں لیکن احسان فراموشی کی ایسی مثالیں بہت ہیں کہ مطلب نکل جانے کے بعد وہ لوگ اپنی پرانی روش پر آجاتے ہیں جس کا مشاہدہ ہم بارہا کر چکے ہیں۔اللہ ہمیں ہدایت نصیب فرمائے۔

اگر قائدِ محترم جیسا عظیم راہنماء، زیرک سیاستدان اور اعلیٰ کردار کی حامل شخصیت دوسری قوموں میں پیدا ہوتی تو وہ لوگ ان کو بہت ارفع واعلیٰ مقام سے نوازتے لیکن ہمارا قومی مزاج ایسا ہے کہ جب تک کوئی شخصیت بقیدِ حیات ہو تو اس کی قدردانی نہیں کی جاتی لیکن جب وہ ہم سے روپوش ہوجاتے ہیں اور دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں تو پھر ہم ان کی موت پر ماتم کرتے ہیں اور ان کے محاسن ومناقب بیان کرتے ہیں۔

مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا
اس کو ناقدریٔ عالم کا صلہ کہتے ہیں

قائدِ محترم علماء کی عظمت کی نشانی، علماء دیوبند کی عزیمتوں اور ان کی رفعتوں کے امین اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے روز وشب کوشاں ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آپ کی زیرِ قیادت جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کی تمام مذہبی سیاسی جماعتوں میں سب سے بڑی جماعت ہے جس میں ہزاروں مشائخ علماء، صلحاء، اولیاء امت، شیوخ فقہ وحدیث اور آئمہ فن کے علاوہ لاکھوں عوام شامل ہیں اور آپ کی قیادت پر مکمل اعتماد کرتے ہیں۔خواجہ خواجگان مولانا خان محمدؒ صاحب قدس سرہ، کندیاں شریف، شیخ المشائخ مفتی محمد فرید صاحبؒ اور پیر طریقت عبدالکریم بیر شریفؒ جیسی عبقری شخصیات مولانا محترم کی زیرِ قیادت جماعت اور اسی کاروانِ حق وصداقت سے وابستہ رہیں جو کہ ملک میں شرعی نظام کے نفاذ اور نظامِ خلافت راشدہ کے لئے شب و روز کوشاں ہے۔

قائدِ محترم نے اٹھارویں ترمیم میں آئین کے اسلامی تشخص اور اسلامی دفعات کو برقرار رکھنے کے لئے جس مدلل انداز میں دفاع کیا وہ یقیناً انہی کا خاصہ، انہی کی جرأت و بے باکی

کی دلیل اور باطل کے سامنے خم ٹھونک کر ایمانی قوت سے مقابلہ کرنے کی خداداد صلاحیت ہے جب کہ اس وقت کسی بھی دینی جماعت کا کوئی نمائندہ آپ کے علاوہ اس کمیٹی میں موجود نہیں تھا۔

ایسے حالات میں سیکولر قوتوں کو آئین سے اسلامی دفعات یکسر ختم کرنے کا ٹاسک دیا گیا تھا۔اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک سیکولر قوتیں ان کی پشت پناہی کررہی تھیں۔پاکستان کے نام (اسلامی جمہوریہ پاکستان) سے "اسلامی" لفظ کی جگہ "عوامی" رکھنے کی تجویز دفعہ 62,63 جس میں رکنِ پارلیمنٹ کے شرائط ختم کرنے،قراردادِ مقاصد کو پھر سے آئین سے خارج کرکے دیباچہ کے طور پر رکھنے کی تجویز،ناموسِ رسالت کے قانون پر قانونی پیچیدگیوں کے ذریعہ قدغن لگانے کا مسئلہ اور قادیانیت جیسے شجرہ خبیثہ کے لئے نرم گوشہ رکھنے کی تمام تجاویز شامل تھیں جبکہ پاکستان کے صدر اور وزیرِاعظم کے لئے مسلمان ہونے کی شرط ختم کرنے کی تجویز تھی۔حالانکہ یہ 1973ء نہیں تھا بلکہ 2008ء تھا جبکہ دنیا گلوبل ویلج بن چکی ہے ،فحاشی وعریانی کا دور دورہ ہے،آزادئ نسواں کے نام پر سینکڑوں تنظیمیں مسلسل اسلامی تشخص کا مذاق اڑاتی ہیں،مادر پدر آزاد ایک نئی دنیا وجود میں آچکی ہے۔اسلامی احکامات اور قوانین کا تمسخر اڑایا جاتا ہے،اسمبلیوں میں عورتوں کی 33 فیصد نمائندگی وجود میں آچکی ہے۔ان حالات میں 1973ء کے متفقہ آئین کی اسلامی دفعات کو جوں کا توں برقرار رکھنے کا سہرا دلائل کے اس بے تاج بادشاہ کے سر ہے جس نے اندرون اور بیرون ملک تمام سیکولر قوتوں کا موثر مقابلہ کرکے ان قوتوں کو لاجواب کردیا اور 1973ء کے آئین کی اسلامی دفعات کا بھرپور دفاع کیا۔

موجودہ دور میں پاکستان میں جمعیۃ کا وجود انتہائی ضروری ہے اور اسی ایک جماعت کو مضبوط کرنا ہماری ذمہ داری ہے ۔یہ جماعت ہمارا سیاسی پلیٹ فارم بھی ہے اور مذہبی بھی۔آج جو سادہ لوح عوام علماء کی سیاست سے وابستگی کو بنظرِ استحسان نہیں دیکھتے بلکہ اس کو شجر ممنوعہ سمجھتے ہیں ان کو اس کی افادیت کا علم نہیں۔آج اگر پارلیمنٹ میں یہ چند علماء موجود نہ

ہوتے تو پتہ نہیں کہ ملکی آئین کا کیا حشر ہوتا کیونکہ پارلیمنٹ میں لادین عناصر اور مذہب بیزار طبقہ کی بالادستی ہے اس کے باوجود قائدِ محترم نے قوت استدلال سے ان کے تمام ہتھکنڈے ناکام بنا دیئے۔

اے کاش اگر ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے والوں کی طرف سے انتخابات میں علماء حق کی مخالفت نہ ہوتی اور ان کے جھوٹے پروپیگنڈوں سے لوگ دھوکہ اور فریب کا شکار نہ ہوتے تو آج خالص جمعیۃ کے ممبرانِ اسمبلی کی تعداد کافی زیادہ ہوتی بلکہ صوبہ خیبر پختونخواہ میں بھی جمعیۃ کی حکومت قائم ہوتی جس سے کم از کم اتنا فائدہ ہوتا کہ صوبہ خیبر پختونخواہ کے عوام پر دنیا کی جو کرپٹ ترین حکومت مسلط ہے اس سے تو بے چارے عوام محفوظ و مامون رہتے۔

ابھی توہینِ رسالت قانون کے معاملے میں لادین حکومت اور مغربی ملکوں نے اس قانون کو آئین سے حذف کرنے کے لئے کوششیں شروع کیں تو اسی مردِ میدان نے اس کے خلاف بھرپور انداز میں تحریک چلائی۔ یہ بھی علماء کی سیاست میں موجودگی کا ثمرہ ہے کہ پارلیمنٹ میں پہنچ کر انہوں نے ایسے قوانین آئین میں شامل کیے جس سے اسلامی دفعات کو تحفظ ملا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قائدِ محترم کو علماء و عوام کی قیادت کے لئے تا دیر سلامت رکھے اور جمعیۃ کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی سے نوازے۔ آمین!

خونِ دل دے کر نکھاریں گے رخِ برگِ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

☆......☆......☆

حضرت لاہوریؒ کے مسند نشین

مولانا پیر سید جاوید حسین شاہ مدظلہ،
مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ عبیدیہ، فیصل آباد

ہمارے اکابر علماء دیو بند کو حق تعالیٰ شانہ نے یہ امتیازی وصف دیا ہے کہ دین اور دنیا کا کوئی میدان بھی ان کی خدمات سے خالی نہیں ہے۔ میدان کارزار سے لے کر میدان سیاست تک ان کے کارناموں کا ایک حسین سلسلہ ہے اور ان کی تابناک تاریخ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ دارالعلوم دیو بند کے ایک شاعر نے بہت خوبصورت انداز میں ان کی خدمات کو اس شعر میں پرویا ہے۔

اس بزم جنوں کے دیوانے ہر راہ سے پہنچے یزداں تک
ہیں عام ہمارے افسانے دیوارِ چمن سے زنداں تک

اور پاکستان میں ہمارے حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ نے بھی آ کر JUI کی قیادت سنبھال کر پاکستان کے سرمایہ دار اور دین دشمن طبقات کے لئے میدان سیاست خالی نہیں چھوڑا اور جمعیۃ علماء اسلام کے وہی فرزند آج مولانا فضل الرحمن مدظلہ کی قیادت میں اس دھرتی پر اسلام کے عادلانہ نظام کے نفاذ اور سامراجی اور طاغوتی قوتوں کے خاتمے کے لئے جدوجہد میں برسرِ پیکار ہیں۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ان حضرات کے علم، عمل اور اخلاص میں بے بہا برکتیں نصیب فرمائے۔ آمین!

☆......☆......☆

یادوں کے دریچوں سے

حضرت مولانا مفتی سیف اللہ حقانی مروت،
رئیس دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک

علماء کے دل ودماغ مولانا مفتی محمودؒ ہمارے علاقہ مروت کے قابل، صدفخر اور نامور شخصیت تھے جنہوں نے صرف علم وتدریس اور افتاء وقضاء کے میدان میں اپنا لوہا نہیں منوایا تھا بلکہ سیاسی میدان میں بھی اپنا لوہا منوا کر بڑے بڑے سیاستدانوں کو اپنے پیچھے کوسوں دور چھوڑ دیا۔ مولانا فضل الرحمٰن اس نامور شخصیت کے فرزند ہیں۔

جامعہ حقانیہ، اکوڑہ خٹک میں مولانا فضل الرحمٰن کا داخلہ:

جامعہ حقانیہ میں کافیہ کے درجہ میں مولانا فضل الرحمٰن کو ایسی عمر میں داخل کیا گیا کہ ان کی داڑھی ابھی ابھی نکلی تھی یعنی کم عمر تھے اور کافیہ سے لے کر دورہ حدیث تک جامعہ حقانیہ میں پڑھ کر جامعہ سے سند فراغت حاصل کی اور پھر آگے چل کر سیاست کے میدان میں حقانی برادری کا نام روشن کیا۔

انجمن تمرین البیان:

مولانا فضل الرحمٰن کے علاوہ جامعہ حقانیہ میں ہمارے اساتذہ کے کم سن بیٹے بھی زیر تعلیم تھے جیسے مولانا محمد ابراہیم فانی ابن استاذ حدیث جامعہ حقانیہ ابن رئیس المتکلمین والاصولین والمحدثین مولانا عبدالحلیم صاحب زرویؒ اور مولانا مفتی رشید احمد مرحوم ابن مفتی اعظم المحدث الکبیر مولانا مفتی محمد فرید صاحبؒ جامعہ حقانیہ کے شیخ المعقول تھے اور ہمارے علاقہ کے بعض دیگر کمسن بچے بھی زیر تعلیم تھے جیسے مولانا محمد شفیع مدرس اعلیٰ جامعہ حلیمیہ، درہ پیزو

اور مولانا محمد امین شیخ الحدیث جامعہ تعلیم القرآن، نورنگ لکی مروت وغیرہ تو ان سب کی تربیت کی خاطر راقم الحروف اور صاحبزادہ مولانا محمد محسن صاحب بانی و مہتمم جامعہ حلیمیہ، درہ پیزو نے ایک انجمن بنائی اور اس انجمن کا الہامی نام میں نے انجمن تمرین البیان رکھا اور الحمد للہ والشکر للہ کہ اس انجمن کے ذریعہ ہم نے مولانا فضل الرحمٰن اور ان کے مذکورہ دیگر ساتھیوں کی خوب تربیت کی۔

مولانا فضل الرحمٰن کی بے تکلفی:

آپ بہت بے تکلف اور سادگی پسند تھے۔ والد بزرگوار وزیر اعلیٰ تھے اور وہ جامعہ کی مسجد کی سبیل پر کپڑے خود دھویا کرتے اور پیوند لگے کپڑوں کو استعمال کرتے۔ میں کبھی ان کو دعوت پر مدعو کرتا تو قمیص میں لگے پیوند کی طرف اشارہ کر کے ساتھیوں سے کہتا کہ یہ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ کے فرزند ہیں۔

فضل الرحمٰن اور لفظ مولانا:

ہمارے شیخ مولانا عبدالحقؒ لفظ مولانا سے ایسے مشہور تھے جیسا کہ مولانا مفتی محمودؒ لفظ مفتی سے مشہور تھے حتیٰ کہ لفظ مولانا اور لفظ مفتی سے اطلاق کی صورت میں مولانا عبدالحقؒ اور مولانا مفتی محمودؒ ہی سمجھے جاتے تھے مگر حضرت شیخ کے ساتھ خصوصی عقیدت کی وجہ سے فضل الرحمٰن نے والد کی صفت کی بجائے استاذ و شیخ کے وصف کو اپنایا اور فضل الرحمٰن نے بھی مولانا کے لفظ سے ایسی شہرت پائی کہ حلقہ یاراں میں لفظ مولانا سے فضل الرحمٰن ہی سمجھے جاتے ہیں۔

فضل الرحمٰن اور ان کی پارسائی:

والد بزرگوار مولانا مفتی محمودؒ نے فضل الرحمٰن کی شادی میرے گاؤں کے قریب ایک ایسے گاؤں سے کی جس کا نام بھی مکروہ ہے اور مولانا فضل الرحمٰن نے والد بزرگوار کے انتخاب پر اکتفاء کر کے آج تک دوسری بیوی کی کوشش نہیں کی اگر وہ آج بھی چاہیں تو پسند کی دوسری شادی آسانی سے کر سکتے ہیں مگر ان کی پارسائی ان کو اجازت نہیں دیتی۔

راقم الحروف کی یہ تمنا تھی کہ فضل الرحمٰن صرف سیاستدان نہ ہوں بلکہ اس کے ساتھ مفتی اعظم اور محدث کبیر بھی ہوں اور اس لئے والد بزرگوار کی وفات کے بعد جب فضل الرحمٰن نے راقم اور صاحبزادہ مولانا محسن سے عملی سیاست میں حصہ لینے کا مشورہ چاہا تو میں نے اس کی سخت مخالفت کی اور ان سے کہا کہ آپ کچھ عرصہ تک درس و تدریس کو جاری رکھیں تا کہ تمہارا علمی پہلو مضبوط اور مستحکم ہو جائے تو تب آپ عملی سیاست میں حصہ لیں۔ میرے مشورہ پر عمل ہوتا تو آج فضل الرحمٰن صرف عظیم سیاستدان ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ عظیم مدرس و مفتی و محدث بھی ہوتے مگر:

ما کل ما یتمنی المرء یدرکہ
تجری الریاح بما لا تشتھی السفن

فضل الرحمٰن اور والد بزرگوار کے ساتھ مشابہت:

فضل الرحمٰن الولد سر لابیہ کا مصداق ہے جیسے کہ والد بزرگوار میں یہ صفت موجود تھی کہ وہ دوسروں پر چھا جاتا اور ان پر کوئی بھی نہیں چھا سکتا تھا تو فضل الرحمٰن میں بھی یہ صفت موجود ہے اوروں کی تو بات کیا ہے زرداری پر بھی وہ چھایا ہوا ہے اور آواز ولب ولہجہ میں اشبہ بوالدہ ہے اور جیسا کہ اس کے والد بزرگوار پر ان کے سیاسی رفقاء بھرپور اعتماد کیا کرتے تھے تو بالکل اسی طرح مولانا فضل الرحمٰن کے سیاسی رفقاء اس پر بھرپور اعتماد کر رہے ہیں۔

مولانا فضل الرحمٰن کی جمعیۃ میں ان کے اساتذہ بھی شامل ہیں:

شرح عقائد کے ہامش میں ایک سوال کے جواب میں ہے یفوق المتعلم من معلمہ تو میں طلبہ کو اس کی مثال مولانا فضل الرحمٰن سے دیتا ہوں کہ دیکھئے وہ سیاسی میدان میں اتنا اونچی پرواز کر گیا ہے کہ آج ان کے اساتذہ بھی اس کی جماعت و جمعیۃ میں شامل ہیں۔

اونٹوں کا ایک خوشگوار سفر:

کئی دہائیاں پہلے میں، اور مولانا فضل الرحمٰن اپنے عظیم اساتذہ حضرتِ مولانا محمد علی

السواتی اور حضرت مولانا فضل مولیٰ کے ہمراہ کٹھ خیل ڈیرہ اسماعیل خان میں ایک تعزیت کے سلسلہ میں گئے تھے۔واپسی پر مولانا عبدالمالک شاہ (مرحوم) نے اصرار کیا کہ صبح کا کھانا میرے ساتھ شاہ حسن خیل میں کھائیں تو اس لئے ہم بس کے ذریعہ شاہ حسن خیل آئے۔ یہی ایک بس ڈیرہ اسماعیل خان سے مولانا فضل الرحمٰن کے گاؤں عبدالخیل اور عبدالخیل سے شاہ حسن خیل کٹھ خیل آتی جاتی تھی۔ چوبیس گھنٹوں میں کوئی اور سواری نہ تھی۔اس لئے شاہ حسن خیل سے عبدالخیل جانے کے لئے مولانا عبدالمالک شاہ حقانی نے ہماری سواری کے لئے اونٹوں کا انتظام کیا، ایک اونٹ اور دوسری اونٹنی تھی۔ میں اور مولانا فضل الرحمٰن مروت ہونے کی وجہ سے اونٹوں کی ڈرائیونگ کے ماہر تھے۔اس لئے یہ خدمت ہمیں سونپی گئی مگر اسے حسن اتفاق کہہ دیجئے کہ میرے حصے میں اونٹ اور مولانا فضل الرحمٰن کے حصہ میں اونٹنی آئی۔ ڈرائیور چونکہ آگے بیٹھا ہوتا ہے اس لئے میرے پیچھے حضرت مولانا محمد علی اور مولانا فضل الرحمٰن کے پیچھے مولانا فضل مولیٰ سیکنڈ سیٹ پر تشریف فرما ہوئے اور مولانا عبدالمالک شاہ میزبان ہونے کی وجہ سے پیدل جارہے تھےاور اخروھن من حیث اخرھن اللہ پر عمل کرتے ہوئے میرا اونٹ آگے اور مولانا فضل الرحمٰن کی اونٹنی پیچھے چلی آرہی تھی۔ یوں یہ خوشگوار سفر جاری تھا کہ اچانک مقابل طرف سے دو اور اونٹ نمودار ہوئے قریب آنے پر ان میں پہلے اونٹ نے اپنی مخصوص آواز نکالی اس پر میرے اونٹ نے غصہ میں آکر آواز کرنے والے اونٹ کو گردن سے پکڑ کر گرا دیا۔اب میں اور مقابل اونٹ کا مالک اس کوشش میں تھے کہ جھگڑا ختم ہو جائے اور ہم محفوظ رہ جائیں۔شکر ہے کہ ہماری کوشش کامیاب ہوئی اور اطمینان کے ساتھ دوبارہ وہ خوشگوار سفر شروع ہوا۔جب اطمینان ہوا تو میرے استاذ مولانا محمد علی سواتی نے مجھ سے کہا سیف اللہ کیا سمجھے اونٹوں نے یہ جھگڑا کیوں کیا؟۔ میں نے کہا کچھ نہیں سمجھا مگر شکر ہے کہ ہم بچ گئے اس پر حضرت الاستاذ نے فرمایا آپ بڑے سادہ ہیں کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ مقابل اونٹ نے کچھ آواز نکالی تھی یہ مقابل اونٹ نے دواد پڑھا تھا تو اس لئے تمہارے اونٹ نے جھگڑا کیا کہ حق ضاد ہے تم نے دواد کیوں پڑھا۔اس پر مولانا

فضل مولیٰ صاحب نے کہا نہیں حضرت بات برعکس تھی۔یاد رہے کہ مولانا محمد علی سواتی ضاداور مولانا فضل مولیٰ صاحب دواد کے شیدائی تھے اور مولانا فضل الرحمٰن اس وقت جامعہ حقانیہ،اکوڑہ خٹک کے طالب علم تھے۔

☆......☆......☆

رحمت خدا کا نمونہ

شیخ التفسیر مولانا الحق خان المدنی حفظہ اللہ ورعاہ
سابق استاذ الحدیث جامع دارالعلوم اسلامیہ تعلیم القرآن، پلندری،
رکن اسلامی نظریاتی کونسل، آزاد کشمیر، چیئرمین ورلڈ اسلامک فورم، دوبئی

مولانا فضل الرحمن صاحب اسلاف و اکابر کی پاکیزہ و مقدس روایات کے امین ہیں۔ان کا وجود خدا پاک کی رحمت کا ایک نمونہ ہے۔وہ امت مسلمہ کی قیادت کے لائق ہیں اوران کو اللہ پاک نے ایسی فطری صلاحیتوں اور عظیم الشان سیاسی بصیرت سے نوازا ہے جس کی نظیر کم ہی کہیں مل سکے گی۔انہوں نے اسلاف کے چھوڑے ہوئے سیاسی ورثے کی بہترین پاسداری کی اور ہمیشہ کلمہ حق کہا۔ ان کے ساتھ اکابرین کی دعائیں اور توجہات ہیں۔کارکنوں کواس کی قدر کرنی چاہیے اور صدق و اخلاص کے ساتھ محنت کرنی چاہیے۔علماء حق کی یہی وہ جماعت ہے جو حق کی پاسدار اور امانت دار ہے۔باقی سب سیاسی جماعتوں کی سیاست دنیاوی مفادات کے گرد گھومتی ہے لیکن حق کی پاسدار اور خدمت کرنے والے یہی لوگ ہیں۔آج حق کی جو دولت ہمارے پاس موجود ہے یہ ان ہی اکابر کی محنتوں کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔کارکنوں کو صدق و اخلاص اور اتفاق و اتحاد کے ساتھ اس راہ پر گامزن رہنا چاہیے کیونکہ یہی وہ دینی سیاست ہے جس میں ناکامی ہے ہی نہیں۔یہ دنیا کو سنوارنے اور آخرت کو بہتر بنانے کا ذریعہ ہے۔کارکنوں کو دل و جان سے اس کی قدر کرنی چاہیے۔

☆......☆......☆

مولانا فضل الرحمن کی صدائے حق

مولانا لقمان حکیم مدظلہ،
امیر جمعیۃ علماء اسلام، گلگت بلتستان وخطیب جامع مسجد عثمانیہ، گلگت

مولانا فضل الرحمٰن پاکستان میں قافلہ ولی اللہی کے سرخیل اور انگریز سامراج کو ملک بدر کرنے والی حریت فکر کی حامل جماعت جمعیۃ علماء ہند کے وارث اور اہل پاکستان خصوصاً جمعیۃ علماء اسلام، پاکستان کے صحیح ترجمان اور قافلہ حق کے امین ہیں جو اپنا مدعا نہایت سلیقے اور نہایت سادہ الفاظ میں بیان کر جاتے ہیں۔انہوں نے ملک کے مختلف شہروں میں بڑے بڑے جلسے اور اجتماعات منعقد کر کے لادین عناصر، اسٹیبلشمنٹ اور امریکہ کو چیلنج کر دیا ہے کہ پاکستان کے دفاع و معیشت، پاکستان کے امن و امان اور پاکستان کی سیاست پر بے دین قوتوں کی بالادستی کبھی برداشت نہیں کریں گے اور ان تمام تر باطل نظریات اور غیر فطری نظاموں کا بڑی دلیری کے ساتھ مقابلہ کریں گے کیونکہ پاکستان کی سیاست پر عالمی قوتوں کی بالادستی اور ان ظالمانہ رویوں کو ہم اپنی غلامی سمجھتے ہیں اور غلامی سے نجات کے لئے آزادی کی جدوجہد کو دوام دینا جمعیۃ علماء اسلام کا منشور ہے۔نیز مولانا فضل الرحمٰن صاحب اسلام کے عادلانہ سیاسی اور اقتصادی نظام کے خدوخال بڑے خوبصورت انداز میں پیش کرتے ہیں۔وہ ایک زیرک سیاستدان ہیں۔ان میں غیر معتدل رویوں میں توازن پیدا کرنے کی غیر معمولی صلاحیت پائی جاتی ہے۔اہل پاکستان کی بھاری اکثریت بھی اسے احترام ہی کے معنوں میں لیتی ہے اس لئے مولانا فضل الرحمٰن کی ایمان افروز قیادت میں امت مسلمہ کے اجتماعی مفادات کے تحفظ اور پاکستان کو ایک آزاد اسلامی فلاحی ریاست بنانے پر مبنی انقلابی پالیسی اور آپ کی گرانقدر قومی، ملی، ملکی، اسلامی خدمات اور آپ کا تاریخی کردار تا قیامت نا قابل

فراموش ہے۔ایضاً مولانا فضل الرحمٰن صاحب اسلام کی نظریاتی سرحدات کے تحفظ اور نظام خلافت راشدہ کے قیام کے لئے اپنی خداداد قوت اور طاقت پوری آب و تاب کے ساتھ دکھانے کی اہلیت بھی رکھتے ہیں۔علاوہ ازیں مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی ولولہ انگیز قیادت پر اکابرین امت کے اعتماد کا یہ عالم ہے کہ آج سے چند سال قبل لاہور میں مینار پاکستان میں جمعیۃ علماء اسلام، پاکستان کی ایک کانفرنس ہوئی تھی جس میں حافظ الحدیث والقرآن جناب مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ نے مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت پر اعتماد کرتے ہوئے بندوق آپ کے ہاتھ میں دے کر فرمایا تھا۔

''کہ جاؤ اسلام کے عادلانہ نظام کے نفاذ کے لئے بے لوث

خدمت کرتے رہو، اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر رہے گا''۔

نیز مولانا فضل الرحمٰن کی مذہبی اور سیاسی قیادت پر اکابرین امت کے اعتماد کی دوسری مثال یہ ہے کہ جب سے عالم کائنات کو وجود ملا ہے اور حضرت انسان اس عالم کی زینت بن گیا ہے۔رب کائنات کی طرف سے حضرت انسان کی رشد و ہدایت کا سلسلہ دو مضبوط طریقوں پر قائم و دائم چلا آرہا ہے۔ایک کتاب اللہ اور دوسرا ہے رجال اللہ کی محنت و کاوش، دعوت و تبلیغ اور جہاد و قتال کے طریقوں پر اور یہ سلسلۃ الذہب کبھی کسی مقام پر نہیں ٹوٹا اور آنحضرت ﷺ نے اس خدائی پیغام اور مشن نبوی کو جس کا ذکر خود خدائے پاک نے هوالذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق. کے الفاظ میں بیان فرمایا اپنی حیات مبارکہ تک محدود نہیں فرمایا بلکہ اس خدائی پیغام کی عالمگیریت و افادیت وثمرات کو رہتی دنیا تک پہنچانے کے لئے صحابہ کرامؓ کے بعد علماء کرام کو اپنا فکری جانشین اور علمی وارث قرار دیکر بھاری ذمہ داری ان پر عائد فرمائی۔چنانچہ ارشاد فرمایا:

العلماء ورثة الانبیاء۔(علماء انبیاء کے وارث ہیں) اور انبیاءؑ وراثت میں دینار و دراہم نہیں چھوڑ کر جاتے بلکہ حضرات انبیاء کی وراثت علم ہے۔چنانچہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق حضرات علماء کرام اپنا دینی فریضہ انجام دے رہے ہیں جو

انہیں حضرت رسول اکرم ﷺ سے وراثت میں ملا ہے۔انبیاءؑ کے علمی وارثوں میں جن حضرات علماء کی قسمت میں جو خوش نصیبی آئی ہے اور جن کے علمی سفر کا پہلا سرا علوم نبوت کے آستانہ تک پہنچتا ہے اور جمہور و عامۃ الناس جنہیں واقعتاً حضرات انبیاء کا وارث سمجھتے ہیں اور ایک دنیا ان کی اس وراثت کے صحیح حق دار ہونے کی معترف ہے وہ حضرات علماء دیوبند ہیں جو اہلسنت والجماعت کی صحیح تعبیر ہے اور جن کا مسلک و مشرب حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ کے الفاظ میں یہ ہے کہ:

''دارالعلوم دنیائے مسلم و فرقہ اہل سنت والجماعت مذہبا حنفی، کلاماً اشعری، سلوکاً جامع سلاسل، فکراً ولی اللٰہی اور نسبتاً دیوبندی ہے''۔

ان علماء دیوبند نے مختلف ادوار حیات میں کون کون سے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ان کارناموں کا تذکرہ کرنے، ان کی خدمات پر خراج تحسین پیش کرنے، نئی نسل کو تاریخ علماء دیوبند سے روشناس کرانے، چہار دانگ عالم میں پھیلے لاکھوں وابستگان دیوبند کو ایک پلیٹ فارم پر مجتمع کرنے اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو دکھ درد بانٹنے کے لئے جرات مندوں کے شہر پشاور سے 12 کلومیٹر دور مشرق کی طرف "تاروجبہ" (واپڈا ہاؤسنگ سکیم) کے مقام پر تین روزہ کانفرنس بعنوان "ڈیڑھ سو سالہ خدمات دارالعلوم دیوبند عالمی کانفرنس" بتاریخ 9 اپریل 2001ء میں منعقد کی گئی۔اس انٹرنیشنل کانفرنس کو منعقد کرانے کی سعادت مملکت خداداد پاکستان کی سب سے بڑی دینی، سیاسی جماعت اور علماء دیوبند کے سیاسی و نظریاتی افکار کی وارث جمعیۃ علماء اسلام، صوبہ سرحد کے حصہ میں آئی۔اس تاریخ ساز فقید المثال اور یادگار کانفرنس میں لاکھوں افراد نے شرکت کی۔بلا مبالغہ یہ پاکستان کی تاریخ میں علماء حق و صداقت کا سب سے بڑا اجتماع تھا۔سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، قطر، عراق، لیبیا، کویت، افغانستان، ہندوستان، ایران، برطانیہ، امریکہ اور بنگلہ دیش سمیت بیرونی ممالک سے بہت بڑی تعداد میں علماء کرام اور درد دل رکھنے والے مسلمان شریک ہوئے۔اندرونِ

ملک سے بھی ہزاروں کی تعداد میں جید علماء کرام، ہزاروں دینی مدارس اور جامعات کے مہتممین، سینکڑوں سیاسی محترم شخصیات اور فضلاء دارالعلوم دیوبند نے شرکت کی۔ اس یادگار کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے مختصر مگر پرجوش انداز میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

"محمود نامی جس اکلوتے طالب علم کو چھتہ والی مسجد میں بٹھا کر دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی گئی اسی محمود نے آگے جا کر شیخ الہند کی حیثیت سے جمعیۃ علماء ہند کی بنیاد ڈالی اور جمعیۃ علماء اسلام اسی جمعیۃ علماء ہند کا تسلسل ہے، لہٰذا اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند جمعیۃ علماء کے بغیر ادھورا ہے اور جمعیۃ بغیر دارالعلوم کے نامکمل ہے"۔

اسی عالمی کانفرنس میں جب حضرت امیر المومنین امارت اسلامی افغانستان ملا عمر مجاہد مدظلہ کی تقریر ٹیپ کے ذریعہ سنائی گئی تو مجمع سے "دو ملکوں کے دو طوفان ملا عمر اور فضل الرحمٰن" جیسے فلک شگاف نعروں سے پورا علاقہ ایک بار پھر گونج اٹھا تھا۔ نیز اس عظیم الشان کانفرنس میں صوبہ سرحد کے معروف خطیب مولانا محمد امیر صاحب (المعروف بجلی گھر) نے اپنے خطاب میں کہا کہ:

"1986ء میں بھارت کے دارالحکومت دہلی میں حضرت شیخ الہندؒ سیمینار ہوا جس میں بھارت کے کئی پارلمنٹیرین شریک تھے اور ہم بھی وہاں مدعو تھے، دوران وقفہ ایک معروف ہندو لیڈر سے میں نے پوچھا آپ حضرات کا شیخ الہند سے کیا تعلق اور واسطہ جو یہاں حاضر ہوئے ہو؟ تو اس ہندو لیڈر نے کہا ہم جو آج آزاد قوم ہیں نا یہ شیخ الہندؒ کی برکت سے ہیں اور تمہارا پاکستان بھی شیخ الہندؒ کی برکت سے ہے"۔

واضح رہے کہ کانفرنس کے بالکل آخری مراحل میں مرکزی ناظم مالیات جناب خواجہ محمد زاہد شہیدؒ کی تجویز پر مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی علمی، عملی، فکری، تبلیغی، جہادی اور سیاسی

خدمات کے حوالے سے اس عظیم الشان عالمی اجتماع کے اہم مندوبین میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے اکابرین مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا قاری محمد عثمان نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند، جمعیۃ علماء ہند کے امیر و جانشین حضرت مدنیؒ مولانا سید اسعد مدنی و اساتذہ دارالعلوم دیوبند وغیرہ اور دیگر مشائخ و جید علماء کرام نے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی اعزازی دستار فضیلت باندھی اور جب قائد جمعیۃ کی دستار بندی اور اکابرین امت کا ان پر برملا اعتماد کرنے کا اعلان کیا جا رہا تھا تو سارا مجمع ایک بار پھر قائد کے فرمان پر جان بھی قربان ہے کے فلک شگاف نعرے لگاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور جب قائد جمعیۃ کے سر پر دستار باندھی گئی تو عجیب سماں بندھ گیا تھا۔ علاوہ وازیں پاکستان اسلام کا قلعہ ہے اور کراچی میں باغ قائد کے مقام پر اسلام زندہ باد کانفرس کے عنوان سے ایک عظیم الشان عوامی اجتماع منعقد کر کے جہاں مغرب زدہ طبقے اور اسلام و پاکستان دشمن عناصر کو حیران و پریشان کر دیا ہے وہاں ان ناقدین کے بھی منہ بند کر دیئے جو جمعیۃ علماء اسلام کی مقبولیت کا گراف گرنے کی خود ساختہ تاویلات پیش کر رہے تھے۔ اس کانفرنس میں شرکاء کی تعداد لاکھوں میں تھی جس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا اور اختتام دعا سے اور کل 28 مقررین حضرات نے خطاب کیا، چار شعرا نے اپنا کلام اردو، پشتو، ہندکو اور سندھی زبانوں میں پیش کیا اور کل 14 قراردادیں پاس کی گئیں۔

جمعیۃ علماء اسلام کے تحت 27 جنوری 2012ء کو ہونے والی تاریخی اسلام زندہ باد کانفرنس نے کراچی میں سیاسی اور مذہبی جلسوں کی نئی تاریخ رقم کر دی ہے اور اعلان کیا گیا کہ جمعیۃ علماء اسلام پاکستان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات کے پرچار، حضرت شاہ ولی اللہؒ کے افکار کی امین اور شیخ الہندؒ کے نظریہ کی علم بردار ہے جس کی قیادت شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حافظ الحدیث والقرآن حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ، مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ، بطل حریت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، عارف باللہ حضرت مولانا عبدالکریم قریشیؒ، ضیغم اسلام حضرت مولانا محمد شاہ امروٹیؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا

سید حسین احمد مدنیؒ کے پروردہ حضرت مولانا سید حامد میاںؒ جیسے رجال کار اور نفوس قدسیہ کرتے رہے ہیں اس لئے ان سلاسل کے متعلقین ومتوسلین جے یو آئی کے کاروان میں شامل ہیں اور غلبہ اسلام کی جدو جہد کے لئے شب و روز کی تمیز بالائے طاق رکھتے ہوئے غلطان و سرگردان ہیں۔ جمعیۃ علماء اسلام کی خوش قسمتی ہے کہ اسے پاکستان کے سیاسی رہنماؤں میں زیرک ترین اور ذہین و مدبر رہنماء حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی شکل میں قائد و رہبر میسر آیا ہے اور جمعیۃ علماء اسلام کے سیاسی اور تنظیمی دائرے کے علاوہ ملک میں اسلامی فکر اور دینی سوچ رکھنے والے سلیم العقل اور صحیح الفکر اصحاب فی الوقت جمعیۃ کی ضرورت واہمیت کے قائل اور اس کے پروگرام سے اتفاق کرتے ہیں نیز مخفی نہ رہے کہ قبل ازیں بھی جے یو آئی نے کئی ایک کانفرنسیں منعقد کی تھی (جن میں آئین شریعت کانفرنس، تحفظ دینی مدارس کانفرنس اور مفتی محمود کانفرنس) لیکن اب کی بار اسلام زندہ باد کانفرنس کی شان وشوکت کچھ اور ہی تھی جس میں پاکستان کے ہزاروں دینی مدارس کے اٹھارہ لاکھ طلباء وطالبات کے اساتذہ، کراچی کے بڑے جامعات کے مدیران، علمی وعملی اخلاقی دنیا کی قدآور شخصیات اور وفاق المدارس العربیہ سے منسلک اکابرین وشیوخ نے شرکت کر کے کانفرنس کی سرپرستی فرما کر قوم پر واضح کردیا کہ میدان سیاست میں جمعیۃ علماء اسلام ان کی نمائندہ جماعت ہے جو کہ قائد جمعیۃ حضرت مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت میں سرگرم عمل ہے اور بے دینی کے مقابلہ میں سدِ سکندری بنی ہوئی ہے اور تمام اکابرین وعلماء کرام نے ہر قسم کے تعاون کا بھی یقین دلایا۔ یہ سب کچھ بفضل ایزدی مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی مدبرانہ دینی فکر اور سیاسی و مذہبی تاریخی کردار ونظریات کا نتیجہ ہے۔

نیز جب دنیا کی نام نہاد واحد سپر پاور امریکہ افغانستان میں طالبان کی نوزائیدہ اسلامی مملکت اور عالم اسلام کے ہیرو اور مجاہد اسامہ بن لادن پر ایک بھرپور اور زوردار حملہ کے لئے پوری طرح تیار تھی اور اس مقصد کے لئے اس نے اپنے بغل بچوں اسرائیل، بھارت اور احمد شاہ مسعود کی مکمل امداد حاصل کر رکھی تھی جبکہ روس اور ایران بھی اس خوفناک سازش میں برابر

کے شریک تھے،اس مذموم منصوبہ کے مطابق جولائی اور اگست کے درمیان کسی بھی وقت احمد شاہ مسعود کے ذریعہ طالبان پر بہت بڑے حملے کا آغاز ہوتا تھا ایسے کٹھن اور مشکل وقت میں جبکہ ہر طرف امریکہ کا خوف و دہشت اور مردنی چھائی ہوئی تھی، پاکستان کے بڑے بڑے تمام حکمران وسیاستدان اول وآخر چپ سادھے بیٹھے تھے اور قریب تھا کہ اپنے مذموم منصوبہ پر عمل کرتے ہوئے طالبان کے افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجا کر وہاں سے جہاد، مجاہدین اور اسلامی حکومت کا نام نشان مٹا دیتا کہ اچانک عالمی میڈیا سے بلند ہونے والی ایک جرات مندانہ صدا نے پوری دنیا میں ہلچل مچا دی کہ:

> ''اگر امریکہ نے اسامہ یا افغانستان پر حملہ کیا تو نہ صرف پاکستان میں کسی بھی امریکی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے بلکہ پوری دنیا میں امریکیوں سے انتقام لیا جائے گا''۔

عالم کفر کے ایوانوں میں گونجتی ہوئی یہ صدا پاکستان میں قافلہ ولی اللہی کے سرخیل اور انگریز سامراج کو ملک بدر کرنے والی حریت فکر کی حامل جماعت جمعیۃ علماء ہند کے وارث حضرت مولانا فضل الرحمٰن امیر جمعیۃ علماء اسلام، پاکستان کی تھی۔ پھر کیا تھا کلنٹن کے ایک اشارہ ابرو پر دم ہلانے والے حکمران اور امریکہ کے خوف سے کانپنے والے دانشور پسینے میں بھیگ گئے۔ امریکہ کے ٹکڑوں پر پلنے والے حکمرانوں کے دیس میں درویش صفت مرد مجاہد کی اتنی ہمت اور جرات کہ وہ دنیا کی واحد سپر پاور اور ہمارے آقا و داتا کو اس کے لہجے میں جواب دے رہا ہے۔مولانا کے اس ایک جراتمندانہ اعلان کے ساتھ ہی سپر پاور صفر پاور بن گئی اور فوراً پاکستان، ایران اور احمد شاہ مسعود کے علاقوں میں موجود اپنے کمانڈوز کو زیر زمین جانے کا حکم دے دیا۔اس کے بعد مولانا سے ملاقات کا وقت لینے کی منت سماجت شروع کر دی گئی۔ مسلسل اور شدید اصرار کے بعد مولانا نے ملاقات کا وقت دیا تو امریکی سفارت کار خاتون نے اپنے روایتی غرور وتکبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے دھمکی آمیز لہجے میں مولانا سے گفتگو کا آغاز کیا جس کے جواب میں مولانا نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر صاف صاف ببانگ دہل

جواب دیا کہ:

''اگر تم مذاکرات کی بات کرو گے تو ہم مذاکرات کے لئے تیار ہیں، اگر تم سفارت کاری کے لئے تیار ہو تو ہم سفارت کاری کے لئے تیار ہیں لیکن اگر تم گولی کی زبان سے بات کرو گے تو جواب گولی سے دیا جائے گا۔اگر ہم اپنی سرزمین میں محفوظ نہیں تو میں تمہیں امریکی شہروں کے تحفظ کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتا''۔

درویش خدامست کے اس صاف اور کھرے جواب جہاں پوری دنیا کے صیہونی و صلیبی سامراجیوں اوران کے ایجنٹوں پر بجلی بن کر گرے اور انہیں ہلا کر رکھ دیا وہاں دنیا بھر میں سامراجیوں سے نبرد آزما مجاہدین اور تحریک آزادی کے متوالوں اور سامراجیوں کے پنجہ استبداد میں جکڑے ہوئے مظلوم و مجبور اور محکوم و مقہور مسلمانوں کو ایک نیا جذبہ، تازہ ولولہ اور حوصلہ عطا کرنے کا ذریعہ بن گئے۔مولانا کا یہ نعرہ مستانہ افغانستان پر حملہ کی تیاری کے لئے کی گئی امریکی سپر پاور کی تیسری بڑی سازش کی ناکامی کا سبب بن گیا۔چنانچہ امریکہ نے اپنے کمانڈوز اور ان کی رہنمائی کے لئے جانے والی ٹیموں کو واپس بلالیا اور اپنے بحری بیڑوں کو پاکستان کی حدود سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔یہ تھی مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی صدائے حق جو جب عالم کفر کے ایوانوں میں گونجتی ہے تو صیہونی سامراجیوں اور ان کے ایجنٹوں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

☆......☆......☆

قائد جمعیۃ کا سانحہ لال مسجد میں مثبت کردار

مولانا عامر صدیق مدظلہ،

نائب خطیب لال مسجد، اسلام آباد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

حضرت مولانا مفتی محمودؒ کا دور جمعیۃ علماء اسلام کیلئے ایک تاریخ ساز دور تھا۔ انکی رحلت کے بعد مولانا فضل الرحمٰن نے ملکی وبین الاقوامی سطح پر جمعیۃ علماءِ اسلام کی شان و مقام کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ مزید فعال بنا کر اور علماء دیو بند کی صحیح ترجمانی کر کے مفتی محمودؒ کی جانشینی کا حق ادا کیا۔

باطل قوتوں نے علماء دیو بند کو اپنے راستے کی رکاوٹ سمجھتے ہوئے انہیں راستے سے ہٹانے اور مدارس دینیہ کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ انکے مضموم عزائم کی تکمیل میں مضبوط رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔

لال مسجد کے مسئلے میں بھی جمعیۃ علماء اسلام نے مصالحت کی آخری حد تک کوشش کی اور کئی باتوں میں اتفاق رائے پیدا ہو چکا تھا لیکن کچھ نادیدہ عناصر نے ان مذاکرات کو کامیاب نہ ہونے دیا جسکے بعد تاریخ کا المناک سانحہ رونما ہوا۔ علماء دیو بند کے تمام اکابرین ہر قیمت پر اس سانحہ کو رونما ہونے سے رکوانا چاہتے تھے۔ مگر وقت کے آمر پرویز مشرف کے سامنے ان تمام بزرگوں کی ایک نہ چلی۔ یہ اکابرین صرف جامعہ حفصہ اور لال مسجد کی محبت ہی میں نہیں لگے ہوئے تھے بلکہ ایسے سانحہ کے بعد پورے ملک میں پھیل جانے والی آگ کو مدنظر رکھ کر کوششیں کر رہے تھے۔ کیونکہ باطل کے عزائم میں یہ چیز نظر آ رہی تھی کہ اس سانحہ سے

ایسے حالات پیدا کیے جائیں گے کہ مذہبی طبقہ میں تشدد کے جذبات پیدا کر کے انھیں دہشت گرد قرار دے کر مزید دینی مراکز کے خلاف کاروائی کروائیں گے۔

اور ستم پرستم یہ کہ آپریشن کے بعد نقصان بھی دینی مراکز اور دینی قوتوں کو ہوا اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت جمعیۃ علماء اسلام پر الزام لگایا گیا اور جمعیۃ علماء اور قائد جمعیۃ کی کردار کشی کر کے انہیں ناقابل تلافی سیاسی نقصان پہنچایا۔ آپریشن کے بعد مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہ نے مجھے حکم دیا کہ آپ قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ کے پاس جائیں اور انہیں کہیں کہ ان گھمبیر حالات سے نکلنے کیلئے اور مستقبل کے حالات کو سازگار بنانے کیلئے کردار ادا کریں۔ اس پر میں حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب کے پاس گیا۔ حضرت کئی دنوں کے سفر کی تھکاوٹ اور بیماری میں مبتلا ہونے کے باوجود اسی وقت تیار ہو گئے اور اسی وقت مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے فون پر رابطہ کیا۔ اس وقت انتخابی سلسلے میں انتہائی مصروف ہونے کے باوجود مولانا نے کہا کہ میں خود آجاتا ہوں لیکن ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب نے فرمایا کہ نہیں ہم خود آتے ہیں۔ انتہائی خطرات کے باوجود (کیونکہ مولانا کو سیکورٹی اداروں نے سفر کرنے سے روکا ہوا تھا) مولانا نے اکوڑہ خٹک اور ڈیرہ اسماعیل خان کے درمیان ایک جگہ منتخب کر کے ملاقات کی اور ملاقات کے دوران مولانا کے سامنے صورتحال رکھی جس پر مولانا نے ایک حرف شکایت بھی زبان پر نہ لایا اور فرمایا کہ میں اس کیلئے بھرپور تیاری اور کوشش کروں گا۔

انتخابات کے بعد حکومت میں شامل ہونے کیلئے مولانا نے جو شرائط رکھیں ان میں لال مسجد اور جامعہ حفصہ کی بحالی، جامعہ حفصہ کی دوبارہ تعمیر، مولانا عبدالعزیز صاحب کی رہائی اور جامعہ فریدیہ کو واگزار کروانا اولین ترجیحات تھیں۔

لیکن اسکے باوجود حالات اور وقت کی ناقدری دیکھیئے کہ قائد جمعیۃ اور ایسی شخصیات کی کردار کشی اس طرح کی گئی کہ جسکی مثال نہیں ملتی حالانکہ میں اس بات کا چشم دید گواہ ہوتے ہوئے پوری سچائی کے ساتھ کہتا ہوں کہ لال مسجد و جامعہ حفصہ کی بحالی، جامعہ فریدیہ کی

واگزاری اور مولانا عبدالعزیز صاحب کی رہائی جیسے مقاصد میں جو ہم کامیاب ہوئے۔ اگر قائد جمعیۃ کی مشاورت اور راہنمائی ہمارے شامل حال نہ ہوتی تو ہم کبھی بھی اتنی جلد کامیابی حاصل نہ کرسکتے تھے۔ کیونکہ ہم پر توہین عدالت اور غداری کے الزامات لگائے جارہے تھے۔ ان تمام حالات کے پیش نظر میں صرف ایک نکتے پر قارئین کی توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ آج عوام الناس عمومی طور پر قاضی حسین احمد صاحب سے ناراض کیوں نظر نہیں آتے؟ حالانکہ قاضی صاحب تو لال مسجد میں آکر اعتکاف بھی بیٹھے تھے اور انہوں نے آکر تھپکی بھی دی تھی لیکن اس کے بعد سے لیکر انھوں نے معاملات کو حل کرنے کیلئے کوئی کردار ادا نہیں کیا۔ اس طرف کسی کی توجہ نہیں ہے۔ لیکن جن لوگوں نے ہر ممکن کوششیں کیں ان پر الزامات لگائے جارہے ہیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے لیکن ہر سچائی پر چلنے والے مسافر کو کانٹوں پر سے گزرنا پڑتا ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ نے موجودہ دور کے مشکل ترین حالات میں بڑے حکیمانہ انداز میں کام کیا۔ مولانا کا طرز سیاست آئندہ آنے والی نسلوں کیلئے مشعل راہ ہے۔

میں تو ہر طرح سے اسباب ہلاکت دیکھوں
اے وطن کاش تجھے اب کے بھی سلامت دیکھوں

وہ جو بے ظرف تھے صاحب میخانہ ہوئے
اب بہ مشکل کوئی دستار سلامت دیکھوں

گرجے ہیں بہت شیخ برسرِ منبر
کڑکے ہیں بہت اھل حکم برسرِ دربار

چھوڑی نہیں غیروں نے کوئی ناوکِ دشنام
چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرز ملامت

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے وہ گزری
تنہا پسِ زنداں کبھی رسوا سرِ بازار

اِس عشق نہ اُس عشق پر نادم ہے مگر دل
ہر داغ ہے اس دل پہ بجز داغِ ندامت

ہمارے ہاں یہ بات عمومی رواج پاچکی ہے کہ کسی شخصیت کے مرنے کے بعد ان پر بڑے بڑے مقالے لکھے جاتے ہیں اور خصوصی شمارے شائع ہوتے ہیں بقول شاعر

اس کو نا قدری عالم کا صلہ کہتے ہیں

مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

لیکن قاری شمس الدین حفظہ اللہ اور انکے بھائیوں نے مولانا کی زندگی کے حوالے سے جو کام کیا ہے میں اس پر ان کو اور انکے تمام ساتھیوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور دارین کی فلاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

☆......☆......☆

سیاست میں علماء کی شمولیت

حضرت مولانا عبدالسلام مدظلہ،
شیخ الحدیث جامعہ عربیہ اشاعۃ القرآن، حضرو اٹک

ا: اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں زمین میں اقتدار دے گا اور ان کے دین کو زمین میں جما دے گا اور ان کا خوف امن میں بدل دے گا۔ (سورۃ نور، پارہ نمبر ۱۸)

۲: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوۃ و اتو الزکوۃ و امرو ابالمعروف ونھوا عن المنکر. (سورۃ حج پارہ ۱۷)

اللہ تعالیٰ نے مسلمان حکمرانوں کی چار صفات بیان فرمائی ہیں:

ا۔ نماز قائم کرنا ۲۔ زکوٰۃ دینا ۳۔ نیکی کا حکم دینا ۴۔ برائی سے روکنا

۳: ولو لا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع و صلوٰۃ و مساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا. (سورۃ حج پارہ ۱۷)

اللہ تعالیٰ ان آیات میں مسلمانوں کے جہاد چھوڑنے کے نقصانات بیان فرمارہے ہیں کہ کفار خانقاہیں، عبادت گاہیں، مدرسے اور مساجد گرادیں گے۔ جہاد کے لئے امیر اور اس کے ساتھ حکومتی طاقت چاہیے۔

۴: و اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ و من رباط الخیل. (الانفال)

سورۃ انفال میں مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد کی تیاری کا حکم دیا گیا ہے۔

آپ ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے:

''جو تم میں سے برائی دیکھے تو اس کو ہاتھ سے مٹا دے، اگر طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے مٹادے ورنہ دل سے برا جانے کیونکہ اس کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہے''۔

برائی کو ہاتھ سے مٹانے کے لئے قوت کی ضرورت ہے جو حکومت سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

۵: رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو تین چیزیں دیں:

کتاب اللہ، سنت اور حکومت۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ترکت فیکم امرین.

صحابہ مخاطب ہیں جن کو اقتدار دیا اور کتاب و سنت بھی دی۔

الحمد لله و کفیٰ والسلام علیٰ عباده الذین اصطفی.

علمائے دین ممبر و محراب، مسجد و مدرسہ ہر جگہ اللہ کریم اور رسول اللہ کے احکامات سناتے رہے ہیں۔ اللہ کریم تمام علماء کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔ قیام پاکستان جس کی غرض لاالہ الا اللہ ، قانون قرآن و سنت اور نظام خلافت راشدہ کی بنیاد پر ہے جس کے لئے اپنے اپنے دور میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، حضرت مولانا مفتی محمودؒ، حضرت مولانا عبدالحقؒ، مولانا اعظم طارقؒ، مولانا قاری سعید الرحمٰنؒ، مولانا حسن جان شہیدؒ اور مولانا سمیع الحقؒ نے یہ خدمت اکثر انفرادی حیثیت سے سرانجام دی۔ لیکن ان سب میں مولانا فضل الرحمٰن کی سیاست بحیثیت اجتماعی ایک مذہبی قوت کے طور پر ابھری ہے جنہوں نے خداداد ذہانت، جرات، حاضر دماغی اور مسکراہٹ سے لادینی قوتوں کی بڑی بڑی سازشوں کو ناکام بنادیا۔ فجزاھم اللہ

آج ان کی سیاست کے سامنے کیمرج، آکسفورڈ اور ہاورڈ جیسی یونیورسٹیز کی ڈگریوں والے بھی لاجواب ہیں۔

لادین اسمبلی میں وہ اسلام، قانون پاکستان، علماء کی پگڑی، داڑھی، مدارس ومساجد اور دینی مراکز کے محافظ ہیں۔اللہ کریم انہیں اوران کے حامیوں کو جزائے خیر دے۔

موجودہ اسمبلی میں اسلامی دفعات کو قانون سے نکالنے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے نام سے لفظ اسلامی کو خذف کرنے اوراس کے علاوہ مختلف سازشوں کو جمعیۃ علمائے اسلام نے مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت میں ناکام بنایا۔

فجزاهم الله احسن الجزاء

☆......☆......☆

ایک عظیم دیدہ ور سیاستدان

علامہ محمد اکرام القادری حفظہ اللہ،

سابق مدیر ہفت روزہ ترجمان اسلام، مدیر مدرسہ اسلامیہ احسن المدارس، طارق آباد، خانیوال

؎ حکایت از قدِ آں یارِ دل نواز کنیم   بایں فسانہ مگر عمر خود دراز کنیم

تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو آپ کو ایسی جامع شخصیات اور رجال کار نظر آئیں گے جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کے ذریعہ ایک عالم کو متاثر کیا اور اپنے تو اپنے بیگانوں سے بھی اپنے فکر کی بلندی اور اپنے موقف کی صداقت کا لوہا منوایا، یہی وہ شخصیات ہیں جو گزرے ہوئے ادوار پر نظر رکھتی ہیں اور آنے والے حالات کو بھی اپنی بصیرت وفراست کی میزان میں تولتی ہیں وہ اپنے بڑوں کے نقوش پا کو بھی مشعل راہ سمجھتی ہیں اور اپنے گردوپیش پر بھی نگاہ رکھتی ہیں۔

اکثر و بیشتر ایسا بھی ہوتا ہے کہ عوام تو عوام بسا اوقات خواص بھی ان کے فکر ونظر کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ لوگ سمجھنے کی صلاحیت تو رکھتے ہیں لیکن ماحول کی آلودگی اور پروپیگنڈے کی گردان کی سماعت پر اتنی جم جاتی ہے کہ وہ حق بات کو سننے ہی سے قاصر ہوتے ہیں۔ دلائل و براہین کے انبار بھی ان کے دل اور کانوں کے اوپر سے گزر جاتے ہیں۔ حالات کے معروضی تقاضے بھی دل میں اترنے کی راہیں مسدود کر دیتے ہیں۔

حق اور داعیانِ حق:

اس کا مطلب یہ نہیں کہ منزل کی صحیح سمت کا تعین کرنے والا رہبر و راہنماء اپنے مقصد میں ناکام ہوگیا۔ اس لئے کہ عوام میں اسے وہ پذیرائی نہیں ملی جس کا وہ حقدار تھا۔ نہیں، نہیں

ہرگز نہیں وہ ہر حال میں کامیاب و کامران ہے باطل قوتیں لاکھ حق وصداقت کے مقابلے میں مجتمع ہو کر آئیں اسے پرواہ نہیں۔ یہ داعی اِلی الحق ہر قسم کے سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر ہر حال میں سچائی کا پرچم بلند کرتا ہے یہی اس کی کامیابی ہے یہی اس کا مقصدِ وحید ہے اور یہی اس کی منزلِ مقصود ہے۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس تنگ و تاریک ماحول میں کچھ ایسے دیوانے اور جاں نثار بھی میدانِ کارزار میں در آتے ہیں جو داعیٔ انقلاب کے اشارۂ ابرو پر گردنیں کٹوانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور حقیقت انہیں سپیدۂ سحر کی طرح نظر آنے لگتی ہے۔اس طرح کے واقعات و حالات کسی ایک دور کے ساتھ مختص نہیں ہوتے بلکہ ہر دور میں حق بات کہنے والے بھی ہوتے ہیں اور حق کا انکار کرنے والے بھی۔آج بھی یہی کچھ ہو رہا ہے بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ غلط کو صحیح اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے مرض میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔لیکن سوچنے والا دل اور پرکھنے والی آنکھ غلط اور صحیح اور سچ اور جھوٹ میں امتیاز کر سکتی ہے مگر غور و فکر شرطِ اولیں ہے اس مقصدِ عظیم کو حاصل کرنے کے لئے دلِ زندہ اور چشمِ بینا کی ضرورت ہے۔مفادات و اغراض کی عینک آنکھوں سے اتارنا ہو گی اور حرص و آرزو کی لذتوں کو دل سے نکالنا ہو گا۔

آج بھی ہمارے ملک میں میدان سجا ہوا ہے اور ہر قسم کی بولیاں بولنے والے پوری قوت کے ساتھ چیخ و پکار میں لگے ہوئے ہیں لیکن میں واشگاف الفاظ میں کہتا ہوں کہ اس پورے ماحول میں اگر کوئی توانا آواز اور کوئی صحت مند للکار ہے تو وہ داعیٔ اسلامی انقلاب مولانا فضل الرحمٰن کی آواز و للکار ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن اپنے دل نواز لہجے اور دلائل و براہین کی روشنی میں تیس سال سے اسلامیانِ پاکستان کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ہماری تمام مشکلات و مسائل کا حل اسلام کے عادلانہ نظام کے نفاذ میں ہے اس کے بغیر ہمارے مسائل حل نہیں ہو سکتے اور ہمارے مصائب ٹل نہیں سکتے۔مولانا ملتِ اسلامیہ کو بار بار یاد دہانی کراتے ہیں کہ یہ ملک اسی

مقصد کے لئے معرضِ وجود میں آیا تھا اور دنیا کی سب سے بڑی ہجرت اسی گوہرِ مقصود کو حاصل کرنے کے لئے کی گئی تھی۔ اپنے آباؤ اجداد کے مقابر، بڑی بڑی مساجد، مدارس اور اپنی بہو بیٹیوں کی عزت و عصمت اسی مقصد کی بھینٹ چڑھے لیکن آج چونسٹھ سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود اس سمت میں ہم نے ایک قدم بھی اٹھانا گوارا نہیں کیا آج ہم مغربی تہذیب و تمدن کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ مغربی اندازِ فکر کے جن ہولناک راستوں، جن مہیب گھاٹیوں اور جن خطرناک پگڈنڈیوں سے گزر کر ہم تعمیر و ترقی کی منازل طے کرنا چاہتے ہیں اس نے ہمارے وجود ہی کو خطرے میں ڈال دیا ہماری تباہی اور بربادی کا یہ عالم ہے کہ ہم اپنی بقاء کی بھیک بھی اپنے ازلی دشمنوں سے مانگ رہے ہیں۔

جنوں کا نام خرد رکھ لیا خرد کا جنوں

لیکن تباہی اور بربادی کے ان نازک لمحات میں بھی ایک ایسا رُجلِ رشید موجود ہے جو ملت اسلامیہ کو وہی بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لئے شب و روز کوشاں و سرگرداں ہے، جسے اہل حق مولانا فضل الرحمٰن کے نام سے جانتے ہیں۔ کونسا سبق؟ وہی سبق! جو حِرا سے اتر کر سوئے قوم آنے والے پیغمبر اعظم و اکمل ﷺ نے قوم کو دیا تھا۔ اس سبق کو یاد کرنیوالوں نے یاد کیا اور بھلانے والوں نے بھلا دیا۔ تاریخ سے شغف رکھنے والے جانتے ہیں کہ سبق یاد کرنے والے کس مقام پر پہنچے اور بھولنے والوں کا انجام کیا ہوا؟ قیصر و کسریٰ کے تاج کس نے اچھالے؟ تختِ طاؤس کس کے زیرِ قدم آیا؟ اور ان سپر طاقتوں کے فلک بوس محلات کن صحرائیوں کی ٹھوکر سے دونیم اور زمین بوس ہوئے؟ وہ لوگ تھے جنہوں نے دل کے دریچوں کو کھول کر حق کے پیغام کو سنا اور اکنافِ عالم پہ چھا گئے۔

آج بھی یہی نسخہ کیمیا، نسخہ شفاء، ہمارے دلوں کا مداوا اور ہمارے دکھوں کا درماں ثابت ہوگا۔ مغربی تہذیب کی شاخِ نازک پہ آشیانہ بنانے والے سوچیں اور غور کریں کہ وہ کن مقاصد کے لئے قوم کو سبز باغ دکھا کر موت کے مہیب غار میں دھکیل رہے ہیں اور کن گمنام راستوں پر گامزن ہیں۔

حیات راہبر کے نقوش اولیں:

قارئین کرام! میری ان تمہیدی گزارشات کو مولانا فضل الرحمٰن سے محض عقیدت و محبت کے عنوان سے تعبیر نہ کریں، عقیدت و محبت کی وجہ بھی صرف اور صرف مولانا کا شفاف کردار اوران کے فکر ونظر کی حقیقت رسی ہے۔راقم الحروف مولانا کو تقریباً چالیس سال سے دیکھ رہا ہے ان کی زندگی کے مہ وسال اور شب و روز میری نگاہوں میں ہیں۔ایوبی آمریت کے دور میں خیر المدارس اور قاسم العلوم کے سالانہ جلسوں میں شرکت ہوتی تو حضرت مفکرِ اسلام مولانا مفتی محمودؒ کی زیارت اور ملاقات کے لئے حاضر ہوتے کبھی آپ دارالافتاء میں تشریف فرما ہوتے اور کبھی پرانے قاسم العلوم کی مسجد میں، نماز کے بعد حضرت کی زیارت کا شرف حاصل ہوتا۔اس دوران عموماً مولانا فضل الرحمٰن کو ایک معصوم اور مودب بچے کی حیثیت سے حضرت مفتی صاحبؒ کے قریب بیٹھے ہوئے دیکھتے، ملتان ملت ہائی سکول میں تعلیم کے دوران مولانا کا مہذب لڑکپن بھی دیکھا، ہمارے بعض ساتھی اپنے ساتھ آنے والے جماعتی کارکنوں سے کہتے یہ حضرت مفتی صاحبؒ کے صاحبزادے ہیں۔یہ ایوبی آمریت کا آخری دور تھا اور ہم خانیوال کے چند "جانباز" جلسوں اور جلوسوں میں شرکت کے لئے ضرور ملتان جاتے رہتے۔

دورانِ تعلیم ہی مولانا فضل الرحمٰن حج کی سعادت سے بھی بہرہ ور ہوئے۔غالباً اٹھارہ سال عمر تھی اور اپنے ماحول میں حاجی صاحب کے نام سے پکارے جاتے۔عبدالخیل اور ڈیرہ اسماعیل خان سے آنے والے احباب اکثر انہیں حاجی صاحب ہی کہتے۔

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

دارالعلوم حقانیہ میں تعلیم کے دوران حضرت مفتی اعظمؒ ان کے عظیم اساتذہ کرام کے ذریعہ بھی اور خود بھی مولانا کی نگرانی فرماتے بلکہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی آپ بیتی پڑھنے کے بعد تو حضرت مفتی صاحبؒ نے مولانا فضل الرحمٰن کو مخاطب کر کے اپنے احساسات کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا کہ میں نے دوران تعلیم و تربیت تم پر کوئی سختی نہیں کی۔سختی اور تربیت تو یہ ہے جس کا اظہار حضرت شیخ الحدیثؒ نے اپنی آپ بیتی میں فرمایا ہے حضرت مفتی صاحبؒ

لاہور تشریف لاتے تو اپنی عمر کے آخری دنوں میں پاؤں کے انگوٹھے میں زخمِ علالت کی وجہ سے ڈاکٹر غلام دستگیر کے مکان پر ٹھہرتے۔ راقم الحروف بھی دوسرے تیسرے روز حاضر خدمت ہوتا ایک دن خواجہ عبدالرؤف صاحب جو جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی سالار تھے حاضر ہوئے اور کہنے لگے حضرت! دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں فضل الرحمٰن کو جانے کی اجازت دیدیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ فضل الرحمٰن کی تعلیم کا آخری سال ہے اسے نہیں جانا چاہیے، اصل تعلیم ہے باقی سب بعد میں۔ خواجہ صاحب خاموش ہوگئے۔

اب آپ اندازہ کیجئے جہاں تربیت کا یہ انداز ہو کہ دورانِ تعلیم اپنی رفاقت میں دارالعلوم کے صد سالہ جشن میں بھی لے جانے کے لئے تیار نہیں، تربیت کی اس کان سے مولانا فضل الرحمٰن جیسا ہی گوہر گراں مایہ برآمد ہونا تھا جس کے فکر ونظر میں بالیدگی، مزاج میں تحمل و برداشت، گفتگو میں وقار، تمکنت و دلنوازی اور معاملات میں تہہ رسی و بلند نگاہی جیسے عناصر اربعہ موجود ہوں جو اپنے مقاصد اور نصب العین کو دشنام کے بجائے دلیل کی قوت سے منوانا جانتا ہو۔ مولانا کا طرزِ استدلال اتنا انوکھا اور اچھوتا ہوتا ہے کہ ان کے مخالفین بھی عجز و اعتراف پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ مولانا کی یہ ایسی خوبی اور صلاحیت ہے جو ملک اور بیرونِ ملک روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

تعلیم کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی حیات ہی میں آپ کو جامعہ قاسم العلوم ، ملتان کے شعبہ تدریس سے منسلک کردیا حضرت مفتی صاحبؒ مولانا کی شادی کے فرضِ منصبی سے بھی اپنی زندگی ہی میں فارغ ہوگئے اس طرح پوری جاں فشانی اور یکسوئی کے ساتھ آپ تدریسی خدمات میں مصروف و منہمک رہے یہ سلسلہ تقریباً آٹھ سال چلتا رہا۔

راہِ حق کی ابتدائی مشکلات ومصائب:

1980ء کے اواخر میں اچانک حضرت مفتی صاحبؒ کے وصال کا المناک سانحہ پیش آیا۔ پوری جماعت اس اندوہناک حادثے سے نڈھال ہوگئی ملک کے طول وعرض میں تعزیتی جلسوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ چاروں صوبوں میں مولانا فضل الرحمٰن کو تعزیتی پروگراموں میں

بلایا جانے لگا۔آپ کے لب و لہجے اور اندازِ خطابت میں حضرت مفتی صاحبؒ کی خطابت کی جھلک نمایاں طور پر نظر آرہی تھی۔آپ کے طرزِ استدلال پر بھی حضرت مفتی صاحب کے فکرو نظر کی چھاپ واضح طور پر محسوس کی گئی۔یہی وجہ ہے کہ جمعیۃ علماء اسلام کے غمزدہ اور گرفتہ دل راہنماؤں اور کارکنان کے لئے مولانا ڈھارس ثابت ہوئے اور حضرت مفتی صاحبؒ کے عظیم مشن کو آگے بڑھانے کی صلاحیتوں سے معمور نظر آنے لگے۔

اس سلسلے کا ایک بہت بڑا جلسہ جمعیۃ طلباء اسلام، کراچی کی جانب سے خالق دینا ہال میں کرایا گیا جس میں قومی سطح کے راہنماؤں اور خاص طور سے قومی اتحاد کے زعماء کو دعوت دی گئی۔نواب زادہ نصراللہ خان، خان عبدالولی خان اور دیگر تمام راہنماؤں نے اس عظیم تعزیتی اور تاریخی جلسے میں بھرپور شرکت کی ہر ایک نے اپنے اپنے انداز میں حضرت مفتی صاحبؒ کی دینی، ملی اور قومی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا خاص طور سے حضرت مفتی صاحبؒ کے رفیقِ خاص نواب زادہ نصراللہ خانؒ صاحب کا اندازِ بیاں فکر انگیز، درد آمیز، دلیرانہ اور دلبرانہ تھا۔اس تعزیتی پروگرام کے انتظام و انصرام کی سعادت معروف سکالر جناب محمد فاروق قریشی، شہید اسلام مولانا مفتی محمد جمیل خانؒ اور ان کے جاں نثار رفقاء کار کے حصہ میں آئی۔راقم الحروف کو بھی اس پروگرام میں شرکت کا اعزاز حاصل رہا۔سب سے آخر میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے خطبہ مسنونہ سے اپنے خطاب کا آغاز فرمایا۔عام کارکنانِ جمعیۃ سے لے کر قومی راہنماء اور پاکستان قومی اتحاد کے زعماء بھی حیران تھے۔بالکل حضرت مفتی محمودؒ صاحب کے لب و لہجے میں قرآنِ کریم کی تلاوت، موقع و محل کے مطابق آیات کا انتخاب تمام مجمع گوش برآواز تھا اور ٹکٹکی باندھ کر آپ کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔بالفرض اگر یہ پورا مجمع ایک لمحے کے لئے سرخم یا آنکھیں بند کر لیتا تو محسوس کرتا کہ حضرت مفکرِ اسلام مولانا مفتی محمودؒ پہلے سے زیادہ توانا آواز میں خطاب فرما رہے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ کے اچانک انتقال کے اثرات قومی اور بین الاقوامی طور پر شدت سے محسوس کئے گئے تھے لیکن جمعیۃ علماء اسلام کے تمام چھوٹے بڑے

کارکن اس سانحہ عظیم سے مضمحل اور نڈھال تھے۔ کارکنوں کے دلوں کو غم واندوہ اور یاسیت نے گھیرا ہوا تھا ہر کارکن احساس زیاں کے گرداب میں ڈوبا ہوا نظر آتا۔ لیکن مولانا فضل الرحمٰن کا ولولہ انگیز اور چشم کشا خطاب سننے کے بعد نہ صرف کارکنانِ جمعیۃ بلکہ تمام حاضرین غم واندوہ کے بھنور اور یاسیت کے گرداب سے نکلتے ہوئے نظر آئے۔ چہروں کی رونق لوٹ آئی اور دلوں کی تازگی نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔

مولانا نے خطبہ مسنونہ کی ابتداء میں قرآن کریم کی وہ آیات بینات تلاوت کیں جو زخمی دلوں کے لئے مرہم ثابت ہوئیں۔ آپ پڑھتے جاتے تھے اور دکھیا دلوں کو طمانیت وسکون ملتا جاتا تھا۔ مولانا نے اپنے خطاب میں خود بھی حوصلہ مندی کا مظاہرہ کیا اور شکستہ دلوں کو بھی حوصلہ دیا۔ مولانا نے اپنے خوبصورت اور الم آلود لہجے میں کہا "جہاں تک شخصیات ان کے مقام ان کی حیثیت اور ان کے وجود کی برکات کا تعلق ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا وہ اپنے دور میں بھی قابل احترام تھے آج بھی قابل احترام ہیں اور کل بھی قابل احترام رہیں گے" ان کی زبان سے نکلے ہوئے بول حرز جاں سمجھے جاتے رہیں گے ان کے افکار و کردار کی مشعلیں ہمیشہ فروزاں رہیں گی اور ان کے نقوش پا کی تلاش میں عمریں نذر کر دی جائیں گی۔

لیکن ان تمام چیزوں سے بالاتر ان کا وہ مقدس مشن وہ نصب العین وہ طرز حیات اور ان کے فکر و نظر کی وہ بلند پروازی ہے جس کے لئے ان کا ہر دن درد والم سے معمور اور ہر شب، شب غم کی انتہاؤں کو چھو رہی ہوتی ہے۔ ان عظیم اور پاکباز انسانوں کو دن کو چین نصیب ہوتا ہے نہ رات کو آرام، ان کو ایک ہی فکر کھائے جا رہی ہوتی ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ ہی کا نظام نافذ ہونا چاہیے جس کے نتیجے میں انسان انسان کا دشمن بننے کی بجائے پوری انسانیت کا خیر خواہ اور ہمدرد ثابت ہو اور اس نظام عدل کی وجہ سے خطہ ارض کا چپہ چپہ امن و عافیت کا گہوارہ اور بقعہ نور بن جائے۔

مولانا دراصل اس حقیقت کی جانب توجہ دلا رہے تھے جس کا اظہار خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نبی مکرم ﷺ کے وصال کے وقت کیا تھا کہ "جو شخص حضور اکرم ﷺ کی

عبادت کرتا تھا وہ تو رحلت فرما گئے اور جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرتا ہے وہ حَیّ و قیوم ہے جسے کبھی فنا نہیں"

یعنی جس مقصد عظیم کے لئے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا تھا وہ تا قیام قیامت باقی رہے گا اور اس کے فروغ و نفاذ کے لئے وارثین انبیاءؑ بھی آتے رہیں گے۔ مولانا کی دلائل و براہین سے مرصع گفتگو سن کر سامعین آفرین و مرحبا کی صدائیں بلند کرتے رہے۔ ملک کے چاروں صوبوں اور مختلف علاقوں میں آپ نے اسی انداز کے حوصلہ مندانہ اور رجائیت سے بھرپور خطابات فرمائے جن کے ذریعہ وابستگانِ جمعیۃ علماء اسلام کو حوصلہ ملتا رہا اور ان کے قلوب و اذہان میں پژمردگی اور قنوطیت کی جگہ شگفتگی و رجائیت نے لے لی۔ بے چینی، بے تابی اور بے کلی کی خزاں نے رختِ سفر باندھا جبکہ اطمینان و اعتماد اور سکینت وطمانیت کے بہار آفریں اور عطر بیز جھونکے پھر سے چلنے لگے، منجمد کارکن متحرک ہوگئے اور تذبذب و اضمحلال کی جگہ یقین وثبات اور ایثار و استقلال آ گیا۔

مولانا کی توانا اور اعتماد سے بھرپور آواز کی گونج جب ملک کے گوشے گوشے میں پہنچی تو جمعیۃ علماء اسلام سے وابستہ ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے لاکھوں کارکن اور ہزاروں علماء و مشائخ کی نظر میں مولانا کی شخصیت جاذب نظر اور پرکشش محسوس ہونے لگی حتیٰ کہ چاروں صوبوں کی غالب اکثریت کے دلوں میں یہ بات اثر کرتی چلی گئی کہ حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمودؒ کے مقدس مشن اور جماعتی مقاصد و پروگرام کو مولانا فضل الرحمٰن ایسا بے باک، بالغ نظر اور بلند نگاہ نوجوان ہی آگے بڑھا سکتا ہے جو فکری اور نسبی اعتبار سے مکمل طور پر حضرت مفتی صاحبؒ کی تصویر نظر آتا ہے جبکہ صوبہ سندھ، بلوچستان اور صوبہ سرحد کی صوبائی جماعتوں کا عمومی رجحان اور فیصلہ بھی یہی تھا اور پنجاب کے بھی ہر ضلع اور شہر میں مولانا کے پرستار موجود تھے۔

بالخصوص دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والی خانقاہوں کے مشائخ اور سجادہ نشین حضرات بھی یہی رائے رکھتے تھے۔ پنجاب میں خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف کے سجادہ نشین

حضرت خواجہ خان محمد صاحبؒ، خانقاہ دین پور شریف کے سجادہ نشین میاں سراج احمد دین پوری اور میاں مسعود احمد دین پوری، سندھ میں خانقاہ امروٹ شریف کے سجادہ نشین حضرت مولانا محمد شاہ امروٹیؒ، خانقاہ جامعہ مدنیہ، لاہور کے سجادہ نشین شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاںؒ خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، خانقاہ بیر شریف، لاڑکانہ کے سجادہ نشین حضرت مولانا پیر عبدالکریم صاحب قریشیؒ، خانقاہ ہالیجی شریف کے سجادہ نشین حضرت پیر حماد اللہ صاحبؒ اسی طرح سرحد و بلوچستان کے مشائخ کے سلسلے مولانا فضل الرحمٰن کو حضرت مفتی صاحبؒ کا صحیح جانشین سمجھتے رہے آج بھی ان تمام خانقاہوں کی چاہت اور امید و آرزو مولانا ہی کی ہمہ جہت شخصیت ہے۔

اس کے برعکس حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ، جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ، حضرت مولانا سمیع الحق، حضرت مولانا قاضی عبداللطیفؒ اور ان کے رفقاء چاہتے تھے کہ فی الحال مولانا فضل الرحمٰن کو حضرت مفتی صاحبؒ کی جگہ ناظم عمومی کے عہدے پر نہ لایا جائے۔ خصوصاً جمعیۃ علماء اسلام کے امیر حضرت درخواستیؒ حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ کو یہ منصب تفویض کرنا پسند کرتے تھے اور مولانا فضل الرحمٰن کو ان کے نائب کے طور پر ناظم اول بنانا چاہتے تھے۔ ان اکابر کے اخلاص پر ذرہ بھر بھی شبہہ نہیں کیا جاسکتا۔ ان حضرات نے اپنی زندگی کے شب و روز خدمتِ دین ہی میں گزارے اور جمعیۃ علماء اسلام کے لئے ان کی قربانیاں کسی سے کم نہیں تھیں۔ اتنا ضرور تھا کہ بعض عناصر غلط سلط خبریں محض اپنے مذموم مقاصد و مفادات اور اپنی انا کی تسکین کی غرض سے ان حضرات تک پہنچا رہے تھے۔ حالات و واقعات کا چشم دید گواہ ہونے کی حیثیت سے میں یہ بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ جمعیۃ علماء اسلام کے ان اکابر کے اختلاف کے موقع پر مولانا فضل الرحمٰن فریق نہیں بنے نہ انہوں نے اپنی حمایت میں کوئی لابی تیار کی، نہ کوئی جتھا ترتیب دیا اور نہ ہی اپنے ہمنواؤں کے کسی گروہ کو برسرِ پیکار کیا۔ اس سلسلے میں مولانا کی کسی سرگرمی کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی۔ باہم اختلاف رکھنے والے تمام اکابر و علماء مولانا کی نظر میں قابل احترام و تکریم ہی رہے کسی بڑے سے

بڑے جلسے، چھوٹی سے چھوٹی کارنر میٹنگ اور نجی مجالس تک میں بھی کوئی ایسا جملہ اور لفظ نہیں کہا جس سے ان حضرات کے مقام و مراتب میں استخفاف لازم آتا ہو جو مولانا فضل الرحمٰن سے ہمدردی اور شفقت کے باوجود میدانِ سیاست میں انہیں ایک ناتجربہ کار نوجوان کی حیثیت سے محسوس کر رہے تھے۔

یہ الگ بات ہے کہ ان حضرات کے بعض متوسلین و معتبرین نے یہ عزم کیا ہوا تھا کہ مولانا فضل الرحمٰن کو حضرت مفتی صاحب کے سیاسی جانشین اور جمعیۃ علماء اسلام، پاکستان کے ناظم عمومی کی حیثیت سے آگے نہیں آنے دینا چاہیے جماعت دو حصوں میں بٹ جائے۔ ان کی ریشہ دوانیاں پورے عروج پر تھیں اور یہ اپنی صلاحیتوں کو انہی خود غرضانہ مقاصد کے لئے صرف کر رہے تھے۔ اس سلسلے کی ایک کڑی یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ کی رحلت کے بعد جامعہ مخزن العلوم، خانپور میں جمعیۃ علماء اسلام، پاکستان کی مرکزی مجلس عمومی کا اجلاس ہوا جس میں چاروں صوبوں کے نمائندے موجود تھے۔ امیر مرکزیہ حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ صدارت فرما رہے تھے۔ مقصد آئندہ آنے والی مدت کے لئے دستور کے مطابق ناظم عمومی کا انتخاب ہونا تھا۔ جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ کا نام تجویز ہوا اور تائید بھی ہوئی دوسری جانب سے حضرت مولانا فضل الرحمٰن کا نام تجویز کیا گیا اور تائید کے لئے ایک جمِ غفیر کھڑا ہو گیا۔ اجلاس کی غالب اکثریت کی رائے قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن کے حق میں تھی دونوں طرف کے حضرات کھڑے ہو گئے اور امیر مرکزیہ حضرت درخواستیؒ اجلاس سے اٹھ کر چلے گئے اس طرح مجلس عمومی کا یہ اجلاس افراتفری اور ہڑبونگ کی نظر ہو گیا۔ بنظرِ غائر دیکھا جائے تو بعض عناصر اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہو گئے۔

لوگ ہال سے مدرسہ کے صحن میں اتر آئے اور ٹکڑیوں اور ٹولیوں میں بٹ کر مختلف تبصرے کرنے لگے اس کے بعد "بعض اہل دانش" نے دستور کی ایک خوابیدہ شق کو جگایا اور میرے پیر و مرشد امیر مرکزیہ حضرت درخواستیؒ کی قلندرانہ اداؤں کی آڑ لے کر ایک شاہی فرمان بقلم خود جاری کر دیا جس کے ذریعہ یہ خوشخبری سنائی گئی کہ امیر محترم حضرت درخواستیؒ نے جمعیۃ

علماء اسلام کی تمام مجالس ختم کر دیں اور ہر سطح کے عہدیداران کالعدم قرار دے دیئے یعنی جمعیۃ کا وجود آئندہ آنے والے حکم تک لخت لخت کر دیا گیا۔ ممکن ہے دلِ دردمند رکھنے والے بعض اہل نظر یہ سوچ رہے ہوں کہ ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد آخر اس دکھ درد اور داستان سرائی کی ضرورت کیا ہے؟ ان دردِ دل رکھنے والے اہل نظر کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس قسم کے خیال کا ہلکا سا جھونکا میرے ذہن کے قریب سے بھی ہو کر گزرا لیکن میرے ضمیر کی توانا آواز اس پر غالب آگئی اور میرے مشاہدات کے قلزم ذخار نے اس جھونکے اور لہر کو گھیرے میں لے لیا۔ سچ یقیناً کڑوا ہوتا ہے لیکن اس کے اظہار سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ قارئین کرام یقین کریں کہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں اور جو کچھ لکھنا چاہتا ہوں اس سے کسی کی توہین و تضحیک قطعاً مقصود نہیں بلکہ یہ سب کچھ میں اس ارادے سے لکھ رہا ہوں کہ نوک قلم پر کوئی ایسا لفظ نہ آجائے جس سے کسی کے دل کو ٹھیس پہنچے یا کسی کا قلب مجروح ہو۔ میرا یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ اگر لکھنے والا میرے بجائے کوئی اور ہوتا وہ بھی یہی کچھ ورطہ تحریر میں لاتا جو میں عرض کر رہا ہوں۔ یہ ایک ایسا ریکارڈ ہے جو آئندہ لکھنے والوں کے لئے مفید ثابت ہوگا۔ دراصل اس روداد کو قلم بند کرنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ کسی بھی میدان میں آگے بڑھنے کا حوصلہ رکھنے والے جفاکش اور باصلاحیت نوجوانوں کو یہ باور کرایا جائے کہ شاہراہ مقصود تک پہنچنے کے لئے پرپیچ پگڈنڈیوں، ہولناک وادیوں اور طویل و عریض ندی نالوں سے گزرنا پڑتا ہے یہی وہ مقامات ہیں جہاں پاؤں کے آبلے ٹھہرو! ٹھہرو! کہتے ہیں اور شوق زمزمہ سنج ہوتا ہے بڑھو! بڑھو! کسی بھی میدان کا کوئی بھی بڑا آدمی پھولوں کی سیج سے اٹھ کر نہیں آتا بلکہ خارِ مغیلاں کی تنگ و تاریک بے نور راہوں سے گزر کر قربِ منزل حاصل کرتا ہے۔ کہنے والے نے انہی واقعات و حالات کی خوبصورت عکاسی کی ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

راقم الحروف اس حقیقت کا بھی اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ

کی سیاسی جانشینی کے حوالے سے خود مولانا فضل الرحمٰن کا نکتہ نظر کیا تھا۔ سنئے! کراچی خالق دینا ہال میں ہونے والے جلسے کے اختتام پر حضرت مفتی صاحبؒ کے معروف مہربان جناب شیخ محمد حنیف صاحب چنیوٹی نے اپنے بنگلے پر مولانا فضل الرحمٰن کے اعزاز میں ایک پر تکلف بڑے عشائیے کا اہتمام کیا ہوا تھا جس میں سیاسی راہنماء، کراچی کے علماء، مشائخ اور کارکنان جمعیۃ کثیر تعداد میں موجود تھے راقم الحروف بھی شریک عشائیہ تھا اور بالکل حضرت مولانا کے قریب بیٹھا تھا اس قسم کے پروگراموں میں عموماً ایسا ہوتا ہے کہ یا تو میں بات چیت کرنے کے لئے مولانا کے قریب براجمان ہو جاتا ہوں اور اگر مولانا کی نظر پڑ جائے تو وہ اشارے سے یا کسی کے ذریعہ اس خاکسار کو اپنے قریب بلا لیتے ہیں۔ اس روز میں دانستہ مولانا کے قریب بیٹھا اس لئے کہ حالاتِ حاضرہ پر کچھ باتیں کرنا مقصود تھا۔

لیکن ہوا یہ کہ حضرت مولانا خود گویا ہوئے۔ فرمانے لگے کیا ہو رہا ہے؟ میں نے عرض کیا وہی کچھ جو آپ دیکھ رہے ہیں! مزید آپ نے فرمایا نظامتِ عمومی کے حوالے سے بزرگوں میں جو بات چل رہی ہے آپ کی کیا رائے ہے؟ مولانا نے جو سوال کیا یہ میں دل میں چھپائے بیٹھا تھا میں نے عرض کیا! مولانا آپ فرمائیں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمانے لگے میری رائے یہ ہے کہ میں حضرت مفتی صاحبؒ کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے موروثی طور پر نظامت عمومی کے عہدے پر نہیں آنا چاہتا۔

مولانا نے دوبارہ مجھ سے سوال کیا کہ اب بتائیں آپ کی رائے کیا ہے؟ میں نے عرض کیا مولانا میری رائے آپ کی رائے کے خلاف ہے۔ فرمانے لگے وہ کیوں؟ میں نے کہا مولانا ایک تو اللہ تعالیٰ نے آپ میں رہنمایانہ صلاحیتیں رکھی ہیں دوسرے یہ کہ جمعیۃ علماء اسلام سے تعلق رکھنے والے اکابر علماء اور کارکنوں کی غالب اکثریت آپ سے محبت بھی کرتی ہے اور اس منصب پر آپ کو دیکھنا بھی چاہتی ہے۔

راقم الحروف نے مزید عرض کیا کہ مولانا! جو حالات، احساسات و جذبات اور جو ماحول و فضا آج ہے ممکن ہے کل نہ رہیں۔ میری ان گزارشات کے جواب میں مولانا نے جو کچھ

ارشاد فرمایا وہ سنئے! کہنے لگے " آپ کی باتیں تو ٹھیک ہیں لیکن میرا ذہن یہ ہے کہ جیسے حضرت مولانا اسعد مدنیؒ اپنے والد گرامی شیخ الاسلام حضرت سید حسین احمد مدنیؒ کی وفات کے بعد ان کے سیاسی جانشین نہیں بنے بلکہ اپنی خداداد صلاحیتوں اور محنت ولگن سے آگے بڑھے ہیں مجھے بھی ایسا ہی کرنا چاہیے" ۔مولانا اپنی بات ختم کرنے کے بعد میری طرف دیکھنے لگے تو میں نے عرض کیا مولانا میری رائے وہی ہے جس کا میں نے اظہار کیا، ہوسکتا ہے اس میں حضرت مفتی صاحبؒ سے عقیدت ومحبت کی آمیزش ہو لیکن کافی سوچ و بچار کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں جبکہ حضرت درخواستیؒ میرے پیرو مرشد ہیں اور حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ کا میں عقیدت مند ہوں۔ اندازہ کیجئے کہاں مولانا کی فکرِ رسا اور کہاں مخالفین کی سوچ کے زاویے، میرا خیال ہے مولانا فضل الرحمٰن نے دیگر بہت سے حضرات سے بھی اسی قسم کی گفتگو کی ہوگی جو آج بھی میری معروضات کی تائید کرسکتے ہیں۔

عشائیے کے بعد سب حضرات اپنی اپنی منزلوں کی طرف روانہ ہوگئے۔ ان دنوں مولانا کی سب سے بڑی مصروفیت ملک کے مختلف حصوں میں منعقد ہونے والے تعزیتی جلسے تھے۔ جمعیۃ علماء اسلام کے سرکردہ راہنماء اور پرجوش کارکن ان جلسہ ہائے تعزیت میں مولانا کی شرکت کو ضروری سمجھتے تھے اور مولانا بھی حتی المقدور ان دور دراز جلسوں میں سفر اور بے خوابی کی تمام صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے شرکت فرماتے۔ کارکنوں کے لئے حضرت مفتی صاحبؒ کے بعد مولانا کی موجودگی تسکین قلب، اعتماد اور آئندہ جماعتی کام کرنے کے لئے محرک ثابت ہوتی۔

اس اثناء میں راقم الحروف بھی لاہور آگیا اور ہفت روزہ ترجمان اسلام کے مفتی محمود نمبر کی تیاری اور ترتیب میں مصروف و مشغول ہوگیا۔ لاہور آنے پر معلوم ہوا کہ پنجاب کے مختلف شہروں سے تعلق رکھنے والے آٹھ دس افراد تو اسی منصوبہ بندی اور ادھیڑ پن میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی صورت بھی مولانا فضل الرحمٰن کو نظامت عمومی کے منصب پر نہیں آنا چاہیے۔ انہوں نے اپنے ذمہ جس کام کا بیڑا اٹھایا ہوا تھا وہ یہ تھا کہ ادھر ادھر سے ہر سنی سنائی

بات بزرگوں تک پہنچا کر ان کی طبیعت میں ہیجان و اشتعال پیدا کیا جائے۔ جمعیۃ علماء اسلام کے دفتر اور ترجمان اسلام کے دفتر میں بھی اس نوع کی گفتگو چلتی رہتی مجھ سے بھی اس انداز کے سوالات ہوئے تو میں اپنے پیرو مرشد حضرت درخواستیؒ اور ولی ابن ولی مولانا عبیداللہ انورؒ کے ادب و احترام کا خیال رکھتے ہوئے اپنی دیانت دارانہ رائے کا اظہار کرتا اور اپنی ترجیحات بھی بیان کرتا۔

اب میری اس " آزادیٔ رائے " کے نتائج و عواقب ملاحظہ فرمایئے انہی دنوں حضرت درخواستیؒ لاہور تشریف لائے اور حسب معمول ڈاکٹر دستگیر صاحب کے مکان پر ٹھہرے، ان آٹھ دس حضرات کو جن کا ذکر میں نے اس سے قبل کیا ہے سن گن ہوئی اور یہ دو تین شہروں سے آکر حضرت درخواستی کی خدمت اقدس میں پہنچ گئے۔ حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ کو بھی بلایا گیا اور غالباً حضرت مولانا اجمل خان صاحب بھی حضرت درخواستیؒ کی زیارت کے لئے آئے اور چلے گئے۔

ایک نئی بات جو ان حضرات نے ان بزرگوں کے گوش گزار کروائی وہ یہ تھی کہ حضرت اگر اکرام القادری کو ترجمان اسلام کی ادارت سے فوراً سبکدوش نہ کیا گیا تو یہ پرچہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ حضرت درخواستیؒ نے خاص طور سے اس بات کو حیرانی سے سنا اور فرمایا "اکرام القادری تو میرا مرید ہے یہ " مہم جو اور دانائے راز " کہنے لگے حضرت وہ تو رات دن مولانا فضل الرحمٰن کا پروپیگنڈہ کرتا ہے، مولانا فضل الرحمٰن کے کٹر حامیوں میں سے ہے۔ اس کے بعد مزید کچھ کہا ہو تو میرے علم میں نہیں ہے جہاں تک کٹر حامی ہونے کی بات ہے وہ بہت حد تک درست ہے لیکن پروپیگنڈے کی تو مجھے فرصت ہی نہیں تھی، میرے شب و روز کیا لمحہ لمحہ ہفت روزہ ترجمانِ اسلام کے مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ نمبر کی تیاری اور ترتیب و تزئین میں صرف ہو رہا تھا سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں تھی۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ دوسرے روز معروف دانش ور برادرِ محترم مولانا زاہد الراشدی صاحب رنگ محل جمعیۃ علماء اسلام کے دفتر میں تشریف لائے اور ترجمان اسلام کے سرکولیشن

منیجر جناب زاہد بلند شہری کو نیچے والی منزل پر بلا کر کاغذ کا ایک پرزہ تھما دیا ان الفاظ کے ساتھ کہ یہ اکرام القادری کو دے دیں میں نے دونوں ہاتھوں سے پہلے دل کو تھاما اور پھر نہایت ادب واحترام سے اپنی قسمت کا لکھا دست یمین میں لے کر کھولا تو اس پر جلال پرزے میں لکھا ہوا تھا۔

"جناب اکرام القادری صاحب مدیر ہفت روزہ "ترجمان اسلام، لاہور" السلام علیکم! آپ کو ترجمان اسلام کی ادارت سے سبکدوش کیا جاتا ہے لہذا آپ رسالے کا چارج مولانا زاہد الراشدی صاحب کو دے دیں، شاید اسی قسم کا سانحہ پیش آیا ہوگا کسی کو جو وہ پکار اٹھا"

؎ کس قیامت کے یہ نامے میرے نام آتے ہیں۔

اتنی بات تو قارئین بھی سمجھ رہے ہوں گے کہ اس طرح کی تحریر عام آدمی تو لکھ نہیں سکتا جو چند الفاظ میں پوری بساط لپیٹ دے ظاہر ہے کسی دانشور کے رواں دواں قلم ہی نے یہ کام دکھایا ہوگا کہ " نہ رہے بانس نہ بجے بانسری" اب میں نیچے والی منزل میں مولانا زاہد الراشدی صاحب کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا کہ غالب نے ایسے ہی موقع پر اپنے محبوب کا خط دیکھ کر کہا تھا:

؎ دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے!

محترم راشدی صاحب سے میں نے عرض کیا آپ اوپر آجاتے، کہنے لگے میں آتا ہوں اور چند منٹ کے بعد وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ تشریف لائے وہ خاصے شرما رہے تھے ویسے تو ہر ذہین آدمی میں شرمیلا پن ہوتا ہے ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ برادرم راشدی صاحب سے ترجمانِ اسلام کی ادارت کے دوران بہت زیادہ ہمرہی اور ہمدلی رہی ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ترجمان اسلام کا چارج میں نے راشدی صاحب ہی سے لیا تھا اور یہ امانت انہیں کے حوالے کرنا پڑی۔

؎ آخر گل اپنی صرفِ درمیکدہ ہوئی پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

خاکسار نے عرض کیا مولانا آج سے آپ لاحق ایڈیٹر ہیں اور میں سابق، تنخواہ وغیرہ

سے بھی کوئی غرض نہیں ہے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ ترجمانِ اسلام کا مفتی محمودؒ نمبر جو میں نے بڑی جانفشانی اور جانکاہی سے تیار کیا ہے وہ میں نے آپ کو طبع کرا کر دینا ہے۔ نمبر چار ہزار کی تعداد میں چھپے گا 25 پرچے اگر مجھے دے دیئے جائیں تو میں اپنے دوستوں کو دے سکتا ہوں۔ راشدی صاحب کہنے لگے یہ بات تو طے ہوگئی ہے کہ جیسے آپ نے تیار کیا ہے ویسے ہی چھپے گا پرچے میں کسی بھی قسم کا ردو بدل نہیں ہوگا اور مزید آپ کوئی بات کرنا چاہیں تو حضرت درخواستیؒ سے کرلیں۔ مجھے اب کوئی بات کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی لیکن دوسرے روز میں حضرت درخواستیؒ کی زیارت کے ارادے سے ڈاکٹر دستگیر صاحب کے مکان پر پہنچا تو حضرت غسل خانے میں داخل ہورہے تھے اچانک ان کی نظر مجھ پر پڑی تو فرمانے لگے آپ کو میں نے نہیں نکالا۔ حضرت نے تین بار اسی طرح فرمایا اور اندر چلے گئے۔

"میں کس کے ہاتھ پر اپنا لہو تلاش کروں"

حضرت کی زیارت جو مقصد تھا وہ حاصل ہوگئی اور میں الٹے پاؤں واپس آکر مفتی محمودؒ نمبر کی تکمیل میں لگ گیا اور اپنا بوریا بستر بھی سمیٹنا شروع کردیا۔

در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسے پھر گیا
جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا

بڑوں کے ادب کے حوالے سے مولانا فضل الرحمٰن سے متعلق ایک اور واقعہ ریکارڈ کروانا چاہتا ہوں جس کا یہ رہین ستم ہائے روزگار عینی شاہد ہے راقم الحروف ان دنوں قاسم العلوم ملتان سے ہفت روزہ نقیب ملت نکال رہا تھا۔ ایم آر ڈی کا دور تھا مولانا فضل الرحمٰن کہنے لگے آج حضرت درخواستیؒ سے ملاقات کا پروگرام ہے ساتھ چلیں مولانا سید عبدالمجید ندیم بھی ساتھ ہوں گے میں نے کہا ٹھیک ہے ہم تینوں عصر کے بعد روانہ ہوئے گاڑی عبدالحلیم ڈرائیور چلا رہا تھا اور تقریباً چار گھنٹے کا سفر کر کے عشاء کے بعد حضرت کے درِ دولت پر پہنچ گئے۔ حضرت اندر کے کسی کمرے میں تشریف فرما تھے۔ سردی کا موسم تھا ہمیں اندر ہی بلایا گیا سلام کے بعد ہم تینوں دم کشیدہ حضرت کی خدمت میں دو زانو ہو کر بیٹھ گئے حضرت نے

باری باری فرمایا کیا حال ہے ہم تینوں نے عرض کیا حضرت ٹھیک ہیں۔ میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے تم ٹھیک ہو؟ میں نے عرض کیا حضرت ٹھیک ہوں۔

اس کے بعد مولانا فضل الرحمٰن سے مخاطب ہو کر فرمایا جماعت کا کیا حال ہے؟ حضرت جماعت ٹھیک ہے کام ہو رہا ہے۔ میں ابھی مختلف علاقوں کا دورہ کر کے آیا ہوں۔ چند لمحے حضرت خاموش بیٹھے رہے حضرت کی خشمگیں نگاہیں اور ہم خوف کے مارے ہوئے نحیف و نزار، مولانا سید عبدالمجید ندیم اور راقم تو بھیگی بلی کی جیتی جاگتی تصویر بنے بیٹھے تھے۔ مولانا فضل الرحمٰن کا حالِ پریشاں بھی کچھ ہم سے کم نہیں تھا۔ حضرت کی جبیں پہ بل تو نظر آرہے تھے لیکن عتاب آمیز لہجے کی وجہ سمجھ نہیں آرہی تھی اچانک حضرت نے ارشاد فرمایا ایم۔آر۔ڈی والے کیا کر رہے ہیں؟ تم بھی انہیں کے ساتھ ملے ہوئے ہو وہ سوشلسٹ ہیں وہ خدا رسول ﷺ کی بات نہیں مانتے تمہاری کیسے مانیں گے۔ روئے سخن مکمل طور پر مولانا کی طرف تھا فرمانے لگے ان سے ختم نبوت اور اسلامی دستور کی بات لکھواؤ حضرت کا غصہ لمحہ بہ لمحہ بلندیوں کو چھوتا رہا اور وہ مسلسل مولانا فضل الرحمٰن پر اسی طرح بوچھاڑ کرتے رہے لیکن مجال ہے کہ ہوں، ہاں کے سوا مولانا اپنی زبان سے کوئی لفظ نکالیں۔ ممکن ہے مولانا کو اس بزرگانہ غصے پر پیار آرہا ہو جیسا کہ کسی نے اپنے محبوب کے لئے کہا ہے۔

ے ہم کو غصے پہ پیار آتا ہے ان کو آتا ہے پیار پر غصہ

ہم تو پہلے ہی مولانا کی قوتِ برداشت اور تحمل و بردباری کے قائل تھے ان مراحل سے گزر کر مولانا سے ہماری ارادت وعقیدت میں مزید استحکام آگیا لیکن اس طرح کے بزرگانہ جاہ وجلال کی جو تصویر کشی مولانا حالی نے کی ہے اسکا جواب نہیں۔ سنئے:

ے ان کے غصے میں ہے دل سوزی ملامت میں ہے پیار
مہربانی کرتے ہیں نامہربانوں کی طرح!

حضرت تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوئے تو مولانا فضل الرحمٰن نے نظریں جھکائے دبے لفظوں میں عرض کیا کہ حضرت اگر خدانخواستہ آپ کا وصال ہو جاتا اور آپ کا کوئی فرزند

میرے والد محترم حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو والد صاحب اس پر اتنا غصہ نہ فرماتے ۔یہ ایک ایسا تیر تھا جو ٹھیک نشانے پر لگ گیا۔اسے میں مولانا کی ذہانت کہوں یا شعر وسخن کی زبان میں آمد والہام، ہوا یہ کہ حضرت درخواستیؒ کا تمام جاہ وجلال حسن و جمال اور شفقت ومرحمت میں تبدیل ہو گیا۔ہم دونوں مولانا سید عبدالمجید ندیم اور راقم الحروف کے بھی اوسان بحال ہوئے اور دم میں دم آیا۔اس کے بعد حضرت نے ہمیں اپنے الطاف کریمانہ کے ساتھ رخصت کیا اور ہم عازم ملتان ہوئے ۔راستے میں ہم حضرت کے الوانِ قلندرانہ اور مولانا فضل الرحمٰن کی ذہانت و برجستگی کی داد دیتے رہے۔اس وقت حضرت کے جاہ وجلال اور رفق و جمال کے بہت سے واقعات ذہن کے افق پر منڈلا رہے ہیں جو انشاء اللہ کسی وقت حوالہ قرطاس کروں گا۔دیگر بہت سارے اکابر کو بھی قریب سے دیکھا ہے ان پر بھی لکھنے کا ارادہ ہے ۔قارئین سے دعاؤں کی درخواست ہے۔

توسنِ طبع کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ہر قسم کی مدح وقدح اور ہر نوع کی توصیف و ملامت سے بے نیاز و بالاتر ہو کر وہ کچھ لکھتا چلا جاؤں جو حضرت مفکرِ اسلام مولانا مفتی محمودؒ کے بیس سالہ دورِ سیاست اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن کے تیس سالہ سیاسی عہد میں بچشم خود دیکھا اور بگوشِ ہوش سنا لیکن پھر خیال آتا ہے موسیٰ بے وطن ہو جائے گا۔ان دونوں عظیم باپ اور عظیم بیٹے کی راہوں میں کانٹے اور پاؤں تلے انگارے بچھانے والے بے گانوں اور اپنوں نے کوئی کمی نہیں چھوڑی کیسی کیسی ذہنی اذیتیں اور قلبی جراحتیں انہیں دی گئیں اور کیسے کیسے الزامات و اتہامات ان پر لگائے گئے جھوٹے پروپیگنڈے کے گرد آلود طوفان برپا کئے گئے اور کالی، پیلی آندھیوں کو جنم دیا گیا۔مگر ان جبال استقامت کے پاؤں میں لرزش نہیں آئی ۔ان تمام ریشہ دوانیوں، چیرہ دستیوں اور تُرک تازیوں کو پائے استحقار سے ٹھکرا کر جانب منزل رواں دواں رہے انہیں معلوم تھا کہ ان کے روحانی آباؤ اجداد کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوتا رہا ہے ان زعماء ملک وملت کے لئے یہ تمام صعوبتیں مصائب و آلام اور دکھ درد کوئی نئی چیز نہیں ہوتے۔حق و صداقت کے جس پرچم کو بلند کرنے کے لئے یہ راہنماء میدانِ عمل میں آتے ہیں تو آہنی

زنجیریں اور دار ورسن کی آزمائشیں ان کے ارادوں اور عزائم میں اضمحلال پیدا کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوتیں۔

تاریخ کے صفحات پر آپ نظر ڈالیں تو یہ حقیقتیں واضح ہو کر آپ کے سامنے آئیں گی۔انبیاء کرامؑ کے بہت سارے واقعات آپ کے سامنے ہیں خود حضور اکرم ﷺ کا تابندہ کردار اور ان کے مخاطبین کا بھیانک رویہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔خلافتِ راشدہ کے دور میں باطل قوتیں جس طرح سر اٹھاتی رہیں وہ اہل علم و دانش کو معلوم ہیں۔خلفاء ثلاثہ کی شہادت انہی عناصر کے کارہائے نمایاں ہیں ۔حضرت حسنؓ کو زہر کا پیالہ پلانے میں کس کا ہاتھ تھا حضرت حسینؓ اور ان کے خاندان اور اعوان و انصار کو خاک وخون میں کس نے غلطاں کیا وہی شرار بولہبی جو ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں نمودار ہوتے رہتے ہیں لیکن یہ تمام قوتیں اور فتنے متفرق طور پر بھی اور مجتمع ہو کر بھی حق اور اہل حق کا راستہ روکنے میں ناکام و نامراد رہے۔حق ہمیشہ بلند و بالا رہا اور آج بھی بلند و غالب ہے۔

بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں حق کی آواز لگانے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا رہا تاتاری و بربر اور سلجوقی کیا کرتے رہے ان ادوار میں ہونے والے مظالم اور ایک ایک داعی الی الحق کا اگر صرف نام بھی شمار کیا جائے تو دفتر درکار ہیں۔دل چاہتا ہے کہ چند جاں بازوں اور خدا کے نام پر مٹنے والوں کا تذکرہ کروں لیکن۔

وسعتِ دل تو بہت وسعتِ صحرا کم ہے

اتنا ضرور عرض کروں گا کہ تین باجبروت بادشاہوں کی طرف سے امام احمد بن حنبلؒ کی کمر پر پڑنے والے کوڑے اگر کسی تنومند ہاتھی کی پشت پر پڑتے تو تڑپ کر جان دے دیتا مگر ایمان و یقین کی قوت کا کوئی قوت مقابلہ نہیں کرسکتی۔

برِصغیر پاک و ہند میں دیکھیں حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کو کس جرم کی پاداش میں گوالیار کے قلعہ میں محصور و محبوس کیا گیا۔فرنگی سامراج نے شاہ ولی اللہؒ، ان کے خاندان، ان کے جانشینوں اور علمِ حریت بلند کرنے والے مجاہدوں اور جاں فروشوں پر کیسے کیسے ظلم وستم توڑے

اور کس طرح کی بربریت و بہیمیت کا مظاہرہ کیا۔اس کی وجہ کیا تھی؟ وجہ یہی تھی کہ یہ علم وعمل کے پیکر اور کردار وگفتار کے غازی رات کو رات اور دن کو دن کہنا چاہتے تھے یہ نتائج سے بے خبر ہو کر سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کہنے کے عادی تھے۔

قارئین یہ میرے جذبات واحساسات کا دھارا تھا جو بہتا رہا اور مجھے کہیں کا کہیں لے گیا۔

پھر غزل کی روش پہ چل نکلا ۔۔۔ توسن طبع چاہتا تھا لگام

آج بھی شہدائے بالاکوٹ، مجاہدین شاملی، اتحاد عالم اسلام کے نقیب شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، برصغیر کی تحریک آزادی کے عظیم راہنماء شیخ الاسلام حضرت سید حسین احمد مدنیؒ کے سلسلہ زریں سے تعلق رکھنے والے موجود ہیں۔آج ہمارے ملک میں اس سلسلہ رشد وبصیرت کی امین جمعیۃ علماء اسلام ہے جس کے میر کارواں اولیاء کاملین رہے ہے اور اب انہی اسلاف کی وراثت کے امین اور اسی کارواں کے سالار داعی اسلامی انقلاب حضرت مولانا فضل الرحمٰن ہیں۔جذبات کی آمیزش سے ہٹ کر یہ میری دیانتدارانہ رائے ہے۔

مجھے اس بات پر اصرار نہیں کہ ان اہل حق اکابر سے تعلق رکھنے والے صرف اور صرف جمعیۃ علماء اسلام، پاکستان ہی کے پلیٹ فارم پر دیکھے جاسکتے ہیں اس کے علاوہ کہیں نہیں بلکہ مجھے اعتراف ہے کہ جمعیۃ کے علاوہ بھی اہل حق بہت سے دائروں اور زاویوں میں محو جانفشانی سے اپنی فکر و دانش کے مطابق خدمت دین کر رہے ہیں۔درس وتدریس، تعلیم وتعلم ،ابلاغ وتبلیغ ،تصنیف وتالیف اور تزکیہ وتصوف یہ سب دین کے مختلف شعبے ہیں اور ان تمام شعبوں میں کام کرنے والے خادمانِ دین ہی کہلائیں گے لیکن بسا اوقات شعبہ سیاست اس اعتبار سے دیگر شعبوں سے بالاتر ہو جاتا ہے کہ اس کے ذریعے ان تمام شعبوں کا غالب کرنا مقصود ہوتا ہے بلکہ دینی سیاست کرنے والوں کا نصب العین ہی پورے دین کا غلبہ ہے۔جسے بالفاظ دیگر خدا کی زمین پر خدا کے نظام سے پکارا جاتا ہے۔

اب آپ بتائیں جو ان ارادوں اور ان مقاصد کے لئے سیاسی میدان میں کام کر رہے ہوں ان کی بلند فکری ،قوت ایمان ویقین اور برتری سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے۔ٹھنڈے دل

و دماغ سے سوچنے والے سوچیں کہ اس میدان کے شہبازوں کی مخالفت کی جانی چاہیے یا موافقت؟ ان پر دلخراش تنقید ہونی چاہیے یا خوش کن تائید؟ یہ سرفروش ملامت کے مستحق ہیں یا مرحمت کے؟ مجھے دکھ اور افسوس اس بات کا ہے کہ عوام تو عوام خواص بھی سوچ کے عوامی پیراہن ہی زیب تن کئے ہوئے ہیں۔

کاش! یہ سوچتے اور جانتے کہ غلبہ دین کے لئے سیاست کرنے والے کس قسم کے مراحل اور نشیب و فراز سے گزرتے ہیں اور کیا کچھ نام نہاد مسلمانوں سے سننا اور برداشت کرنا پڑتا ہے۔ یہی عظیم سیاست دان خالص بے دینی کے ماحول میں دین کی حمایت اور دین داروں کی وکالت اپنا فرض منصبی گردانتے ہیں۔

بہت سے حضرات نے اخبارات و رسائل میں پڑھا ہوگا کہ حکومت نے گزشتہ سال آئینی ترمیم کے حوالے سے ایک کمیٹی تشکیل دی جس میں مختلف سیاسی جماعتوں کے راہنماء شامل تھے۔ مولانا فضل الرحمٰن بھی اس کمیٹی کے معزز رکن تھے مغربی تہذیب کے پرستار لادینی ذہن رکھنے والے سیکولر جماعتوں کے نمائندوں نے مملکت کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان کے بجائے عوامی جمہوریہ پاکستان رکھنے اور سربراہ مملکت کے لئے مسلمان ہونے کی شرط حذف کرنے کی تجاویز پیش کیں جبکہ اس اجلاس اور کمیٹی میں نہ اس طرح کی تجاویز کی ضرورت تھی اور نہ ہی اس مقصد کے لئے یہ اجلاس طلب کیا گیا تھا لیکن یہ مذہب بیزار عناصر کوئی بھی ایسا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے جس میں دین و مذہب کی مخالفت نہ کی جائے۔

مولانا فضل الرحمٰن نے ان کی تمام تر خرافات کو سنا اور جوابی دلائل کے ذریعہ ان کی ہر دلیل کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے۔ مولانا نے قرآن وسنت اور دستور و قانون کی رُوشنی میں ان کے دلائل کا جواب دے کر انہیں خاموش کر دیا۔ اس وقت ایک دینی سیاسی جماعت ہونے کی حیثیت سے جمعیۃ علماء اسلام قومی اسمبلی اور سینیٹ میں اسلام کی ترجمانی کرنے والی واحد جماعت ہے جو اپنی طاقت اور قوت سے زیادہ اللہ کے فضل وکرم سے سرگرمِ عمل ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن بڑے بڑے جلسوں اور جلوسوں، پارلیمنٹ کے فورم

اور حکومتی سطح کے اجلاسوں میں تن تنہا اسلام کا مقدمہ لڑ رہے ہیں اور خوبی سے لڑ رہے ہیں اس موقع پر میں دین سے محبت کرنے والوں سے عرض کروں گا کہ مولانا پر بے رحم اور بے جا تنقید سے اجتناب کریں یہ گھاٹے کا سودا ہے۔ مختلف دینی اور مذہبی شعبوں میں کام کرنے والے جن حضرات کا میں نے اس سے قبل ذکر کیا ہے ان کی خدمت میں راقم الحروف اتنی گزارش ضرور کرنا چاہتا ہے کہ وہ اگر اپنی دینی مصروفیات کی وجہ سے جمعیۃ علماء اسلام کے ساتھ قدم بہ قدم نہیں چل سکتے تو کم از کم جمعیۃ علماء اسلام کی مخالفت نہ کریں وہ اس بات کو دل کی گہرائیوں سے سمجھیں کہ جمعیۃ کی مخالفت اور اس کے عظیم قائد مولانا فضل الرحمٰن پر بلاوجہ تنقید سے مذہب بیزار سیکولر حلقوں کو تقویت ملتی ہے اور ان استعمار پسندوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے آپ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ چند دینی جماعتوں کے علاوہ اکثر سیاسی جماعتیں جس قسم کے کلچر اور تہذیب کو فروغ دے رہی ہیں وہ ملک وملت کے لئے تباہی و بربادی کی علامت ہے۔ اخبارات ورسائل میں جو کچھ لکھا جا رہا ہے، میڈیا جو کچھ دکھا رہا ہے اور مذہب سے آزاد سیاسی جماعتیں اپنے جلسوں اور جلوسوں میں جس نوعیت کے میوزیکل مناظر پیش کر رہی ہیں وہ اب ڈھکی چھپی بات نہیں۔ ان تمام تر حالات وخرافات کے باوجود بھی اگر مذہب سے تعلق رکھنے والے حضرات ایک دوسرے کی کمزوریاں تلاش کریں تو ان کا یہ عمل ملک وملت کے لئے کتنا ضرر رساں ہوگا سوچیں! خدارا سوچیں!

اب ایک مرتبہ میں خصوصیت کے ساتھ مسلک علماء دیوبند سے وابستہ حضرات سے دست بستہ عرض کروں گا کہ وہ اپنے جلیل وکبیر اکابر کے طرز عمل پر نظر ڈالیں ان کی سوانحات کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ انہوں نے قومی وملی عظیم مقاصد کے حصول کے لئے اپنے تو اپنے بے گانوں کو بھی کیسے گلے لگایا تھا اور کامیاب وکامران ہوئے تھے۔ ہم آج محض غلط فہمیوں اور معمولی رنجشوں کی وجہ سے کیوں ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں کیوں باہم بیزار وکنارا کش ہیں ایک طرف ہم شیخ الہندؒ کا نام لیتے ہیں حضرت سید حسین احمد مدنیؒ سے وابستگی کا اظہار کرتے ہیں حضرت مولانا مفتی محمودؒ کا دم بھرتے ہیں اور دوسری طرف ان کے

بتائے ہوئے راستے پر چلنے سے گریزاں ہیں۔اس میں شک نہیں کہ انبیاءؑ اور صحابہ کرامؓ کے علاوہ کوئی تنقید سے بالاتر نہیں لیکن کسی پر تنقید اور محض تنقید نہ اخلاقیات کا تقاضا ہے اور نہ ہی اسلام کا ہم سے ایسا کوئی مطالبہ،اس نوع کی تنقید کو ہماری خواہش نفس اور ہماری پسند و ناپسند کا نام ہی دیا جاسکتا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔کم از کم ہمیں یہ اصول اپنے طور پر طے کر لینا چاہیے کہ جس شعبے میں جو بھی کام کر رہا ہے اس کی دل شکنی کی بجائے حوصلہ افزائی کریں تبھی ہم اپنے اکابر کے سچے پیروکار بن سکتے ہیں ورنہ

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

میری تو آرزو ہے کہ تمام مذہبی طبقات ایک جگہ جمع ہو کر اپنی دین سے نسبت و محبت کا عملی مظاہرہ کریں تا کہ مذہب دشمن طبقات کو دین اور دین والوں کی قوت کا بھرپور اندازہ ہو سکے۔

ہم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ عالم کفر کس طرح سے اسلام کے خلاف متحد ہے۔یہود و نصاریٰ اور دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے سارے جہان کے کافر ایک ہی نکتے پر سر جوڑ کر بیٹھے ہیں۔مسلمان سربراہوں کی اکثریت جنہیں اسلام کی بجائے اقتدار سے غرض ہے انہی ظالموں کے اشاروں پر رقص کناں ہیں۔نہ انہیں اپنے ممالک کی سالمیت سے سروکار ہے نہ ہی مسلمانوں کے مصائب و آلام اور چیخ و پکار سے۔ان حالات میں دینی قوتوں کو بغیر کسی تذبذب و تاخیر کے عالمِ کفر اور ان کے گماشتوں کے خلاف صف آراء ہونے کی شدید ضرورت ہے اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو دنیا اور آخرت میں خسران کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا اس مقصد عظیم کو حاصل کرنے اور اپنے آپ کو تباہی سے بچانے کے لئے ہمیں کسی ایسی شخصیت کی راہنمائی اور قیادت میں چلنا ہوگا جو اسلام کے ازلی دشمنوں اور ان کے گماشتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دوٹوک انداز میں بات کر سکے جو تحمل و بردباری کا پیکر ہو جو سیاسی حالات و معاملات،اتار چڑھاؤ اور نشیب و فراز پر گہری نظر رکھتا ہو۔جس کے اندر اپنے مؤقف کو دلیل سے منوانے کی استعداد اور صلاحیت موجود ہو۔سیاست کا خارزار ایک طویل عرصہ سے جس کی جولان گاہ رہا ہو جو آج بھی پوری جرأت و بے باکی اور بصیرت و دانائی کے

ساتھ اسلام اور اسلامیان پاکستان کی حمایت وترجمانی کا فریضہ سرانجام دے رہا ہو۔

میری دیانت دارانہ رائے یہ ہے کہ اس وقت ان اوصاف کی حامل اور جامع شخصیت اگر کوئی ہے تو وہ مولانا فضل الرحمٰن ہی کی ہمالہ قامت شخصیت ہے۔اگر کسی کو میری رائے سے اختلاف ہے اور مولانا کے علاوہ کوئی اور شخصیت اس کے قلب ونگاہ میں جچی ہوئی ہے تو مناظرے اور مجادلے کی قطعاً ضرورت نہیں ،کام کی ضرورت ہے کام کریں فکرونظر کی یکسانیت اور ہمہ گیریت سے خوبصورت نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔کسی نے سادہ سے لفظوں میں کتنی شاندار بات کی ہے۔

کامیابی تو کام سے ہوگی　　　نہ کہ حسن کلام سے ہوگی

یہ مقالہ تو مولانا فضل الرحمٰن ہی کے بارے میں لکھا جارہا ہے لیکن حالات وجذبات کی معروضیت مجھے ادھر ادھر لے جاتی ہے۔اب میں یہ کہنا چاہوں گا کوچہ سیاست میں قدم رکھتے ہی مولانا فضل الرحمٰن کو اندرونی اور بیرونی طوفانوں نے گھیر لیا جس کا انہوں نے نہایت ہی جرأت و پامردی سے مقابلہ کیا اور ہر مرحلے پر کامیاب وکامران رہے۔اندرونی عنصر کے بارے میں مولانا کی حکمت عملی یہ رہی کہ ان کی غلط فہمیوں اور رنجشوں کو دور کیا جائے، انہیں جھوٹے پروپیگنڈے کے خول سے نکال کر حقائق سے آگاہ کیا جائے،انہیں صحیح معلومات فراہم کی جائیں اور اگر کسی نے عناد واعراض ہی کو اپنا مطمع نظر ٹھہرایا ہوا ہے تو اعراض سے کام لے کر وقت کے ضیاع سے بچا جائے۔خدا واسطے کا بیر رکھنے والی معاندین کی ایک مخصوص ٹکڑی کئی سال تک ہاتھ پیر مارتی رہی لیکن مولانا ایسے کوہ گراں سے ٹکرانے کا نتیجہ اپنے آپ کو لہولہان کرنے کے سوا کچھ نہیں نکلا۔آج بھی کچھ بزعم خویش بڑے اپنی انا کی پرورش میں مصروف ہیں۔اس سلسلے میں کچھ تو مولانا کا تدبر اور تحمل کام آیا، کچھ پرانے چراغوں کی لو اتنی تیز ہوئی کہ اس کی روشنی میں منزل کا نشان ماہ نیم ماہ کی مانند نظر آنے لگا۔استعارات کی زبان سے ہٹ کر عرض کرتا ہوں کہ خیبر پختونخواہ کے ایک کہن سال بزرگ جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی راہنماء حضرت مولانا حبیب گل صاحبؒ (جو بعد میں ایک ٹریفک

حادثے میں شہید ہو گئے تھے) اور آزاد کشمیر سے جمعیۃ کے مرکزی راہنماء وشیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف خان صاحبؒ مدرسہ تعلیم القرآن، پلندری نے دونوں طرف کے بزرگوں سے رابطہ کر کے مفاہمت کی راہ ہموار کی اور بہت حد تک کامیاب ہو گئے، دلوں میں نرمی آ گئی اور ایک دوسرے کا موقف سننے کے مواقع میسر آئے۔اس کے بعد جمعیۃ علماء ہند کے امیر محترم حضرت مولانا اسعد مدنیؒ جانشین شیخ الاسلام حضرت سید حسین احمد مدنیؒ پاکستان تشریف لائے تو انہوں نے جمعیۃ کے دو حصوں میں بٹ جانے پر نہ صرف دکھ اور افسوس کا اظہار کیا بلکہ جمعیۃ میں اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کے لئے عملی قدم بھی اٹھایا۔حضرت اسعد مدنیؒ کا درد دل کام آیا اور انہوں نے دونوں طرف کے حضرات کو ایک فارمولے پر متفق کر لیا جس کے نتیجہ میں بات بن گئی اور دوریاں دور ہو گئیں۔اس دوران کچھ لوگ اپنے مزاج سے مجبور ہو کر سرگوشیاں کرتے رہے لیکن ان کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔

بعدازاں حضرت درخواستیؒ کو ایسا شرح صدر اور کشف بدیہہ ہوا کہ پورے جماعتی ماحول میں نکہت ونور کی کیفیت پیدا ہو گئی۔جمعیۃ علماء اسلام کے اراکین و راہنماء ایک عرصے سے جو دعائیں اور آہ وزاری کر رہے تھے وہ بارگاہ خداوندی میں قبول ہو گئیں ۔جو گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں نہیں ملتا فقیروں کی خدمت و قربت سے حاصل ہو جاتا ہے۔کارکنوں کی تمنائیں جو عرصہ دراز سے معلق تھیں بھر آئیں۔متحدہ جمعیۃ کے حافظ الحدیث حضرت درخواستیؒ مرکزی امیر اور قائدِ جمعیۃ حضرت مولانا فضل الرحمٰن اتفاق رائے سے ناظم عمومی کے مناصبِ عالیہ پر فائز ہوئے اور جمعیۃ کا وہ پہیہ جس میں لرزش محسوس کی جارہی تھی ایک بار پھر پوری قوت کے ساتھ رواں دواں ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی ایک المیہ یہ بھی ہوا کہ خیبر پختونخواہ کے ایک بڑے آدمی نے اپنی انا کی لاج رکھتے ہوئے کوہاٹ کے ایک بزرگ کو امیر اور خود ناظمِ عمومی کی مسند پر بیٹھ کر متوازی جمعیۃ علماء اسلام کا اعلان کر دیا۔یہ حضرات اور ان کے متاثرین اس سے قبل درخواستیؒ گروپ کی ترجیحات کا تعین کرتے وقت حضرت اقدس درخواستیؒ کی ولایت و فراستِ ایمانی کے

دعوے کرتے اور سادہ لوح اراکینِ جمعیۃ سے کہتے آپ سوچیں تو سہی! ایک طرف حضرت درخواستیؒ ہیں اور دوسری طرف مولانا فضل الرحمٰن ہیں، کوئی مقابلہ بنتا ہے۔

دونوں گروپوں میں اتحاد کے بعد ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے اکابر علماء اور کارکنوں کی جان میں جان آئی اور ان حضرت درخواستیؒ کی ولایت وفراست کے دعویداروں کی جان پر بن آئی۔ اس متضاد کردار وعمل سے ظاہر ہوا کہ یہ سب کچھ اپنی اغراض کی تکمیل اور اپنی انا کی تسکین کے لئے کیا جا رہا تھا۔ اگر واقعی ان چند نفوسِ قدسیہ کو اپنے بڑے پن کی بجائے حضرت درخواستیؒ کے بڑے پن کا حقیقی احساس ہوتا اور بصمیم قلب حضرت سے عقیدت ومحبت ہوتی تو یہ اس متحدہ جمعیۃ کے مقابلے میں ہرگز نہ آتے جس کے امیر حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ تھے اس سلسلے میں مزید معلومات کے خواہشمند حضرات مولانا زاہد الراشدی صاحب کا تحریر کردہ کتابچہ ''جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کا اتحاد'' ''چند غلط فہمیوں کا ازالہ'' ملاحظہ فرمائیں جو مولانا زاہد الراشدی نے ایک چشم دید گواہ کی حیثیت سے لکھا اور واقعات وحقائق تفصیل سے بیان کئے جبکہ اتحاد سے قبل خود راشدی صاحب درخواستی گروپ کے سرکردہ راہنماء اور سخت جان وکیل صفائی تھی۔ لکھنے کو دل نہیں چاہتا ورنہ بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

اب میں بادل نخواستہ ایک اور حقیقت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں اور وہ ہے امیرِ عزیمت حضرت مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ کا اندازِ فکر وتدبر، سیاسی اور غیر سیاسی راہوں پر چلتے ہوئے اعتدال وتوازن اور بعد میں ان کے جانشینوں کی سوچ کے عجیب وغریب زاویے! یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ مولانا حق نواز جھنگویؒ شہید سیاسی میدان میں مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی زیرِ قیادت، جمعیۃ علماء اسلام میں ایک متحرک اور مخلص راہنماء کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمودؒ کی وفات کے بعد مولانا شہیدؒ حضرت مولانا فضل الرحمٰن کو اپنا قائد تسلیم کرتے ہوئے تادم واپسیں مولانا کی زیرِ کمان جمعیۃ علماء اسلام کے موقف کی پرزور حمایت و وکالت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ یہ وہ دور تھا جب جمعیۃ علماء اسلام دو گروپوں میں منقسم تھی۔ درخواستیؒ گروپ اور فضل الرحمٰن گروپ کے مابین وجہ

نزاع واختلاف خاص طور سے تحریک بحالی جمہوریت کو قرار دیا جارہا تھا۔درخواستی گروپ کے سرخیلوں کی اسی پر تان ٹوٹتی اور ساری لے دے اسی حوالے سے ہوتی۔

اس دوران مولانا فضل الرحمٰن اپنے مکمل قد کاٹھ اور جرأت وعزیمت کے ساتھ میدانِ عمل میں کارفرما اور سلطان جائر کے سامنے اعلائے کلمۃ الحق کی شاہراہِ حریت پر گامزن تھے۔آپ کو بار بار پسِ دیوارِ زنداں جانا پڑا۔زنجیر وسلاسل کی آزمائش کے مراحل سے گزرنا پڑا لیکن وہ اپنے عظیم اکابر کی سنت کے مطابق آمرِ وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے رہے۔گراں بار سلاسل کے باوجود مولانا کی جوانی کا خروش پوری تابانیوں پر تھا اور وہ ضیاء الحق ایسے آمرِ مطلق کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ ہم انہی اکابر کے نام لیوا ہیں جنہوں نے اپنا سب کچھ قربان کرکے فرنگی استعمار کے پرخچے اڑادیئے تھے اور گوہر آزادی حاصل کرکے منزلِ مراد کو پالیا تھا۔

ترکِ جان وترکِ مال وترکِ سر　　　　در طریقِ عشق اول منزل است

یہ کوئی امر مخفی نہیں کہ اس پورے دور جبر واستبداد میں جمعیۃ علماء اسلام کے دیگر راہنماؤں کی طرح حضرت جھنگوی شہیدؒ بھی مولانا فضل الرحمٰن کے شانہ بشانہ اور قدم بقدم چلتے رہے۔مولانا جھنگویؒ نے اپنی سونامی خطابت اور پرزور طرزِ استدلال سے مخالفین کو ناکوں چنے چبوائے۔جمعیۃ علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے بڑے بڑے جلسوں،اجتماعات اور کنونشوں میں حضرت جھنگوی شہیدؒ نے اپنے مخصوص لب ولہجہ اور دل نشیں انداز میں لوگوں کو سمجھایا کہ ایم۔آر۔ڈی میں مختلف سیاسی جماعتوں کا کسی ایک مشترک نکتہ فکر پر جمع ہونا کوئی انہونی اور انوکھی بات نہیں،برِصغیر کی تاریخ گواہ ہے ہمارے اکابر جب بھی ملک وقوم پر کڑا وقت آیا اپنوں اور غیروں سب کو ملاکر جدوجہد کرتے رہے۔مولانا جھنگویؒ مولانا فضل الرحمٰن اور جمعیۃ کی تائید میں اپنے اسلاف کے نظائر بھی پیش کرتے اور قرآن وحدیث سے بھی استدلال کرتے۔

کبیر والا ضلع خانیوال جمعیۃ علماء اسلام کے ایک بڑے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے پوری قوت کے ساتھ مولانا فضل الرحمٰن کے فکرونظر اور طرزِ عمل کی تائید میں

ایسے وقیع دلائل دیئے کر ہر شخص ششدرو حیران تھا۔ حضرت جھنگوی شہیدؒ نے درخواستی گروپ کے بزرگوں اور بالخصوص حضرت درخواستیؒ کے احترام و تقدس کا خیال رکھتے ہوئے جمعیۃ علماء اسلام کے لئے مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت کو نہایت ہی اہم اور ضروری قرار دیا۔ سوالات کے جوابات دیتے ہوئے انہوں نے بڑی خوبصورتی سے عوام کو سمجھایا کہ جمعیۃ علماء اسلام کے اسٹیج پر میں ہمیشہ جمعیۃ ہی کی بات کرتا ہوں اور سپاہ صحابہؓ کے اسٹیج پر سپاہ صحابہؓ کی، مولانا جھنگویؒ نے کہا یہ کوئی فکر ونظر کا اختلاف نہیں بلکہ تقسیم کار ہے۔ آپ نے کہا کہ مختلف جماعتوں سے تعلق رکھنے والے لوگ جب تبلیغی جماعت میں جاتے ہیں تو وہ اپنی جماعت کا موقف بیان نہیں کرتے بلکہ تبلیغ والوں کے اصول وضوابط کے مطابق بات کرتے ہیں اور وہی طرزِ عمل اپناتے ہیں جو جماعت کے بزرگوں نے ترتیب دیا ہے۔ یہ کوئی پوشیدہ امر نہیں کہ مولانا جھنگوی شہیدؒ کا جمعیۃ علماء اسلام سے گہرا تعلق تھا وہ جمعیۃ کی مجالسِ عمومی اور دیگر اجتماعات میں پابندی سے شرکت فرماتے اور مختلف موضوعات پر اپنی جچی تلی رائے کا اظہار کرتے اپنی رائے کے خلاف اجتماعی فیصلوں کو دل و جان سے قبول کرتے۔ لاہور میں جب بھی آتے دفتر جمعیۃ علماء اسلام اور دفتر ہفت روزہ ترجمانِ اسلام میں ضرور تشریف لاتے تھے کبھی نئی خریدی ہوئی کتابیں ساتھ ہوتیں تو راقم الحروف کو ضرور دکھاتے بعض مرتبہ بریلویت کے موضوع پر گفتگو بھی ہوتی۔ جمعیۃ سے وابستگی کا یہ عالم تھا کہ جمعیۃ کا ہفت روزہ آرگن ترجمانِ اسلام اپنی نگرانی میں منگواتے، ان کی مسجد کا مؤذن پرچہ فروخت کرتا۔ ایک مرتبہ بل کی تاخیر کی وجہ سے راقم مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا تو کہنے لگے آپ پرچہ براہِ راست میرے نام ارسال کریں تاکہ یہ تمام صورت حال میرے علم میں رہے اس طرح آپ کو پریشانی نہیں ہوگی۔ جمعیۃ علماء اسلام، پنجاب کی امارت کے حوالے سے مولانا سید امیر حسین گیلانیؒ اور مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ میں مقابلہ ہوا گیلانی صاحب کامیاب ہوگئے تو بڑی خوش دلی سے ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے ساتھ چلنے کے عزم کا اظہار کیا۔ الیکشن بھی جمعیۃ علماء اسلام کے ٹکٹ اور کتاب کے نشان پر لڑا۔ آپ کے جنازے پر بھی پرچم نبوی ہی لہرا رہا

تھا۔سپاہ صحابہ کے لئے پرچم تجویز ہوا تو اس میں بھی سفید اور کالی پٹیاں رکھی گئیں تاکہ پرچم کی جمعیۃ سے مشابہت رہے۔امیرِ عزیمت حضرت جھنگویؒ کی شہادت کے بعد آپ کے جانشین حضرت مولانا ایثار الحقؒ جمعیۃ کی مجالسِ عمومی اور مرکزی شوریٰ کے اجلاسوں میں باقاعدگی سے شریک ہوتے رہے۔

حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی سے راقم کا تعلق طالب علمی کے دور سے تھا جب وہ دارالعلوم کبیر والا میں زیرِ تعلیم تھے تو خانیوال ان کا اکثر آنا جانا رہتا اپنی ننھیال کے حوالے سے بھی اور جماعتی پروگرام بھی ان کی دلچسپی کا محور تھے۔

1970ء کے الیکشن میں حضرت سید نیاز احمد شاہ گیلانیؒ قومی اسمبلی کی سیٹ پر انتخابات میں جمعیۃ کے نمائندہ تھے۔خانیوال بھی ان کے حلقہ انتخاب میں شامل تھا۔روزانہ چھوٹے بڑے انتخابی جلسے ہوتے ۔راقم اسٹیج سیکرٹری ہوتا۔فاروقی صاحب ایک طالب علم ہوتے ہوئے ولولہ انگیز تقریریں کرتے،دادو تحسین وصول کرتے ۔تعلیم کے بعد انہوں نے جم کر مطالعہ کیا وہ ایک خطیب اور شعلہ نوا مقرر تو بن ہی گئے تھے۔تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی نمایاں نظر آنے لگے۔لاہور ترجمانِ اسلام کے دفتر میں عموماً آنا ہوتا، جمعیۃ ہی سے نسبت وتعلق رہا۔جمعیۃ دو حصوں میں تقسیم ہوئی تو مولانا فضل الرحمٰن سے عقیدت و محبت کا اظہار کرتے، ایک روز میں نے کہا کہ آپ جمعیۃ کے ایک خاموش کارکن کی حیثیت سے کب تک رہو گے جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ میں بہت ساری صلاحیتیں رکھی ہیں کہنے لگے میں حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ سے بیعت ہوں میں ان کے شرم کے وجہ سے کھل کر کام نہیں کرتا میری مکمل ہم آہنگی مولانا فضل الرحمٰن ہی کی جمعیۃ کے ساتھ ہے۔یہ وہی بات ہے جو محترم جناب سید خورشید عباس گردیزی آف ملتان ابتداء میں حافظ الحدیث حضرت درخواستیؒ سے بیعت کے حوالے سے کہا کرتے تھے، کچھ دن گزرے تھے کہ سمندری میں جمعیۃ علماء اسلام کا ایک بہت شاندار جلسہ اپنی مسجد کے باہر سڑک پر رکھا۔مولانا فضل الرحمٰن اس جلسہ کے مہمان خصوصی تھے مولانا جڑانوالہ سے سمندری آئے تو فاروقی شہیدؒ نے ان کا عظیم الشان استقبال کیا۔راقم

الحروف بھی مولانا فضل الرحمٰن کے ہمراہ تھا اور برادر محترم مولانا عطاء المنعم آف خانیوال بھی شریکِ کارواں تھے۔ جلسے کے آغاز سے قبل بازار ہی میں ایک چوبارے پر دفتر جمعیۃ علماء اسلام کا افتتاح عمل میں آیا اور مولانا فضل الرحمٰن کے دست مبارک سے پرچم کشائی کروائی جلسے میں مولانا کے خطاب سے پہلے مولانا کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا اور اپنے ولولہ انگیز خطاب میں جمعیۃ علماء اسلام کے حق میں لوگوں سے ہاتھ اٹھوائے۔ بعد ازیں انتہائی موثر الفاظ میں مولانا کو دعوت خطاب دی۔ یہ تھی مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ، مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ اور مولانا ایثار لقاسمی شہید کی جمعیۃ سے وابستگی اور ان کا طرز فکر ونظر۔ اس کے بعد ان شہداء جلیل کی مسند پر بیٹھنے والوں نے جمعیۃ علماء اسلام اور سپاہ صحابہؓ کے حوالے سے جو انداز اور جو طرز خطابت اختیار کیا وہ نہایت طویل اور دل خراش داستان ہے۔ بے گانوں کے ہاتھوں میں تو کھلے خنجر تھے ہی اپنوں کی آستینوں میں بھی دشنہ ہائے پنہاں نظر آنے لگے۔ شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر پھینکنے والے ہوش وخرد کا دامن ہاتھ سے چھوڑ گئے۔ مولانا فضل الرحمٰن جو حضرت جھنگویؒ اور مولانا فاروقیؒ کی آنکھ کا تارا تھے بعد میں آنے والے مہربانوں نے انہیں اپنی آنکھ کا شہتیر سمجھنا شروع کر دیا لیکن مولانا فضل الرحمٰن کی بلند نگاہی اور وسیع ظرفی کا یہ عالم رہا کہ وہ ان کی آشفتہ سری اور جوش جنوں کی داد اس انداز سے دیتے کہ:

کاش اتنا تو بڑھے جوشِ جنونِ نفرت
کوئی پتھر کہیں پھینکے مرے سر تک پہنچے

مجھے اس سلسلے میں کہنا پڑ رہا ہے کہ کاش حضرت جھنگویؒ کی مسند کے وارث اسی فکر ونظر کی ترجمانی کرتے جو حضرت جھنگویؒ اور حضرت فاروقیؒ کا تھا۔ ان کے ایک ہاتھ میں اسلامی نظام کے نفاذ کا پرچم ہوتا اور دوسرے ہاتھ میں مدح صحابہؓ کا علم۔ حضرت جھنگویؒ کی مسند پر براجمان ہونے والوں کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ:

وہ آئے بزم میں اتنا تو میر نے دیکھا
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

قائد ملت اسلامیہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب سیاست کے دشتِ خارزار میں تین دہائیاں گزار چکے ہیں۔ مولانا کی کتابِ زندگی کا ایک ایک ورق اپنوں اور بے گانوں سب کے سامنے ہے۔ بین الاقوامی طور پر ایک جید عالمِ دین اور ایک عظیم سیاستدان کی حیثیت سے مولانا کی شناخت موجود ہے مولانا کا تعلق حزب اقتدار سے بھی رہا ہے اور حزب اختلاف سے بھی۔ پانچ سال تک ان کی جماعت صوبہ خیبر پختونخوا میں حکومت کرتی رہی اور بلوچستان میں بھی شریکِ اقتدار رہی لیکن مولانا فضل الرحمٰن اور جمعیۃ کے دیگر راہنماؤں کا دامن ان تمام تر آلودگیوں سے پاک ہے جن میں مختلف سیاسی جماعتوں کے راہنماء مبتلا رہے اور آج بھی پہلے سے کہیں زیادہ ملوث و مبتلا ہیں۔ ان جماعتوں کے چھوٹے بڑے سب کرپشن کے حمام میں ننگے ہیں۔ این۔ آر۔ او کی طویل فہرست ان کی پیشانی کا ایسا داغ ہے جسے نہ اقتدار کی قوت مٹا سکتی ہے اور نہ ہی استثناء کا وظیفہ جو وزیرِ اعظم یوسف رضا گیلانی مسلسل پڑھ رہے ہیں۔ یہ عجیب لوگ ہیں نہ انہیں توہینِ عدالت کی پروا نہ بدنامی کا خوف اور نہ ہی خداوند قدوس کی پکڑ اور گرفت کا ڈر۔ اللہ کی شدید پکڑ کے مناظر یہ پتھر دل انسان ہر روز دیکھتے رہتے ہیں لیکن دیدۂ عبرت وا نہیں کرتے۔ پرویز مشرف کی موجودہ حالت زار بھی ان کے سامنے ہے اور گزشتہ حکمرانوں کے حالات و واقعات بھی۔

ایک طرف مولانا فضل الرحمٰن کے تیس سالہ دورِ سیاست پر دیانت اور بصیرت سے نگاہ ڈالئے اور دوسری طرف دیگر سیاسی جماعتوں کے زعماء کے تیس سال کی خبر لیجئے! وہ کیا کرتے رہے؟ کتنی جماعتیں بدلیں، کس کس کے دامن سے وابستہ ہوئے؟ آمر و جابر حکمرانوں کی جی حضوری کا کیا صلہ پایا؟ ملک اور قوم کی خدمت کا بانگ دہل دعویٰ کرنے والے ان نیتاؤں نے ملک اور قوم کو کیا دیا؟ یہ پرانے شکاری نت نئے جال بچھاتے رہتے ہیں آج بھی کچھ پرانے جغادری ایک ایسے کھلاڑی کے دامنِ تر میں پناہ لے رہے ہیں جس کی تر دامنی کا سرا دامنِ یہود سے جا ملتا ہے۔ میوزیکل جلسے اور ان جلسوں میں خلافتِ راشدہ کی تنفیذ کا دعویٰ۔ جواب ہی نہیں۔

؎ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

اس وقت مولانا فضل الرحمٰن کی جو عظمت و حیثیت ہے وہ مہر نیم روز کی طرح عیاں ہے، یہ ان کے کارہائے جلیلہ اور شب و روز بے لوث خدمتِ دین کا صلہ ہے کہ دیو بند مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے تمام طبقات و خانقاہی سلسلے مدنیؒ، تھانویؒ، رائے پوریؒ اور دین پوریؒ سلاسل طیبہ سے تعلق رکھنے والے مشائخ عظام اور پیرانِ کرام ملک و ملت کا حقیقی ترجمان ،مساجد و مدارس دینیہ کا سچا بہی خواہ اور مملکتِ خداداد میں اسلامی نظام کے نفاذ کا پرعزم علمبردار مولانا ہی کو سمجھ رہے ہیں۔اب پوری دیانت و خلوص اور دلِ دردمند کے ساتھ عوام اور خواص کی دلی تمنا یہ ہے کہ جو گنے چنے حضرات ادھر ادھر پھر رہے ہیں وہ مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت میں جمعیۃ علماء اسلام میں شامل ہو کر اپنے اسلاف کے لئے نیک نامی کا سبب بنیں۔کراچی کی "اسلام زندہ باد کانفرنس" کے بعد ملک و ملت سے محبت کرنے والے اکابر دیوبند کے پرستار و جاں نثار دل کی گہرائیوں سے چاہتے ہیں کہ جو حضرات ٹوٹی پھوٹی اور گلی سڑی اینٹوں کی بنیاد پر اپنی عظمت کا مینار استوار کرنے کی تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں وہ غور و فکر کریں اور سوچیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ انہیں کس سمت میں چلنا چاہیے اور وہ کس رخ پر چل رہے ہیں۔یہ بھان متی کا کنبہ اور لال مسجد کی معصوم بچیوں کے قاتل ان کے یمین و یسار کیوں کھڑے ہیں؟ یہ پرویز مشرف کے اشارۂ ابرو پر ناچنے والے میدانِ عمل کے راہی نہیں ہیں۔ان کے مظالم و مفادات اور ان کے دوہرے کردار کی داستانیں عوام کے ذہنوں میں آج بھی موجود ہیں۔مولانا عبدالغفور حیدری نے سچ فرمایا کہ یہ چلے ہوئے کارتوس ہیں جن کا سیاسی مارکیٹ میں کوئی خریدار نہیں۔

؎ بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کہ بھائی
بیچ ڈالیں، جو یوسف سا برادر پائیں

آج کے حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ مذہب و ملت کا پرچم بلند کرنے والوں کو یک فکر اور یک جان ہو کر لادینی طاقتوں اور استعمار کے گماشتوں کا اجتماعی قوت کے ساتھ مقابلہ کرنا

چاہیے۔ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالنا ہے تو ان ہاتھوں میں ڈالو جو صاف اور شفاف ہیں جن کی پاک دامنی کا یہ عالم ہے کہ دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں۔ میرے قابلِ احترام بزرگو! میں ایک بار پھر عرض کرتا ہوں کہ حالات کے اطوار کو پہچانو! لادینیت اور مذہب بیزاروں کا پورا لاؤ لشکر آپ کی گھات میں ہے وہ آپ کے عدم اتفاق کو اپنی بہت بڑی کامیابی اور فتح سمجھتا ہے آپ کے اتحاد و اتفاق میں اس کی موت ہے۔ ہر روز جدید پیراہن بدلنے والے آپ کو کیا دیں گے؟ اور آپ ان سے کیا لے سکتے ہیں؟ وہ اپنی اغراض کے لئے آپ کے ہاتھوں میں ہاتھ تو دے سکتے ہیں آپ کے مقاصد اور عزائم سے انہیں کوئی دلچسپی ہے نہ غرض۔ سوچئے، سوچئے خدارا سوچئے!

اصل میں تو میں مولانا فضل الرحمٰن کی تیس سالہ سیاسی جدو جہد کے حوالے سے ایک مختصر مقالہ لکھنا چاہتا تھا لیکن رخش طبع کی باگیں میرے ہاتھ سے چھوٹ گئیں اور اس طرح سے دلِ بیتاب کا قصہ جگر تک پہنچ کر رہا، میرے کلکِ خونبار کا کوئی قطرہ اگر کسی کے دامن پر گرا ہو تو اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ جہاں تک مولانا فضل الرحمٰن کی ذات کا تعلق ہے تو میں بلاخوف ملامت عرض کناں ہوں کہ مولانا فضل الرحمٰن آج اس عظیم مشن کی تکمیل کے لئے مصروف و منہمک اور مستعد و متحرک ہیں جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور ان کے عظیم رفقاء لے کر چلے تھے۔ جزیرہ مالٹا کی تنگ و تاریک کوٹھڑیاں اور برِ صغیر کے وسیع و عریض میدان ان اسلاف کی جدو جہد کے گواہ ہیں۔ مولانا فضل الرحمٰن انہی اسلاف کے روحانی سپوت ہیں اور انہی کے نقوشِ پا کو حرز جاں بنا کر رواں دواں ہیں۔ میرے نزدیک دینی سیاست کے اس خارزار میں ان کا کوئی ہمسر و ثانی نہیں۔ ہر میدان میں بہت سارے رجالِ کار ہیں لیکن مولانا کی بات ہی کچھ اور ہے۔

ہمہ شہر پُر ز خوباں، منم و خیالِ ما ہے
کہ کنم کہ چشمِ بدخو، نکند بکس نگا ہے

☆......☆......☆

زندہ باد اے ترجمان دیوبند

حضرت مولانا منیر احمد منور مدظلہ،

استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم، کہروڑ پکا ضلع لودھراں

مرکزی امیر اتحاد اہل السنت والجماعت پاکستان

بچپن کا ایک واقعہ:

آج سے تقریباً ۴۶، ۴۷ سال پہلے کی بات ہے میں دارالعلوم کبیر والا میں زیر تعلیم تھا مولانا حق نواز شہید، مولانا محمد انور (مہتمم دار العلوم کبیر والا)، مولانا فضل حق (ناظم ماہنامہ بینات کراچی)، راقم الحروف اور چند دیگر احباب نے مل کر دارالعلوم کبیر والا کے طلبہ پر مشتمل جمعیۃ الطلبہ کے نام سے ایک جماعت بنائی انھی دنوں میں مودودی جماعت نے ۱۹۵۶ کے آئین کا بہت شور مچایا ہوا تھا۔ اس آئین کی اصلاحات کے بارے میں حضرت مفتی محمودؒ نے کچھ عرصہ سے ''تنقیدات وترامیم'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا ہماری جماعت نے فیصلہ کیا کہ حالات کی ضرورت کے تقاضا کے پیش نظر ہم اپنی جماعت کی طرف سے یہ رسالہ چھپوائیں۔ مسودہ کے حصول کی ذمہ داری میرے سپرد ہوئی چنانچہ میں یہ مسودہ حاصل کرنے کیلئے جامعہ قاسم العلوم کچہری روڈ ملتان میں حضرت اقدس مفتی محمودؒ کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت مفتی صاحبؒ اس وقت جامع ترمذی کا سبق پڑھا رہے تھے۔ مجھے بھی اس سبق میں شرکت کی سعادت حاصل ہوگئی حضرت جب سبق سے فارغ ہوئے تو میں نے اپنی جماعت کا تعارف کرایا اور اپنی آمد کا مقصد ذکر کیا حضرت نے فرمایا انتظار کریں فضل الرحمٰن سکول گیا ہوا ہے وہ آجائے میں اسے کہوں گا وہ تلاش کردے گا حضرت مفتیؒ صاحب کا یہ حوصلہ افزاء جواب سن کر دل بہت خوش ہوا۔ مولانا فضل الرحمٰن اس وقت کچہری اور گھنٹہ گھر کے درمیان واقعہ اسلامیہ

ہائی سکول میں زیرِ تعلیم تھے چونکہ حال کے ''قائد انقلاب اسلامی'' اور اس وقت کے ہائی سکول کے طالب علم فضل الرحمٰن سے میری کوئی شناسائی نہ تھی اس لئے اب ایک نامور اور سیاسی شخصیت کے صاحبزادہ کو دیکھنا اور ان سے ملاقات کرنا میرے اصل مقصد میں شامل ہو گیا اب بڑے شوق اور بڑی بے چینی کے ساتھ انتظار ہو رہا ہے رسالے اور رسالے سے پہلے رسالہ کے تلاش کرنے والے فضل الرحمٰن کا، آخرکار ہائی سکول کا ایک طالب علم شلوار قمیص میں ملبوس جناح کیپ سر پہ سجائے عام بچوں کی طرح ادھر ادھر دیکھنے کی بجائے سیدھے رخ رواں دواں قوت کے ساتھ قدم اٹھاتا ہوا بارعب انداز سے تیز تیز جا رہا ہے مجھے شکل وصورت اور اطوار وانداز سے اندازہ تو ہو چکا تھا کہ یہ میرا مطلوب ہے تاہم میں نے ایک صاحب سے دریافت کرلیا کہ یہ طالب علم کون ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ مفتی محمودؒ کا بیٹا فضل الرحمٰن ہے اتنے میں وہ گھر کے اندر چلے گئے اب میں پھر منتظر مگر مجھے اپنا مقصد قریب نظر آیا تو میں بھی ذرا دروازے کے قریب ہو گیا۔ کوئی آدھ گھنٹہ گذرا ہو گا کہ رسالہ ''تنقیدات وترامیم'' ہاتھ میں لیے فضل الرحمٰن صاحب تشریف لائے اور مجھ سے مخاطب ہوئے کہ دار العلوم، کبیر والا سے آپ رسالہ لینے آئے ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں! رسالہ میرے سپرد کیا اور وہیں کھڑے کھڑے مختصر سی ملاقات ہوئی لیکن فضل الرحمٰن صاحب اتنی خندہ پیشانی، خوش خلقی اور ایک عجیب معصومانہ مسکراہٹ کے ساتھ پیش آئے کہ میں اب تک وہ منظر اور اس کی لذت نہیں بھول سکا۔ حضرت اقدس مفتی محمودؒ کے اخلاق کریمانہ اور چھوٹوں پر شفقت اور کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کا اس سے اندازہ لگائیں کہ ایک دفعہ عرض کرنے کے بعد دوبارہ یاد دہانی کرانے کی نوبت نہیں آئی خود یاد رکھا اور خود ہی رسالہ تلاش کرا کے عطا فرمایا۔

اعلیٰ تربیت:

جیسا کہ ہر باشعور اور فکر مند باپ کی پدری شفقت ومحبت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کی طرف خصوصی توجہ دے حضرت مفتی محمودؒ نے افتاء وتدریس اور سیاسی مصروفیت کے باوجود مولانا فضل الرحمٰن کی تعلیم وتربیت کی طرف خاص توجہ دی چنانچہ حضرت

مفتی محمودؒ نے مولانا فضل الرحمٰن کو طالب علمی کے دوران سیاست سے عملاً دور رکھ کر زیور علم سے آراستہ کرنے ،ان میں علمی صلاحیت وقابلیت کا جوہر پیدا کرنے اور اس کو پروان چڑھانے کیلئے ہر فن کی تعلیم کیلئے اس فن کے ماہر ترین اساتذہ کا انتخاب کیا۔اس سلسلہ میں مولانا موصوف کو بعض مرتبہ جنگل نما دیہاتوں میں بھی بسیرا کرنا پڑا۔اطاعت شعار بیٹے نے اپنے مشفق باپ کی چاہتوں اور امنگوں کو پورا کرنے کیلئے خندہ پیشانی اور کھلے دل سے باپ کی ہر پابندی کو قبول کیا۔مفتی محمودؒ صاحب جب آسمان سیاست پر سورج بن کر چمکے جس کے سامنے بڑے بڑے سیاسی شاطروں اور جغادریوں کے چراغ ماند پڑ گئے اس سلطانِ سیاست باپ کے سیاسی عروج کے زمانہ میں فضل الرحمٰن کے شعور نے آنکھ کھولی وہ دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے سیاسی ٹھاکر ملک کے داخلی اور خارجی حالات ومعاملات کے بارے میں راہنمائی لینے کیلئے مفتی محمودؒ کے گھر اور در کی جبہ سائی کرتے ہیں لیکن خوش نصیب باپ کا یہ خوش نصیب بیٹا سیاسی شعور رکھنے کے باوجود اور سیاسی ماحول میں تربیت پانے کے باوجود باپ کے حکم کے مطابق ہمہ تن حصول علم کی طرف متوجہ ہے۔

علمی رسوخ:

نتیجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا فضل الرحمٰن کو کتاب وسنت فقہ اور دیگر علوم وفنون میں اتنا رسوخ اور علمی قابلیت عطا کی ہے جو بہت کم علماء کو نصیب ہوتی ہے ملک کے ناگفتہ بہ سیاسی حالات نے مولانا کو اپنی طرف کھینچ لیا اور کھینچ کر اپنی گرفت میں لے لیا ورنہ اگر اپنے والد کی طرح مولانا کو بھی کچھ عرصہ جم کر یکسوئی کے ساتھ تدریس اور علمی محنت کا موقع مل جاتا تو جیسے مولانا موصوف نے میدان سیاست میں مفتی محمودؒ کے خلا کو پر کیا ہے اسی طرح وہ مفتی محمودؒ کے علمی خلا کو بھی پر کر دیتے ۔ مجھے مولانا کی علمی استعداد کی پختگی اور قابلیت کا اندازہ اس وقت ہوا جب میں مولانا کے ساتھ جامعہ قاسم العلوم میں مدرس تھا مولانا موصوف کی تدریس کی ابتداء تھی لیکن مختصر معانی اور ہدایہ جیسی دقیق کتابیں مولانا اس خوبی کے ساتھ طلبہ کو پڑھاتے کہ جو ایک دفعہ مولانا کے پاس سبق پڑھ لیتا وہ مولانا کا مداح ہو جاتا اور نئے آنے والے

سال میں ان طلبہ کی کوشش ہوتی کہ اس سال بھی مولانا کے پاس ہمارا سبق ہو اور مولانا کی علمی لیاقت کا اہل علم حضرات نے اس وقت اندازہ لگایا جب مولانا نے گزشتہ سال جامعہ قاسم العلوم ملتان میں صحیح بخاری کے ختم کے موقع پر آخری سبق پڑھایا تو یوں لگتا تھا جیسے کوئی کہنہ مشق شیخ الحدیث، حدیث کا سبق پڑھا رہا ہے اس موقع پر موجود کئی اساتذہ حدیث اور شیوخ حدیث بھی انگشت بدنداں رہ گئے۔

اوصاف قیادت:

میں نے جامعہ قاسم العلوم میں تدریس کے ایام میں ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ حضرت مفتی محمودؒ صاحب تشریف لائے اور حضرت نے فوجی وردی پہن رکھی ہے یہ تو معلوم نہیں کہ اس کی اصل حقیقت کیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ مفتی محمودؒ نے اسمبلی کے اندر اور اسمبلی سے باہر دین کی حفاظت کیلئے صرف ایک سپاہی کا نہیں بلکہ ایک جرنیل کا کردار ادا کیا ہے اسی لئے مفتی محمودؒ کو فوجی وردی میں ملبوس دکھایا گیا۔ میں جب مولانا فضل الرحمٰن کو دیکھتا ہوں تو وہ بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مشکل سے مشکل حالات میں گھرے ہوئے بھی دین کی حفاظت ملک وقوم کی خدمت اور اسلامی انقلاب کی جدوجہد کیلئے دن رات ایک کر کے مجاہدانہ اور سپاہیانہ کردار ادا کر رہے ہیں۔ ایک اعلیٰ قیادت کیلئے اخلاص وللّٰہیت، علم وعمل، فہم وبصیرت، اخلاق ومروت، لوگوں کے ساتھ الفت ومحبت، حسن تدبیر، قوم کی ضروریات نفسیات کا ادراک، موقع شناسی، حاضر جوابی، مردم شناسی، معاملہ فہمی، ملکی اور غیر ملکی بین الاقوامی حالات پر وسیع نظر جرات وشجاعت، خطابت اور قوت بیان جیسے اوصاف ضروری ہیں اللہ تعالیٰ نے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو ان قائدانہ اوصاف سے خوب نوازا ہے۔ مولانا کی ابھی ابتدائی اٹھان تھی اور یہ بحث جاری تھی کہ مولانا کم عمر ہیں لہٰذا جماعت کی اعلیٰ ذمہ داری کیلئے کوئی تجربہ کار پختہ عمر کی شخصیت ہونی چاہیے اسی عرصہ میں احمد پور سیال کے میرے شاگرد قاری سلطان علی شاہ مرحوم نے احمد پور کیلئے مولانا کی تاریخ میری وساطت سے لی اس لیے مقررہ تاریخ پر میں بھی مولانا کے ہمراہ تھا شاہ صاحب مرحوم نے ایک بڑے قافلہ کے ساتھ احمد پور سے باہر بڑے روڈ پر

مولانا کا شاندار استقبال کیا میں نے دیکھا کہ مولانا اپنی گاڑی سے اترنے اور شاہ صاحب کی گاڑی میں بیٹھ گئے اور اس میں بیٹھ کر شاہ صاحب کے ساتھ احمد پور شہر میں داخل ہوئے سب لوگوں نے یہ منظر دیکھا، شاہ صاحب مولانا کے اس اخلاق اور حسن معاملہ سے اتنے خوش ہوئے کہ وہ زندگی بھر مولانا کے مداح رہے اس موقع پر مولانا نے فوج کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ملک کی مثال آنکھ کی طرح ہے اور ملک کی فوج آنکھوں کی پلکوں کی طرح ہے اللہ تعالی نے آنکھوں کے اردگرد پلکیں آنکھوں کی حفاظت کیلئے بنائی ہیں اگر یہ آنکھ سے باہر رہ کر آنکھ کی حفاظت کریں تو یہ راحت بخش اور قابل قدر ہیں اور اگر پلکوں کا کوئی بال آنکھ کے اندر گھس جائے تو یہ باعث تکلیف ثابت ہوتا ہے اور قابل نفرت بن جاتا ہے اسی طرح فوج بھی ملک کے اندرونی نظام سے باہر رہ کر ملک کی حفاظت کرتی رہے تو ملک محفوظ رہتا ہے اور فوج سے محبت بھی رہتی ہے اور یہ قابل قدر ہوتی ہے اور اگر فوج ملکی نظام کے اندر گھس آئے تو پھر ملک بھی غیر محفوظ ہو جاتا ہے اور فوج سے بجائے محبت کے نفرت پیدا ہوتی ہے اور فوج قابل قدر ہونے کی بجائے ناقابل قدر بن جاتی ہے۔

جمعیۃ علماء اسلام کی ذمہ داری:

قائد ملت اسلامیہ مفتی اعظم حضرت مفتی محمودؒ کی وفات کے بعد جب جمعیۃ علماء اسلام کیلئے قیادت کا مسئلہ پیدا ہوا تو کچھ حضرات کا خیال تھا کہ جمعیۃ علماء اسلام کا کام جتنا ترقی کر چکا ہے اس کو سنبھالنے کیلئے کوئی تجربہ کار کہنہ مشق قائد ہونا چاہیئے جبکہ مولانا فضل الرحمٰن کم عمر اور میدان سیاست میں نو وارد ہیں لیکن اس کم عمر فضل الرحمٰن نے جماعتی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد مخالفتوں کے باوجود حسن تدبیر کے ساتھ جس طرح جماعت کو چلایا تو ہر ایک کو اقرار کرنا پڑا کہ مولانا موصوف "بعمر کہتر و بہ کار بہتر" کا سچا مصداق ہیں اس سے جہاں مولانا فضل الرحمٰن کی قائدانہ صلاحیتیں کھل کر سامنے آئیں وہاں خواجہ خواجگان امیر ختم نبوت حضرت مولانا خان محمد صاحبؒ کی بصیرت، دور اندیشی اور مردم شناسی کا بھی پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔ علماء دیوبند کے سیاسی محاذ پر جمعیۃ علماء اسلام کی عظیم ذمہ داری کیلئے مولانا فضل الرحمٰن

کے روپ میں عظیم قائد کا انتخاب حضرت مولانا خان محمد صاحب اور ان جیسے جوہر شناس ارباب بصیرت اور اصحاب علم وفضل کا فیصلہ کرنا اور فیصلہ کر کے مسلسل ان کے سر پر دست شفقت رکھنا یہ مولانا اور ان کے رفقاء کار کی خوش نصیبی ہے جس کی برکات مولانا موصوف اور ان کے رفقاء قدم قدم پر محسوس کر رہے ہیں۔ آج اگر دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اہل حق (یعنی علماء دیوبند) ہوں یا اہل باطل ہوں مذہبی جماعتیں ہوں یا سیاسی سب کے نزدیک اگر مذہبی جماعتوں کی مضبوط سیاسی نمائندہ جماعت ہے تو وہ جمعیۃ علماء اسلام ہے اور جمعیۃ علماء اسلام کی جان اور جمعیۃ علماء اسلام کی پہچان ہے تو وہ مولانا فضل الرحمٰن ہے۔

فتنہ سوشلزم کا مقابلہ:

جب ملک میں سوشلزم اور روٹی کپڑا مکان کا نعرہ لگا کر مسلمانوں کے دین وایمان لوٹنے کیلئے بھرپور حملہ کیا گیا تو مفتی محمودؒ اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی قیادت میں جمعیۃ نے ایسا منشور اور ایسی پالیسی قوم کو دی کہ ہزاروں غریبوں اور مزدوروں کا ایمان بچ گیا بلکہ ہزاروں کسانوں اور مزدوروں نے جمعیۃ میں شمولیت اختیار کی اسی عرصہ کی بات ہے کہ مولانا حق نواز شہید دار العلوم، کبیر والا میں زیر تعلیم تھے۔ مولانا نے ایک خواب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ایک کمرہ میں تشریف فرما ہیں اور مختلف علماء دیوبند آ رہے ہیں۔ ان کے آنے پر رسول اللہ ﷺ خوش ہیں اور مسکرا رہے ہیں لیکن جب مفتی محمودؒ صاحب آتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ ان کو سینہ سے لگاتے ہیں پیار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں ''اے ترجمان دیوبند'' مولانا حق نواز نے فرمایا میں دن بھر اس خواب کو سوچتا رہا لیکن کسی سے اس کا ذکر نہ کیا حتیٰ کہ دوسری رات بھی یہی خواب دیکھا مگر دوسرے دن بھی کسی کے سامنے ذکر نہ کیا اس خیال سے کہ پتہ نہیں اس کا کوئی یقین کرے یا نہ کرے پھر مخالفین یہ پروپیگنڈہ بھی کر سکتے ہیں کہ اب جمعیۃ نے خوابوں کا سہارا لینا شروع کر دیا ہے۔ تیسری رات بھی وہی خواب دیکھا اور اس مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ خواب اس لیے دکھایا جا رہا ہے کہ آپ دوسروں کو بتائیں اس کے بعد میں نے بعض اساتذہ اور دوستوں کو یہ خواب سنایا بلکہ استاذ مکرم مولانا عبد المجید صاحب مدظلہ

نے فرمایا مجھے یہ خواب لکھ کر دو چنانچہ میں نے استاذ مکرم کو لکھ کر دیدیا۔

امریکی دہشت گردی کے مختلف محاذ:

اس وقت امریکہ کی قیادت میں مغربی یہودی وصیہونی قوتوں نے اور مسلم ممالک کے جن منافق ایجنٹوں نے دہشت گردی کے جو مختلف محاذ کھول رکھے ہیں مثلاً جہاد اور مجاہدین کے خلاف دہشت گردی کا پروپیگنڈہ۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ کی آڑ میں علماء حقہ اور مجاہدین پر مظالم۔ انگریز کی غلامی میں نہ آنے والے اور انگریزی اثرات کو قبول نہ کرنے والے خطوں پر خوفناک حملے اور تباہی، مسلم ممالک اور ان کے وسائل پر قابض ہونا، مدارس اسلامیہ کو ختم کرنے کی خوفناک سازشیں، مدارس اسلامیہ کے نصاب کو امریکہ کی مرضی کے مطابق تبدیل کرنا، اسلامی تہذیب وثقافت کو ختم کر کے اس کی جگہ مغربی تہذیب کو مسلط کرنا، تقدس قرآن اور ناموس رسالت کو بار بار پامال کر کے مسلمانوں کو بے حس کرنے کی کوشش کرنا، اہل اسلام کو اسلام اور علماء اسلام سے متنفر کرنا، پاکستان کو معاشی اعتبار سے زیادہ سے زیادہ کمزور کر کے ان کو اپنی غلامی میں جکڑنا وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالی مولانا فضل الرحمٰن کی قدم قدم پر حفاظت فرمائیں اور ان کی صحت وعمر میں برکت فرمائیں کہ وہ امریکی دہشت گردی کے ان سب محاذوں پر دلائل کی جنگ لڑ رہے ہیں اور وہ بھی بڑی کامیابی کے ساتھ۔ ہم ذیل میں مولانا کے بیانات اور ان کی جدو جہد کی روشنی میں اس کی کچھ جھلک دکھانا مناسب خیال کرتے ہیں تاکہ جن لوگوں نے جمعیۃ علماء اسلام سے تعاون کیا، ساتھ دیا اور جمعیۃ کے امید واروں کو کامیاب کیا ان کو پتہ چل جائے اور ان کے دل گواہی دیں کہ ان کا تعاون ٹھکانے لگا ہے ضائع نہیں ہوا اور جن لوگوں نے اب تک تعاون نہیں کیا شاید اللہ تعالی ان کے دل میں تعاون کا داعیہ پیدا کر دیں۔ اے برادران وطن! آپ لوگ قائد جمعیۃ جیسے حق گو علماء کا ساتھ دے کر اسمبلیوں میں بھیج کر جس قدر ان کے ہاتھ مضبوط کریں گے وہ امریکی دہشت گردی کے ہر محاذ پر اتنی مضبوطی کے ساتھ مقابلہ کر سکیں گے ملاحظہ کیجئے! مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی معرکہ حق وباطل میں معرکہ آرائیاں:

امید ہے کہ ان کو پڑھ کر پوری دنیا کا دیوبندی اور غیر دیوبندی طبقہ خوش ہوگا، ان کو ایک

حوصلہ ملے گا اور مولانا کی کارکردگی بھی سامنے آئے گی۔

1۔ دہشتگردی کے خلاف جنگ کرنے والوں کو مولانا کا پیغام:

''ایک طاقت کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑ رہا ہے اور دوسری قوت کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اپنے دفاع کی جنگ لڑ رہا ہے اب آیئے از روئے انصاف اس مسئلے کا حل تلاش کریں تو دیکھیں! اگر امریکہ کہتا ہے کہ ہم دہشتگردی کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں مگر دہشت گردی کی کوئی تعریف کسی کتاب میں موجود نہیں، اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے منشور اور تمام تر ضابطوں کی کتابوں اور کسی انسائیکلوپیڈیا میں دہشتگردی کی تعریف موجود نہیں ہے کہ دہشت گردی ہے کس بلاُ کا نام؟ لہٰذا ہم انھیں کہتے ہیں کہ آپ دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑیں لیکن اس کا تعین تو کریں کہ دہشت گردی ہے کس چیز کا نام؟ یک طرفہ طور پر تمہاری طرف سے یہ کہنا کہ یہ دہشت گردی ہے اس مفہوم کو بین الاقوامی دنیا تسلیم نہیں کرسکتی پھر اگر وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اقوام متحدہ کی قرارداد ہے لیکن ہم اسی اقوام متحدہ سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ تمھاری کس کتاب اور کس قانون میں دہشت گردی کی تعریف ہے؟ جبکہ دوسری طرف اگر کوئی کہتا ہے کہ ہم آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں اور ہمیں تمام بین الاقوامی اداروں کی کتابوں میں اقوام متحدہ کے منشور میں آزادی کیلئے جنگ لڑنے کا حق بھی دیا گیا ہے اقوام متحدہ کے منشور اور اس کے قانون میں مذہب کی تعریف بھی ہے اور مذہب کا دفاع کرنے کا حق بھی دیا گیا ہے اقوام متحدہ کے منشور میں انسانی حقوق کی تعریف بھی ہے اور انسانی حقوق کے دفاع کرنے کا حق بھی دیا گیا ہے۔ اب ایک فریق کی تائید بین الاقوامی اداروں کے تمام قوانین اور ضابطے کر رہے ہیں اور دوسرے فریق کیلئے اس کے دعوے کی کہیں کسی کتاب میں تعریف تک موجود نہیں کہ دہشتگردی کس بلا کا نام ہے تو ہم کس طرح تسلیم کریں کہ امریکہ حق کی جنگ لڑ رہا ہے دوسری طرف ہم یقیناً یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ افغانستان میں طالبان اور افغان مجاہدین اپنی سرزمین اور اپنے عقیدے کا دفاع کر رہے ہیں یہ اقوام متحدہ کے منشور کے عین مطابق ہے اور امریکہ اگر افغانستان میں موجود ہے اس کا کسی

دنیا کے قانون اور اخلاق میں کوئی جواز موجود نہیں ہے۔ اب کیا پروپیگنڈے اور میڈیا کی بنیاد پر آپ اپنی بات زبردستی ہم سے منوائیں گے؟ تم نے دس سال تک میڈیا کو استعمال کیا بین الاقوامی میڈیا کو استعمال کیا ہمارے ملک کی میڈیا کو استعمال کیا ایک ایک کے دل و دماغ میں یہ ڈالا کہ یہ دہشت گرد ہیں اور ہم دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں لیکن آپ ان تمام تر وسائل کو استعمال کرنے کے باوجود ہمیں اپنے موقف سے نہیں ہٹا سکے"۔

2۔ فوجی آپریشن کا خطرناک انجام:

قائد جمعیۃ نے صوبہ سرحد میں فوجی آپریشن کے انجام سے آگاہ کرتے ہوئے ایک وفد کے ہمراہ وزیر اعظم سے ملاقات کی اور کہا:

''وزیر اعظم صاحب سرحد ہم سے جا رہا ہے'' وزیر اعظم نے کہا: ''یہ بات آپ مجھے نہ کہیں یہ بات میں آپ سے کہنے والا ہوں''۔

مولانا فضل الرحمٰن فرماتے ہیں:

''پھر حکومتی اتحاد اور تمام تر حکومتی اداروں سول بیوروکریسی اور فوجی قیادت کا مشترکہ اجلاس بلایا گیا سات گھنٹے تک اجلاس جاری رہا روز مرہ کے نقشے اور تصاویر دکھا رہے تھے ہم نے کہا یہ آج کی تصویر ہے بڑی بھیانک تصویر ہے ناقابل برداشت تصویر ہے لیکن اس سے آج کی تصویر تک ہم پہنچے کیسے؟ یہ پالیسیاں حالات کو جنم دیتی ہیں لہٰذا وہ کون سی پالیسیاں تھیں جنھوں نے آج کے حالات سے ہمیں دوچار کر دیا؟ وہ کون سی پالیسیاں تھیں جن کے تسلسل نے آج ہمیں یہ بھیانک تصویر دکھائی؟ ہمیں اس کی بنیاد پر بحث کرنی ہوگی روز مرہ کی تصاویر پر ہم بحث نہیں کر سکتے۔ قائد جمعیۃ نے کہا کہ سر کے بال نہیں گنے جاتے بلکہ سر گنے جاتے ہیں چنانچہ انھوں نے اس پر اپنا دعویٰ پیش کیا کہ جنرل مشرف ایک ڈکٹیٹر تھا اس نے قوم سے اور کسی آئینی ادارے سے نہیں پوچھا لہٰذا اس کا فیصلہ اس کا ذاتی تھا یہ ملک کے عوام کا نہیں تھا پاکستان کا نہیں تھا چنانچہ ہم نے طے کیا کہ پارلیمنٹ کی رائے لیتے ہیں چنانچہ جب وہ پارلیمنٹ میں آئے ۴۵۰ کی پارلیمنٹ (قومی اسمبلی اور سینٹ) کا خفیہ اجلاس ہوا مولانا

فرماتے ہیں ہمیں معلوم تھا کہ پیپلز پارٹی کی سوچ کیا ہے؟ مسلم لیگ ن کی سوچ کیا ہے؟ مسلم لیگ (ق) کی سوچ کیا ہے؟ سب کے سب اپنے نظریے اور فکر کے حوالے سے ہمیں معلوم تھا کہ وہ کیا ہیں اور اس حوالے سے پوری پارلیمنٹ میں ہمیں اپنی جماعت تنہا نظر آئی ۳۵۰ کے ہاؤس میں صرف ۱۸ یا ۱۹ اراکین تھے جنھوں نے اس موقف کی ترجمانی کی، بہت بڑا رسک تھا کوئی معمولی بات نہیں تھی جسے میں صرف اور صرف اللہ کی مدد سمجھتا ہوں کہ ظاہری طور پر ہمارے پاس کوئی اسباب نہیں تھے اور جب انھوں نے ہمیں بریفنگ دی دو دن فوج نے اور دو دن وزارت داخلہ نے روزانہ چار چار گھنٹوں کی بریفنگ، کل ۱۶ گھنٹے کی ہمیں بریفنگ دی گئی تمام تر تفصیلات کے ساتھ پورے ایوان کو سمجھایا جا رہا تھا کہ جنرل مشرف نے جو فیصلہ کیا تھا ٹھیک تھا لیکن پھر اسے ہم نے چیلنج کیا اور ہم نے کہا کہ ہم تصویر کا دوسرا رخ دکھائیں گے۔ میں نے بیان دیا کہ آخری بریفنگ میں دوں گا اور پھر ہم نے اس تمام تر صورتحال کا جواب ایک گھنٹے کی تقریر سے دیا اللہ کے فضل وکرم سے ایک گھنٹے کی تقریر نے پورے ایوان کی کایا پلٹ دی خود ان کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی اور ان کے ممبران اٹھ اٹھ کر میرے پاس آئے اور مجھے مبارکباد دی۔ قائد جمعیۃ نے حکمران جماعتوں سے کہا اور ان کے سامنے یہ بات رکھی کہ فوجی آپریشن بنگال میں ہوا انھی دلائل کے ساتھ اسی لب ولہجہ کے ساتھ، اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ بنگالی قوم پرستی کی صورت میں نکلے اور بنگالی قوم پرستی نے ملک کو دو لخت کر دیا۔ ۱۹۷۳ء میں یہی فوجی آپریشن آپ نے بلوچستان میں کیا اس آپریشن کا نتیجہ کیا نکلا؟ آج وہاں پر بلوچستان کی آزادی کے نعرے لگ رہے ہیں اور وہاں بہت سے علاقوں میں سکولوں کے اندر پاکستان کا پرچم بلند نہیں ہوسکتا پاکستان کا ترانہ نہیں پڑھا جا سکتا نوجوان پہاڑوں پہ چلے گئے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ ہم پاکستان سے آزادی چاہتے ہیں یہ اس آپریشن کا نتیجہ ہے اور آج تم پاکستان کے صوبہ سرحد میں مذہبی پشتونوں کے خلاف آپریشن کر رہے ہو اس لفظ پر یہ بڑے ناراض ہوتے ہیں اور مجھے کہا کہ آپ کہتے ہیں ہم مذہبی پشتونوں کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں میں نے کہا ہاں! میں کہتا ہوں اور میرا دعوی ہے کہ

امریکہ دہشت گردی کے خلاف جنگ نہیں لڑ رہا اسلام، امت اسلام اور اسلامی تہذیب وتمدن کے خلاف جنگ لڑ رہا ہے۔ اگر آپ میری اس رائے کو تبدیل نہیں کر سکتے تو پھر یہ پاکستان کا آپریشن بھی اسی کا ایڈیشن ہے اسی کا تسلسل ہے آپ کیسے مجھ سے منوا سکتے ہیں کہ اس جنگ کو میں دہشت گردی کے خلاف تسلیم کرلوں جب کہ اس کا دباؤ بھی مذہب کے خلاف، آپ کا دباؤ بھی مذہب کے خلاف، اس کا دباؤ بھی مدرسہ کے خلاف، آپ کا دباؤ بھی مدرسہ کے خلاف وہ بھی اسی طبقہ کو دہشت گرد کہتا ہے آپ بھی اسی طبقہ کو دہشت گرد کہتے ہیں"۔(الجمعیۃ جلد۱۱شمارہ۱۰صفحہ نمبر۵،۶،۱۶)

3۔ ایوان اسمبلی میں توہین قرآن پر بحث:

قومی اسمبلی میں توہین قرآن کا مسئلہ جب زیر بحث آیا تو قائد جمعیۃ نے قومی اسمبلی میں جو شاندار اور مدلل گفتگو کی اس کی ایک جھلک ملاحظہ کیجئے:

"جناب اسپیکر! آج جس موضوع (توہین قرآن) پر اس وقت بحث ہو رہی ہے یقیناً یہ مسئلہ حزب اختلاف اور حزب اقتدار کا مسئلہ نہیں بلکہ ایمان کی حد تک اور جذبات کی حد تک پوری امت مسلمہ سے اس کا تعلق ہے یہ ایک واقعہ نہیں ہے بلکہ ایک واقعہ سامنے آتا ہے تو بیسیوں واقعات سامنے آجاتے ہیں۔ آج اگر ہم عالمی سیاست پر نظر ڈالتے ہیں تو عالمی استعمار امریکہ کی قیادت میں اسلام اور امت مسلمہ کے خلاف جن جارحانہ عزائم کا اظہار کر رہا ہے اور جو جارحانہ اقدامات کر رہا ہے ہمیں بار بار اس پر سوچ لینا چاہیے اور ہمیں جذباتی طور پر خاموش کیا جاتا ہے کہ سب سے پہلے پاکستان، پاکستان کے مفاد کو سامنے رکھو، لیکن ہمیں بتایا جائے کہ یہ پاکستان کا مفاد ہے کون سی ایسی بلا جس کو ہم سمجھنے سے قاصر ہیں جس کیلئے امت مسلمہ کے ناموس کو داؤ پر لگایا جا رہا ہے اور جس کیلئے ہم پاکستان کی عزت و ناموس کو بھی داؤ پر لگا رہے ہیں"۔

4۔ دین کا مذاق:

"ابھی چند روز پہلے واقعہ ہوا امریکہ میں کہ عورتوں نے کہا کہ ہم مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کریں گی عورت اس کی امامت کرے گی اب یہ ایک مسخرہ ہے ایک ڈرامہ

ہے جو رچایا گیا امت مسلمہ کا مذاق اڑانے کیلئے میں امریکی مسلمانوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے اس ڈرامے کیلئے مسجد میں ان کو جگہ نہ دی اور یہ ڈرامہ کسی گرجے میں رچایا گیا یہ مذاق اڑا رہے تھے آپ لوگوں کا اور ہم سب لوگوں کا تمام ائمہ کرام اس پر متفق ہیں کہ عورت کی نماز گھر میں ہو تو اس کا ثواب زیادہ ہے مسجد والی نماز سے"۔

5۔ مجاہد قیدیوں پر ظلم کے خلاف احتجاج:

"طالبان کی حکومت ختم ہوئی تو لوگ ہمارے علاقے کی طرف پسپا ہوئے راستے میں گرفتاریاں ہوئیں کوہاٹ اور پشاور جیل میں لوگوں کو رکھا گیا اور پھر اس کے بعد ان کو امریکیوں کے حوالے کیا گیا سرحد پر انھیں امریکیوں کے حوالے نہیں کیا گیا بلکہ پشاور جیل کے اندر امریکی فوجی گئے اور انھوں نے رات کے اندھیرے میں آدھی رات کو ان کی جیبوں سے ان کے تھیلوں سے قرآن کریم نکال کر دیواروں پر پھینکے اور جو چیخ وپکار کی آواز سنائی دی اگلے روز پوچھا گیا تو پاکستانی اہل کاروں نے کہا کہ چیخیں ہماری نکل رہی تھیں اور ہم اس منظر پر خاموش نہیں رہ سکتے تھے ہماری آنکھوں کے سامنے ہمارے قرآن کی توہین کی گئی اور پھر ان مسلمان بھائیوں کو زرد تھیلوں میں زپ لگا کر بند کیا گیا اور کوڑا کرکٹ کی طرح ٹرکوں میں پھینک دیا گیا یہ انسانیت کی تذلیل ہماری سرزمین پر ہوئی اور ہم نے ان کو کرنے دی ہم نے اس کی اجازت دی اور کتنے بے گناہوں کو اور کتنے ڈپلومیٹس کو آپ نے اس پاکستان میں امریکہ کے حوالے کیا پھر یہ کارٹون چھپے جس میں پاکستان کو کتا دکھا کر اور امریکہ کو اس کا مالک دکھا کر کہا گیا کہ ابو الفراج کے بعد اب اسامہ بن لادن کو بھی پکڑنا ہے یعنی وہ ہمارا کردار متعین کر رہے ہیں۔ ہم دہشتگردی کے خلاف امریکہ کے اتحادی نہیں ہیں بلکہ آپ اس کے پولیس مین ہیں اور وہ آپ کا باس Boss ہے، آپ کو آرڈر دے رہا ہے اور آپ اس کے آرڈر پر جس کو چاہیں پاکستان میں تذلیل کا نشانہ بنائیں۔

اور جناب ڈپٹی اسپیکر صاحب! اس ایوان کے نوٹس میں لانا چاہتا ہوں کہ سینکڑوں پاکستانی نوجوان اس وقت ایجنسیوں کے قبضے میں ہیں عقوبت خانوں میں ہیں چند روز پہلے

مجھے ایک صاحب ملے جو بے گناہ تھا اور بعد میں چھوڑ دیا گیا۔وہ کہتا ہے کہ میں سات مہینے تک عقوبت خانہ میں رہا اس دوران میں نے دھوپ نہیں دیکھی، مجھے دن رات کا پتہ نہیں چلا۔مجھے وہ لوگ بھی ملے ہیں جو اڈیالہ جیل سے باہر آئے ہیں اور وہ بھی جو کیوبا سے واپس آئے ہیں۔انھوں نے مجھے کہا کہ کیوبا میں ہماری اتنی تذلیل نہیں ہوئی جتنی پاکستان کی اڈیالہ جیل میں ہوئی ہے۔شبرغان جیل میں کیا ہو رہا ہے کھانا ان کو نہیں مل رہا،دو لقمے صبح اور دو لقمے شام پر گزارہ کر رہے ہیں، وہ لوگ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے ہیں۔صاف پانی ان کو نہیں دیا جا رہا گندا پانی پلایا جاتا ہے۔میں ذمہ دار آدمی ہوں ذمہ دار پوزیشن پر کھڑے ہو کر بات کر رہا ہوں دن دیہاڑے کئی گھنٹوں تک قیدیوں کو کھلے منظر پر لایا جاتا ہے ان افغانوں کے کپڑے اتارے جاتے ہیں ان کو برہنہ کیا جاتا ہے اور ذلت آمیز رویہ ان کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے ابھی حال ہی میں جب ایک گاؤں پر غیر ملکی فوجیوں نے قبضہ کیا یہ پشتون علاقہ تھا اس گاؤں کے مردوں کو ایک مکان میں اور عورتوں کو دوسرے مکان میں دس دن تک علیحدہ علیحدہ رکھا گیا اور عورتوں کے ساتھ جو توہین آمیز رویہ وہ رکھ سکتے تھے رکھا اور یہ کہا کہ تم نے تاریخ میں ہمارے ساتھ جنگ لڑی ہے اب ہم تم سے بدلہ لے رہے ہیں"۔

6۔ ایوان اسمبلی غیرت مندی کا ثبوت دے:

"ہم یہ سمجھتے ہیں کہ توہین قرآن کریم کے حوالے سے ہو، پاکستان کے حوالے سے ہو یا کارٹونوں کے حوالے سے ہو جو بھی توہین وتذلیل ہو رہی ہے ذرا یہ ایوان غیرت مندی کا ثبوت دے اور اپنا فرض ادا کرتے ہوئے دنیا کی انسانی حقوق کی تنظیموں کو آواز دے کہ ان انسانوں کے بارے میں تمہاری زبانیں کیوں گنگ ہیں ان انسانوں کے بارے میں آپ کیوں خاموش ہیں۔مسئلہ حزب اختلاف اور حزب اقتدار کا نہیں ہے بلکہ ایمان کا ہے اور بحیثیت مسلمان ہمارے جذبات کا ہے لیکن اس حوالے سے ہمارے حکمرانوں کی پالیسیوں نے ہمیں کہاں پہنچا دیا؟اسلام کا وقار کہاں گیا؟ پاکستانی قوم کی حیثیت سے ہمارا وقار کہاں گیا؟"۔

7۔ برطانوی وزیر خارجہ جیک اسٹرا کے ساتھ ملاقات میں مولانا کی حق گوئی:

قائد جمعیۃ نے اپنا نقطہ نظر اردو زبان میں پیش کیا اور اس کا ترجمہ مشاہد حسین کرتے رہے۔ مولانا نے فرمایا:

”امریکہ کی قیادت میں جو جنگ ۱۱/۹ کے بعد آپ لوگ دہشت گردی کے خلاف لڑ رہے ہیں اس میں آپ لوگ انصاف کے تقاضے پورے نہیں کر رہے ...... دہشت گردی ناپسندیدہ قابل نفرت چیز ہے اور دہشتگردی ایک جرم ہے لیکن اگر دہشتگردی کے خلاف آپ کوئی کاروائی کرتے ہیں اور وہ کاروائی انصاف کے تقاضے پورا کر کے نہ ہو تو یہ کاروائی خود بھی دہشتگردی کے زمرے میں آتی ہے۔ اب اس حوالے سے جو کچھ آپ لوگوں نے ۱۱/۹ کے بعد کیا تو آپ دیکھیں کہ امریکہ کی سی آئی اے آج تک اپنی تحقیق و تفتیش کے نتیجے میں کسی کو اس سانحہ کا ذمہ دار قرار نہیں دے سکی ہے اور ابھی تک اس کی تفتیش مکمل ہوئی ہے اور نہ ہی اس کی نشاندہی کر سکی ہے کہ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ آپ کے تفتیشی ادارے نے آج تک کسی مجرم کسی ذمہ دار کی نشاندہی نہیں کی تو پھر ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر آپ کس طرح کسی پر فرد جرم عائد کر سکتے ہیں جیسے آپ لوگوں نے کیا کہ ایک ہفتہ کے اندر اندر آپ نے افغانستان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ایک مہینہ کے اندر اندر آپ نے اس فیصلہ پر عملدرآمد کیا تو یہ جتنے بھی آپ قدم بقدم چلے ہیں آپ مطمئن کسی کو بھی نہیں کر سکتے کہ آپ نے اس میں انصاف کے تقاضے پورے کیے ہوں اور پھر جہاں آپ لوگ انسانی حقوق کے بڑے علمبردار نظر آتے ہیں وہاں آپ یہ بھی دیکھیں کہ افغانستان کے اندر جو لوگ شبرغان بگرام ایئرپورٹ کابل قندھار یا پھر گوانتاناموبے میں قید ہیں تین سال ان کے پورے ہو رہے ہیں تو اس عرصہ میں ان لوگوں کو کھانا نہیں دیا جاتا، ان لوگوں کو پینے کا پانی نہیں دیا جاتا، ان لوگوں کو پہننے کیلئے کچھ نہیں دیا جاتا، ان کو مارا پیٹا جاتا ہے اور ان کی صحت خراب ہو تو ان کا علاج کوئی نہیں ہے۔ کیا ان انسانوں کا یہ حق نہیں ہے کہ ان کو کسی عدالت میں پیش کیا جائے ان پر باقاعدہ فرد جرم عائد کیا جائے؟ اگر وہ مجرم ہوں تو ان کے خلاف باقاعدہ شہادتیں کی جائیں ان کو صفائی کا موقع دیا

جائے ان تین سالوں میں کیا آپ نے ان کو کوئی بھی انسانی حق دیا ہے؟ جو عام انسانوں کو ہر جگہ حاصل رہتا ہے اور ہونا چاہیئے۔ قائد جمعیۃ نے ان سے یہ بھی کہا کہ اگر وہ مجرم ہیں تو مجرم کو سزا ملنی چاہیے لیکن مجرم کو مجرم قرار دینے کیلئے انصاف کے باقاعدہ مسلمہ تقاضے ہیں جو آپ لوگوں نے پورے نہیں کئے اور پھر یہ کہ جب عراق پر آپ نے حملہ کیا تو ظاہر ہے کہ جن وجوہ کی بنا پر آپ نے حملہ کیا تو اب آپ لوگ یہ اقرار کر چکے ہیں کہ تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے بارے میں اطلاعات غلط تھیں تو اس حوالے سے اسلامی دنیا میں آپ لوگوں کے بارے میں ایک تاثر پایا جا رہا ہے وہ یہ کہ شاید آپ اسلام کے خلاف لڑ رہے ہیں، آپ مسلمانوں کے خلاف لڑ رہے ہیں شاید آپ نے مسلمانوں کی تہذیب کے خلاف جنگ شروع کی ہوئی ہے یا یہ کہ آپ سیاسی بالادستی کی جنگ لڑ رہے ہیں یا یہ کہ آپ معدنی ذخائر پر قبضہ کرنے کی جنگ لڑ رہے ہیں تو یہ وہ سوالات ہیں جو پیدا ہو رہے ہیں اور اس قسم کی جنگ لڑنے میں آپ اقوام کی آزادی اور خود مختاری کو ختم کرتے چلے جا رہے ہیں۔ آپ گلوبلائزیشن کی آڑ میں چھوٹے اور کمزور ممالک پر فیصلے مسلط کر رہے ہیں۔ عالمی اداروں کے فیصلوں کے سامنے کسی بھی ملک کا قانون اور آئین بے بس ہے۔ آپ دنیا کی اقوام کی آزادی کو تحفظ نہیں دے رہے بلکہ اسے غلامی میں تبدیل کر رہے ہیں۔ آپ کے رویوں سے ان کی خود مختاری محفوظ ہے نہ ان کو انسانی حقوق مل رہے ہیں اور نہ ہی انصاف کے تقاضے پورے ہو رہے ہیں۔ اس تمام تر صورتحال میں آپ کس طرح امت مسلمہ کو مطمئن کرنا چاہیں گے؟ اور پھر قائد جمعیۃ نے ان کو یہ بھی کہا کہ دیکھیں ہم لوگ کسی سے جنگ نہیں لڑنا چاہتے ، ہم امریکہ سے جنگ نہیں لڑنا چاہتے دوستی چاہتے ہیں ہم یورپ سے جنگ نہیں لڑنا چاہتے ہم دوستی چاہتے ہیں ہم برطانیہ سے جنگ نہیں لڑنا چاہتے ہم دوستی چاہتے ہیں لیکن دوستی ایسی ہو کہ جس میں ہم محسوس کریں کہ ہم آزاد قوم ہیں جس میں ہم محسوس کریں کہ ہم خود مختار قوم ہیں اور یہ کہ ہمارا داخلی اقتدار اعلیٰ محفوظ ہے۔ اگر آپ دوستی چاہتے ہیں ہماری آزادی و خود مختاری کی قیمت پر تو پھر یہ آقا و غلام کا تعلق تو ہو سکتا ہے دو دوستوں کا تعلق نہیں ہو سکتا۔ اگر

آپ دنیا کے وسائل تک پہنچنا چاہتے ہیں معدنی ذخائر تک پہنچنا چاہتے ہیں تو آپ کے پاس راستہ ہے کہ آپ ان اقوام کے ساتھ تجارتی بنیادوں پر شراکت داری قائم کریں آپ کے ہاں نئی ٹیکنالوجی ہے آپ اس کو استعمال کر کے ان ذخائر کو انسانیت کیلئے استعمال میں لا سکتے ہیں جس میں وہ ملک اور آپ دو تجارتی پارٹنر بن سکتے ہیں تو اس بنیاد پر جب آپ ان وسائل تک پہنچ سکتے ہیں تو طاقت کے استعمال کا کیا معنیٰ؟''۔

برطانوی وزیر خارجہ لاجواب

''اس کے جواب میں پھر باقاعدہ اس نے مجھے مخاطب کیا اور کہا میں بھی سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں کے جو تحفظات ہیں وہ کسی حد تک صحیح بھی ہیں اور خاص طور پر انھوں نے قیدیوں کا ذکر کیا کہ اس بارے میں ہمارا بھی امریکہ سے اختلاف رائے ہے اور کچھ برطانوی لوگ بھی گوانتاناموبے میں ہیں جن کے بارے میں ہم نے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ہمارے حوالے کریں لیکن وہ حوالے نہیں کر رہے اور اس حوالے سے ہمارا اختلاف رائے موجود ہے اور یہ ٹھیک ہے کہ انصاف کے تقاضے پورے ہونے چاہئیں ...... البتہ عراق کے بارے میں انھوں نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری حکومت نے صحیح فیصلہ کیا ہے اور اس پر کوئی معذرت خواہانہ سوچ نہیں اور صدام بڑا ڈکٹیٹر تھا اور اس نے عوام کی آزادی چھین رکھی تھی تو اس پر قائد جمعیۃ نے ان سے کہا کہ آپ کہتے ہیں کہ ہمارا فیصلہ صحیح تھا باوجود اس کے کہ آپ یہ کہہ چکے ہیں کہ اطلاعات غلط تھیں جو ہمیں مہیا کی گئیں اور اگر آپ اس کے جواز کیلئے یہ بات پیش کرتے ہیں کہ ڈکٹیٹرشپ، تو کیا اس طرح کے ڈکٹیٹر دنیا میں آپ کو کہیں اور نظر نہیں آ رہے سوائے صدام حسین کے؟ ان کے ساتھ آپ نے یہ رویہ رکھا ہے اور جو شمال کے گیارہ یورپی ممالک جو روس کی ریاستیں ہیں جہاں کمیونزم تھا اور جہاں ڈکٹیٹرشپ تھی آج وہ یورپی یونین میں داخل ہوئی ہیں تو آپ نے یورپی یونین میں ان کی شمولیت کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا جو آپ نے عراق میں اختیار کر رکھا ہے تو اس پر بھی آپ مسلمانوں کو کم از کم اپنی پالیسیوں کے حوالے سے مطمئن نہیں کر سکیں گے مزید قائد جمعیۃ نے کہا کہ یہ بھی آپ سے کہا جا سکتا ہے کہ عراق

میں تو آپ ایک ڈکٹیٹر شپ کا خاتمہ چاہتے ہیں لیکن پاکستان میں ایک ڈکٹیٹر کی پشت پناہی کرر ہے ہیں اور اس کی حمایت کرر ہے ہیں تو ان تضادات سے آپ کو نکلنا ہوگا تو آخر میں انھوں نے کہا کہ میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں''۔

8۔معاونین مدارس کا دفاع:

ایک انٹرویو میں قائد جمعیۃ سے سوال ہوا بش پرویز مشرف اور دوسرے کئی مغرب زدہ لوگ ہمارے شعائرِ اسلامی اور دینی احکام کے بارے میں اپنی آراء کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔آپ اسلامی احکام کے بارے میں ان کی اس طرح کی رائے زنی کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ قائد جمعیۃ نے جواب دیتے ہوئے کہا:

''اس حد تک تو ہم ان کو حق نہیں دیتے کہ وہ یہ فتوی دیں کہ یہ جہاد ہے یا جہاد نہیں؟ اور اس میں بش ہو یا پرویز مشرف دونوں کی ایک ہی حیثیت ہے ہم ان دونوں کو یہ مقام دینے کیلئے تیار نہیں ہیں ورنہ کل تو وہ یہ کہیں گے کہ تمہاری نماز جو ہے وہ یہ نہیں ہونی چاہیے، کل تو ہمارے روزے کے بارے میں حکم کریں گے تو یہ ہمارے معاملات میں مداخلت ہے دیکھیں زکوۃ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے اور اب مسلمانوں کو زکوۃ ادا کرنے نہیں دی جارہی۔آپ تو جہاد کی بات کرتے ہیں اس وقت پوری دنیا میں مسلمان اپنی زکوۃ اگر ان کی پالیسیوں کے مطابق تقسیم نہیں کرتے تو ان سے پوچھا جاتا ہے ان پر پابندیاں لگائی جاتی ہیں۔دینی علوم کی تعلیم دینے والے دینی مدارس کو یا مذہبی اداروں کو اگر کہیں سے مالی تعاون ملتا ہے تو اس کو روکتے ہیں اور دینے والوں سے باز پرس کرتے ہیں امریکہ یورپ وغیرہ حتی کہ عرب ممالک میں بھی وہاں کے لوگ جو دینی اور مذہبی تعلیم کیلئے جو مالی امداد فراہم کرتے تھے اور اس میں زکوۃ سے جو حصہ ڈالتے تھے ان پر اب ایک طرح کا دباؤ ہے تو یہ ہمارے مذہبی احکامات اور معاملات اور شرعی احکامات میں مداخلت کرر ہے ہیں۔میں سمجھتا ہوں کہ یہ قطعاً انصاف کے خلاف ہے اور یہ ہمارے دین میں مداخلت ہے اور اگر کوئی مسلمان ان کے دباؤ میں آکر زکوۃ ادا نہیں کرتا تو یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی ان کے دباؤ میں آکر نماز نہ

پڑھے اسی طرح جہاد بھی ہمارے دین کے بنیادی ارکان میں سے ہے اور اس چیز کا فیصلہ کہ فلاں عمل جہاد ہے یا نہیں اس کا فیصلہ بش نے نہیں کرنا اس کا فیصلہ ٹونی بلیر نے نہیں کرنا اس کا فیصلہ پرویز مشرف بھی نہیں کرسکتا پرویز مشرف کون ہوتا ہے اور کیا اسے مذہبی علم ہے کہ وہ ایک دینی حکم کے بارے میں کہے کہ یہ دہشتگردی ہے یا جہاد ہے اس کیلئے مسلمان علماء کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور ان سے راہنمائی حاصل کرنی ہوگی"۔

9۔ دہشتگردی کون کرتا ہے:

"جب دہشت گردی کی بات آتی ہے اور جب بھی کوئی واقعہ دنیا میں ہو تو واقعہ کی پہلی خبر کے ساتھ ٹی وی چینل پر مسجد مدرسہ اور پڑھنے والے طلبہ کی تصویریں آتی ہیں اور تاثر دیا جاتا ہے کہ دہشتگردی کا مرکز یہی مسجد و مدرسہ ہوسکتا ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ پرویز مشرف پر حملہ ہوتا ہے تب پھانسی فوجی کو ہوتی ہے کسی ایک دینی مدرسہ کا طالب علم تو آج تک نہیں پکڑا گیا کہ اس پر کوئی دہشت گردی ثابت ہوئی ہو لیکن پروپیگنڈا ان کے خلاف کیا جاتا ہے تو اس حوالے سے میں سمجھتا ہوں کہ مشرف صاحب ذرا اپنے ماحول کو چیک کیجئے آپ کے اپنے فوجی ادارے میں کرپشن سب سے زیادہ ہے آپ کے اپنے فوجی ادارے میں دہشتگردی سب سے زیادہ ہے لہذا اپنے ماحول کو کنٹرول کرو ہمیں کیوں بدنام کرر ہے ہو"۔

10۔ کراچی ملین مارچ سے قائد جمعیۃ اور قائد حزب اختلاف کے خطاب کے چند اقتباسات:

امریکہ اور اتحادی عالمی دہشتگرد ہیں:

"افغانستان پر امریکہ اور مغربی قوتوں نے قبضہ کرلیا ہے عراق پر قبضہ ہو چکا ہے اور اسے مغرب وہاں کی آزادی سے تعبیر کرتا ہے افغانستان کشت وخون سے گذر چکا ہے وہاں کے ملبے تلے آج بھی ہزاروں لوگ دفن ہیں ان کا کوئی پوچھنے والا نہیں اور اسے امن سے تعبیر کیا جارہا ہے عراق میں گلی گلی کوچہ کوچہ مظلوموں عراقیوں کی لاشیں بکھری ہیں لیکن اسے

دہشتگردی کے خلاف جنگ سے تعبیر کیا جارہا ہے دنیا میں دہشتگردی کرنے والے اور آزادی چھیننے والے امن اور آزادی کے علمبردار نہیں ہوسکتے۔ آج امریکہ سب سے بڑا عالمی دہشتگرد ہے اور اس کے اتحادی بھی دہشتگرد ہیں۔ آج وانا اور بلوچستان میں اپنی ہی قوم کو نشانہ بنایا جارہا ہے ہم حکمرانوں سے پوچھتے ہیں کہ ۱۹۷۴ء میں بھی آپریشن ہوا تھا ابھی اس کے زخم نہیں بھرے تھے کہ پھر آپریشن شروع کردیا گیا اس سے مسائل حل نہیں ہوں گے"۔

جدید روشن خیالی لعنت ہے:

"صدر مذہبی قائدین، شرعی پردے، داڑھی اور شعائر اسلام کا مذاق اڑا رہے ہیں اور آج آنکھیں بند کرکے روشن خیال بننے کی بات ہورہی ہے۔ اگر فحاشی، عریانی اور بے حیائی روشن خیالی ہے تو ہم اس روشن خیالی پر ہزار بار لعنت بھیجتے ہیں۔ آج کراچی کے دس لاکھ افراد سے زائد کا یہ اجتماع اس روشن خیالی پر ہزار بار لعنت بھیجتا ہے"۔

قانون ناموس رسالت کا تحفظ:

مولانا فضل الرحمٰن ہی تھے جب حرمین شریفین سے واپس آئے تو ناموس رسالت آرڈیننس کے تحفظ کیلئے تحریک شروع کی اور کراچی ریلی میں فرمایا:

"اگر حکومت نے امریکہ کے ساتھ ناموس رسالت آرڈیننس کے ختم کرنے کا معاہدہ کرلیا ہے تو میں بھی روضہ رسول ﷺ پر ناموس رسالت آرڈیننس کے تحفظ کا عہد کرکے آیا ہوں اور للکار کر کہا جو حکومت اس آرڈیننس کو ختم کرنا چاہے گی وہ خود ختم ہوجائے گی لیکن ناموس رسالت آرڈیننس کو کوئی حکومت بھی ختم نہیں کرسکتی۔ قائد جمعیۃ نے کہا کہ ناموس رسالت کے قانون میں ترمیم ہورہی ہے، اسے غیر مؤثر کیا جارہا ہے، حدود کا قانون تبدیل ہو رہا ہے اور اسلامی قوانین کے نفاذ کی بجائے پاسپورٹ میں مذہب کا خانہ ختم کیا جارہا ہے لیکن جو ایسا کررہے ہیں قوم ان کا خانہ خراب کردے گی۔ نظام تعلیم کو سیکولر بنایا جارہا ہے تاکہ ملک کے لوگ اسلامی تعلیمات سے دور ہوں آغا خان تعلیمی بورڈ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ ہم ملک کی اسلامی تہذیب، تعلیم اور نصاب کا تحفظ کریں گے اور حکمرانوں کو اسلامی تعلیمات سے

کھیلنے کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے"۔

11۔ باپ بیٹا، بیٹا باپ:

"پچھلے دنوں قانون میں ایک ترمیم لائی جارہی تھی کہ بچوں پر تشدد نہیں ہونا چاہیے۔ کہا گیا کہ جی! باپ بیٹے کے سامنے اونچی بات بھی نہیں کرے گا، باپ بیٹے کو ڈانٹے گا بھی نہیں۔ اور اگر باپ نے اونچی بات کی تو بچہ تھانے میں رپورٹ درج کر سکے گا، باپ کو گرفتار کیا جاسکے گا باپ کو سزا دی جاسکے گی۔ تو قائد جمعیۃ نے کہا کہ پھر اتنی لمبی ترمیم کیوں کرتے ہو؟ چھوٹی سی ترمیم کردو کہ باپ کو بیٹا کہہ دو اور بیٹے کو باپ کہہ دو۔ آج کے بعد بیٹے کو باپ کہا جائے گا اور باپ کو بیٹا کہا جائے گا بس اتنی چھوٹی ترمیم کردو، بات ختم"۔

اسلامی جمہوریہ نام کا تحفظ:

"کس دنیا سے ہمارا واسطہ ہے، آپ حیران ہوں گے یہاں تک تجاویز آئی ہیں کہ ملک کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" نہیں ہونا چاہیے "اسلامی" لفظ کاٹ کر "عوامی" کردو۔ قائد جمعیۃ نے اس پر اپنا موقف اختیار کیا کہ آئین کی بنیاد چار چیزوں پر ہے اگر ان چار چیزوں میں سے ایک بھی تبدیل ہوتی ہے تو نیا آئین بنانا ہوگا اور یہ اسمبلیاں اس میں ترمیم نہیں کرسکتیں تاوقتیکہ ایک نئی آئین ساز اسمبلی تشکیل نہ دیجائے، وہ چار چیزیں یہ ہیں: اسلام، جمہوریت، وفاقی نظام اور پارلیمانی طرزِ حکومت۔ اسلامی یعنی یہ ملک مذہبی ہے اس کا مذہب اسلام ہے۔ یہ سیکولر ملک نہیں ہے۔ جمہوریت یعنی یہاں پر آمریت نہیں ہوگی جمہوری نظام ہوگا۔ وفاقی نظام یعنی ایک وفاق کے تحت صوبوں اور وحدتوں کا نظام مراد ہے، یہاں ون یونٹ نہیں ہوگا وحدانی طرزِ حکومت نہیں ہوگا۔ پارلیمانی طرزِ حکومت یعنی یہاں صدارتی طرزِ حکومت نہیں ہوگا۔ یہ چار بنیادی اور اساسی چیزیں ہیں۔ پہلی دوسری اور پھر تیسری میٹنگ میں جاکر ہم نے یہ اصول سب سے منوالیا۔ آئین کا آرٹیکل 2-A قرار داد مقاصد پر مشتمل ہے، ترمیم آئی کہ اس کو نکالو، آئین سے حذف کرو کیونکہ اس میں لکھا کہ حاکمیت اللہ رب العالمین کی ہوگی اور جمہور اپنے نمائندوں کی وساطت سے اللہ کی نیابت کا فرض سرانجام دیں

گے اور انفرادی واجتماعی زندگی اسلامی تعلیمات کے تابع ہوگی بس یہی گنا ہے جی! اس کا اور کوئی گناہ نہیں ہے۔ ہم نے کہا کہ ہماری طرف سے تجویز یہ ہے کہ اس دفعہ کو پورے آئین پر ایسی بالادستی حاصل ہو جائے کہ اگر کوئی بھی قانون اس دفعہ کے تقاضوں سے متصادم ہو تو وہ قانون خود بخود کالعدم قرار پائے۔ بالآخر جب یہ بحث طول پکڑ گئی تو فیصلہ یہ ہوا کہ آپ بھی اپنی بات چھوڑ دیں اوراور ہم بھی اپنی بات چھوڑ دیتے ہیں، بس جس طرح ہے اسی طرح رہنے دو"۔

صدر کیلئے مسلمان ہونے کی شرط کا تحفظ:

"پھر کچھ لوگوں نے بات کی کہ صدر کیلئے مسلمان ہونے کی شرط نہیں ہونی چاہیے۔ تو قائد جمعیۃ نے پوچھا کیوں نہیں ہونی چاہئے؟ کہنے لگے: یہ ملک سب کا ہے، سب برابر ہیں، یہ کیا مطلب کہ صدر صرف مسلمان ہی ہو اور اس ملک پر عیسائیوں، ہندوؤں، سکھوں کو صدارت کا حق نہ ہو۔ اس پر قائد جمعیۃ نے کہا دیکھو آپ آئین کی مختلف دفعات کو اکٹھا کر لیں اور ان کو اکٹھا کرنے کے بعد دیکھیں کہ یہ آئین ملک کو کیا نظریاتی تشخص دے رہا ہے، ملک کا نظریہ کیا متعین کر رہا ہے؟ آرٹیکل 2-A ہے اس کے بعد اسلام ملک کا سرکاری مذہب ہے اور یہ کہ قرآن وسنت کے منافی قانون نہیں بنے گا۔ سارے قوانین قرآن وسنت کے مطابق بنیں گے اسلامی نظریاتی کونسل بنے گی۔ یہ ساری چیزیں ہم اکٹھی کر لیں تو پھر اس کا معنی یہ ہے کہ مملکت اسلامی ہے۔ اب مملکت اسلامی اور سربراہ مملکت غیر مسلم۔ اب سربراہ مملکت، مملکت کا نگران ہوتا ہے۔ جب مملکت اسلامی ہوگی اور سربراہ مملکت غیر مسلم ہوگا تو وہ اس ملک کی نگرانی کس طرح کر سکے گا، اس سے مطابقت کس طرح پیدا کرو گے؟ تو پہلی بات یہ ہے کہ اصولی طور پر آپ کی سوچ غلط ہے، اس میں ٹکراؤ آئے گا، صدر مملکت کا نظریہ اور ہو گا، مملکت کا نظریہ اور ہوگا اور وہ نگرانی کے فرائض سرانجام نہیں دے سکیں گے۔ تو ہماری بھی ترمیم ہے ہم بھی اپنی ترمیم پیش کرتے ہیں کہ صدر کیلئے شرط مسلمان تو رہے، مرد ہونے کی شرط بھی لگا دیں۔ کہنے لگے نہیں آپ نے خود عورت کو تسلیم کیا ہے۔ اس کے جواب میں قائد

جمعیۃ نے کہا ہم نے ایک دفعہ بھی تسلیم نہیں کیا۔ کہنے لگے آپ بے نظیر کے دور میں ان کے سیاسی طور پر حامی رہے۔ قائد جمعیۃ نے کہا ٹھیک ہے سیاست میں وہ آئیں، منتخب ہوئیں، کیونکہ آئینی رکاوٹیں نہیں تھیں۔ پھر حکمران بن گئیں ہم نے اس وقت بھی کہا تھا اور آج بھی کہتے ہیں کہ ہم نے قبول نہیں کیا، برداشت کیا تھا۔ ملک کو بھی تو چلانا ہے"۔

12۔ دینی مدارس اور نصاب تعلیم کا تحفظ:

"ہمارے جرنیل صاحب کو آج کل دینی مدرسوں میں پڑھنے والے بچوں کی بڑی فکر لگی ہوئی ہے اور اس کیلئے وہ انتہائی فکر مند ہیں اور کہتے ہیں کہ دینی مدارس میں جدید عصری علوم ہونے چاہئیں تاکہ یہاں کا فاضل صرف مسجد کا امام بننے کی صلاحیت نہ رکھے بلکہ مختلف شعبوں میں جاکر وہ اپنے اقتصاد کیلئے کچھ کر سکے۔ اب بات تو اچھی ہے کہ عصری علوم پڑھیں اور اس کی ضرورت سے بھی ہمیں انکار نہیں۔ ہمارے مدارس میں بھی اس ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسے علوم کو نصاب کا حصہ بنایا جاتا ہے۔ لیکن جس نیت سے وہ ارشاد فرما رہے ہیں اس کیلئے میں اتنا عرض کروں گا کہ ہمارے مدارس اور ان میں پڑھنے والے جو طلباء ہیں، دوران تعلیم بھی وہ سرکار کے خزانے پر بوجھ نہیں اور جب وہ فارغ التحصیل ہو جاتے ہیں تب بھی سرکار کے دروازے پر کھڑے ہو کر روزگار کی بھیک نہیں مانگتے۔ لیکن جو یونیورسٹیوں اور کالجز سے گریجویشن کر چکے ہیں 40 لاکھ کے قریب نوجوان روزگار کیلئے ڈگریاں بغل میں لئے ہوئے تمہارے دروازے پر قطار اندر قطار کھڑے ہیں جو تمہاری مرضی کا نصاب تعلیم ہے اس نصاب تعلیم کو پڑھ کر جو گریجویٹس بنے ہیں اور جو مکمل صلاحیت رکھتے ہیں کسی بھی شعبے میں کھپ جانے اور گھر بار کیلئے بھرپور طور پر کمانے کی، وہ دوران تعلیم بھی سرکار کے خزانے پر بوجھ تھے اور پڑھنے کے بعد بھی سرکار کے خزانے پر بوجھ بننا چاہتے ہیں۔ تمہارے 40 لاکھ فاضل اور گریجویٹس تمہارے دروازے پر بے روزگار کھڑے ہیں ان کو تو تم روزگار مہیا نہیں کر سکتے، لیکن دینی مدارس کے فضلاء کے روزگار کی بڑی فکر پڑ گئی ہے ان کی بھی تو فکر کرو جن کو تم نے پڑھایا ہے۔ کیا فکر پڑ گئی ہے آپ کو ان بچوں کی؟

بنیادی بات یہ ہے کہ جس طرح انگریز نے سب سے پہلے تعلیم کو نشانہ بنایا اور ایک ایسا نصاب تعلیم ملک کو دیا کہ آنے والی نسلیں مذہب کے بارے میں کچھ نہ جانیں اور وہ مذہب سے نابلد رہیں۔ ہمارے اکابر نے جو مدرسہ دیوبند کھولا اور پھر مدرسوں کا سلسلہ چلایا۔ مجھے آج تک اپنے اکابر کے متعلق کوئی ایسا حوالہ نہیں ملا جس میں انہوں نے یہ کہا ہو کہ لوگ انگریزی نہ پڑھیں، جدید عصری علوم حاصل نہ کریں۔ اس قسم کی کوئی سوچ ہمارے اکابر نے لوگوں کو نہیں دی۔ لیکن ان حالات میں جب انگریز نے ایک ایسا نصاب تعلیم دیا کہ جس میں دین نام کی کوئی سے موجود نہیں تھی تو دینی علوم کی حفاظت کیلئے مدرسے ضرر قائم کئے۔

آخر آپ بتائیں کہ ہمارے معاشرے میں اگر کوئی شخص میڈیکل کالج میں پڑ رہا ہے، کسی مولوی کے بارے میں یہ بات ہمیں کوئی بتا سکتا ہے کہ اس نے اس کو روکا ہو کہ آپ ڈاکٹر کیوں بن رہے ہیں؟ لیکن اگر ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میں قرآن وحدیث کا عالم بننا چاہتا ہوں تو جس طرح میڈیکل کالج میں جانا ہر کسی کا انسانی حق ہے، جس طرح انجینئرنگ کالج میں جانے کا انسانی حق ہے، ایگریکلچر کالج میں داخلہ انسانی حق ہے، لاء اور قانون سیکھنا اس کا انسانی حق ہے اسی طرح انسان کا قرآن وحدیث کے سمجھنے کا بھی انسانی حق ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جدھر جانا چاہتا ہے چلا جائے لیکن اگر اس بنیاد پر کہ ہم مدارس میں عصری علوم شامل کردیں کہ ہمارا مولوی صرف مسجد میں امامت کے قابل ہے اور کسی کام کے قابل نہیں ...... اگر یہی سوال میں کروں کہ میڈیکل کالج سے فارغ ہونیوالا گریجویٹ ڈاکٹر تو بن جاتا ہے لیکن اس بے چارے کو دنیا میں اور کیا آتا ہے سوائے اس کے کہ کسی کا بلڈ پریشر چیک کرے، کسی کا کلینکل ٹیسٹ کرے۔ اس بیچارے کے پاس سوائے چند ٹیسٹوں کے کی بنیاد پر مرض تشخیص کرنے کے اور ہے کیا؟ لہٰذا ایک انسان کو صرف دوسرے انسان کی نبض دیکھنے اور اس کے پیشاب وخون کے ٹیسٹ کرلینے تک محدود کرلینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی صلاحیتوں کو محد کردیا جائے بلکہ میڈیکل کالجز میں چند کتابیں قران وحدیث کی بھی ہونی چاہئیں، ایک آدھ کتاب فقہ کی ہونی چاہئے اور ایک آدھ کتاب قانون کی بھی ہونی چاہئے تاکہ اگر اچھا ڈاکٹر نہ

بن سکے تو کہیں ادھر ادھر کھپنے کی صلاحیت تو رکھتا ہو۔ آپ بتائیں کہ اگر اس طرح وہ میڈیکل کالج میں دو چار کتابیں ادھر سے دو چار کتابیں ادھر سے پڑھ تو لے گا۔ سب کچھ بن جائے گا لیکن ڈاکٹر بن کر نہیں نکلے گا۔ اسی طرح ایک شخص انجینئر بن رہا ہے اب اگر کوئی سوچے کہ اس کے پاس تو بس ناپنے تولنے کے آلات ہیں، اس کے پاس صلاحیت کیا ہے؟

ہونا یہ چاہیے کہ دو مضامین میڈیکل کے بھی ہونے چاہئیں، ایک دو مضامین قانون کے بھی ہونے چاہئیں ایک دو مضامین قرآن وحدیث کے بھی ہونے چاہئیں تا کہ جب یہ انجینئر بن کر نکلے اور وہاں اس کو کوئی روزگار نہ ملے تو ادھر ادھر کسی اور جگہ تو کھپ سکے۔ اب آپ بتائیں کہ یہ انجینئر بن کر نکلے گا؟ سب کچھ اس کے پاس ہوگا لیکن وہ انجینئر نہیں ہوگا۔ یا ایک شخص لاء کالج میں داخلہ لیتا ہے تا کہ وکیل بن سکے، قانون پڑھنا چاہتا ہے اور آپ اسے کہتے ہیں کہ یہ دو کتابیں آپ میڈیکل کی بھی پڑھیں، چند کتابیں آپ انجینئرنگ کی بھی پڑھیں ۔اب وہ بے چارہ پڑھ تو لے گا سب کچھ بن جائیگا لیکن وہ ماہر قانون نہیں ہوگا۔ تو یکسوئی کیساتھ جو شخص جس مضمون میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہے تو پھر یکسوئی کے ساتھ اس کو پڑھنے دیں، معاون مضامین پڑھے۔ عصری تقاضوں کے حوالے سے آپ اس میں اضافہ کرنا چاہیں تو کر لیں لیکن اس بات کا کیا مطلب کہ جب تک سیکنڈری بورڈ سے اردو، انگریزی اور پاکستان سٹڈیز کا امتحان نہ دیا ہو اس وقت تک اس کو عالم تصور نہ کیا جائے یہ کوئی بات ہے؟

یہ تو پھر وہی انگریز کا دور ہے کہ جس دور میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کو اس لیے ان پڑھ لکھا گیا کہ وہ کسی کالج کے پڑھے ہوئے نہیں تھے آج پھر وہی دور آ رہا ہے اگر آج پھر وہ دور آ رہا ہے اور امریکہ اس حوالہ سے ان قوتوں کی قیادت کر رہا ہے تو جس طرح انگریز کے دور میں دینی مدارس کا وجود ناگزیر تھا اور اس نصاب تعلیم کا ہونا ناگزیر تھا آج میں ایک بار پھر آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ دینی مدارس کا تحفظ ان کی بقاء اور ان کے اندر پڑھے جانے والے قرآن وحدیث کے حوالے سے تمام مضامین کا تحفظ ایک بار پھر ناگزیر ہو گیا ہے آج پھر نصاب تعلیم پر حملہ ہو رہا ہے اور کہتے ہیں جی ہماری مرضی کے مطابق

نصاب تشکیل دو نصاب تعلیم ہر ملک کا داخلی معاملہ ہے۔ وائٹ ہاؤس کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ پاکستان کا نام لے کر کہتا ہے کہ ابھی تک پاکستان نے نصاب تعلیم میں ہماری مرضی کے مطابق تبدیلی نہیں کی۔ ان کو اس طرح ہمارے داخلی معاملات میں مداخلت کا کیا حق پہنچتا ہے؟ ہم خود جانتے ہیں کہ عصری تقاضوں کے مطابق نصاب تعلیم میں ہمیں کیا تبدیلیاں لانی ہیں سرکار ہمارے نصاب تعلیم کی مالک نہیں ہے۔ اگر آغا خان بورڈ کا نصاب آغا خان بورڈ خود طے کرتا ہے تو پھر وفاق المدارس العربیہ کا نصاب وفاق المدارس العربیہ خود طے کرے گا کبھی کہتے ہیں کہ تمام مدارس کو رجسٹرڈ ہونا چاہیے ہم نے رجسٹریشن کرانے سے انکار نہیں کیا بلکہ اس پر تو تنازعہ ہے ہی نہیں اور ۱۹۹۴ء سے ۲۰۰۴ء تک اگر رجسٹریشن رکی ہوئی تھی تو حکومت نے روکی تھی مدرسوں نے تو انکار نہیں کیا اور ۲۰۰۴ء میں حکومت نے فیصلہ دیا کہ ۱۸۶۰ء کے سوسائٹی ایکٹ کے تحت مدارس کو رجسٹر کردیا جائے تب سے اب تک اگر رجسٹریشن نہیں ہوئی تو بیوروکریسی اس کیلئے رکاوٹ ہے مدارس نے تو انکار نہیں کیا لہذا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب مدارس انکار بھی نہیں کر رہے مدارس کا طرز عمل بھی رکاوٹ نہیں ہے بلکہ بیوروکریسی رکاوٹ ہے تو پھر یہ کہنا سمجھ میں نہیں آتا کہ ۳۱ دسمبر تک ہر حال میں مدارس کو رجسٹرڈ ہونا چاہیے اس آرڈر کا ہمیں معلوم نہیں کہ کیا فلسفہ ہے اور اب نئی رجسٹریشن کیلئے ۱۸۶۰ء کے سوسائٹی ایکٹ میں سیکشن ۲۱ کا اضافہ کردیا ہے۔ یہ صرف دینی مدارس کے حوالے سے ہے حالانکہ اگر رجسٹریشن ۱۸۶۰ء کے ایکٹ کے تحت ہوتی ہے اور تمام انجمنیں اور ادارے اسی ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہوتے ہیں پھر مدارس کے حوالے سے سیکشن ۲۱ کا اضافہ مدارس کے حوالے سے امتیازی قانون ہے یہ انصاف کی بنیاد پر نہیں ہے اور اس میں کہا گیا ہے کہ ہر سال مدرسہ اپنی تمام تر کارکردگی اور حسابات کے آڈٹ ضلعی رجسٹرار کو پیش کرے کیوں پیش کریں گے؟ جب ہم تم سے پیسے لیتے نہیں تو آپ کو حساب کیوں دیں؟ تمھارا کام کیا ہے ہمارے ساتھ؟ ہم جانیں اور ہمارے معاون جانیں اگر ہم اس کو ہر سال مطمئن کرتے ہیں اور وہ ہمارے ساتھ امداد کرتا ہے تو پھر وہ جانے اور ہم جانیں اگر دوسرے پرائیویٹ شعبے میں

کام کرنے والے تعلیمی ادارے سالانہ آڈٹ حکومت کو پیش کرنے کے پابند نہیں ہیں تو پھر دینی مدارس کو کیوں پابند کیا جا رہا ہے؟ اور یہ کہتے ہیں کہ بتاؤ تمہارا سورس آف انکم (ذرائع آمدن) کیا ہیں؟ یہ ذرائع آمدن کی معلومات حساب کتاب کیلئے نہیں بلکہ یہ معلوم کرنے کیلئے ہے کہ جو تعاون کرنے والے ہیں ان پر دباؤ ڈالا جائے گا کہ آپ کیوں تعاون کر رہے ہیں؟ اس طریقے سے دینی مدارس کے ذرائع آمدن کو روکنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اس لیے میں حکمرانوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ زیادہ دباؤ مت ڈالو اگر زیادہ دباؤ ڈالوگے تو پھر یا ہم تمہیں مدرسوں سے باہر دھکیل دیں گے اور تم اندر نہیں آسکو گے یا تم مدرسے کی بلڈنگ پر قبضہ کرلوگے تو ہم پھر درختوں کے نیچے مدرسے شروع کرلیں گے اور درختوں کے سایے میں اپنی کتابیں دوبارہ پڑھانا شروع کردیں گے ہم نے بڑی محنت کے ساتھ مدارس کے تعلیمی نظام کو منظم کیا ہے۔ سالانہ ان مدارس پر مجموعی طور پر تقریباً ۲۷ ارب روپیہ خرچ ہوتا ہے اور یہ حکومتی خزانے سے نہیں بلکہ یہ فقیر لوگ گھر گھر پھر کر روپیہ روپیہ جمع کر کے پھر ان بچوں کی تعلیم و تربیت پر صرف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مدرسے میں کوئی ایسی تعلیم نہیں دی جائے گی کہ جس سے عسکریت فروغ پائے یا فرقہ وارانہ نفرت پیدا ہو اگر دو تین مدرسے ایسے ہوں بھی ہزاروں میں تو دو تین مدرسوں کو بند کردو ہم تو دس سال سے پیٹ رہے ہیں کہ بتاؤ کون سے مدرسے ہیں ہزار میں دو تین مدرسے ہیں تو ان کے نام تو لو کم بختو نام لیتے نہیں اور مبہم رکھ کر تمام مدارس پر دباؤ ڈال رہے ہیں اس لیے میں نے کہا کہ ممکن ہے کہ وہ مدرسے جن میں عسکریت فروغ پائے وہ آپ کی نگرانی میں چل رہے ہوں جن میں فرقہ وارانہ نفرتیں پڑھائی جاتی ہیں ممکن ہے سرکاری ایجنسیاں اپنی نگرانی میں اس قسم کے اداروں کو چلا رہے ہوں اور پھر اسی جرم میں کل تمام مدارس کو تہہ تیغ کیا جائے ہم آج واشگاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ پھر یہ کارستانی آپ کی ہوسکتی ہے علماء کرام کی نہیں اور ہم نے کہا کہ اگر کل ایک استاد پڑھا رہا ہے علمی تحقیق کر رہا ہے امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ یا دوسرے ائمہ مجتہدین کے مسالک کا علمی تقابل ہو رہا ہے یا مختلف ادیان کا تقابل ہو رہا ہے اور

کوئی انٹیلی جنس والا آ کر رپورٹ دے کہ فلاں مولوی صاحب فرقہ واریت پڑھا رہا تھا ائمہ کرام کی مختلف آراء کا علمی جائزہ اور تقابل ادیان کی بحث ہوں اور اسے تم بدنیتی کی بنیاد پر فرقہ وارانہ نفرت قرار دو تو کون تمہیں روکے گا۔ پھر ہمارے لوگ بخاری شریف پڑھاتے ہیں کتاب المغازی پڑھاتے ہیں اس میں غزوات کا ذکر ہوگا مسائل جہاد ہوں گے مسائل جہاد پر علمی تحقیق ہوگی اور آپ کا انٹیلی جنس کا نمائندہ آ کر اس میں بیٹھے گا تو رپورٹ دے گا کہ صاحب یہاں مدرسے میں عسکریت فروغ پا رہی ہے تو میں نے اس حوالے سے باقاعدہ ترمیم دی کہ بات کی باقاعدہ تشریح ہونی چاہئے مگر انھوں نے اس کو آرڈیننس کا حصہ نہیں بنایا اب ظاہر ہے کہ کس راستہ سے آ کر کس معصومانہ طریقہ واردات کے ساتھ وہ مدارس کے طرزِ عمل اور کارکردگی کو کنٹرول کرنا چاہتے ہیں اسلام آباد کے علماء کے ملک گیر اجلاس میں تقریباً اس بات پر اتفاق ہوا کہ اس امتیازی ترمیم کے ساتھ ہم اس ایکٹ کے تحت رجسٹریشن نہیں کرا سکتے لہٰذا انھوں نے مسترد کر دیا اور میں نے بڑی وضاحت کے ساتھ کہا کہ آپ خود دیکھیں کہ روزانہ عدالتوں میں کوئی مقدمہ چلتا ہے اسناد کے بارے میں کبھی ہماری سند قبول ہے اور ہم ایم۔ اے ہیں۔ الیکشن لڑ کے اسمبلیوں میں آتے ہیں، پارلیمنٹ کے ممبر بنتے ہیں، وزیر بن جاتے ہیں اور حکومتیں بنا لیتے ہیں پھر کبھی کسی بات پر حکومت کے ساتھ جھگڑا ہو جاتا ہے تو کوئی شخص عدالت میں چلا جاتا ہے جو کہتا ہے کہ یہ سند ناکافی ہے ایک دن ہم گریجویٹ ہیں دوسرے دن ہم گریجویٹ نہیں ہیں اب سوال یہ ہے کہ آخر دینی مدارس کی اسناد کے خلاف عدلیہ کو کیوں استعمال کیا جا رہا ہے کہ جس کے بارے میں تاثر یہ ہو کہ وہ حکومتی پالیسیوں کو مؤثر بنانے کیلئے استعمال ہو رہی ہے جب ہم کاغذات داخل کرتے ہیں تو کہتے ہیں ٹھیک ہے جب جانچ پڑتال ہوتی ہے تو ایک چٹھی چلی جاتی ہے۔ پھر کوئی اور کورٹ میں چلا جاتا ہے۔ ایک ہفتہ پہلے کہا جاتا ہے کہ آپ الیکشن میں حصہ لے سکتے ہیں پھر جب الیکشن میں ایک دن رہ جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ آپ حصہ نہیں لے سکتے اب بات بڑی واضح ہے کہ ایک طرف مدارس اور مدارس کے اندر علوم دینیہ کی بقاء کا سوال ہے اور دوسری طرف ہماری وزارتیں اور

ہماری حکومتوں کی بقاء کا سوال ہے اگر ہم اپنی وزارتیں بچائیں حکومتیں بچائیں اپنی ممبری بچائیں اور مدرسہ اور مدرسہ کے اندر کے علوم کو قربان کر دیں ایک راستہ تو یہ ہے دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم مدارس کو بچائیں مدارس کے اندر علوم کے اس سلسلے کو بچائیں اور اپنی وزارتیں حکومتیں اور ممبریاں قربان کر دیں تو میں نے کہا یہ راستہ ہمارے لیے آسان ہے ہماری یہ سوچ بڑی واضح ہے اور ہم نے حکمرانوں پر واضح کیا جرنیل صاحب پر واضح کیا کہ یہ حربے نہیں چلیں گے ہم تمام اداروں سے فارغ ہو کر عوام کے پاس آئیں گے اور میدان عمل میں آپ کا مقابلہ کریں گے لیکن اپنے نظریے، اپنے عقیدے، اپنے دین اور اپنے اس سلسلہ علم کو کسی طریقہ سے بھی قربان نہیں کریں گے۔ انشاءاللہ!''۔

13۔ اسمبلی میں میراتھن ریس پر احتجاج :

جب مشرف حکومت نے میراتھن ریس کے ذریعے بے حیائی پھیلانا چاہی تو مولانا فضل الرحمٰن ہی تھے جنھوں نے ایوان اسمبلی میں بڑی جرات کے ساتھ کہا:

''اگر میراتھن ریس سے ملک وقوم کا وقار بلند ہوتا ہے تو صدر اور وزیر اعظم کی بیٹی میراتھن ریس میں حصہ کیوں نہیں لیتی؟ وہ ملک کو ترقی دینے میں اور ملکی وقار کو بلند کرنے میں پیچھے کیوں ہے؟ قوم کی بیٹیوں کی تذلیل کیوں ہو رہی ہے''۔

قائد جمعیۃ کے مجاہدانہ کردار، حق گوئی اور امریکہ اور مسلمان نما امریکی ایجنٹوں کی دہشتگردی کے ہر محاذ پر مدلل اور معقول جواب کے بعد اقرار کرنا پڑتا ہے کہ:

امریکی دہشت گردی کا جواب وللکار، امریکی غلامی سے نجات کیلئے لشکر جرار، تحفظ ختم نبوت کا کہسار، ناموس رسالت آرڈیننس کا نگہدار، تحفظ مدارس ومساجد کیلئے شجر سایہ دار، مظلوموں کا حامی ومددگار، انقلاب اسلامی کا علمبردار، مفتی محمود کی تصویر مفتی محمود کا کردار فضل الرحمٰن ہی ہے۔ اس لیے آج ہر دیوبندی فخر سے کہتا ہے:

زندہ باد اے ترجمان دیوبند

☆......☆......☆

آفتاب سیاست و ماھتاب فراست

مولانا غلام قادر قاسمی مدظلہ،
مہتمم جامعہ اسلامیہ قاسم العلوم، بھوانی حب، امیر جمعیۃ علماء اسلام، ضلع لسبیلہ بلوچستان

حضرت علامہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب اطال اللہ ظلہ، علینا و علی جمیع المسلمین عصر حاضر میں مذہب اور معاشرت کے پیچیدہ مسائل میں چراغِ ہدایت اور سیاست کی پر پیچ راہوں میں ایک حجت و آیت من آیات اللہ تعالیٰ ہیں۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی تعریف اپنوں میں یا تعارف غیروں سے کرنا ایسا ہے جیسا کہ آفتاب و ماہتاب کی تعریف یا تعارف کرنا۔ آفتاب و ماہتاب کی جس قدر تعریف کی جائے یہ ان کے عین مطابق نہیں ہو گی بلکہ تمام تعریفیں آفتاب و ماہتاب کے مصداق سے کم ہی ہوں گی۔ سوائے اس کے کہ کہا جائے آفتاب آفتاب ہے اور ماہتاب ماہتاب ہے۔ بعینہ ایسا ہی کہا جائے گا فضل الرحمٰن فضلِ رحمٰن ہی ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب اور اسم با مسمّیٰ ہیں۔ زندہ کی تعریف کرنا ویسے ہی حدیث کی رو سے صحیح نہیں البتہ کچھ الفاظ بطور اظہار عقیدت لکھے جائیں یا بطور تحدیث نعمت کے ذکر کئے جائیں تو شاید ٹھیک ہو۔ اس بناء پر عرض ہے کہ مولانا صاحب علماء حق کے کاروان کے سالار ہیں اور امت مسلمہ کے ترجمان ہیں اس لئے کہ مولانا صاحب پاکستان کے علماء کے دماغوں کا نچوڑ ہیں اور روشنی کے مینار ہیں۔ موافقین ہوں یا مخالفین جو بھی ان کے پاس جاتا ہے علمی و سیاسی روشنی حاصل کرتا ہے خصوصاً جب اسلام کی حقانیت پر بولتے ہیں تو وہ ایک ایک فقرہ خون دل میں ڈبو کر بولتے ہیں بلکہ بولتے ہیں تو جیسے موتی رولتے ہیں۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے علم و عقل

کی کہانیاں اور ادب و سیاست کی مجلسوں میں شرکت ہمیشہ احترام سے بیان کی جاتی ہیں۔

مولانا صاحب کی ذات عالی اتنی جامع ہے کہ جمعیۃ علماء اسلام جو بہترین و سنجیدہ لوگوں کی دینی و ملی جماعت ہے میں مجموعی طور پر بھی آپ کی جامعیت کے کوئی ہم پلہ نہیں۔اسلام کے لئے عظیم رہنماء ہیں، اسلام کی بولتی تصویر ہیں اور اپنے والد مرحوم مفکر اسلام حضرت مفتی محمودؒ نور اللہ مرقدہ کی جیتی جاگتی زندہ تصویر اور مثالی وجود ہیں۔ یہ فقرہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کے مرنے سے جو جگہ خالی ہوئی ہے وہ پر نہیں ہو گی لیکن یہاں اس کے برعکس ہے۔مولانا صاحب اپنے والد مرحوم مفکر اسلام حضرت مفتی محمودؒ کے صحیح جانشین ثابت ہوئے ہیں۔حضرت مفتی محمودؒ اگر چہ اپنی جگہ بہت جاہ و جلال اور بڑی عظمت کے آدمی تھے لیکن اللہ رب العزت کے لئے کوئی بعید نہیں کہ ان کے فرزند ارجمند کو جدید و قدیم کے مجموعہ محاسن کا سنگم بنادے۔

اگر مفتی محمودؒ مفکر اسلام تھے تو ان کے فرزند محافظ اسلام ہیں۔ اگر آئین پاکستان کا وجود مفتی محمودؒ کا مرہون منت ہے تو اس آئین کی حفاظت و بقاء مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی مرہون منت ہے۔اسی طرح تحفظ مدارس کا مسئلہ ہو، ختم نبوت کا مسئلہ ہو، ناموس رسالت کا مسئلہ ہو بالخصوص امارت اسلامیہ افغانستان کا تحفظ ہو مولانا ہراول دستے کا کام کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ کوئی ایسا شعبہ اسلامی و سیاسی نہیں جہاں ان کی روشنی نہ پہنچتی ہو۔آخر میں دعا ہے کہ اللہ رب العزت حضرت مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم العالیہ کے وجود مسعود کو بحفاظت و سلامت تادیر قائم و دائم رکھے۔آمین ثم آمین!

☆......☆......☆

داڑھی وپگڑی کے محافظ

مولانا عبدالحلیم دامت برکاتہم ،المعروف دیر بابا جی،
استاذ الحدیث جامعہ دارالعلوم حقانیہ،اکوڑہ خٹک

سیاست دین کا حصہ ہے اور علماء کا سیاست میں آنا انتہائی ضروری ہے ۔اگر علماء سیاست میں شریک نہ ہوں تو سیاست ایک کھلونا بن جائے گی اور یہ امت کے لئے تباہی کا باعث ہوگا جیسے آج کل دیکھ رہے ہیں ۔جو لوگ علماء کی سیاست میں شمولیت کی مخالفت کرتے ہیں وہ ناسمجھ ہیں ۔

اگر علماء عام لوگوں سے الگ ہو جائیں تو عام لوگوں کا بیڑہ غرق ہو جائے گا ہمارے اکابر حضرت شیخ الہندؒ نے انگریز کو بھگایا اگر کوئی اور یہ دعویٰ کرے تو غلط ہوگا کیونکہ قید و بند کی صعوبتیں انہوں نے برداشت کیں اور مولانا مدنیؒ بھی ان ہی کے نقش قدم پر چلتے رہے ۔مولانا فضل الرحمٰن ہمارے علماء کے لئے سیاسی دیندار ہے ۔حقیقت میں دین ومذہب سے واقف شخصیت ، دور جدید کی اصطلاحات سے آگاہ اور جدید عالمی سیاسی طور تقاضوں سے شناسا شخصیت اس دور میں قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن ہی کی ہے ۔نہ ڈرنے والی نہ جھکنے والی اور نہ بکنے والی شخصیت مولانا فضل الرحمٰن ہی کی ہے ۔اگر ایسے سمجھدار علماء سیاست میں شریک نہ ہوں تو ہمارے مدارس رہیں گے نہ علماء کی ڈاڑھیاں پگڑیاں رہیں گی ۔یہ عوامی لیڈر انگریز کی خوشامد کرنے والے ہیں ۔ان لوگوں میں دین نہیں اور جن لوگوں میں دین نہیں وہ سیاست کو نہیں سمجھ سکتے ۔وہی لوگ سیاست کو سمجھ سکتے ہیں جو دیندار ہوں جیسے اللہ تعالیٰ نے طالوت کے متعلق فرمایا:

وزاده بسطة فی العلم والجسم.

اہل کتاب عقل مند جونہیں تھے اس لئے وہ امور سیاست کو نہیں سمجھ سکے اس لئے اللہ تعالیٰ نے غریب آدمی (طالوت) کو سیاست و بادشاہت کے لئے منتخب کیا۔سیاست میں شریک ہونا علماء کی اہم ضرورت ہے۔جولوگ مولوی فضل الرحمٰن پر تنقید کرتے ہیں وہ حاسدین ہیں۔مولانا فضل الرحمٰن تو انسان ہے فرشتہ نہیں۔انسان سے غلطی ہوسکتی ہے لیکن اس کی غلطی کو تنقید کا نشانہ بنانا یہ عقلمند لوگوں کا کام نہیں ہے۔تنقید کرنے والے خود بھی تو غلطیوں کا شکار ہیں۔دوسروں کی غلطیوں کو پکڑنا اور اپنی غلطیوں کی اصلاح نہ کرنا یہ حماقت ہے۔

امام لاہوریؒ اور مولانا عبیداللہ انورؒ سیاستدان تھے۔اس دور میں قومی وصوبائی اسمبلیوں میں علماء کا ہونا اہم فریضہ ہے۔ورنہ ملک میں مغربی کیڑا قدم جمائے گا اور اسلام کا نام ختم ہو جائے گا۔بے دینی اور سیکولرازم ملک میں رائج ہو جائے گا۔یہ ان ہی علماء کی برکت سے آج مدارس اور مدارس کے ذریعے پھر دین موجود ہے ورنہ لیبیا جیسے حالات بن جائینگے۔اس کی ظاہری مثال یہ ہے کہ ایم ایم اے نے بعض بنکوں میں اسلامی بنکاری کا اجراء کیا۔اس کا سہرا مفتی تقی عثمانی حفظہ اللہ کے سر پر ہے۔انہوں نے ہی علماء کو تیار کرکے بنکوں میں بھیجا لوگوں نے کروڑوں کا سرمایہ علماء کے بینکوں میں جمع کیا۔چنانچہ ہمارے بڑے بڑے علماء نے ملازمت اختیار کی تاکہ کام صحیح نہج پر رواں دواں ہو سکے۔موجودہ حکومت نے اس کو ختم کیا بلکہ باقاعدہ سود کا اجراء کیا۔مفتی تقی عثمانی صاحب سمیت تمام علماء کرام نے استعفیٰ دے دیا۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب درس و تدریس میں بھی مشغول ہوتے ہیں یہ ان کی ذاتی اچھائی ہے۔علماء کو چاہیے کہ عوام کے پلیٹ فارم پر آکر کام کریں تاکہ ملک محفوظ رہے ورنہ امیروں کے ہاتھ میں چلا جائے گا۔

چنانچہ ہماری موجودہ سیاست کا دارومدار امریکہ پر ہے امریکہ جو حکم کرتا ہے اسی پر عمل کرتے ہیں۔گویا کہ امریکہ سے ڈرتے ہیں اللہ سے نہیں ڈرتے۔ایک زمانہ تھا کہ 60 مسلمان مجاہد تھے اور 60000 کافر تھے۔60 مسلمانوں نے 60000 کفار کو شکست

دے دی تھی۔ میری دعا ہے کہ علماء حضرات سب مل کر ایک قائد کے پیچھے چلیں۔ بغض اور حسد چھوڑ کر ملکی مفادات کو سامنے رکھ کر اس پلیٹ فارم پر کام کیا جائے۔ من شذ شذ فی النار۔

آج کل بعض علماء نے چھوٹی چھوٹی جماعتیں بنا لی ہیں جن کا کوئی فائدہ نہیں اور ان جماعتوں کا دارومدار بغض پر ہے۔ میرے خیال میں تمام علماء کرام کو کسی بزرگ کے سائے میں بیٹھ کر اصلاح کروانی چاہیے تاکہ ہمارے دلوں میں کمیاں ختم ہو جائیں اور سب کے دل ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ ہماری ایک ہی آواز ہو ایک ہی جھنڈا ہو ایک ہی اتحاد ہو۔ جیسے مفتی محمودؒ، حضرت لاہوریؒ اور حضرت درخواستیؒ کے زمانے میں تھا۔ یہ ہی ہماری کامیابی کا راز ہے۔

☆......☆......☆

مفکر ابن مفکر الاسلام

مولانا عزیز الرحمٰن دامت برکاتہم،

استاذ الحدیث الجامعۃ البنوریۃ العالمیہ، سائٹ کراچی

قال النبی علیہ السلام کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء (الحدیث)

سیاست کا معنی ہے اپنی قوم کے مصالح اور منافع کی رعایت رکھنا اور اس کے لئے کوشش کرنا۔ نبی کریم ﷺ کے مندرجہ بالا ارشاد گرامی سے یہ معلوم ہوا کہ بنو اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاءؑ کرتے تھے اور دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"علماء انبیاءؑ کے وارث ہیں"۔ لہٰذا اس امت کے علماء کرام دین کے محافظ ونگہبان ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی قوم کی سیاست اور قیادت کے بھی ذمہ دار ہیں۔ لوگ غلط فہمی کی بناء پر دین کو سیاست سے الگ کرتے ہیں اور علماء کے لئے سیاست کو شجر ممنوعہ سمجھتے ہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ موجودہ دور کی مغربی جمہوریت اور طرز سیاست نے سیاست کو ایسا بدنام کر دیا کہ اگر سیاست کا نام لیا جائے تو ایک دھوکے باز جھوٹے اور موسموں کی طرح بدلتے ہوئے ابن الوقت کا تصور ذہن میں آجاتا ہے۔ لیکن الحمد للہ علمائے دیوبند کو یہ سعادت حاصل ہے کہ انہوں نے ہر دور میں اسلامی اصولوں پر مبنی پاکیزہ سیاست کی ہے اور اپنی قوم کے دینی اور دنیوی مصالح اور منافع کیلئے ان کی رہنمائی اور قیادت کی ہے اور سیاسی میدان میں بھی دین دشمن اور باطل قوتوں کا جرأت کے ساتھ مقابلہ کیا ہے۔ چنانچہ حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند محمود حسن دیوبندیؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اسی قافلۂ حق کے وہ اکابر گزرے ہیں جنہوں نے اپنی محدثانہ شان کے ساتھ ساتھ

سیاسی میدان میں بھی امت کی قیادت کی ہے۔

پاکستان میں جمعیۃ علماء اسلام اہل حق علماء دیوبند کا وہ سیاسی پلیٹ فارم ہے جس کی بنیاد امام الاولیاء شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ، قطب الاقطاب مولانا عبدالکریمؒ بیر شریف، حافظ القرآن والحدیث مولانا عبداللہ درخواستیؒ، مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ اور مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ جیسے اساطین ملت اور اکابرین امت نے رکھی ہے۔ ان اکابر کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اور خصوصاً مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ کے انتقال کے بعد جمعیۃ پر مشکل حالات آئے لیکن قائد اسلامی انقلاب مولانا فضل الرحمٰن نے جمعیۃ کی قیادت کی ذمہ داری اٹھائی تو اپنی سیاسی بصیرت، فہم و تدبر اور اپنے والد محترم کی تربیت کی روشنی میں ناگفتہ بہ حالات میں جمعیۃ کی ناؤ کو سنبھالا اور اب تک انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ جمعیۃ کی قیادت کر رہے ہیں اور جمعیۃ ماشاء اللہ ان کی قیادت میں ترقی کی طرف گامزن ہے۔

کسی کی خوبیوں کا اقرار کرنا سنت سے ثابت ہے حدیث شریف میں ہے۔ کہ جب نبی کریم ﷺ کے پاس عبدالقیس قبیلے کا وفد آیا تو آپ ﷺ نے اس قبیلے کے سردار اشج عبدالقیس سے فرمایا:

ان فیک لخصلتین یحبھما اللہ الحلم و الاناۃ ۔ کہ تمہارے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں ایک تحمل و بردباری اور دوسری خصلت حسن تدبیر سے کام کرنا۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ کسی عظیم شخصیت کے انتقال کے بعد لوگ اس کے کمالات وصفات بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں ان کی زندگی مین ان کے کمالات سے صرف نظر کر دیا جاتا ہے حالانکہ ان کی زندگی میں ان کی خوبیاں سامنے لانی چاہئیں تاکہ لوگوں کو ان کے وجود کی اہمیت کا احساس ہو۔

مولانا فضل الرحمٰن کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے کمالات اور خوبیوں سے نوازا ہے۔ سیاست و قیادت کیلئے جن صفات کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ نے مولانا کو ان کا وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔ مولانا کے سخت مخالفین اور ناقدین نے بھی بارہا اس کا اعتراف کیا ہے۔ مجھے مولانا

کی تقاریر اور انٹرویوز سننے کا بارہا موقع ملا میں نے اپنے ناقص علم کے مطابق مولانا کی ذات میں ان صفات کو پایا۔

1۔ دلائل کی قوت سے اپنے موقف کو پیش کرنے کی صلاحیت جو اللہ تعالی نے ان کو عطا فرمائی ہے اس دور میں اس حیثیت سے وہ اپنی مثال آپ ہیں اور اس میدان میں مولانا نے اپنا لوہا منوایا ہے۔

2۔ مولانا کی تقریر میں اول سے آخر تک متانت سنجیدگی اور ایسا ربط ہوتا ہے کہ اسمبلی ہال ہو یا جلسہ عام ہو، پریس کانفرنس ہو یا انٹرویو، علما کی مجلس ہو یا عصری علوم کے حاملین جدید دانشوروں کی محفل مولانا کی تقریر کے دوران مجلس پر سناٹا طاری ہو جاتا ہے اور سب حاضرین مولانا کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

3۔ مولانا صاحب تحمل و بردباری کا بھی کامل نمونہ ہیں۔ مولانا کے مخالفین سیاسی رہنماؤں یا بعض زرخرید صحافیوں نے مولانا پر بے جا تنقید بھی کی اور الزام بھی لگائے لیکن مولانا نے کسی بھی موقع پر صبر وتحمل کا دامن نہیں چھوڑا اور احسن الی من اساء الیک کا مصداق بنے۔

4۔ اکابر علمائے کرام کے ساتھ ادب سے پیش آنا اور ان کا احترام کرنا مولانا کا وطیرہ ارہا ہے۔ اسی بنا پر اکابر علمائے کرام مولانا کی سرپرستی فرماتے ہیں اور تمام کارکنوں پر مولانا کی محبوبیت چھائی ہوئی ہے۔

5۔ میدان سیاست کے تو مولانا ایسے شہسوار ہیں کہ مخالفین اور ناقدین بھی اس کا اقرار کرتے ہیں کہ اس دور میں مولانا سیاست کے داؤپیچ کو جاننے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ سیاست تو ان کو میراث میں ملی ہے۔ اور ان کی بچپن سے تربیت ہی

اسی ماحول میں ہوئی ہے۔

6۔ ملکی اور بین الاقوامی حالات پر مولانا کی گہری نظر ہوتی ہے اور مشکل حالات میں حکمران طبقہ اور سیاسی جماعتوں کے قائدین کی نظر بھی مولانا پر ہوتی ہے اور وہ مولانا کے مشوروں کے محتاج ہوتے ہیں۔

7۔ مختلف ادوار میں حکومتوں میں رہ کر بھی مولانا نے اپنے اور اپنے رفقاء کے دامن کو کرپشن کی لعنت سے داغدار ہونے سے بچا کر جبہ و دستار کی لاج رکھی۔

8۔ اپنی تقریروں میں مخالف سیاسی پارٹیوں پر تنقید بھی مدلل طریقے پر مہذب انداز میں کرتے ہیں۔

9۔ دینی مدارس جو اسلام کے قلعے ہیں اور اس وقت یہود و نصاریٰ اور ان کے آلہء کار سب دینی مدارس کے خلاف پروپیگنڈے کر رہے ہیں۔ پاکستان میں بھی ہر حکومت دینی مدارس والوں کیلئے مشکلات پیدا کرتی ہے لیکن مولانا فضل الرحمٰن نے ہر محاذ پر دینی مدارس کا دفاع کیا ہے۔ وفاق المدارس العربیہ کے اکابر اور منتظمین کا مولانا فضل الرحمٰن پر اعتماد اس کی دلیل ہے۔

10۔ باایں ہمہ مصروفیات مولانا کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دینی معمولات پر کوئی آنچ نہیں آنے دی۔ میں نے ثقہ راویوں اور علمائے کرام سے یہ بات سنی ہے کہ مولانا اپنے وظائف تک پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ جبکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سیاست کی گہرائی میں جا کر انسان کے دینی معمولات میں تساہل یا تغافل پیدا ہو جاتا ہے۔

مخلوق میں انبیاء علیہم السلام ہر قسم کی خطاؤں سے پاک ہیں اور صحابہ کرامؓ کی بھی اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی ہے یہ دو طبقے تنقید سے بالاتر ہیں ان کے علاوہ ہر انسان سے غلطیاں

ہوسکتی ہیں اس دنیا میں انسانوں کی قیادت انسان ہی کریں گے فرشتے ان کی قیادت کیلئے نہیں آئیں گے۔ قیادت و سیادت کیلئے جن صفات کی ضرورت ہے وہ صفات مولانا فضل الرحمٰن میں پائی جاتی ہیں۔ جمعیۃ علماء اسلام کی قیادت کے بھی وہ حقدار ہیں اور اللہ کرے کہ ملکی قیادت کی باگ ڈور بھی ان کے ہاتھ میں آئے۔

یہ باتیں جذباتیت پر مبنی نہیں اور نہ ہی ان میں کوئی مبالغہ آرائی ہے بلکہ مولانا کی زندگی اوران کے حالات پر غور کرنے والا ہر ذی عقل اس کی گواہی دے گا۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اہل حق کی اس جماعت کو ترقی عطا فرمائے۔ اپنوں کے حسد اور غیروں کے شر سے مولانا کی حفاظت فرمائے اور مولانا کو استقامت کے ساتھ دین اسلام کی سربلندی اور دین دشمنوں کی سرکوبی کی توفیق عطا فرمائے اور خداوند کریم جمعیۃ علماء اسلام پر اکابر علماء کرام کا سایہ قائم و دائم رکھے۔ آمین یارب العالمین!۔

☆......☆......☆

قائد جمعیۃ اور خانقاہ سراجیہ

صاحبزادہ حضرت سعید احمد حفظہ اللہ،

خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف، میانوالی

خانقاہ سراجیہ مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ سے کر آج تک جمعیۃ علماء اسلام کی سرپرستی کر رہی ہے۔ والد محترم حضرت اقدس خواجہ خان محمد صاحب نے ہر مشکل حالات میں مولانا فضل الرحمٰن کی سرپرستی کی۔ مولانا صاحب بھی حضرت خواجہ صاحب کو اپنے باپ کی طرح سمجھتے تھے۔ حضرت کی وفات کے تیسرے دن مولانا صاحب نے اپنے بیان میں فرمایا کہ "میں آج حقیقتاً یتیم ہو گیا ہوں۔ مجھے حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات سے زیادہ صدمہ آج پہنچا ہے۔ حضرت جو ہمارے اوپر سایہ کی مانند تھے آج ہم اس سے محروم ہو گئے"۔

والد محترم ہر قسم کے مشکل حالات میں تمام مذہبی جماعتوں (جمعیۃ علماء اسلام، مولانا سمیع الحق گروپ اور سپاہ صحابہ وغیرہ) کی سرپرستی فرماتے لیکن جمعیۃ علماء اسلام (ف) پر سب سے زیادہ شفقت تھی۔ مولانا صاحب بھی ہر معاملے میں حضرت سے مشورہ اور دعا لیتے۔ جمعیۃ علماء اسلام، خانقاہ سراجیہ اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ایک ہی تحریک کے تین نام ہیں۔

میری تمام مذہبی کارکنوں، خانقاہ سراجیہ کے تمام مریدین، عقیدت مندوں اور مذہب کا درد رکھنے والے حضرات سے گزارش ہے کہ جمعیۃ علماء اسلام مولانا فضل الرحمٰن کی بھرپور حمایت کریں۔ جس طرح آج اسلام دشمن باطل قوتیں متحد ہو کر مسلمانوں کے خلاف سرگرم عمل ہیں اور پاکستان انتہائی مشکل ترین حالات سے گزر رہا ہے تو اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ سب متحد ہو کر جمعیۃ علماء اسلام اور مولانا فضل الرحمٰن کے ہاتھ مضبوط کریں۔

☆......☆......☆

قائد جمعیۃ، زعمائے ملت اور جمعیۃ

مولانا پیر عبدالقادر انجم حفظہ اللہ،
خلیفہ مجاز حضرت رائے پوریؒ، سجادہ نشین خانقاہ سعیدیہ قادریہ، بہاولنگر

سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب — لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن
ساعت بسیار ے باید کشیدن انتظار — تا کہ در جوف صدف باراں شود دُرِ عدن

ننھے فضل الرحمٰن سے مولانا فضل الرحمٰن تک:

۱۰ ذی الحجہ ۱۳۷۲ھ بمطابق 21 اگست 1953ء بروز جمعۃ المبارک عید الاضحیٰ کے مبارک دن مولانا مفتی محمودؒ کے گھر اللہ تعالیٰ نے بیٹا دیا جس کا نام فضل الرحمٰن رکھا گیا۔ اس تاریخی دن مسلمانون کے لئے دو عیدوں کی خوشیاں تھیں ایک یوم جمعہ اور دوسرا عید الاضحیٰ کی خوشی لیکن مفتی محمودؒ کے گھرانے کو اللہ تعالیٰ نے تین خوشیاں اکٹھی عطا فرما دیں۔ گویا کہ مفتی محمودؒ کے گھرانہ میں 21 اگست 1953ء کو تین عیدیں اکٹھی ہو گئیں اسی لئے تو ننھے بیٹے کو رحمٰن کے فضل سے منسوب کیا گیا اور پھر یہ عجب اتفاق ہی نہیں بلکہ رحمٰن کا فضل ہی ہے کہ جس سے مستقبل میں دین اسلام کے لئے ایثار و قربانی کا اعلیٰ وارفع کام لینا تھا اس کو پیدا ہی عید قربان کے دن کیا یہ صرف رحمٰن کا فضل ہی نہیں بلکہ مفتی محمودؒ کے بیٹے کو رحمٰن نے فضیلت عطا کی ہے۔ اس وقت گھر والوں کو بلکہ پورے خاندان کو یہ احساس بھی نہیں تھا کہ یہ بچہ آگے جا کر قائد ملت اسلامیہ بنے گا۔ یہ سب کیا ہے؟ اسے رحمٰن کا فضل قسام کی عطا کردہ قسمت و فضیلت ہی کہا جائے گا۔

قسمت کیا ہر ایک کو قسامِ ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

یہ سب تقسیم خداوندی ہے قدرت کے فیصلے نرالے ہوتے ہیں اور ان کی حکمتوں کو بھی قدرت والا ہی جانتا ہے۔جس دن مولانا فضل الرحمٰن کی پیدائش ہوئی وہ عید الاضحیٰ کا دن تھا جو کہ ننھے اسماعیلؑ کی قربانی اور خلیل اللہ کی یادگار ہے یہاں بھی عجیب مماثلت ہے کہ موحد اعظم ابراہیمؑ تو اللہ کے نبی اور خلیل ہیں لیکن اسماعیلؑ بچے ہو کر بھی قربانی دینے کے لئے حکم ربانی کی تعمیل اس بہترین انداز میں کرتے ہیں کہ جسے دیکھ کر علامہ اقبالؒ مرحوم بھی گویا ہوئے:

یہ فیضانِ نظر تھا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندی

عید الاضحیٰ کے دن مولانا فضل الرحمٰن کی پیدائش اور آج کے دن مولانا فضل الرحمٰن کے اسلامی کردار میں یہ مماثلت نظر آتی ہے کہ مفتی محمودؒ تو مفتی محمود تھا لیکن مولانا فضل الرحمٰن کو آدابِ فرزندی کس نے سکھائے؟ آج یقیناً مولانا فضل الرحمٰن آدابِ فرزندی کا حامل مفتی محمود کا دوسرا نام ہے۔

حق نے بخشا ہے اسے وہ مرتبہ آنکھ نے دیکھا اور نہ کانوں نے سنا

مولانا فضل الرحمٰن نے ایک خالص مذہبی گھرانے میں آنکھ کھولی جہاں چاروں طرف دینی اور روحانی شوق موجزن تھا۔اسی طرح روح پرور فضاؤں نے مولانا فضل الرحمٰن کی شخصیت کو کندن بنا دیا۔مولانا فضل الرحمٰن کا خاندان کئی پشتوں سے علم و فضل اور روحانیت کا گہوارہ تھا ان کے والد گرامی حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے علاوہ ان کے تایا خلیفہ احمد اور چچا محمد عالم دین تھے۔ان کے دادا خلیفہ محمد صدیق بھی اپنے زمانے کے مشہور عالم و عارف تھے اور ان کے آگے ان کے آباؤ اجداد بھی علم و فضل میں یکتا تھے۔بچپن ہی سے ننھے فضل الرحمٰن کی تربیت قال اللہ و قال الرسول ﷺ کی صداؤں میں ہوئی۔سن شعور کو پہنچے تو اپنے والد گرامی کا دین سے بے پناہ تعلق، مدرسہ قاسم العلوم میں تعلیم و تدریس اور عوام میں عقیدت و احترام کے مناظر دیکھے۔اس بناء پر بچپن ہی سے یہ سوچ دماغ میں جاگزیں ہوگئی کہ دین اسلام ہی سے

انسان قابل احترام ہوتا ہے چنانچہ یہی سوچ دینی تعلیم کے حصول کا سبب بنی۔ابتدائی دینی تعلیم کا آغاز اپنے چچا خلیفہ محمد سے کیا۔پرائمری تعلیم اپنے گاؤں عبدالخیل میں حاصل کی بعد ازاں ملتان میں میٹرک کا امتحان ہائی فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔1972ء میں پہلا حج کرنے کے بعد مزید دینی تعلیم کے حصول کے لئے دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک میں داخلہ لیا جہاں اس دور کے نامور علماءِ وشیوخ سے اکتساب علم وفیض کیا اس طرح 1979ء میں ننھے فضل الرحمٰن مولانا فضل الرحمٰن بن گئے۔فارغ التحصیل ہونے کے بعد جامعہ قاسم العلوم، ملتان میں درس وتدریس کا آغاز کردیا۔اس طرح بچپن میں جو سوچ بنی تھی وہ اب عملی صورت اختیار کررہی تھی۔اس طرح مفتی محمودؒ کے گھر پیدا ہونے والا ننھا فضل الرحمٰن باپ کی زندگی ہی میں باپ کی مسند پر فائز ہوگیا۔

مردِ حق کی پیشانی کا نور　　کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

مرد روشن ضمیر پاکستان میں اسیر:

1974ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران مولانا فضل الرحمٰن دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک میں زیر تعلیم تھے۔اس وقت آپ 21 سالہ پرجوش نوجوان تھے۔خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ختم نبوت کا معاملہ ہو اور مفتی محمودؒ کا فرزند ارجمند خاموش بیٹھا رہے یہ کیسے ہو سکتا تھا۔آپ اس تحریک کے دوران زندگی میں پہلی مرتبہ ملتان جیل میں سات دن تک اسیر رہے۔دوسری مرتبہ بھی زمانہ طالب علمی کے دور میں 1977ء میں تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ کے سلسلہ میں جلوس کی قیادت کرتے ہوئے پشاور سے گرفتار ہوئے اور ہری پور جیل میں 40 دن تک اسیر رہے۔14 اکتوبر 1980ء کو مولانا مفتی محمودؒ کے انتقال پُر ملال کے صرف ایک ماہ بعد ہی مولانا فضل الرحمٰن کو شدید ترین سیاسی حالات کا سامنا کرنا پڑا اور پھر آنے والے وقت میں یہ سختیاں اور مشکلات بڑھتی چلی گئیں۔14 فروری 1981ء کو لاہور میں جمعیۃ علماء اسلام کی مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس میں شریک ہونے کے لئے گئے اجلاس تو نہ ہوسکا لیکن ملتان واپسی کے دوران راستہ میں پولیس نے ان کی گاڑی کو روک لیا۔مولانا فضل

الرحمٰن کو پولیس نے اپنی گاڑی میں رات 3 بجے میانوالی پہنچایا جہاں انہیں ایک ہفتہ قید تنہائی میں رکھا۔وہاں بڑی ذہنی اذیت دی گئی یہاں تک کہ آٹھ دن کے بعد کپڑے بدلے۔کسی کو بھی علم تک نہ ہو سکا کہ مولانا کہاں قید ہیں۔آٹھ دن کے بعد ساتھیوں کو علم ہوا تو پھر آپ کو آبائی گاؤں عبدالخیل بھجوا دیا گیا۔اس کے بعد تو مسلسل گرفتاریوں اور نظر بندیوں کا سلسلہ چل نکلا۔آپ کو مہینوں گھر میں نظر بندی کے علاوہ ملک کی مختلف جیلوں میں قید رکھا گیا۔ اس طرح یہ مرد روشن ضمیر مجموعی طور پر 5 سال تک پاکستان کی جیلوں میں اسیر رہا لیکن قید و بند کی صعوبتیں اس روشن ضمیر مرد فقیر کے پاؤں کی زنجیر نہ بن سکیں اور اس کے مشن میں حقیری سی رکاوٹ بھی پیدا نہ کر سکیں۔یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ اسارت تو مولانا کو جماعت کی امارت تک لے گئی۔اس وقت کی جیلوں کا اسیر آج جمعیۃ علماء اسلام کا امیر ہے۔علامہ اقبالؒ مرحوم نے کیا حسب حال فرمایا ہے:

ہے اسیری اعتبار افزاء جو ہو فطرت بلند	قطرہ نیساں ہے زنداں صدف سے ارجمند
مشک از فر چیز کیا ہے اک لہو کی بوند ہے	مشک بن جاتی ہے ہو کر نافہ آہو میں بند
ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر	کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام وقفس سے بہرہ مند
شہپر زاغ و زغن در بند قید و صید نیست	ایں سعادت قسمت شہباز و شاہین کردہ اند

جہاں شیخ مدنیؒ کا بیان وہاں مولانا فضل الرحمٰن:

یہ کراچی شہر کا خالق دینا ھال ہے جہاں 26 ستمبر 1921ء کو حضرت شیخ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو گرفتار کر کے انگریز عدالت کے روبرو پیش کیا گیا۔آپ پر 9 جولائی ۱۹۲۱ء کو کراچی ہی میں منعقدہ خلافت کانفرنس کے دوران تقریر اور انگریزی فوج میں بھرتی کے خلاف فتویٰ دینے کے جرم میں بغاوت کے مقدمہ کی سماعت ہو رہی ہے۔انگریز جج نے دوران سماعت شیخ مدنی سے سوال کیا کہ آپ نے 9 جولائی کو کانفرنس میں یہ فتویٰ دیا تھا؟ انگریز جج کے سوال پر شیخ مدنیؒ نے شیر کی طرح گرجتے ہوئے جواب دیا کہ فتویٰ دیا تھا ہی نہیں بلکہ اب بھی دیتا ہوں کہ انگریز کی فوج میں بھرتی ہونا، بھرتی کرانا، بھرتی ہونے کا مشورہ

دینا یا انگریزی فوج کی کسی بھی طرح معاونت کرنا سب حرام ہے میری حیثیت عالم اور مذہب اسلام کے محافظ ہونے کی ہے اس لئے میرا فرض ہے کہ میں اپنا فرض پورا کروں۔ پیغمبروں کے بعد علماء کا فریضہ ہے کہ وہ حق بات لوگوں تک پہنچائیں پھر بلاخوف وخطر نہایت تمکنت سے قرآنی آیات اور احادیث سے دلائل دیتے ہوئے فرمایا "جج صاحب آج آپ کو میرا بیان سننا پڑے گا میں اسلام کے محافظ عالم دین کی حیثیت سے بیان کرتا ہوں کہ ہر مسلمان پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت لازمی اور ضروری ہے مگر ایسی حکومت کی اطاعت ہرگز جائز نہیں ہے جو حکومت خدا اور اس کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی مخالفت کرتی ہو۔ مذکورہ کانفرنس میں جو قرارداد میں نے پیش کی تھی وہ صرف قرارداد ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے۔ اس کا فیصلہ کرنا لارڈ ریڈنگ (انگریز حکمران) کا کام نہیں بلکہ علماء اسلام کا کام ہے۔ رہ گئی انگریزی فوج میں بھرتی تو وہ اس لئے آج حرام ہے کہ مسلمانوں کو مسلمان کے مارنے کے لئے بھرتی کیا جارہا ہے۔ عیسائیت اور اسلام کا مقابلہ ہے۔ مسلمان کو قتل کرنا حرام ہے اس لئے واشگاف الفاظ میں کہتا ہوں کہ انگریزی فوج میں ملازمت قطعی حرام ہے ۔ حضرت شیخ مدنیؒ کے ان پرجوش دلائل سے بھرپور جرات مندانہ بیان سے ہال میں عجب کیفیت پیدا ہوگئی۔ دوران بیان کمرہ عدالت میں ہر مسلمان کی زبان پر تھا مرحبا! جزاک اللہ! یہ تیرا ہی کمال ہے۔ کاروانِ حق کے امیر کہ تو تلواروں کے سائے میں حق کی صدا بلند کر رہا ہے۔ سامعین حضرت کا منہ تک رہے تھے کچھ آپ کے بیان سے لرز رہے تھے کیونکہ دنیا والوں کو تو یہ یقین تھا کہ حضرت اپنے بچنے کی فکر فرمادیں گے، تاویل کریں گے وکلاء حضرت شیخ کی صفائی میں بحثیں کریں گے مگر ملت اسلامیہ کا یہ عظیم فرزند اپنی بات کا پکا تھا آج انگریز جابر کی عدالت میں امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالک بن انسؒ کی سنت کو زندہ کر رہا تھا۔ اسی اثنا میں انگریز جج نے حضرت شیخ سے مخاطب ہوتے ہوئے گھٹی گھٹی آواز میں کہا کہ آپ کو علم ہے کہ آپ کا بیان اور فتویٰ برٹش گورنمنٹ سے بغاوت کے زمرہ میں آتا ہے اور انگریزی حکومت سے بغاوت کی سزا موت ہے۔ یہ سنتے ہی شیخ مدنیؒ نے شیر کی طرح انگڑائی لیتے

ہوئے ایک سفید کپڑا جج کے سامنے لہراتے ہوئے فرمایا! معلوم ہے، اسی لئے دیو بند سے چلتے ہوئے کفن ساتھ لے کر آیا ہوں۔ جج خفت سے کھسیانا ہو کر کہتا ہے مولانا گورنمنٹ جسے سزائے موت دیتی ہے اسے کفن پاس سے دیتی ہے آپ کیوں ساتھ لائے؟ فرمایا! جس گورنمنٹ کو میں مانتا ہی نہیں اور جس کی زندگی بھر مخالفت کی اس گورنمنٹ کا کفن پہن کر قبر میں جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ حاضرین عدالت کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور بہت سی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ ایسے میں مولانا محمد علی جوہرؒ جو اس مقدمہ میں ماخوذ کمرہ عدالت میں موجود تھے روتے ہوئے آگے بڑھے۔ حضرت مدنیؒ کی ہمت مردانہ جرات رندانہ کی داد دیتے ہوئے گلوگیر آواز میں گویا ہوتے ہیں۔ حضرت آپ کی ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو ابھی بڑی ضرورت ہے خدارا! آپ اپنا بیان بدل دیں۔ شیر اسلام نے بڑے عزم و استقلال سے جواب دیا مولانا بیان بدلنے سے ایمان بدل جائے گا۔ اس پر آبدیدہ ہو کر مولانا محمد علی جوہر نے آپ کے دونوں پاؤں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیئے۔

بگیر راہ حسین احمد از خدا خواہی کہ نائب است نبی را و ہم ز آل است

قارئین محترم! یہ تھا خالق دینا ہال میں شیخ مدنیؒ کا لازوال بیان اور بے مثال استقلال جو کہ تاریخ ساز ہے اب اسی ہال سے مولانا فضل الرحمٰن کی عملی سیاست کے ابتدائی احوال کا آغاز ہوتا ہے جیسے آپ نے گزشتہ سطور میں پیکر ایثار و قربانی مولانا فضل الرحمٰن کی عید قربان پر پیدائش کی مماثلت اور عجب قدرتی اتفاق کا نمونہ ملاحظہ فرمایا ہے جسے دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ عالم ارواح سے اس دنیا جہاں میں آمدِ فضل الرحمٰن عیدِ قربان پر ہونے میں قدرت کا یہ اشارہ تھا کہ مفتی محمود کے نونہال کے لئے اس یوم پیدائش میں یہ راز مضمر ہے کہ مستقبل میں اس سے دین اسلام کے لئے ایثار و قربانی کا کام لیا جائیگا۔ اسی طرح خالق دینا ہال میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے روحانی فرزند و جانشین حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا جرات مندانہ بیان اصل میں باطل کے خلاف شیخ مدنیؒ کی تاریخی یلغار ہے۔ اسی انداز میں مفتی محمودؒ کے فرزند اور شیخ مدنیؒ کے روحانی جانشین کی عملی سیاست میں پہلی للکار ہے۔ مفتی محمودؒ

کی وفات حسرت آیات کے 25 روز بعد 9 نومبر 1980ء کو خالق دینا ہال، کراچی میں مفتی محمودؒ کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس میں مولانا فضل الرحمٰن نے سیاست کے میدان کارزار میں پہلا قدم رکھتے ہوئے ضیاؤ الحق کے مارشل لاء کے خلاف سخت جذبات کا اظہار کیا۔ حالانکہ پہلا بیان تھا۔ ان کے لب و لہجے میں وہ اعتدال نہیں تھا جو عام طور پر ہونا چاہئے تاہم موقف بے حد واضح تھا۔ مارشل لاء کے ساتھ ساتھ آپ نے ان غیر ملکی قوتوں کو بھی للکارا جن کے ایماء پر مارشل لاء لگایا گیا تھا۔ جس کا واضح اشارہ امریکن انگریز گورنمنٹ تھی کیونکہ آئین کی معطلی باغیان ختم نبوت کے تحفظ کا باعث بنتی تھی نیز قومی اتحاد اور مرحوم بھٹو کے درمیان اتفاق رائے ہو گیا تھا۔ راتوں رات انگریزی آقاؤں کے ایجنڈے کی تکمیل کے لئے شب خون مار کر مارشل لاء لگایا گیا۔ یہ شیخ مدنیؒ کے پیروکار کی ایسی پہلی للکار تھی جس نے حکومت کے ایوانوں کو ہلا کے رکھ دیا۔ یہاں پر یہ بھی اتفاق ہے کہ شیخ مدنیؒ نے جولائی کی 9 تاریخ کو کانفرنس میں بیان کیا اور ان کے روحانی فرزند نے بھی 9 نومبر کو کانفرنس سے خطاب کیا۔

یہ باتیں صرف اتفاقات ہی نہیں بلکہ عجیب مماثلت، مناسبت اور نسبت ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ نسبت کی برکت سے بڑی سے بڑی تبدیلیاں ہو جاتی ہیں

؎ یہ مثل سچ ہے کہ ہو جاتا ہے نسبت کا اثر
آدمی کیا؟ در و دیوار بدل جاتے ہیں

اور پھر:

؎ یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

قارئین محترم! یہ مناسبتیں اور نسبتیں بھی وہاں ہوتی ہیں جن سے قادر مطلق نے مستقبل میں کوئی بڑا کام لینا ہوتا ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن کی عملی سیاست میں پہلا قدم درحقیقت ملت کی قیادت کا حرف آغاز تھا۔ بس قدرت مواقع فراہم کرتی گئی، اسباب بنتے چلے گئے پہلے تو گھر سے ہی اس کام کے لئے خشت اول رکھی گئی۔ 1970ء کے قومی انتخابات میں ڈی آئی۔ خان سے مفتی محمودؒ پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کے مقابل آئے اس وقت

مولانا فضل الرحمٰن لڑکپن سے جوانی میں قدم رکھ چکے تھے۔انتخابی مہم کے دوران اپنے والد گرامی اور جماعتی رہنماؤں کے ہمراہ انتخابی جلسوں میں شرکت کی، عوامی رابطہ مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، پیدل اور گاڑیوں پر قریہ قریہ نگر نگر عوام کو جمعیۃ کا پیغام پہنچایا، سیاست سے دلچسپی اور جدو جہد سے لگن کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ انتخابی مہم کے دوران صرف ایک ہفتہ میں حلقہ کے 35 گاؤں، دیہات کا پیدل دورہ کیا۔پہاڑوں اور صحراؤں میں کنویسنگ کی۔جس ذوالفقار علی بھٹو اور اس کی جماعت کو پورے ملک میں کامیابی ملی اسے ڈیرہ اسماعیل خان میں مفتی محمود کے مقابل 13 ہزار ووٹوں سے شکست ہوئی جس نے ملک بھر کے سیاسی حلقوں کو حیرت زدہ کردیا۔اس تاریخی کامیابی سے مولانا فضل الرحمٰن کی سیاسی صلاحیتیں ابھر کر سامنے آئیں۔بعدازاں مفتی محمودؒ وزیر اعلیٰ سرحد بنے تو اس یادگار موقع پر راقم التحریر فقیر اپنے آبائی قصبہ سے 3 بسیں (بڑی گاڑیاں) لے کر گیا تھا جن میں تقریباً دوسو کے قریب کارکنان سوار تھے۔یہ تمام کارکنان بندہ کی زیر قیادت پشاور میں تقریب میں شریک ہوئے تھے۔بہر حال مفتی صاحب کے وزارت علیا کے دور میں بھی مولانا فضل الرحمٰن کو قریب سے سیاسی اسرار ورموز سیکھنے کا موقع ملا اس کے علاوہ بہت سے دیگر عوامل کے ساتھ ساتھ مفتی محمودؒ کی قدیمی رفاقت کے حامل بابائے سیاست نوابزادہ نصر اللہ خان نے بھی سیاسی امور میں اس ہیرے کو گوہر آبدار بلکہ درِ نایاب بنانے میں کافی کردار ادا کیا یہاں تک کہ جمعیۃ کے اندرونی اختلافات نے بھی مولانا کے لئے سونے پر سہاگہ کا کام کیا کیونکہ کچھ کرم فرما ان کا وقار گھٹانے کے لئے کام کرتے تھے مگر رحمٰن اپنا فضل فرماتا رہا اور مسلسل عزت وعظمت بڑھاتا گیا اس پر مستزاد یہ کہ جے یو آئی میں آپ کو تمام رفقاء ایسے ملے جنھوں نے شبانہ روز محنت کر کے آپ کی قیادت کو چار چاند لگا دیئے۔اب مفتی محمودؒ کا بیٹا اپنوں کے ہرجائی پن کے باوجود قائد جمعیۃ کے روپ میں ایسا ابھر کر سامنے آیا کہ پھر ایسا وقت بھی آیا کہ سب زعمائے ملت انہیں حسب حال گویا ہوتے کہ:

کیا عقل نے سمجھا ہے کیا عشق نے جانا ہے
اس خاک نشین کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

زعمائے ملت سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لئے:

پاکستان اور بیرون پاکستان کاروانِ حق کے تقریباً تمام علماء و مشائخ کی تائید وحمایت مولانا فضل الرحمٰن کو زمانہ ماضی سے تاحال حاصل رہی ہے اگر تمام بیرونی ممالک کا احاطہ کیا جائے تو ایک طویل ترین فہرست بن جائے گی۔صرف انڈیا میں تمام علماء دیوبند، علماء سہارن پور، جمعیۃ علماء ہند کے اکابرین و زعماء کو ہی لیا جائے تو انکے اسمائے گرامی کا محض تذکرہ ہی وسیع ہو جائے گا۔مولانا فضل الرحمٰن نے جب بھی انڈیا کا دورہ کیا ہے وہاں کے علماء و بزرگان دین نے جس والہانہ لگاؤ سے آپ کا استقبال کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے وہاں کے شیوخ حدیث نے مولانا فضل الرحمٰن کو بطور برکت اپنی مسند پر بیٹھنے کی استدعا کی وہاں کے غیر مسلم سیاسی لیڈروں نے بھی مولانا کو شایان شان پروٹوکول دیا اسی طرح بنگلہ دیش میں بھی مولانا کی عزت و عظمت خوب سے خوب تر ہے۔امارت اسلامیہ افغانستان میں آپ غالباً 21جون1999ء کو گئے تھے۔افغانستان کے علماء تو علماء بلکہ حکومتی زعماء بھی بشمول امیر المومنین مولانا کو غیر ملکی سربراہ کا پروٹوکول دیا تھا اس کے علاوہ دیگر یورپی ،عربی اور افریقی ممالک کے علماء و زعماء بھی مولانا فضل الرحمٰن اوران کی جماعت کو ہمیشہ قابل تحسین انداز سے ہی دیکھتے ہیں۔مارچ 1994ء میں جب آپ کو قائمہ کمیٹی برائے امور خارجہ کا چیئرمین منتخب کیا گیا تو اس وقت آپ کی صلاحیتیں مزید نکھر کر سامنے آئیں۔آپ نے چیئرمین کی حیثیت سے 2نومبر 1994ء تا 3جنوری 1995ء غیر ممالک کے دورے کئے جن میں جرمنی، امریکہ، برطانیہ،کویت، متحدہ عرب امارات،،قطر،جنوبی افریقہ،سعودی عرب اور دوبئی شامل ہیں ۔اس کے علاوہ آپ نے اسی دورہ کے دوران اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستان کی نمائندگی کرتے ہوئے عربی زبان میں فصیح بیانی کے ساتھ تقریر کی ۔تقریر کے اختتام پر مسلمان نمائندوں نے بالعموم عرب ممالک کے مندوبین اور دیگر نمائندگان نے

بالخصوص ملاقات کر کے آپ کی تقریر کو سراہا۔آپ کی تقریر میں جہاں فصیح بیانی تھی وہاں امت مسلمہ کی ترجمانی بھی تھی۔عوامی جمہوریہ چین کی این پی سی کی خارجہ امور کمیٹی نے 17 تا 25دسمبر1995ء کو مولانا فضل الرحمٰن کو دورہ چین کی دعوت دی وہاں آپ نے چین کے قابل ذکر شہروں کا دورہ کیا۔چائنا کے اکثر زعماء بشمول نائب وزیر اعظم ،وزیر خارجہ اور دیگر نے آپ سے ملاقاتیں کیں ۔اسی طرح ہانگ کانگ اور تائیوان کے زعمائے ملک سے بھی ملاقاتیں کیں۔آپ نے جے یو آئی اور اپنی حیثیت کا لوہا منوالیا۔ہر جگہ ملک میں آپ کو ایک مکمل سیاست دان مصلح قوم اور مقتدر مذہبی پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے لیا گیا۔اس تحریر میں تفصیل کی گنجائش نہیں۔

ورنہ سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لئے۔

بیرونی ممالک کے زعماء کے تذکرہ میں بندہ پاکستانی زعماء کا تذکرہ کرنا بھول گیا اب چند سطور میں اجمالاً پاکستانی زعماء کا تذکرہ بھی کرتے چلیں۔ملک میں ضیاء الحق کے طویل ترین آمرانہ دور میں قائد جمعیۃ اور جے یو آئی کے جملہ کارکنان نے بڑی قربانیاں دیں ملک میں جمہوریت کی بحالی اور مارشل لاء کے خلاف 4فروری1981ء کو ایک نیا اتحاد وجود میں آیا۔یہ اب تک کی سیاسی جماعتوں کا طویل ترین اتحاد تھا جس میں جمہوری پارٹی،تحریک استقلال،عوامی نیشنل پارٹی،پاکستان پیپلز پارٹی،قومی محاذ آزادی،مسلم لیگ قاسم گروپ،مزدور کسان پارٹی اور جمعیۃ علماء اسلام شامل تھے۔اس اتحاد کا نام ایم آر ڈی رکھا گیا۔ایم آر ڈی نے بحالی جمہوریت کے لئے طویل جدوجہد کی۔اس کے لئے جمعیۃ علماء اسلام اختلافات کا شکار رہوئی۔بہرحال ان تمام پارٹیوں کے سربراہ پاکستان کے چوٹی کے سیاست دان تھے۔مولانا فضل الرحمٰن نے ایم آر ڈی کے پلیٹ فارم پر ان چوٹی کے سیاست دانوں سے جمعیۃ علماء اسلام کے کاز پر سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ ان سیاست دانوں سے جے یو آئی کی اسلامی کاوشوں کو تسلیم کروایا اور ایم آر ڈی کے ان جماعتی زعماء سے اپنے آپ کو ایک مدبر سیاست دان کی حیثیت سے منوایا۔یہ اندازہ نہیں حقیقت ہے ملک قاسم اپنی مسلم لیگ کے پلیٹ فارم

پر ایم آر ڈی کے تمام سربراہان کا بہاولنگر میں جلسہ عام کرنا چاہ رہا تھا اس سلسلہ میں ضلع بہاولنگر کی تمام جماعتوں کا انتظامی اجلاس طلب کیا۔ بندہ فقیر بھی اس اجلاس میں اپنی جماعت کی نمائندگی کر رہا تھا اس وقت کسی ساتھی کے سوال پر ملک قاسم مرحوم نے جواب دیا کہ تم مولانا کو کیا جانتے ہو؟ پرانے لیڈر ہو کر بھی مولانا کو ایک مدبر معاملہ فہم سیاست دان جانتے ہیں جب مولانا آئے تو میں نے جماعتی ساتھیوں کے ہمراہ ان کا بڑا شاندار استقبال کیا تا کہ دوسرے پارٹی لیڈران کو پتہ چلے کہ ضلع بہاولنگر میں جے یو آئی ایک فعال جماعت ہے۔ ایم آر ڈی کے دور میں ڈویژن بہاولپور کے کسی علاقہ میں فضل الرحمٰن گروپ قائم کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ صوبہ پنجاب میں جماعتی یونٹ ضلع تحصیل لیول پر تشکیل پا گئے لیکن پورے ضلع بہاولنگر میں کسی یونٹ کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔ بندہ فقیر متحدہ جمعیۃ میں ضلع کا ڈپٹی سیکرٹری عرصہ دراز تک رہا ان دنوں بندہ ایک مذہبی جماعت تحریک احیائے سنت پاکستان کا مرکزی عہدیدار بھی تھا ہماری تحریک کے اجلاس اوکاڑہ میں لکڑ منڈی کی مسجد میں مولانا امیر حسین گیلانیؒ آئے ان سے میں نے پوچھا آپ نے ضلع بہاولنگر میں (ف) گروپ کیوں نہیں بنایا تو فرمانے لگے کہ آٹھ دن تک ضلع بہاولنگر کے ایک ایک شہر میں گیا ہوں کسی مسجد و مدرسہ والے نے ٹھہرنے نہیں دیا۔ ہوٹلوں میں قیام کرتا رہا میں نے کہا انا للہ! آپ میرے پاس ڈونگہ بونگہ آجاتے۔ بہرحال اب تاریخ دیں اور ضلع میں آئیں جماعت دھوم دھام سے بنے گی فرمانے لگے تم کون مجاہد ہو؟ وہاں تو مشہور گدیاں ہیں تمام علماء ان کے زیر اثر ہیں میں نے کہا ایک گدی سے آپ واقف ہی نہیں وہ رائے پوری گدی ہے۔ سلسلہ سعیدیہ قادریہ کی خانقاہ کا بندہ جانشین ہے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ برصغیر کی عظیم روحانی شخصیت تھے کہنے لگے سچ ہے ضرور آؤنگا۔ القصہ مختصر بندہ فقیر نے 50 کے قریب علماء کا اجتماع منعقد کیا۔ مولانا امیر حسین گیلانی کی موجودگی میں تمام ضلعی عہدوں کے لئے بندۂ فقیر نام پیش کرتا رہا۔ اجتماع منظور کرتا گیا۔ ضلعی جماعت مکمل ہونے پر گیلانی صاحب اچانک کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ فرمانے لگے پیر جی ایک بات سمجھ میں نہیں آئی آپ نے خود کوئی عہدہ قبول

نہیں کیا حالانکہ سب کاوش جدوجہد تو آپ ہی کی ہے۔ میں نے کہا دو وجہ سے ایک تو فقیر کیلئے فقیری ہی کافی ہے دوسری بات یہ کہ فریق مخالف کے الزام کا عملی رد کیا ہے کہ (ف) گروپ نے عہدوں کے لئے جماعت کو نقصان پہنچایا۔ مولانا گیلانی نے مجمع عام میں تقریر کرتے ہوئے بندہ کو دعاؤں کے ساتھ دادو تحسین سے نوازا۔ بعد ازاں اسی دور میں مولانا فضل الرحمٰن کا ضلع بہاولنگر کا دورہ بڑا چیلنج سمجھا جارہا تھا تاریخ، اشتہارات، بینرز تشہیر کے جملہ کام سرانجام پاگئے۔ آخر مولانا مقررہ تاریخ پر تشریف لے آئے۔ شبانہ روز کی وہ محنت تو بندہ کو یاد رہے گی پورے ضلع کے کوچہ کوچہ میں گیا تھا جب مولانا کا نام لینا ایک جرم عظیم جانا جاتا تھا، بندہ نے اپنے رفقاء کے ہمراہ سینکڑوں موٹر سائیکل اور گاڑیوں پر مشتمل جلوس نکالا تمام قابل ذکر تحصیل ہیڈکواٹرز پر جلسے منعقد ہوئے۔ دو دن کا دورہ تھا آخری دن بعد عصر بندہ کے قصبہ ڈونگہ بونگہ اور بعد عشاء بہاولنگر بغداد چوک میں جلسہ عام تھا بندہ فقیر پریشان تو تھا کیونکہ آمدِ مولانا فضل الرحمٰن امتحان بھی تو تھا بالآخر عصر کے فوری بعد تشریف آوری ہوئی۔ اڈا چوک میں جلسہ عام ہوا سڑکیں بلاک ہوگئیں اتنا مجمع اور رش تھا کہ ڈونگہ بونگہ کی تاریخ میں کسی سیاسی جماعت کا جلسہ اتنا کامیاب نہیں ہوا۔ مولانا کے ہمراہ آفتاب مغل ایڈووکیٹ تھے کہنے لگے پیر جی جتنا کھل کر شرح وسط سے مولانا نے یہاں بیان کیا ہے پیچھے 2، 3 جگہ پر ایسا بیان نہیں ہوا۔ مولانا بڑے خوش ہوئے مجھے دعائیں دیتے ہوئے مغرب ادا کر کے آگے روانہ ہوگئے بعد ازاں مجھ پر مقدمہ بن گیا پھر مقدمات بنتے رہے، چلتے رہے۔ ایم آرڈی کے دور میں سب صعوبتیں برداشت کیں۔ اپنوں غیروں کے طعنے بھی برداشت کئے لیکن افسوس قائدین نے بندہ کا ہمت وحوصلہ نہیں بڑھایا۔ بعد میں بھی قدر نہیں کی مگر کوئی بات نہیں۔

ان اجری الاعلی اللہ

عرصہ گفتگو ہے تنگ قصہ دردو غم دراز
کوئی سنے تو کیا سنے کوئی کہے تو کیا کہے

ایم آرڈی کے علاوہ وہ اسلامی جمہوری محاذ بھی بنا جس کے صدر مولانا شاہ احمد

نورانی (جمعیۃ علماء پاکستان اور مولانا فضل الرحمٰن مرکزی سیکرٹری جنرل بنے۔ اس اتحاد میں مولانا فضل الرحمٰن کی سیاسی بصیرت کو نورانی گروپ کے تمام زعماء مان گئے بلکہ 6 اکتوبر 1993ء کے قومی انتخابات میں جمعیۃ علماء اسلام نے قومی اسمبلی کی 4 نشستیں جیت کر برتری حاصل کرلی اور جمعیۃ علماء پاکستان اپنے سربراہ سمیت تمام نشستیں ہار گئی۔ اسلامی جمہوری محاذ کے سیٹ اپ میں بندہ ضلع بہاولنگر کا جنرل سیکرٹری رہا ہے اس کے علاوہ آخری دفعہ دور مشرف میں 6 مذہبی جماعتوں کا اتحاد متحدہ مجلس عمل کے نام سے وجود میں آیا جس کے پہلے دور میں مولانا نورانی صدر اور مولانا فضل الرحمٰن جنرل سیکرٹری تھے اس پہلے الیکشن میں متحدہ مجلس عمل نے بڑی کامیابی حاصل کی جو آج تک پاکستان کی تاریخ میں مذہبی جماعتوں کو نہیں ملی۔ چاروں صوبائی اسمبلیوں میں نمائندگی، سینیٹ میں بھرپور نمائندگی، صوبہ سرحد میں ایم ایم اے کی مکمل حکومت، 5 سال تک اکرم درانی وزیر اعلیٰ سرحد رہے۔ بلوچستان میں حکومت میں شامل رہے غالباً کچھ وزارتوں کے علاوہ سپیکر اور سینئر وزیر جمعیۃ کا ہی تھا۔ قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف مولانا فضل الرحمٰن اکثریتی عدد کے ساتھ تھے۔ سینٹ میں پارلیمانی لیڈر مولانا شاہ احمد نورانی تھے اس دور میں بندہ فقیر مجلس عمل ضلع بہاولنگر کا قائم مقام ضلعی صدر رہا ہے۔ حالیہ انتخابات میں مجلس عمل کا شیرازہ بکھر گیا تھا جماعت اسلامی نے علیحدگی اختیار کی، الیکشن کا بائیکاٹ کیا، سمیع الحق گروپ بھی علیحدہ تھا باقی جماعتیں اتنی متحرک نہ تھیں۔ عملاً 2008ء کے قومی انتخابات میں جے یو آئی ہی الیکشن میں فعال کردار ادا کر رہی تھی۔ بے نظیر کا دوران الیکشن اچانک سانحہ ہو گیا۔ الیکشن طویل اور بدنظمی کا شکار بھی ہو گیا۔ ملک میں خوف وہراس کی فضا چھائی رہی۔ بندہ نے جماعتی احباب کے بے حد اصرار پر ایم پی اے کا الیکشن مجلس عمل کے ٹکٹ پر لڑا جبکہ پورے ڈویژن میں بندہ کے سوا کوئی بھی نظریاتی کارکن الیکشن میں حصہ دار نہیں تھا اس کے باوجود پورے ڈویژن میں جماعتی نمائندگی کی، مرکز سے لے کر صوبہ اور صوبہ سے لے کر کوئی بھی ضلع کا رہنماء یا کارکن میرے حلقہ میں نہیں آیا۔ حتیٰ کہ جن احباب نے اصرار کر کے کھڑا کیا تھا ان میں سے کسی ایک نے دامے

درے قدمے سخنے کوئی تعاون نہ کیا یہاں تک کہ حلقے کے جماعتی علماء دوسری جماعتوں کے امیدواروں کے لئے سرتوڑ کوششیں کرتے رہے۔ بندہ بار بار مجلس عمل اور جماعتی علماء کے پاس جاتا رہا لیکن وعدوں کے سوا کچھ نہیں ملا۔ بے سروسامانی کے عالم میں الیکشن لڑا سوائے چند انتہائی مخلص مفلس کارکنان اور حافظ سراج احمد اخون کے ہمراہ معدودے کم تر تعداد نے قدرے ہمراہ چل کر ساتھ دیا لیکن اس کے باوجود بندہ فقیر اور حلقے میں موجود میرے مریدین نے انتخابی مہم اس انداز سے چلائی کہ مدمقابل جیتنے والے امیدوار کے یہ ریمارکس تھے کہ انتخابی مہم پر ہار جیت کا فیصلہ ہوتا تو آپ جیت جاتے تمام مخالف امیدواروں کی نیندیں حرام کر دی تھیں۔ کوئی بستی یا ڈیرہ ایسا نہیں چھوڑا جہاں جمعیۃ کا پیغام عام نہیں کیا پورے حلقے میں مریدین نے بینرز، اشتہار اور دیگر تمام تشہیری ذرائع اختیار کئے۔ صبح فجر سے رات 2 بجے تک پروگراموں سے واپسی ہوتی۔ ایک ایک تاریخ میں 10،10 تقریریں اور جلسوں سے خطاب کرتا۔ شکست کا بالکل ملال نہیں تھا کارکنوں کو حوصلہ دیتا کہ دیکھو ہم نے اس انتخابی مہم سے فائدہ اٹھا کر دین کی تبلیغ کی ہے۔ اپنا مشن احسن طریقہ سے پہنچایا ہے۔ جمعیۃ کو متعارف کروایا ہے۔ مگر اس کے باوجود آج پونے چار سال بیت گئے ہیں افسوس ہے کہ کسی نے پوچھا تک نہیں! کوئی بات نہیں! الحمدللہ رب العالمین! شکر ہے اس ذات کا کہ اس انتخابی مہم میں ایسی جگہوں پر جانا ہوا جہاں بعض مقامات پر عقائد کی اصلاح کا کام کیا کہیں پر لوگوں نے بے دینی سے توبہ کی ایسے ہی ایک جگہ پر زمیندار کا ڈیرہ تھا وہاں چند لوگ تائب ہو کر مرید بنے تو وہاں کے مقامی مولوی صاحب نے کہا کہ پیر جی آپ نے تو ان کی زندگی کا رخ موڑ کر ان کا سابقہ دستور و منشور ہی بدل ڈالا تو میں نے حسب حال برجستہ شعر کہتے ہوئے کہا۔ الحمدللہ۔

بڑی مدت سے ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ

بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ مے خانہ

جمعیۃ علماء اسلام:

اب تک مذکورہ سطور میں ملکی زعماء، غیر ملکی زعماء، سیاسی و مذہبی زعماء کا اجمالی تذکرہ کیا

گیا ہے گویا کہ تمام زعماء کو جمع کر کے زعمائے ملت کا نام دے کر قائد جمعیۃ اور جمعیۃ کا ان کے ساتھ کیا کردار رہا ہے۔خود جمعیۃ اور قائد جمعیۃ کو زعمائے ملت کی نظر میں کیا مقام حاصل ہے بس اسی کا گزشتہ صفحات میں مختصر ذکر کیا ہے ساتھ ہی زعمائے ملت کے اتحاد اور جمعیۃ کے حوالے سے چند سطور بندہ فقیر کے کردار کے حسب حال یادداشت کے خانہ میں محفوظ تذکرہ کے طور پر قرطاس رقم کروا دی ہے۔اب آخر میں اختصار کے ساتھ جمعیۃ علماء اسلام کا تذکرہ ہو جائے کیونکہ اس کے بغیر تو مضمون ہی نامکمل ہوگا۔ جمعیۃ تو ہمارا اوڑھنا بچھونا ہے۔حالات جیسے بھی ہوں لیکن جمعیۃ علماء اسلام تو ہمارا جزو ایمان ہے۔بندہ فقیر کی تحقیق با تصدیق و توثیق کے مطابق 1945ء میں جمعیۃ علماء اسلام وجود میں آئی ویسے تو اس کے اسلاف و اکابرین کی تاریخ اس دن سے شروع ہو جاتی ہے جب انگریزوں نے ہندوستان میں قدم رکھے تھے۔مذہب اسلام کو پامال کرنے اور عیسائیت کو فروغ دینے کے لئے شرمناک ہتھکنڈے استعمال کرنے شروع کئے تو علماء اسلام کے ایک طبقے نے ان کے انسداد کی تدبیریں شروع کیں۔حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ایک انقلابی جماعت کی داغ بیل ڈال دی شب و روز گزرتے رہے، انگریزی مظالم بڑھتے رہے، علماء کی جدوجہد بھی بڑھتی رہی، علماء اسلام کی تشکیل کردہ جماعت کی امارت اب تیسرے امیر حضرت شاہ اسحاق کو منتقل ہوئی۔1846ء میں تیسرے امیر کی وفات پر اب علماء اسلام کے چوتھے امیر شیخ المشائخ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا انتخاب ہوا اب حاجی صاحب کی امارت میں 1857ء کی مشہور جنگ آزادی لڑی گئی۔علماء قربانیاں دیتے رہے۔اسلام کی سربلندی، وطن کی آزادی کے لئے کبھی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ امیر جماعت کا پرچم تھامے نظر آئے، کبھی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سالار قافلہ نظر آئے۔کہیں جمعیۃ علماء اسلام کے امیر کی حیثیت سے آزادی کی جدوجہد کرتے ہوئے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ دکھائی دیتے ہیں جنہیں 1917ء میں مالٹا کا اسیر بنایا گیا پھر علماء اسلام کا یہ قافلہ عزم و ہمت کے ساتھ چلتا رہا یہاں تک کہ 1920ء میں حضرت شیخ الہندؒ کا انتقال ہو گیا اب قافلہ علماء اسلام کی قیادت حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے فولادی ہاتھوں میں آ گئی اور

ان ہاتھوں کی کرامت تھی کہ بالآخر کامیابیوں کی وہ منزل پالی جس کے لئے اس جماعت کے، پہلے امیر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے تحریک کا آغاز کیا تھا۔لیکن ہزاروں علماء اسلام کی قربانیوں کا ثمر حضرت حسین احمد مدنیؒ کے ہاتھوں مقدر ہوا بالآخر شیخ الہند کے جانشین جمعیۃ علماء ہند کے امیر مولانا حسین احمد مدنیؒ کی حیات بابرکات ہی میں انگریزوں سے وطن کو آزادی ملی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

قارئین کرام! نہایت مختصر الفاظ میں آپ نے جمعیۃ علماء اسلام کی طویل ترین تاریخ ملاحظہ کی ہے۔اب 1945ء کو جمعیۃ علماء اسلام ایک نئے جذبہ اور ولولہ سے منظر عام پر آئی جس کا شاندار اور پہلا تاریخی اجلاس کلکتہ میں کل علماء اسلام کے نام سے ہوا پھر دوسرا اجلاس 1946ء میں اسلامیہ کالج گراؤنڈ، لاہور میں ہوا جس کی صدارت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمائی۔حضرت عثمانیؒ کے خطبہ صدارت کا عنوان تھا "ہمارا پاکستان" آپ کے خطاب سے پاکستان اور مسلم لیگ کے حق میں لوگوں کا جوش وخروش ٹھاٹھیں مارنے لگا۔تحریک پاکستان کے حق میں آپ نے پورے ہندوستان کے طوفانی دورے کیے، یوں عملاً قیادت حضرت عثمانیؒ کے ہاتھوں میں آگئی۔اس طرح سے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے 14 اگست 1947ء کو قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی موجودگی میں متحدہ پاکستان کا قومی پرچم دارالحکومت کراچی میں لہرایا۔یہ سعادت بھی جمعیۃ علماء اسلام کو حاصل ہے کہ پاکستان بننے کے فوری بعد پہلی تقریب آزادی کے موقع پر امیر جے یو آئی قومی پرچم لہرا رہے ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

پاکستان بننے کے بعد شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ نے پاکستان اور اہل پاکستان کی مسلسل رہنمائی فرمائی۔جمعیۃ علماء اسلام اور آپ کا سب سے بڑا منتہائے نظر پاکستان میں اسلامی قانون کا اجراء تھا آپ دستور ساز اسمبلی کے منتخب ممبر تھے آپ نے اسمبلی میں اور باہر پبلک

میں بڑی کوششیں کیں چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ڈھاکہ میں جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کا بہت بڑا جلسہ منعقد کیا گیا۔ اس جلسہ میں آپ نے بڑا معنی خیز خطبہ صدارت دیا جس کے نتیجہ میں قائد ملت لیاقت علی خان نے قرارداد مقاصد کی تجویز پیش کی کہ پاکستان کا قانون اسلامی قانون ہوگا۔ علامہ عثمانی نے ممبر اسمبلی کی حیثیت سے اسمبلی میں اس ریزولیشن اور تجویز کو ممبران سے پاس کروایا، غرضیکہ قرارداد مقاصد کا سہرا بھی جمعیۃ علماء اسلام کے سر رہا اس قرارداد میں اس امر کی ضمانت دی گئی تھی کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہوگا اور اس کے قوانین شریعت اسلامیہ پر مبنی ہوں گے۔ بعد ازاں امیر جمعیۃ علماء اسلام علامہ عثمانیؒ کے ارشاد کے مطابق خان لیاقت علی خان نے تعلیمات اسلامیہ کا ایک بورڈ قائم کیا جو شریعت کی روشنی میں پاکستان کی قانون سازی کرے اور پھر یہ سفارشات دستور ساز اسمبلی میں پیش ہو کر منظور کی جائیں۔ جمعیۃ اور اکابرین جمعیۃ کی شروع سے آج تک یہی تمنا تھی اور یہی تمنا ہے۔

تمنا ہے کہ اس دنیا میں کوئی کام کر جائیں
اگر کچھ ہو سکے تو خدمت اسلام کر جائیں
جس کام کے لئے آئے وہ کام نہ بگڑے
سر جائے تو جائے مگر اسلام نہ بگڑے

حضرت شیخ الاسلام کی رحلت کے بعد جمعیۃ علماء اسلام قدرے بدنظمی کا شکار رہی۔ بعد ازاں مفتی محمد حسن امرتسریؒ (بانی جامعہ اشرفیہ، لاہور) امیر رہے لیکن وہ اپنی معذوری کی وجہ سے جماعتی تنظیمی دورے نہیں کر سکتے تھے۔ بعد ازاں مفتی اعظم پاکستان، مفتی محمد شفیع صاحب کو قائم مقام امیر منتخب کیا گیا۔ 1956ء کو مفتی محمود مرحوم کی کاوشوں سے ملتان میں علماء کنونشن بلانے کا فیصلہ ہوا جس میں مغربی پاکستان کے 500 علماء نے شرکت کی۔ اس کنونشن میں جمعیۃ علماء اسلام کی از سر نو تشکیل ہوئی۔ امیر حضرت لاہوریؒ نائب امیر مفتی محمودؒ اور ناظم اعلیٰ مولانا غلام غوث ہزارویؒ منتخب ہوئے۔ اس انتخاب سے جمعیۃ علماء اسلام کا دور جدید شروع ہوا۔ یہ ایک فعال دینی سیاسی جماعت کی حیثیت سے ابھری تنظیم نو کے کام کو مفتی صاحب اور

ہزاروی صاحب نے آگے بڑھانے اور کارکنوں کی نفری میں اضافے کے لئے شب و روز ایک کردیئے۔ ملک کے اکثر بڑے شہروں میں جلسے ہونے لگے، یہاں تک کہ سب سے آخر میں لاہور میں ایک ملک گیر کانفرنس کا اہتمام 1958ء میں کیا گیا اس دوران امیر جمعیۃ شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ ان کی عدم موجودگی میں قائم مقام امیر مفتی محمودؒ کو بنایا گیا۔ ابھی امیر جمعیۃ حرم میں تھے کہ ملک میں ایوب خان نے مارشل لاء لگا کر تمام سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دے دیا۔ ایوب حکومت کو یقین تھا کہ ملک بھر میں اس وقت علماء کا ایک بڑا طبقہ سیاسی طور پر متحرک ہے۔ اس متحرک طبقے پر گرفت کرنا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ مارشل لاء کے نفاذ کے ساتھ ہی مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو 6 ماہ کے لئے نظر بند کردیا گیا۔ جمعیۃ کے تمام راہنماؤں کی گرفتاریاں عمل میں لائی جانے لگیں تو قائم مقام امیر مفتی محمودؒ نے نظر بندی کے احکامات کو مسترد کر دیا اور جمعیۃ پر پابندی کے باوجود نظام العلماء کے نام سے کام شروع کر دیا۔ 1962ء میں حضرت لاہوریؒ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد جمعیۃ کی امارت کے فرائض حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ نے سنبھالے۔ ایک وقت وہ بھی آیا کہ جمعیۃ علماء اسلام کے امیر حضرت درخواستی اور ناظم عمومی مفتی محمودؒ مرحوم تھے۔ جماعت پر جوبن تھا ملک میں مذہبی جماعتوں کی سرخیل سیاسی جماعت واحد جمعیۃ علماء اسلام جانی جاتی تھی۔ اس وقت J.U.I نے ملک کے تمام سیاسی اور مقتدر حلقوں سے اپنا لوہا منوا لیا تھا۔ جب ملک کی 9 سیاسی جماعتوں کی سربراہ جمعیۃ علماء اسلام تھی۔ پاکستان قومی اتحاد کے صدر مفتی محمودؒ تھے۔ قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف بھی مفتی محمودؒ تھے۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے:

یہ کیفیت اسے ملتی ہے جس کے ہے مقدر میں
مئے الفت نہ خم میں ہے نہ شیشے میں نہ ساغر میں

1980ء میں مفتی محمودؒ کی رحلت کے بعد جماعتی اختلافات پیدا ہو گئے۔ مولانا عبداللہ درخواستیؒ سے بعض کرم فرماؤں نے پاکستان میں جمعیۃ کی تمام تنظیمیں توڑنے کا اعلان کروا دیا۔ جماعتی مخلصین و اکابرین نے مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ کندیاں شریف والوں کی

خدمت میں حاضر ہو کر انہیں جماعت ٹوٹنے سے بچانے اور کنوینئر بننے کی درخواست کی انہوں نے کمال شفقت سے منظور فرمالیا۔ 11 مئی 1981ء کو کنوینیر جے یو آئی نے مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا، فریق ثانی نے اس اجلاس کو ملتوی کروانے کا اعلان کیا، لیکن جماعتی درد دل رکھنے والوں نے لاہور جامعہ مدنیہ میں اجلاس کر کے مولانا عبدالکریم قریشی آف بیر شریف،، ضلع لاڑکانہ کو عبوری مدت کے لئے کنوینئر مقرر کر لیا۔ بعد ازاں جمعیۃ کے اکابرین نے پورے ملک کے دورے کر کے کارکنان کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ چند ماہ بعد باقاعدہ اور باضابطہ اجلاس میں انتخاب ہوا، مولانا سراج احمد دین پوری امیر مرکزیہ، مولانا فضل الرحمٰن ناظم عمومی اور خواجہ خان محمد صاحبؒ سرپرست اعلیٰ منتخب ہوئے۔ بعد ازاں بھی مصالحت کی کوششیں جاری رہیں۔ مولانا اسعد مدنیؒ صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند انڈیا سے تشریف لائے اور شیخ الحدیث مولانا محمد یوسفؒ پلندری آزاد کشمیر سے تشریف لائے مگر ان حضرات کی مصالحت کے لئے مساعی جمیلہ بھی بار آور نہ ہو سکیں بلکہ نہوں نے اپنا ثالثی فیصلہ پریس کانفرنس کے ذریعے مولانا فضل الرحمٰن کے حق میں دے دیا۔ بعد ازاں جے یو آئی کی رکنیت سازی کے بعد باضابطہ الیکشن ہوئے جس میں مولانا سید حامد میاں امیر مرکزیہ اور مولانا فضل الرحمٰن ناظم عمومی منتخب ہوئے۔ مولانا حامد میاں کی وفات کے بعد جنرل کونسل نے مولانا عبدالکریم قریشی آف بیر شریف کو بالاتفاق مرکزی امیر منتخب کر لیا۔ 10 دسمبر 1990ء کو جمعیۃ علماء اسلام کے مخلص و اکابرین کی مسلسل جاری کوششیں بار آور ہوئیں۔ مشترکہ پریس کانفرنس میں دونوں دھڑوں کے اتحاد کا اعلان کیا گیا۔ 12 دسمبر کو عبوری مجلس عاملہ کا اعلان پریس کو جاری کیا گیا جس میں مولانا عبداللہ درخواستی امیر مولانا اجمل خان قائم مقام امیر مولانا فضل الرحمٰن ناظم عمومی اور دیگر ناموں کے ساتھ 18 عہدیداران کا اعلان کیا گیا بعد ازاں پورے ملک میں رکنیت سازی کے عمل سے گزر کر مرکزی مجلس عمومی منتخب ہوئی جس کے ملک بھر سے 427 ارکان نے شیرانوالہ گیٹ، لاہور میں بالاتفاق مولانا عبداللہ درخواستی کو امیر اور مولانا فضل الرحمٰن کو ناظم عمومی منتخب کیا۔ مولانا اجمل خان نائب امیر اول بنائے گئے یوں ایک بار

پھر ملک میں جے یو آئی متحد ہو کر ایک طاقت بن کر ابھری یہاں یہ بات صادق آتی ہے کہ:

غیروں سے نہ مل اپنوں سے نہ کٹ ان کو نہ بڑھا اور آپ نہ گھٹ

فرقوں میں نہ بٹ مرکز سے نہ ہٹ پھر دیکھ اپنی ترقی تو جھٹ پٹ

جمعیۃ علماء اسلام اب ایک ملک گیر سیاسی و مذہبی قوت بن کر پاکستان میں چھا رہی ہے جس کے اکابرین نے دینی اقدار کے احیاء اور قیام پاکستان کے بعد ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے بے پناہ جدوجہد کی، اس ضمن میں زعمائے ملت کی فہرست میں مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا عبداللہ درخواستیؒ، مولانا مفتی محمودؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، خواجہ خان محمدؒ آف کندیاں شریف، مولانا اجمل خانؒ، مولانا عبدالکریم قریشیؒ آف بیر شریف اور مولانا سید حامد میاںؒ شامل ہیں جن کا تابناک ماضی گواہ ہے۔ بندہ فقیر نے تو اپنے اسلاف و اکابرین کی تھوڑی سی جھلک چمک دمک دکھائی ہے۔ تاریخ کا تھوڑا سا ورق الٹ کر بتایا ہے۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

دیکھو دیکھو یہ ہمارے آباؤ اجداد ہیں یہ ہمارے علماء صلحا ہیں یہ ہمارے سرپرست ہیں جن کی غلامی میں ہم مست ہیں آج ہم اپنے بڑوں کے کردار کو سامنے رکھ کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ:

گلشن کے لئے خون جگر ہم نے دیا ہے

ہر شام کو عنوان سحر ہم نے دیا ہے

قارئین حضرات! اب میں اپنے مضمون کو سمیٹتے ہوئے تسلسل کی کڑیاں ملاتے ہوئے 28 مارچ 1995ء کو جے یو آئی کی مرکزی جنرل کونسل کے اجلاس کی جانب لئے چلتا ہوں۔ مذکورہ اجلاس جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور میں دو دن تک سولہ گھنٹے کی طویل نشستوں پر محیط ہے جس میں بڑی بحث و تمحیص کے بعد ناظم انتخابات حاجی امیر نواز خان ایڈووکیٹ دستوری حوالہ سے خفیہ رائے شماری کے ذریعے جنرل کونسل کے تقریباً 300 ممبران کی ووٹنگ

کرواتے ہیں۔ووٹوں کی گنتی کے فوری بعد ناظم انتخاب اعلان کرتے ہیں کہ قومی اسمبلی کی خارجہ کمیٹی کے چیئرمین اور جے یو آئی کے سابق مرکزی جنرل سیکرٹری مولانا فضل الرحمٰن کو بھاری اکثریت سے آئندہ تین سال کے لئے پہلی بار مرکزی امیر اور بلوچستان سے رکن قومی اسمبلی مولانا عبدالغفور حیدری کو سیکرٹری جنرل منتخب کر لیا گیا ہے گویا کہ انکے انتخاب لاجواب پر یہ اعلان بھی واجب البیان ہے سنو کہ:

ہمیں پھر دعوت دین الٰہی عام کرنا ہے
جہانِ کُل میں پھر سے دبدبہ اسلام کرنا ہے

1995ء کے بعد اسی طرح سے تین سال کے بعد دستور کے مطابق مرکزی عمومی تشکیل پاتی ہے اور مرکزی مجلس عمومی اسی ترتیب کو تا حال جاری رکھے ہوئے ہے آج یہ تحریر 20 اکتوبر 2011ء کو لکھی جا رہی ہے اس وقت تک جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی امیر مولانا فضل الرحمٰن صاحب جو قومی اسمبلی میں امور کشمیر کی پارلیمانی کمیٹی کے چیئرمین بھی ہیں۔اس طرح مرکزی جنرل سیکرٹری جے یو آئی مولانا عبدالغفور حیدری ہیں جو کہ سینٹ آف پاکستان میں حزب اختلاف کے سربراہ بھی ہیں۔ان حضرات کو جمعیۃ کے عہدوں پر دیکھ کر کارکنوں کا حوصلہ بڑھتا ہے اور وہ پرعزم ہو کر یہ عہد کرتے نظر آتے ہیں:

جمعیۃ کا پرچم ہم گلی گلی لہرادینگے
باطل کے ایوانوں میں ہم طوفان مچادیں گے

قارئین محترم بندہ 1972ء سے جمعیۃ سے وابستہ ہے جمعیۃ کے ہر نظریاتی ورکر کی طرح بندہ کو کبھی کسی عہدہ کا لالچ نہیں رہا۔بس دعا بھی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مرتے دم تک اپنی رضا کے ساتھ دین کا کام لیتے رہیں۔فی الحال صوبائی شوریٰ کا رکن اور دو دینی ادارے چلا رہا ہوں۔بچوں کا جامعہ رحیمیہ اور طالبات کا جامعہ نور النساء ہے۔شہر کی مرکزی جامع مسجد قادریہ میں خطابت ہے اور الحمدللہ یہ سب کام بے لوث و بلامعاوضہ کر رہا ہوں۔انتہائی مریض ہوں۔قارئین سے دعاؤں کی درخواست ہے۔اللہ تعالیٰ خاتمہ بالایمان نصیب فرمادیں۔آخر

میں اپنی ایک معصوم خواہش اپنے مریدوں اور جمعیۃ کے کارکنوں کے نام تحریر ہے:

بوقتِ آخر تلقین کلمہ کے ساتھ مجھے وطن کا پانی پلا دینا
اور جب رخصتی ہو دنیا سے تو جنازہ پڑھ کے دفنا دینا
میں تاج محل تو نہیں مانگتا لیکن اپنا حق مانگتا ہوں
میری قبر کے پاس جمعیۃ کا پرچم لہرا دینا

و ما علینا الا البلاغ المبین.

☆......☆......☆

محور کہکشانِ علم و معرفت مولانا فضل الرحمن

مولانا شجاع الدین حفظہ اللہ
مہتمم جامعہ اسلامیہ تعلیم القرآن، پڑھنہ مانسہرہ

جمعیۃ علماء اسلام کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس کی سرپرستی اپنے زمانہ کے مایہ ناز اولیاء کرام فرماتے رہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ حضرت شیخ الہندؒ سے لے کر قائد ابن قائد، قائدِ جمعیۃ مولانا فضل الرحمن مدظلہ تک ہر ایک شہسوارِ علم، ماہر فنون، امام ولایت، مقتدر دانشور اور مدبر بھی تھا۔ جمعیۃ علماء اسلام کی تاریخ میں اگر اس چیز کو امت مسلمہ کے سامنے رکھا جائے کہ جمعیۃ علماء اسلام کے امراء کی شان کیا تھی تو ہر ایک شخصیت پر کم از کم ایک ایک عدد ضخیم کتاب کی ضرورت ہوگی اور وہ بھی قارئین حضرات کی پیاس بجھانے کے لئے ناکافی ہوگی۔ اپنوں سے نہ پوچھو کہ وہ تو پاس رہنے والے ہیں۔ شیخ الہندؒ کی جان کے دشمن انگریز سے پوچھو، مدنیؒ کے حاسدین سے پوچھو، عبید اللہ سندھیؒ کے بارے میں وقت کے سامراج سے پوچھو، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور ظفر احمد عثمانیؒ کے بارے میں پاکستان میں جمعیۃ علماء اسلام کی حریف مسلم لیگ سے پوچھو۔ حضرت لاہوریؒ کی گواہی خانقاہ، جیل کی کال کوٹھڑی، مسجد کا منبر اور لاہور کے مال روڈ دیں گے کہ کس پائے کا مرد قلندر تھا اور کیا کر گیا ہے۔ مفتی محمودؒ کی تاریخ سے واقفیت درکار ہو تو 1973ء کا آئین ہی ایک کافی گواہی ہے کہ کس طرح سیکولر اور لادین قیادت کے سامنے قوت استدلال اور تدبر سے اس آئین کو اسلامی سانچے میں ڈھال کر مسلمانان پاکستان پر عظیم احسان فرمایا اور اگر ان کی دلیری اور معاملہ فہمی سے آگاہی کی ضرورت ہو تو عصر حاضر

کے دجالی فتنہ قادیانیت سے پوچھو کہ کس طرح پاکستان سے باہر نکال دیا کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔مولانا سید حامد میاںؒ کی گواہی ضیاء الحق کا دورِ مارشل لاء دے گا کہ کیسا مرد آہن تھا اور آمر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کس طرح مقابلہ کیا۔حضرت درخواستیؒ کے علم و عمل اور زہد و تقویٰ کی گواہی پاکستان اور بیرون پاکستان حرمین شریفین کے درودیوار دیں گے۔باقی رہا قائد جمعیۃ ،قائد ابن قائد مولانا فضل الرحمٰن کا ذکر تو ان کی زندگی ان سب سے مختلف بھی ہے ،یہ محسن علماء دیوبند بھی ہیں اور مظلوم قائد علماء دیوبند بھی ہیں،اس جملہ میں صاحب بصیرت و بصارت کے لئے بڑا سبق ہے۔اب میں اپنے قائم کردہ عنوان کی طرف آتا ہوں۔یوں تو میرا قائد ہمیشہ ہی اہل علم و معرفت کے سایہ دراز میں ہوتا ہے چاہے وہ اسمبلی میں ہو یا باہر، پاکستان میں ہو یا بیرون ملک ہر جگہ علم کی مجلس کی زینت ہوتا ہے یا عملی مجالس میں بیٹھے ہوئے اپنی زندگی کو مزین کئے ہوئے ہوتا ہے لیکن کسی خوش قسمت کی زندگی کے چند لمحات ایسے ہوتے ہیں کہ بڑے بڑے اس مرتبہ کے حصول کے لئے ترستے پائے جاتے ہیں اور حاسدین جل بھن کر رہ جاتے ہیں اور یہ سعادت ہماری ناقص معلومات کے مطابق صرف اور صرف قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن کے نصیب میں پاکستان بننے کے بعد اللہ رب العزت نے رکھی ہے۔آیئے آج سے تقریباً 10 سال قبل 9,10,11 اپریل 2001ء پشاور کے وسیع و عریض میدان تاروجبہ میں ڈیڑھ سو سالہ خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس میں جاتے ہیں ۔ذرا سوچئے تو سہی یہ کانفرنس منعقد کرنا کتنا مشکل کام تھا۔اس کے لئے حضرت اقدس مولانا مفتی جمیل خان صاحب شہیدؒ نے کاروان دیوبند کے مقدمہ میں جو آغاز فرمایا ہے اس کا ایک پیراگراف درج کرتا ہوں حضرت شہیدؒ رقم طراز ہیں:

”جمعیۃ علماء اسلام کے قائد مولانا فضل الرحمٰن نے اپنے والد محترم اور علماء حق کے سرخیل قائد تحریک نظام مصطفیٰ ،مجاہد ملت ،محدث کبیر ،مفسر قرآن ،فقیہ دوراں، مفتی اعظم پاکستان، جامعہ قاسم العلوم کی مسند حدیث کی رونق ،علماء دیوبند کے بے باک ترجمان ،اعلائے کلمۃ اللہ کی علامت امت مسلمہ کے محبوب رہنماء ،علم و عمل کے پیکر ،مفکر اسلام ،قائد جمعیۃ علماء

اسلام، مخدوم العلماء، قدوۃ السالکین، رہبر شریعت، ولی کامل حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے وعدہ کو پورا کرنے اور ان کے خوابوں کی تعبیر کرنے کے لئے 9,10,11 اپریل 2001 کو سہ روزہ ڈیڑھ سو سالہ خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا تو پاکستان کے تمام مسلمان عمومی طور پر اور جمعیۃ علماء اسلام کے راہنماء اور کارکن خصوصی طور پر حیرت زدہ ہو گئے کہ اتنا عظیم کام اور اتنے بڑے چیلنج کو کس بل بوتے پر قبول کر لیا۔ (مشرف کا دور تھا ملک کی مقتدر سیاسی جماعتیں گوشہ عافیت کی تلاش میں تھیں پی پی پی خود ساختہ جلاوطنی میں اور مسلم لیگ نے اپنی سابقہ روایات کا پاس کرتے ہوئے مشرف سے دس سالہ معاہدہ کر کے اپنے قائد نواز شریف اور میاں شہباز شریف کو بمع اہل خانہ جدہ روانہ کر دیا تھا اور باقی ماندہ ق لیگ کی چھتری میں عافیت پا رہی تھیں۔ تمام مذہبی جماعتیں خاموش تماشائی بنی بیٹھی تھیں اور امریکہ بہادر نے افغانستان اور پاکستان میں ایک نئی چال کے ساتھ مسلمانان پاکستان کو للکارا تھا۔ آئے روز بم دھماکے اور خودکش حملے معمول بن چکے تھے۔ راقم الحروف) مسلک دیوبند سے وابستہ علماء کرام اور کارکنوں کی یہ حالت کہ وہ کئی ٹکڑوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ جمعیۃ علماء اسلام اپنی تمام سیاسی قوت کے باوجود سمیع الحق گروپ اور قادری گروپ کے اختلافات اور مزاحمت کی وجہ سے ہر وقت مشکلات کا شکار اور کسی متفقہ پلیٹ فارم یا متحدہ مشن اور کاز کو پیش کرنے کی پوزیشن میں نہ رہی۔ سپاہ صحابہؓ پاکستان، لشکرِ جھنگوی اور جہادی قوت کے مختلف ٹولوں میں بٹے ہونے اور مدارس میں تھانوی اور مدنی موجودہ حکومت سے متعلق نرم گوشہ رکھنے اور مذہبی حیثیت سے مجلس احرار اسلام (عطاء المومن) (عطاء المہیمن) انٹرنیشنل ختم نبوت ﷺ، الاخوان، مجلس تحفظ حقوق اہلسنت، مجلس علماء اسلام، تنظیم اہلسنت، شریعت کونسل، ورلڈ اسلامک فورم اور اس جیسی کئی 25,30 تنظیموں میں بکھرے ہونے کی بناء پر اپنے مادر علمی اور مشترکہ اور متحدہ مرکز دارالعلوم دیوبند کے تاریخی کردار کے حوالہ سے کسی پروگرام کا سوچنا ظاہری طور پر ایک ناممکن عمل ضرور نظر آتا تھا۔ دوسری طرف ملکی حالات ایسے کہ ایک فوجی حکمران کی حکومت جس کے نزدیک آئین و قانون کی بالادستی کی کوئی حیثیت نہیں اس کی

زبان سے نکلا ہوا لفظ قانون کی حیثیت رکھتا تھا۔ ملک چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا اور اندرونی طور پر انتشار و افتراق کا شکار لیکن دارالعلوم دیوبند سے وابستہ علماء کرام کو اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں یہ امتیازی حیثیت دی کہ وہ حالات و واقعات اور ماحول سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ اللہ پر توکل کے سہارے بڑے سے بڑے تاریخی کام کا بیڑا اٹھانے سے گریز نہیں کرتے اور آہ سحر گاہی اور علماء کرام کی مشاورتوں کے بعد نتائج سے بے پرواہ ہو کر میدان عمل میں اتر جاتے ہیں تو بڑی سے بڑی قربانی بھی ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی۔

مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ نے 21، 22، 23 مارچ 1980ء کو دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ کانفرنس میں پاکستان کے کم از کم 600 علماء کرام کے قافلہ کی قیادت کرتے ہوئے شریک ہوئے جس کی صدارت حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ صاحب نے کی جس میں مفکر اسلام مفتی محمودؒ نے اپنے خطاب میں حضرت صدر جلسہ قاری محمد طیبؒ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کے ہزاروں فضلاء کرام گزشتہ ایک صدی سے خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور ایک صدی میں ہزاروں مدارس اور مختلف مساجد میں درس کے ذریعہ لاکھوں شاگرد در شاگرد دارالعلوم سے اپنے مادر علمی کا منبع اور ماخذ تصور کرتے ہوئے گہری محبت و عقیدت رکھتے ہیں۔ یہی صورتحال افغانستان و بنگلہ دیش کی بھی ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کی آپس کی صورتحال کسی سے مخفی نہیں جس کی وجہ سے ویزا کی سختیاں اور شکوک و شبہات اور نفرت کی فضا کی وجہ سے ہزاروں افراد کا دیوبند آنا ممکن بھی نہیں چہ جائیکہ لاکھوں افراد کی آمد کے دونوں ملک متحمل ہو سکیں اس لئے میری رائے اور تجویز یہ ہے کہ بالکل اسی انداز میں پاکستان، بنگلہ دیش اور افغانستان میں بھی خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنسیں منعقد ہونی چاہئیں، اس کے سلسلہ میں میں پیشکش کرتا ہوں کہ میں اور میری جماعت جمعیۃ علماء اسلام تمام تر سیاسی وابستگیوں اور مفادات سے بالاتر ہو کر اپنے مادر علمی کی خدمت کے جذبہ کے پیش نظر اس اجلاس کی میزبانی کرے تو خدام کی حیثیت سے بھی کام کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مجھے امید ہے کہ میری اس تجویز کو اخلاص پر محمول کرتے ہوئے شرف قبولیت بخشا جائے گا۔

اس تجویز کو مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا قاری محمد طیب صاحب نے بے حد سراہا اور اس سلسلہ میں مفتی محمود صاحب کو اختیار دے دیا کہ وہ پاکستان کے علماء کی مشاورت سے خدمات دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجتماع کا انتظام کریں۔ دارالعلوم دیوبند کے تمام علماء کرام اس میں نہ صرف شرکت کریں گے بلکہ بھرپور انداز میں معاونت بھی کریں گے۔ بعد ازاں واپس جب پاکستان تشریف لائے حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ ایک طرف مارشل لاء کی سختیاں کلمہ حق کہنے والوں کے لئے کوڑے اور جیل کے دروازے استقبال کر رہے ہیں تو دوسری طرف قافلہ علماء حق علماء دیوبند کے سرخیل علماء کرام دنیا سے ایک ایک کر کے کوچ کرتے جا رہے ہیں۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان، مجاہد ملت، ترجمان حق و صداقت، بطل حریت، حدی خوان دیوبند مولانا غلام غوث ہزاروی، قائد تحریک ختم نبوت، عاشق رسول، بحر علوم قرآن، محدث العصر مولانا یوسف بنوری، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب تو ہندوستان کے سفر سے واپسی کے بعد بہت جلد ہی اس دارِ فانی سے دنیا کی سختیاں اپنے اوپر جھیلتے ہوئے اپنے رب کریم کے حضور رضا بہ قضا ہوئے اور سفید چادریں اوڑھے قبروں میں راحت و آرام کی میٹھی نیند سوئے ہوئے ہیں۔ خود قائد جمعیۃ مفکر اسلام فخر دارالعلوم دیوبند مفتی محمود 14 اکتوبر 1980ء میں اس دارفانی سے رخصت ہوگئے اور اپنی جو ذمہ داری کا اضافی بوجھ جو صد سالہ دارلعلوم دیوبند کانفرنس سے لے کر آئے تھے وہ بھی اور پاکستان میں جمعیۃ علماء اسلام کی مشکل ترین قیادت بھی اپنے نوخیز بیٹے فرزند ارجمند مولانا فضل الرحمٰن کے کاندھوں پر ڈال گئے۔ بعد ازاں اکثریت کے فیصلے کی روشنی میں جمعیۃ علماء اسلام کے جنرل سیکرٹری قرار پائے۔ قائد جمعیۃ اس منصب پر فائز ہوتے ہی علماء حق کی سنت کے مطابق آزمائش کی بھٹی میں ایسے گھرے کہ ابتدائی کئی سال تک غیروں اور اپنوں کے تیروں کا نشانہ بنتے رہے اور جوانی کے ابتدائی ایام ہی میں جیل کی کال کوٹھڑی کی زینت قرار پاتے ہوئے مختلف اوقات میں جیل میں تقریباً 5 سال کا عرصہ گزار دیا۔ حضرت مفتی صاحب کی تجویز "خدمات دارلعلوم دیوبند کانفرنس" کا دور دور تک نام بھی سننے میں نہ آتا۔ زمانہ گزرتے گزرتے عرصہ

بیس سال گزر گئے لیکن حقیقی وارث اور جانشین کے طور پر بہادر باپ کے بہادر بیٹے نے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس دور کا انتخاب کیا جب!

1۔ ملک میں دینی مدارس کے خلاف چہار سو دہشت گردی اور انتہا پسندی کا الزام امریکہ اور روس کے حواری نادان حکمرانوں کی زبان زد عام تھا اور ہر طرف دینی مدارس کو ہراساں کرنے کے لئے مدارس پر چھاپے، مقدمات اور گرفتاریاں کی جارہی تھیں۔

2۔ امریکہ کے خونخوار درندے افغانستان پر چڑھائی کرنے کے لئے صف بندی میں مصروف عمل تھے۔

3۔ علماء کرام جو سیاست کو شجر ممنوع کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے دبکے بیٹھے تھے۔

4۔ مشرف کا طوطی بولتا تھا ملک کی مقتدر سیاسی قوتیں پی پی پی اور مسلم لیگ (ن) اپنی جان کی امان مانگ کر جدہ اور برطانیہ سدھار گئے تھے۔

5۔ جمعیۃ علماء اسلام کے علماء کا راستہ روکنے کے لئے کبھی اسناد کا مسئلہ اٹھایا جاتا تو کبھی مشرف ملک میں مذہب پر ہاتھ صاف کرنے کے لئے آئین میں تبدیلیاں لانے کی خواہش رکھتا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ترجمان علماء دیوبند مفتی محمودؒ کے فرزند ارجمند نے سارے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے دیوبندی ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے شیخ الہندؒ، مدنیؒ اور سندھیؒ کے مذہبی و سیاسی تدبر کا اظہار کرتے ہوئے مغربی استعمار کے پنجوں میں جکڑے ہوئے امت مسلمہ کے وجود کو دیکھا تو ٹھیک 21 سال قبل والد ماجد کا وعدہ قاری محمد طیب مہتمم درالعلوم دیوبند سے کیا ہوا یاد آیا کہ اس وعدہ کے ایفاء ہی کے اندر بدمست امریکی ہاتھی سے امت مسلمہ کے وجود کو محفوظ رکھ سکتے ہیں تو پھر آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اپنی جماعت جمعیۃ علماء اسلام کی مشاورت سے

تاریخوں کا اعلان فرما دیا حالانکہ خود حضرت مفتی محمودؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا یوسف بنوریؒ، مولانا عبداللہ درخواستیؒ، مولانا عبدالحقؒ، مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، مفتی احمد الرحمانؒ، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اور رفیق شیخ الہند مولانا عزیر گلؒ ایک ایک کر کے دنیا سے چلے گئے تھے جن کی دعائیں بڑے سے بڑے کام کو آسان تر کر دیتی تھیں اور ناممکن کو خداوند کریم سے وجود دلانے والی ہوتی تھیں۔ یہ دعائیں بھی میسر نہ تھیں کہ مولانا فضل الرحمٰن ان حضرات کے در اقدس پر حاضری دے کر اس کے لئے دعائیں کرا دیتے لیکن جوں جوں دینی مدارس، ارباب دعوت و تبلیغ، دینی قوتوں، خانقاؤں وغیرہ کے اردگرد گھیرا تنگ ہوتا جا رہا تھا اسی شدت سے قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن کا سینہ مکار و عیار دشمن پر کاری ضرب لگانے کے لئے بے تاب ہوتا جا رہا تھا۔ آخر کار عشق الٰہی کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہر طرف کے خطرات سے منہ پھیرتے ہوئے رب کے حضور اپنی التجاؤں کو رکھنے کے بعد اپنے رفقاء سے مشورہ فرمایا۔ مولانا گل نصیب کے تو نصیب ہی گل ہیں ان سے شیخ مولانا امان اللہ خان صاحب، مولانا عطاء الرحمٰن اور حاجی عبدالجلیل جان صاحب وغیرہ سے مشورہ کیا گیا تو گویا یہ تو پہلے ہی دل پھینک چکے تھے۔ مولانا کی اس خواہش پر کہ ہم منتظر ہیں آپ کے اشارے کے۔ جمعیۃ علماء اسلام، صوبہ سرحد نے اپنے آپ کو اس عظیم کام کی میزبانی کے لئے پیش فرمایا تو مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ نے جمعیۃ علماء اسلام، پاکستان کی مجلس عاملہ کی منظوری کی شرط پر اجازت مرحمت فرمائی بعد ازاں مرکزی مجلس شوریٰ جمعیۃ علماء اسلام، پاکستان نے بھی اسے قبول فرما لیا۔

اگلا مرحلہ ترسیل دعوت کا تھا جس میں اہم ترین کام تمام مکاتب فکر کے علماء دیوبند کو شریک کرنا تھا جو انتہائی مشکل ترین کام تھا تو اس کے لئے بھی قائد جمعیۃ نے تمام تر اختلافات بالائے طاق رکھ کر جمعیۃ کے احباب کو دعوت پر مامور فرمایا اور جہاں جہاں جانا مشکل تھا کہ وہاں کے اکابرین یا تو سیاست سے یکسر دور تھے یا جمعیۃ کے مخالف دھڑے تھے مولانا از خود تشریف لے گئے۔ اور فاضلین علماء دیوبند جو موجود تھے اکثر نامی گرامی حضرات

کے دولت کدوں پر خود حاضری دی۔ تبلیغی مرکز رائے ونڈ میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ نے موجودہ زمانے کے تمام مسلمانوں کے لئے محور عقیدت حاجی عبدالوہاب صاحب، مولانا جمشید صاحب مدظلہ اور دیگر علماء کرام سے ملاقاتیں فرمائیں۔ دارالعلوم جامعہ حقانیہ میں جو اول تا آخر مخالف سمت چلتے ہیں حضرت اقدس مولانا سمیع الحق کے پاس تشریف لے گئے۔ اسی طرح وفاق المدارس العربیہ کے صدر مولانا سلیم اللہ خان صاحب، دارالعلوم کراچی میں حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی، حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ سے ملاقاتیں فرمائیں۔ جامعہ اشرفیہ، لاہور میں مولانا عبید اللہ اشرفی صاحبؒ سے اور مولانا فضل الرحیم صاحب سے ملاقاتیں خصوصی طور پر کی گئیں۔ ان تمام اکابرین سے تعاون کی درخواست کرتے ہوئے فرمایا کہ

> ”میں وضاحت سے عرض کرتا ہوں کہ یہ خالص علمی پروگرام ہے اور اس کا جمعیۃ علماء اسلام کی سیاست سے کوئی تعلق نہیں“

اسی طرح بیرونی ممالک ہندوستان اور بنگلہ دیش کے علماء کرام سے ملاقاتوں کے لئے حکومت سے درخواست کی گئی کہ ان ممالک کے علماء کرام کو دعوت دینے کے لئے وفد کو ویزے کی سہولت فراہم کی جائے۔ وزارت خارجہ نے ویزے جاری کئے تو وفد ان دونوں ملکوں میں گیا اور دعوت دی گئی۔ ان ممالک کے علماء کرام نے بھی بھرپور تعاون کی یقین دہانی کروائی۔

آخر ایک سال کی محنت شاقہ کے بعد کانفرنس کا انعقاد قریب سے قریب تر ہوتا گیا۔ اس عرصہ میں صوبہ سرحد کی مساجد و مدارس میں سورۃ یٰسین کے ختم کا بھی اہتمام کیا گیا۔ ایسا سماں بن گیا کہ صوبہ سرحد خصوصی طور پر اور پاکستان کے غیور مسلمانوں نے عمومی طور پر دارالعلوم دیوبند سے اپنی عقیدت کا اظہار اس طرح فرمایا کہ ہر خاص و عام نے اس عقیدت کو کھلی آنکھوں دیکھا۔ 1980ء میں سرزمین دارالعلوم دیوبند نے اپنی پیٹھ پر علم و عمل کے موجزن سمندروں کے قدم چومے تھے۔ ٹھیک 21 سال بعد سرزمین پشاور نے یہ سعادت پائی۔ جماعت اولیاء اللہ کے کئی شہرہ آفاق نامی گرامی حضرات لاکھوں کی تعداد میں بخوشی وبخواہ

کی سرزمین کو نورِ ایمان اور عشق رسول ﷺ سے معطر فرماتے ہوئے قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت میں تارو جبہ پر قدم رکھ چکے تھے۔ مولانا فضل الرحمٰن کہکشان علم و معرفت میں ایسے مہتاب کی طرح جگمگا رہے تھے جیسے موسم بہار میں رات کو چاند ستاروں کے درمیان چمکتا ہو اور موسم کی لطافت کے ساتھ ساتھ فلک کا منظر بھی دلکشی میں رنگ بھرتا ہے۔ یہ منظر تارو جبہ میں لاکھوں فرزندان توحید و رسالت نے دیکھا۔ قائد ملت اسلامیہ قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن کو مطلع کیا کہ وہ مہمانوں کو لے کر پہنچ جائیں تاکہ ڈیڑھ سو سالہ خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس کا آغاز کریں۔

علم کی کہکشاں کے ساتھ مولانا اسٹیج پر:

مولانا فضل الرحمٰن صاحب دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت اقدس مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب، نائب مہتمم مولانا محمد عثمان، جمعیۃ علماء ہند کے سربراہ مولانا سید اسعد مدنی، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اعظمی، دارالعلوم دیوبند کے مدیر اور استاذ حدیث مولانا مفتی حبیب الرحمٰن قاسمی، جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد کے شیخ الحدیث مولانا مفتی شبیر احمد، جامعہ قاسمیہ کے استاذ حدیث اور مدیر ماہنامہ ندائے شاہی مولانا مفتی سلمان منصور پوری، دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ مولانا نعمت اللہ، مولانا مفتی حبیب الرحمٰن خیر آبادی، جناب قمر الدین صاحب، مولانا عبدالرحیم بستوی، صاحبزادہ مولانا اظہر مدنی، صاحبزادہ مولانا محمد انوار، مولانا محمد عالم گورکھپوری اور صاحبزادہ مفتی عفان منصور پوری کے ہمراہ پنڈال پہنچے تو انصار الاسلام کے چاق و چوبند دستوں نے ان اکابرین کا پرجوش استقبال کیا اور اپنے جھرمٹ میں ہزاروں عقیدت مندوں کے ہمراہ خصوصی دروازے سے اسٹیج پر پہنچایا تو پندرہ لاکھ جانثاران دارالعلوم دیوبند فرزندان توحید و حاملین قرآن و سنت نے کھڑے ہو کر کئی منٹ تک نعروں کی گونج میں اپنے اکابرین کا خیر مقدم کیا۔

مولانا فضل الرحمٰن کے خطبہ استقبالیہ کا اثر:

قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن کے خطبہ استقبالیہ تقریر جو اسلام کی عظمت، غلبہ دین اور تمام دنیاء کفر کو اسلام کی دعوت پر مشتمل تھی اتنی جامع اور پراثر تھی کہ مجمع پر ایک سکوت طاری کر دینے

کے ساتھ ساتھ اکابرین علماء دیوبند نے بھی پر جوش انداز میں مولانا کے اظہار خیال کا خیر مقدم کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح مولانا فضل الرحمٰن اور ان کے رفقاء صوبہ سرحد نے مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ کے خواب کی تعبیر بہت ہی بہترین انداز میں کی اسی طرح قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن کی خیر مقدمی تقریر نے مولانا مفتی محمودؒ کی کمی کے احساس کو نہ صرف کم کیا بلکہ ختم ہی کر دیا۔ وہی مدلل انداز، وہی پر اعتماد لہجہ، خوبصورت ٹھہراؤ، یقین محکم اور اعتدال۔

11 اپریل کو جب آخری نشست کے لئے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن اپنے قافلہ اساتذہ علماء دیوبند کے ہمراہ اور جمعیۃ علماء ہند کے امیر جانشین شیخ العرب والعجم مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ اپنے رفقاء اور اپنے میزبان مفکر ابن مفکر قائد ابن قائد مولانا فضل الرحمٰن کے ہمراہ اسٹیج پر جلوہ افروز ہوئے اور فضلاء دارالعلوم دیوبند اپنی پیرانہ سالی اور علم وعمل سے منور چہروں کے ساتھ اسٹیج کے دائیں جانب تشریف فرما تھے تو مجمع عشق و مستی اور وجد کے عالم میں تھا جو مسلمانان پاک و ہند کو بجا طور پر ہونی چاہیے کہ ان ہی بوریہ نشیں چہروں کی مرہون منت یہ دھرتی اسلام اور مسلمانوں سے آباد ہے والہانہ عقیدت و جوش خروش کا اظہار کر رہا تھا۔

مولانا فضل الرحمٰن کی دستار بندی:

مجمع کے لئے اسٹیج پر جلوہ افروز علماء کرام کا دیدار ہی کیا کم نعمت غیر مترقبہ تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم مجلس تحفظ ختم نبوت، انڈیا کے ناظم شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا حسین احمد مدنیؒ کے داماد مولانا قاری محمد عثمان صاحب نے حالات کی نزاکت اور طاغوتی طاقتوں پر ایک کاری ضرب لگانے والا اعلان کر کے شرکاء کانفرنس کے لئے مزید وجد کی کیفیت پیدا کر دی۔ اعلان یہ فرمایا کہ جس طرح دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جشن کے موقع دیوبند کے عظیم اجتماع میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ نے مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ کو مدرسہ شاہی، مراد آباد کے فاضل ہونے کی نسبت سے فرزند دارالعلوم دیوبند کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا۔ اسی طرح آج دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کرام اور ہندوستان کے علماء کرام کی

جانب سے جانشین مفتی محمودؒ قائد جمعیۃ علماء اسلام مولانا فضل الرحمٰن کو دارالعلوم جامعہ حقانیہ کے فاضل ہونے کی نسبت سے فرزند دارالعلوم دیوبند کا خطاب دیتے ہوئے حضرت مہتمم صاحب اور مولانا سید اسعد مدنی صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ فرزند دارالعلوم دیوبند مولانا فضل الرحمٰن کے سر پر دستار فضیلت زیب فرمادیں۔

لاکھوں شرکاء کی طرف سے قائد جمعیۃ کو دادو تحسین:

قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن پر اس اعتماد کا اظہار ہوتے ہی اسٹیج پر موجود تمام علماء کرام مشائخ عظام اور لاکھوں فرزندان دارالعلوم دیوبند نے کم از کم دس منٹ تک کھڑے ہو کر تائید کی اور اپنے محبوب ومحسن دارالعلوم دیوبند قائد ملت اسلامیہ کو خراج تحسین پیش فرمایا۔

مجسم پیکر واخلاص کی تصویر:

عجز وانکسار کی تصویر اور تدبر وتفکر کی علامت قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن سر جھکاتے ہوئے آگے بڑھے اور ملت اسلامیہ کے اولیاء اللہ کے سامنے مستقبل کی دینی ذمہ داریوں کا کوہ گراں اپنے کندھوں پر اٹھانے کے لئے اورر طاغوت اور سامراج اوران کے ایجنٹوں کے بالمقابل صف آراء ہونے کے لئے ادب واحترام سے سر تسلیم خم کئے کھڑے تھے۔ان اکابرین نے اکابرین کی نسبت والی دستار مولانا فضل الرحمٰن کے سر پر باندھی۔حضرت اقدس مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے دستار بندی کا آغاز فرمایا اور حضرت اسعد مدنیؒ اور مولانا قاری محمد عثمان، مولانا سعید احمد پالنپوری، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اعظمی مدظلہ نے دستار کی تکمیل فرمائی ۔دستار سجا کر جب قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن اپنے نئے روحانی اور اکابرین کے اعتماد کے حصول کے بعد جب اسٹیج پر فرزندان توحید وسنت، محبان اسلام دارالعلوم دیوبند کے سامنے تشریف لائے تو لاکھوں افراد نے اپنے محبوب قائد کو ملت اسلامیہ کی قیادت کا فریضہ اٹھانے پر داد تحسین واعزاز بخشنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ساتھ ہی اکابرین نے مولانا عبدالغفور حیدری، مولانا گل نصیب خان اور مولانا عطاء الرحمٰن کو بہترین خدمات پر دستار وانعامی شیلڈز عطاء فرمائیں۔

حصول اعتماد کے بعد قائد جمعیۃ کا خطاب:

تقریب دستار بندی کے بعد قائد جمعیۃ علماء ہند مولانا سید اسعد مدنیؒ نے مختصر خطاب فرمایا۔آخری خطاب اور اعلامیہ پیش کرنے کے لئے مولانا فضل الرحمٰن کو دعوت دی گئی تو مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ نے خطبہء استقبالیہ کی ہی طرح مزید پر اعتماد انداز میں مدلل، پرمغز اور جامع خطاب فرماتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کی مرکزیت اور اسلام کی عظمت کا اظہار کرتے ہوئے امریکہ،مغرب اور لادین قوتوں کو اسلام کی دعوت دی۔(انشاء اللہ راقم الحروف اللہ تعالیٰ سے مدد و نصرت کی دعا کے ساتھ یہ عزم رکھتا ہے کہ بہت ہی جلد قائد جمعیۃ کے تمام اہم خطاب ضبط تحریر کر کے اپنے برادران جمعیۃ کے روبرو پیش کرے گا آپ سے بھی دعاؤں کی درخواست ہے)۔

قائد جمعیۃ کے خطاب کے بعد مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے حکم پر ان کی نیابت میں دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم مولانا قاری محمد عثمان صاحب نے نہایت ہی الحاح و عاجزی سے گڑگڑا کر دعا فرمائی۔پورا مجمع سکتہ کی حالت میں تھا،اپنے رب کے حضور تشکر اور ندامت کے آنسو بہا رہا تھا اور اسلام کی سربلندی کے لئے رب کریم کے حضور دعا گو تھا۔مولانا کی ڈیڑھ سو سالہ دارالعلوم دیوبند کانفرنس،علماء کرام کے جم غفیر اور قاری عثمان صاحب کی ہی دعاؤں کا اثر تھا کہ امریکہ اور اس کے پاکستانی ایجنٹ حکمران مذہب اور دینی مدارس کے خلاف یک جان ہونے کے باوجود بھی کچھ نہ بگاڑ سکے اور نہ ہی بگاڑ سکیں گے۔انشاء اللہ!

1980ء میں مفکر اسلام قائد جمعیۃ مولانا مفتی محمودؒ کو دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ کانفرنس میں دستار فضیلت سجا کر اکابرین نے قیادت کا حق سونپ دیا پھر اس حق کا حقدار 21 سال بعد پاکستان کی سرزمین پر قائد ابن قائد، مفکر ابن مفکر، سامراج دشمن ابن سامراج دشمن اور مدبر ابن مدبر مولانا فضل الرحمٰن 11 اپریل 2001ء کو تارو جبہ میں ٹھہرایا گیا۔21 سال تک جو علماء کرام اور قائدین مولانا پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے رہے مختلف

ادوار میں مختلف الزام تراشتے رہے اگر وہ اجتماعیت کے دعویدار ہیں، اگر مملکت خداداد پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ میں مخلص ہیں ،اگر اسلامی دنیا میں دین اسلام کا اور خصوصاً پاکستان میں دینی اقدار کا تحفظ ان کا مطمع نظر ہے، طاغوتی طاقتوں کو شکست فاش دینی ہے، امریکہ جیسے سفید بدمست ہاتھی کو لگام ڈالنی ہے اور دینی مدارس اور خانقاہوں کے نظام کا تحفظ کرنا ہے تو آپ حضرات کو چاہیے کہ پوری امت مسلمہ کے مسلمہ اکابرین علماء دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کے امیر اور دیگر جیّد علماء کرام کے وست شفقت اور دستار فضیلت مولانا فضل الرحمٰن کے سر پر سجانے کے بعد ان تمام حضرات کے لئے تو کوئی راستہ باقی نہ رہتا تھا کہ اس کے بعد بھی جمعیۃ علماء اسلام کے خلاف اپنے مورچوں سے موقع بموقع سنگباری کرتے بلکہ اس کے بجائے اسی ڈیڑھ سو سالہ خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس کے اسٹیج پر ہی کھڑے ہو کر اعلان فرماتے خصوصاً شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کو تو بہر صورت چاہیے تھا کہ دارالعلوم حقانیہ کی نسبت سے اگر علماء دیوبند نے انتخاب کیا ہے تو پھر کوئی تو وجہ تھی کہ اکابرین مولانا کو فرزند دارالعلوم دیوبند کا خطاب عنایت فرماتے ہیں تو یہ بطور فخر کھڑے ہو کر اعلان کرتے کہ ہمارے ادارے کی نسبت سے اور انعقاد ڈیڑھ سو سالہ خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس کی وجہ سے مولانا فضل الرحمٰن پر اعتماد ہے تو میں بھی اپنے اکابرین کے اعتماد پر اعتماد کرتے ہوئے قائد جمعیۃ کی قیادت میں اپنے گروپ کو شامل جمعیۃ کرتا ہوں اور آج کے بعد دیوبندی کاز کے لئے شانہ بشانہ کام کروں گا۔ اگر اب بھی دل تسلیم نہیں کرتا تو پھر ان دو وجوہ کے بغیر کوئی تیسری نہیں ہوسکتی۔

1۔ ہمیں اپنے اکابرین علماء دیوبند کا فیصلہ قبول نہیں۔

2۔ یا ہم ایجنسیوں کے ہاتھ میں کھیلتے کھیلتے اتنے دور نکل چکے ہیں کہ واپسی کا مصمم ارادہ کرنے کے باوجود بھی ہمارا وجود ہمارے ہاتھ میں نہیں۔

(قائدین بھی غور کریں اور قائدین کے چاہنے والے بھی غور کریں)

اکابرین موقع بموقع مولانا فضل الرحمٰن کے بارے میں کیا فرماتے ہیں:

1۔مولانا مرغوب الرحمٰن مدظلہ، مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

"دارالعلوم دیوبند کے اکابر اور بانیوں کو بھی اسی خانوادہ علم و دانش سے نسبت فیض حاصل ہے کہ ان بزرگوں نے جب دیکھا کہ انگریزی سامراج کے ظل اقتدار میں ذہن وفکر اور تہذیب و تمدن کا زبردست انقلاب مسلمانوں کی بساط تہ و بالا کر دینے پر تلا ہوا ہے تو انہوں نے اس سیلاب کے آگے بند باندھنے کی سعی کی اور جہاد بالسیف سے غفلت نہ برتتے ہوئے انہوں نے دیوبند کی سرزمین پر اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کی مذہبی اقدار کی حفاظت کے لئے عربی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ان بزرگوں میں سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہؒ مہاجر مکی، حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ،قطب الاقطاب مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ،مولانا سید عابد حسینؒ دیوبندی اور مولانا فضل الرحمٰن کے نام سرفہرست ہیں"۔

2۔مولانا محمد نبی، (افغانستان) فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کروڑہا کروڑ رحمتیں ان اکابرین پر نازل فرمائیں جنہوں نے اپنی جہد مسلسل سے زمانے کی سب سے بڑی سامراجی اور ابلیسی قوت یعنی انگریزوں کی قوت کا خاتمہ کر دیا اور اسلام دشمن قوت کا خاتمہ ان اکابرین دیوبند نے کیا تھا ہمارے انہی کابرین نے جو کہ چمکتے ہوئے ستارے تھے ان میں ایک ذات حضرت مفتی محمودؒ کی ہے۔اسی طرح ان اکابرین کی کوششوں سے اس روئے زمین پر اسلامی مملکت پاکستان کا ظہور ممکن ہوا۔ان اکابرین کی جلائی ہوئی مشعل کو سدا جلائے رکھنے اور ان کے مشن کی حفاظت کے لئے الولد سر لابیہ کے مصداق حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم ان کے جانشین بنے"۔

(ڈیڑھ سو سالہ کانفرنس میں خطاب)

3۔مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر صاحب، مہتمم جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن:

"آخر میں سب سے پہلے میں اپنے آپ کو پھر آپ حضرات اور اس جامعہ (دارالعلوم

دیوبند) کے بیٹوں (علماء کرام) کو اور ان کی روحانی اولاد کو اللہ سے ظاہری و باطنی ہر حالت میں ڈرتے رہنے کی نصیحت کرتا ہوں اور اس امانت کی صحیح پاسداری اور حفاظت کرنے اور امت میں صحیح طور پر پھیلانے اور اتحاد و اتفاق کی۔ اس لئے کہ آپ کے اس اتحاد میں امت کا اتحاد ہے اور اسی سے ان میں اسلامی فکر، دینی آزادی اور جذبہ جہاد پیدا ہوگا کی نصیحت کرتا ہوں اور میں ایک بار پھر تمام حضرات علماء کرام اور خاص طور پر مجاہد ابن مجاہد اور بہادر ابن بہادر مولانا فضل الرحمٰن کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں جنہوں نے مجھے اظہار خیال کا موقع دیا اور انہیں اور جمعیۃ علماء اسلام کے تمام عہدیداروں، کارکنوں اور تمام مسلمان بھائیوں کو اس عظیم الشان دینی اجتماع کی کامیابی پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ ساری امت آپ کے ساتھ ہے اور اللہ پاک ہم سب کے ساتھ ہیں"۔

(ڈیڑھ سو سالہ خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس، پشاور)۔

4۔ مبلغ ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ:

ڈیڑھ سو سالہ خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس، پشاور میں مبلغ ختم نبوت مولانا اللہ وسایا نے اپنی تقریر کے آخر میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

"میں درخواست کرتا ہوں آپ حضرات سے کہ ہماری اس تحریک ختم نبوت 1974ء میں قادیانیوں کے خلاف امتناع قادیانیت آرڈیننس پاس ہوا اس وقت بھی امت کی قیادت کرنے والے مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ تھے۔ آگے چل کر غلام اسحاق خان کے زمانہ میں۔ آج میں اس پبلک جلسہ میں پہلی دفعہ ایک بات کا انکشاف کرتا ہوں کہ آج سے قبل میں نے کبھی اس بات کا انکشاف نہیں کیا کہ اسحاق خان کے زمانہ میں دو فوجیوں کو جنرل بنایا جارہا تھا (جو قادیانی تھے) تو میں حضرت مفتیؒ صاحب کے بیٹے آپ کی اور ہماری آبرو، دارالعلوم دیوبند کے نشان مولانا فضل الرحمٰن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں

جزائے خیر دے۔ انہوں نے براہ راست غلام اسحاق خان سے بات کی اور اللہ تعالیٰ نے کرم کیا کہ مولانا فضل الرحمٰن کی ایک للکار سے دو قادیانیوں کو جو جنرل بن گئے تھے دونوں کو روک دیا۔ میں ان حالات کے حوالہ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ کے دارالعلوم دیوبند کا ایک تسلسل ہے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے اور اس وقت ہماری عزت و آبرو ہماری مساجد و مدارس اور خانقاہوں کے لئے عزت و آبرو کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ جمعیۃ علماء اسلام اور اس کی قیادت ہے''۔

واخر دعوانا عن الحمدلله رب العالمین.

☆......☆......☆

میدان سیاست میں علماء کی ضرورت

مولانا جمیل الرحمٰن اختر مدظلہ،
خلیفہ مجاز امام اہلسنت مولانا سرفراز خان صفدرؒ، ڈپٹی جنرل سیکرٹری پاکستان شریعت کونسل،
ناظم اعلیٰ جامعہ حنفیہ قادریہ وخطیب جامعہ مسجد امن، لاہور

اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات انسان کے لئے بنائی اور انسان کی رہنمائی کے لئے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ شروع فرما کر ان پر وحی کا نزول فرمایا تاکہ ان انبیاءؑ کے ذریعہ سے انسانوں کی تربیت اور احکامات الٰہیہ پر عمل کرنا آسان ہو کہ ہر نبی اپنی امت کے لئے نمونہ ہے۔ آخری پیغمبر حضرت محمد رسول ﷺ پر وحی الٰہی کا سلسلہ بند فرمادیا اب جو بھی انسان کامیاب زندگی گزارنا چاہتا ہے تو وہ آپ ﷺ کی تابعداری کر کے ہی ممکن ہے۔ چونکہ نبوت کا دروازہ بند ہو گیا تو آپ ﷺ کے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوت کا دور شروع ہوا وہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر اختتام کو پہنچ گیا۔ حضور اکرم ﷺ اپنی حیات مبارکہ میں خود ہی مسلمانوں کے حکمران تھے، زمین میں عدل و انصاف فرمانے والے تھے۔ آنجناب ﷺ کا اسوہ حضرات خلفائے راشدین نے اپنایا اور زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیا اور آنے والے حکمرانوں کے لئے ایک بہترین نمونہ چھوڑ گئے جس کو مسلمان مانتے ہی تھے غیر مسلموں نے بھی اس کو مانا اور اس کا اقرار کیا کہ خلفائے راشدین کا طریقہ اپنائے بغیر ہم لوگوں پر انصاف سے حکومت نہیں کر سکتے بلکہ انہوں نے جب اس حقیقت کا اظہار کیا تو ان کے اپنے بھی ان کے خلاف ہو گئے۔ بہرحال خلفائے راشدین کا نظام حکومت ایک بہترین نظام ہے اگر ہماری نظریں کمیونزم، سوشلزم اور سرمایہ دارانہ نظام (جو امریکی نظام ہے اور اشتراکی نظام جس کو پاش پاش ہوتے دنیا دیکھ چکی ہے) سے ہٹ جائیں تو پھر اس نظام کی رشنی ہماری عوام کو نظر آئے

جس نظام میں سراسر خیر ہی خیر ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دورِ خلافت کو خلافت راشدہ کا تتمہ یا دورِ ثانی کہا جاتا ہے۔ آپ کے دور میں ایک صوبہ کے والی نے لکھا کہ اگر مجھے کچھ ریونیو حاصل ہوجائے جس سے میں یہاں کے شہر کی گلیوں کو پختہ بنوادوں تو عوام خوش ہو جائیں گے۔ جواب میں امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے لکھا کہ عوام کو انصاف دے دو گلیاں وہ خود پختہ بنالیں گے اور خوش رہیں گے۔ یہ باتیں صرف لکھنے اور سننے کی نہیں عمل کرنے کی ہیں۔ ان پر عمل کرانے کے لئے اسی قسم کے لوگوں کی ضرورت ہے جو خوفِ خدا کے ساتھ ساتھ دین کا علم وافر رکھتے ہونگے کیونکہ یہی علم خوف خدا کی طرف انسان کو متوجہ کرتا ہے۔ یہی علم ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اے رسول ﷺ ان لوگوں کو کہو کہ کیا علم والے اور جو بے علم ہیں برابر ہوسکتے ہیں"۔ (الزمر رکوع ۱)

پھر فرمایا کہ:

"اے رسول ﷺ ان لوگوں سے کہو کہ خبیث اور طیب برابر نہیں ہو سکتے"۔ (المائدہ رکوع ۱۳)

ایک اور مقام پر فرمایا کہ:

"وہ لوگ جو دوزخی ہیں اور وہ جو جنتی ہیں دونوں برابر نہیں ہوسکتے"۔

(الحشر رکوع ۳)

پھر فرمایا کہ:

"اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہوسکتے ہیں"۔

(سورۃ فاطر رکوع ۳)

مذکورہ آیات میں خدا تعالیٰ نے سات چیزوں کی سات چیزوں پر فضیلت کا ذکر فرمایا ہے۔ امام غزالیؒ اور بعض علماء حق کا قول ہے کہ علم، طیب، جنت، بصارت، نور، ظل، حیات ان ساتوں سے مراد علم ہی ہے اور ان کے مقابل جن سات چیزوں کا نام لیا ہے ان ساتوں سے

مراد جہل ہے اور ساتوں مثالوں میں حقیقتاً علم و جہل کی مساوات کی نفی فرمائی ہے اور قرآن مجید میں بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دینے کا جو ذکر فرمایا ہے تو اس فضیلت و برتری کا سبب بھی علم ہی ہے چنانچہ سات نبیوں کی فضیلت صراحۃً بہ سبب علم ہی بیان فرمائی ہے۔ آدمؑ کو علم لغت و علم صفات اشیاء کی وجہ سے فضیلت دی۔ وعلم ادم الاسماء۔ (البقرہ) اور آدم کو سب چیزوں کے نام (یعنی صفات) بتا دیئے۔ حضرت خضرؑ کو علم فراست کے سبب فضیلت حاصل ہوئی۔ وعلمناہ من لدنا علماً۔ (الکہف ۹) اور ہم نے اپنی طرف سے اس کو ایک خاص علم سکھایا۔ حضرت یوسفؑ کو علم تعبیر کے سبب فضیلت حاصل ہوئی، حضرت داؤدؑ کو علم صنعت کے سبب حضرت سلیمانؑ کو علم منطق الطیر کے سبب، حضرت عیسیٰؑ کو علم توریت و انجیل کے سبب، اور آنحضرت ﷺ کو جمیع علم اسرار و جمیع علوم عالیہ کے سبب فضیلت حاصل ہوئی۔ علماء ربانی فرماتے ہیں کہ ان سات علموں نے ان سات نبیوں کے ساتھ عجیب نتائج ظاہر کیے۔ حضرت آدمؑ اپنے علم کی بناء پر مسجود ملائکہ بنے، حضرت خضرؑ اپنے علم کی وجہ سے موسیٰؑ کے استاد بنے، حضرت یوسفؑ اپنے علم کے سبب قید خانے سے نکل کر ملک مصر کی وزارت عظمیٰ اور حکومت پر فائز ہوئے، حضرت داؤدؑ اپنے علم کے سبب سلطنت و بادشاہت تک پہنچے، حضرت سلیمانؑ نے ملک سبا کی ذی اقتدار صاحب تخت و تاج اور مالک جاہ و حشم ملکہ کو اپنا محکوم بنایا، حضرت عیسیٰؑ نے اپنی ماں سے تہمت کو دور کیا، آنحضرت ﷺ ختم نبوۃ و خلافت و شفاعت عظمیٰ کے ساتھ سرفراز ہوئے تو معلوم ہوا کہ قرآن و سنت کے علم کی بنا پر ہی حقوق اللہ اور حقوق العباد سے آشنائی ہوتی ہے اور انسان انسان بنتا ہے۔ جب انسان بنے گا تو انسان پر حکومت کا اہل ہوگا تو جو علماء ہیں ان کو ملکی سیاست میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے کیونکہ یہی انسان کے حقوق کو سمجھتے بھی ہیں اور ادا بھی کرتے ہیں اور جو بھیڑیے انسان کے لبادہ میں آکر انسان پر حکومت کرتے ہیں وہ کبھی بھی اس عہدہ کے قابل نہیں۔ علماء حق ہی ایک ایسا طبقہ ہیں جن کو عوام کا کچھ احساس ہو سکتا ہے یہ جبال علم ہوتے ہوئے بھی روکھی سوکھی پر گزارہ کرتے ہیں اگر علماء ملکی سیاست میں کھل کر آجائیں سوائے ان شیوخ الحدیث اور مہتممین کے جن پر

اداروں کی ذمہ داری ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ ملک میں انقلاب برپا ہوسکتا ہے۔

تحفظ احیاء دین و تحفظ ناموس رسالت ﷺ و صحابہؓ کے لئے اور فکر دیوبند کے لئے علماء حق کی جماعت جمعیۃ علماء اسلام ایک فعال جماعت ہے۔ 1980ء سے قبل یہ جماعت تمام ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہورہی تھی جیسا کہ تاریخ کی پختہ بات ہے کہ جمعیۃ کے ایک کارکن کی ذہن سازی خود اکابر کرتے تھے جس کی وجہ سے جب بھی کوئی ایسا مسئلہ پیش آتا تھا تو اس وقت اکابر کو محنت کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی وہ اعلان کرتے تھے اور تیار کارکن میدان میں ہوتے تھے۔ مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا مفتی محمودؒ، مولانا عبید اللہ انورؒ اور مولانا عبداللہ درخواستیؒ جیسے اکابر اپنے بیانات میں جہاں تحفظ و احیاء دین کے لئے گفتگو فرماتے وہیں تحفظ ناموس رسالت و ناموس صحابہؓ کی بات بھی کرتے یہی وجہ تھی کہ کارکنوں میں ایک جذبہ تھا اور ایک ہی پرچم سیاہ و سفید دھاری دار کے نیچے ایک ہوتے تھے جب سے یہ کام متروک ہوا نئی جماعتیں بننی شروع ہوگئیں تو ایک دھڑا جمعیۃ کا کسی کے ساتھ چل رہا ہے اور ایک اپنی پرواز کر رہا ہے۔ اگر یہی دونوں دھڑے اور ان کا بچہ (سپاہ) ایک پلیٹ فارم پر آجائیں یعنی مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی قیادت میں جمع ہوجائیں تو ملکی تاریخ میں ایک عظیم کارنامہ ہوگا۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ ایک عظیم باپ کے عظیم فرزند ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا کو بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے۔ مولانا ایک زیرک سیاست دان ہیں۔ اپنے مدمقابل کی بات کا دلائل سے رد کرنا اور اپنی بات دلائل سے منوانے کا خوب ملکہ رکھتے ہیں۔ ایک عرصہ سے چونکہ پارلیمنٹ کے ممبر چلے آرہے ہیں تو ایک بہترین پارلیمنٹیرین ہیں۔ اگر کسی مدرسہ میں بیٹھ کر فقہ و حدیث و تفسیر پڑھائیں تو بہترین مدرس ہیں۔ ویسے اللہ تعالیٰ کا فرمان:

وزاده بسطةً فى العلم والجسم. آپ پر بھی پورا اترتا ہے۔

☆......☆......☆

سیاست کا مردِ درویش
ابن مفتی محمود

مولانا احتشام الحق (ابن درویش) آسیا آبادی

مدیر الجامعۃ الرشیدیہ، آسیا آباد، رکن مجلس عاملہ ومسئول وفاق المدارس،
پاکستان، چیئرمین تنظیم اصلاح المسلمین

تاریخ کے اوراق پر نظر ڈالیں تو ہر دور میں انسانیت کی رہنمائی کے واسطے معاشرے میں بھٹکے ہوئے لوگوں میں ایسی جلیل القدر شخصیات نمایاں ہوئیں جو اوج ثریا بن کر چمکیں۔قیام پاکستان سے لے کر آج تک اس ملک کی تعمیر وترقی اور خوشحالی میں علماء کرام کا کردار نمایاں رہا ہے۔خواہ وہ تعلیمی،سماجی،سیاسی اور دینی میدان ہو یا دورِ ابتلا ہو علماء کرام نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔انارکی،بدامنی اور بے راہ روی کا طوفان اٹھا ہے تو علماء عظام نے اس کے آگے بند باندھ کر عالمی سطح پر یہ باور کروایا ہے کہ یہ سرزمین اس قدر لاوارث نہیں ہے کہ کفریہ سماج اپنی من مانی کر سکے۔اس سلسلہ میں میدان سیاست کی شہسوار جمعیۃ علماء اسلام کا کردار سب سے نمایاں رہا ہے اور تادم تحریر اپنے آپ کو منوا رہی ہے۔چہ جائیکہ ان کے دامن کو کفریہ طاقتوں نے کامیابی کی منزل جو کہ تبدیلی نظام پہ منتج ہوتی ہے کو سمیٹنے سے روکا ہوا ہے۔اس جماعت نے ویسے تو عملی سیاست میں قیام پاکستان کے بعد ہی اپنے آپ کو منوایا مگر ذوالفقار علی بھٹو کے دور 1970ء میں حضرت مفتی محمودؒ کی قیادت میں ایوان بالا سے ایوان زیریں تک میدان سیاست میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں اور تحریک پاکستان کے ماتھے کا جھومر ہیں۔اس زریں دور

میں حضرت اقدس مفتی محمودؒ ایک سیاسی رہنماء کے ساتھ ساتھ عظیم مفکر و مدبر کی حیثیت سے جانے گئے۔ اس سے قبل آپ کو ایک عظیم مفسر و محدث اور روحانی بزرگ کی حیثیت سے عالم اسلام میں جو نمایاں حیثیت حاصل تھی اس کی زندہ مثال تفسیر محمود کی صورت میں موجود ہے۔ یہ بات یقیناً آپؒ کے پیش نظر رہی کہ "کل نفس ذائقۃ الموت" اسی بناء پر آپ نے اپنے فرزند ارجمند کی بچپن سے ہی اس نہج پر تربیت کی کہ آنکھیں بند ہونے کے بعد کہیں امت مسلمہ سیاسی طور پر یتیم نہ ہو جائے بلکہ ایک ایسی تربیت یافتہ شخصیت ان کے سامنے موجود ہو جو نہ صرف علوم متداولہ بلکہ جدید و قدیم علوم میں بھی یکتائے روزگار ہو۔ آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد بین الاقوامی سطح پر یقیناً عالمی استعماری قوتوں نے خوشیوں کے شادیانے بجائے ہوں گے کہ امت مسلمہ ایک درویش مگر قد آور سیاسی شاہسوار سے محروم ہو گئی ہے مگر دنیائے کفر پر اس وقت اوس پڑ گئی جب جانشین مفتی محمودؒ حضرت مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتھم العالیہ ایک جلیل القدر مدبر اور مفکر سیاست دان کی حیثیت سے نمودار ہوئے۔ وہ موجودہ سیاست کے پیچ وخم سے بھی واقف ہیں وہ نہ صرف پاکستانی سیاست پر چھا گئے بلکہ عالمی سطح پر سیاسی میدان ان کی شخصیت کے بغیر ادھورا نظر آتا ہے اور پھر ہم نے یہ بھی دیکھا کہ جو چہرے مفتی محمودؒ کے غم میں پژمردہ تھے ان پر تازگی کے آثار نمایاں ہوئے جب آپ نے میدان سیاست میں دین محمدی ﷺ کی بقاء اور شعائر اللہ کے احیاء کے لئے انتھک اور پیہم مسلسل کا آغاز کیا تو ان کے چہرے جگمگا اٹھے اور امیدوں کے چراغ کی لو جو کہ دھیمی پڑ گئی تھی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ دوبارہ چمک اٹھی اور اپنے اردگرد کے ماحول کو روشن کر دیا کیونکہ شمع محفل جان محفل ہوا کرتی ہے اور اس وقت بھی امت مسلمہ کی نظریں اس بطل جلیل ابن محمود پر لگی ہوئی ہیں کہ کب وہ ان کے زخموں پر نظام مصطفیٰ ﷺ کا مرہم رکھیں گے اور ایک بار پھر نظام اسلام کا جھنڈا دنیا پر لہرا اٹھے گا۔

☆......☆......☆

دینی وملی اقدار کے محافظ

حضرت مولانا میاں عبدالرحمٰن شہیدؒ
(سابق) خطیب جامع مسجد تلوار والی، نیو انارکلی

دارالعلوم دیوبند کو اللہ تعالیٰ نے امتیازی شان سے نوازا ہے۔ دین متین کے ہر شعبے میں فرزندان دیوبند کا کردار آفتاب نیم روز سے زیادہ تاباں ہے۔ علوم اسلامیہ کی تعلیم ہو یا ترویج واشاعت، تبلیغ دین ہو یا جہاد فی سبیل اللہ کا مقدس فریضہ تحفظِ ناموسِ رسالت ہو یا تحفظ ناموسِ صحابہؓ شعبہ، احیاء دین ہو یا دینی وملی اقدار کا تحفظ، آستین کے سانپوں کی بے نقابی کا مرحلہ ہو یا دشمنان دین کی سازشوں کی بے نقابی کا، مدارس ومساجد کا تحفظ ہو یا آفات و مصائب میں گھری انسانیت کی خدمت کا مرحلہ، دستور پاکستان میں اسلامی دفعات کی شمولیت ہو یا اسلامی دفعات کے اخراج کی سازش ایسے ہر راستے میں سدِ سکندری بننے کے وقت ہر موقع پر وابستگان دیوبند نے ہراول دستہ کا کردار ادا کیا ہے۔ بقول کسے:

اس بزم جنوں کے دیوانے ہر راہ سے پہنچے یزداں تک
ہیں عام ہمارے افسانے دیوارِ چمن سے زنداں تک

قیام پاکستان سے قبل جمعیۃ علماء اسلام نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں وہ تاریخ میں اپنا ایک مسلمہ مقام رکھتے ہیں۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد شدت سے ایسی جماعت کی ضرورت محسوس ہوئی جو علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرے۔ نوزائیدہ مملکت کے استحکام اور اس میں خلافتِ راشدہ کے طرز پر نفاذِ اسلام کی کوشش کرے۔ اس وقت کے اکابر علماء حضرت لاہوریؒ، حضرت مفتی محمد حسنؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت درخواستیؒ، حضرت ہزارویؒ، حضرت مولانا احتشام الحق

تھانویؒ، مفتی محمودؒ اور دیگر علماء نے باہمی مشورہ سے جمعیۃ کی بنیاد رکھی۔حضرت لاہوریؒ امیر منتخب ہوئے ۔ان کے پرزور اصرار پر مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو جمعیۃ کا ناظم عمومی منتخب کیا گیا۔حضرت ہزارویؒ نے ملک گیر دورے کئے جماعت کو منظم کیا۔ہم مسلک علماء کو ایک اسٹیج پر جمع کیا۔ایوبی دور میں انتخابات میں حصہ لیا۔مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ قومی اسمبلی اور حضرت ہزارویؒ مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔1970ء کے انتخابات میں ان دونوں حضرات سمیت سرحد اور بلوچستان سے سات ممبران منتخب ہوئے اور جمعیۃ دوسری بڑی جماعت کے طور پر ابھر کر سامنے آئی۔حضرت مفتی صاحب کے دنیا سے رحلت فرما جانے کے بعد جمعیۃ میں انتشار پیدا ہوگیا۔بہت سے اکابر اور نوجوان علماء کرام اور کارکنان کی رائے یہ تھی کہ مفتی صاحب کی مسند پر ان کے صاجزادے کو منتخب کرنا جماعت کی ترقی کے لئے نہایت ہی ضروری ہے۔بحرحال جماعت میں اضطراب کی کیفیت رہی اور جماعت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔اس صورتحال میں مولانا فضل الرحمٰن نہایت بردباری سے چلے۔اکابر کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی شخصیت کا لوہا منوایا اور آپ کا انتخاب بطور امیر جمعیۃ کر لیا گیا۔اس کے بعد آپ نے اپنے کردار سے اس انتخاب کو سو فیصد درست ثابت کیا۔تا آنکہ آپ کے ناقدین بھی آپ کے کردار اور تدبر و سیاست کے قائل ہوگئے۔حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے حزب اقتدار یا حزب اختلاف کا انتخاب کیا اور پھر اپنی بساط کے مطابق دفعات اسلامی کے نفاذ اور ان کے تحفظ کے لئے کوشاں رہے۔1998ء میں افغانستان پر امریکہ نے کروز میزائل حملے کئے۔اس امریکی جارحیت کے خلاف آپ کی قیادت میں ملک بھر میں احتجاج کیا گیا۔

2001ء کے اواخر میں امریکہ کے دیگر مسلم ممالک پر حملے اور اس کی دراندازی کے موقع پر آپ نے بھرپور احتجاج کیا۔اس کے علاوہ مساجد و مدارس کے تحفظ دستور پاکستان میں شامل اسلامی دفعات اور پاکستان کے اسلامی تشخص کے تحفظ کے لئے آپ کا کردار بلا شبہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔شناختی کارڈ یا پاسپورٹ سے مذہب کا خانہ ختم کرنے کا

معاملہ ہو یا توہین رسالت کا مسئلہ ہو آپ ہر تحریک کے روح رواں رہے۔ متعدد دفعہ دینی و سیاسی جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر کے منشور کے لئے کوششیں کرنے کے ساتھ قوم کو لسانی اور قومی بنیادوں پر تقسیم کرنے والوں کی مذموم سازشوں کو بھی ناکام بنایا۔ اس سارے سفر کے دوران آپ کے کردار پر بہت انگشت نمائی ہوئی لیکن آپ نے یہ سب برداشت کیا چنانچہ ایک صحافی جو ہمیشہ سے آپ سے اختلاف رکھتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

''اس حوالہ سے مولانا فضل الرحمٰن کا کردار قابلِ تقلید ہے کہ ان کے کردار پر بہت کچھ کہا گیا لیکن اس کے جواب میں آپ نے ایک لفظ بھی ایسا نہ کہا کہ جو قابلِ اعتراض ہو''۔ آپ کے کمالِ خطابت کا اعتراف ایک صحافی یوں کرتے ہیں کہ ''آپ (مولانا فضل الرحمٰن) کی منطق کے سامنے کسی کی گفتگو کا چراغ نہیں جل سکا''۔

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ خوبیوں سے نوازا ہے۔ آپ بہترین مدرس، محقق، مدبر، مقرر، مجود اور مشاق قاری بھی ہیں اور تصوف کے چاروں سلاسل میں مجاز بیعت بھی ہیں۔ زمانہ طالبعلمی سے اب تک ناچیز کا آپ سے تعلق رہا ہے آپ کو نہایت بااخلاق، باکردار، ملنسار، باوقار، نہایت سنجیدہ اور خوش طبع پایا۔

☆......☆......☆

ناموس رسالت، عقیدہ ختمِ نبوت کے تحفظ میں جمعیۃ کا کردار

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی
مرکزی رہنماء عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

تقسیم سے پہلے اہل حق کی دو سیاسی جماعتیں تھیں۔

1۔ جمعیۃ علماء ہند۔ 2 مجلسِ احرار اسلام۔

تقسیم کے بعد جمعیۃ علماء ہند ہندوستان میں رہ گئی اور مجلس احرار اسلام پر کچھ عرصہ کے لئے پابندی لگ گئی تو امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ایک وفد شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت میں بھیجا اور درخواست کی کہ آپ جمعیۃ علماء اسلام کے احیاء کا اعلان کریں تو مجلس تحفظ ختم نبوت تعاون کرے گی۔ حضرت لاہوریؒ نے فرمایا کہ شاہ جیؒ سے عرض کریں کہ میں جمعیۃ علماء اسلام کے احیاء کا اعلان کرتا ہوں بشرطیکہ آپ (شاہ جیؒ) مولانا محمد علی جالندھریؒ اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ مجھے دے دیں۔ اس پر شاہ جیؒ نے فرمایا کہ مولانا ہزارویؒ آپ کو دے دیتا ہوں اور مولانا جالندھریؒ میرے پاس رہنے دیں۔

چنانچہ 1956ء میں ملتان میں علماء کرام کا ایک عظیم الشان کنونشن منعقد ہوا جس میں جمعیۃ علماء اسلام جو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے بنائی تھی اور عملاً معطل تھی، کی نشاۃ ثانیہ کا اعلان کر دیا گیا۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ امیر اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ ناظم اعلیٰ چنے گئے۔ یوں قیام پاکستان کے تقریباً نو سال بعد علماء کرام سیاست میں متحرک ہو گئے۔ مولانا ہزارویؒ نے ملک بھر میں دورے کئے اور جمعیۃ علماء اسلام کی شاخیں قائم کیں

اور علماء کرام کو ایک لڑی میں پرو دیا۔

حضرت لاہوریؒ کے انتقال کے بعد حافظ القرآن و الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ متفقہ طور پر جمعیۃ علماء اسلام کے امیر منتخب ہو گئے اور آگے چل کر مولانا مفتی محمودؒ ناظم اعلیٰ منتخب کیے گئے۔ چنانچہ مغربی و مشرقی پاکستان میں علماء کرام نے حضرت درخواستیؒ، مولانا مفتی محمودؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور مولانا عبیداللہ انورؒ کی قیادت باسعادت میں مؤثر کردار ادا کیا۔

ایوب کا دورِ حکومت:

فیلڈ مارشل ایوب خان کے دورِ اقتدار میں جب قادیانی، پرویزی اور دوسرے لادین عناصر حکومتی عہدوں پر فائز ہوئے اور ''عائلی قوانین'' کے نام سے قرآن و سنت کے خلاف کچھ قوانین بنائے گئے تو جمعیۃ علماء اسلام نے ان قوانین کے خلاف بھرپور جدوجہد کی۔ مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ نے قومی اسمبلی میں شاندار اور جاندار تقریر کی جس میں عائلی قوانین کے ایک ایک جز کے خلاف قرآن و سنت سے دلائل پیش کیے اور عائلی قوانین کے پرخچے اڑا دیئے۔

ایوبی آمریت کے خلاف سب سے مؤثر آواز علماء کرام کی تھی۔ علماء کرام نے لاہور میں ریلی نکالی جس میں اس وقت کے چنگیزوں اور ہلاکو خانوں نے امام الہدیٰ حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ پر زبردست لاٹھی چارج کیا جس سے حضرت والا کی ریڑھ کی ہڈی متاثر ہوئی اور حضرت والا تادمِ زیست اس کی اذیت میں مبتلا رہے۔

یہ ریلی ایوبی اقتدار کے تابوت میں پہلا کیل ثابت ہوئی۔ ایوب خان کا اقتدار ڈانواں ڈول ہو گیا اور مرحوم اقتدار یحییٰ خان کے سپرد کر کے خود علیحدہ ہو گئے۔ جمعیۃ علماء اسلام نے لاہور میں عظیم الشان کانفرنس کا اہتمام کیا اور علماء کرام نے لاہور کی سڑکوں پر پرامن جلوس نکالا جس سے جمہوری قوتوں کا حوصلہ بلند ہوا اور جمعیۃ نے الیکشن میں بھرپور حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔ جمعیۃ علماء اسلام نے 1970ء کے الیکشن میں ملک بھر میں علماء کرام اور مشائخ

عظام کو سیاست کے میدان میں اتار دیا۔ چنانچہ حضرت درخواستیؒ، حضرت مولانا مفتی محمودؒ، حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ، حضرت مولانا سید خورشید احمد شاہؒ عبدالحکیم، حضرت مولانا سراج احمد دین پوری، حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ، حضرت مولانا عبدالشکور دین پوریؒ، حضرت علامہ دوست محمد قریشیؒ، حضرت علامہ عبدالستار تونسوی مدظلہ، شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اکوڑہ خٹک اور حضرت مولانا صدر الشہید جیسی جبال العلم شخصیات نے لادین عناصر کے دانت کھٹے کردیئے۔

قائد جمعیۃ مولانا مفتی محمودؒ نے جناب ذوالفقار علی بھٹو کو ڈیرہ اسماعیل خان میں چاروں شانے چت کیا۔ اگرچہ اکثر و بیشتر علماء کرام اور مشائخ عظام الیکشن ہار گئے لیکن جمعیۃ علماء اسلام کثیر تعداد میں ووٹ حاصل کرنے میں پیپلز پارٹی کے بعد دوسری سیاسی قوت بن کر ابھری۔

مولانا مفتی محمودؒ بطور وزیرِ اعلیٰ:

جمعیۃ علماء اسلام نے نیشنل عوامی پارٹی کے ساتھ اتحاد کر کے مفتی محمودؒ کو وزیرِ اعلیٰ بنوایا۔ مفتی صاحب نے اپنے نو ماہ کے دورِ اقتدار میں شراب پر پابندی عائد کی، اردو کو سرکاری زبان قرار دیا، شلوار قمیص کو دفتری لباس قرار دیا، سکولوں میں قرآن پاک ناظرہ کو لازمی قرار دیا اور دیگر کئی ایک اصلاحات نافذ کیں۔

مفتی صاحبؒ نے اپنے 9 ماہ کے دورِ اقتدار میں دفعہ نمبر 144 کا کبھی سہارا نہیں لیا۔

تحریک ختم نبوت 1974ء:

29 مئی 1974ء کو نشتر میڈیکل کالج، ملتان کے طلبہ پشاور کے سیاحتی دورہ سے واپس آرہے تھے کہ قادیانی غنڈوں نے چناب نگر (ربوہ) ریلوے اسٹیشن پر چناب ایکسپریس (اب ہزارہ ایکسپریس) میں سوار طلبہ پر دھاوا بول دیا۔ خدام الاحمدیہ کے نوجوان طلبہ پر ٹوٹ پڑے۔ اور طلبہ کو مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں تحریک اٹھ کھڑی ہوئی جس کی قیادت عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے مرکزی امیر حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ فرما رہے تھے۔ کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختمِ نبوت کے پلیٹ فارم سے اٹھنے والی تحریک میں جمعیۃ

علماء اسلام نے کلیدی کردار ادا کیا۔ قائدِ جمعیۃ مولانا مفتی محمودؒ اور آپ کے رفقاء نے قومی اسمبلی کے فلور پر قادیانیوں کو ناکوں چنے چبوائے۔ تا آنکہ ستمبر 1974ء کو قادیانی ایک آئینی ترمیم کے ذریعہ متفقہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیئے گئے۔

تحریک نظام مصطفیٰ 1977ء:

سابق وزیرِ اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں انتخابات میں دھاندلی کے خلاف عظیم تحریک برپا ہوئی جس کی قیادت مفکرِ اسلام قائدِ جمعیۃ مولانا مفتی محمودؒ فرما رہے تھے۔ پاکستان قومی اتحاد کے پلیٹ فارم سے چلائی جانے والی اس تحریک میں جمعیۃ علماء اسلام نے قائدانہ کردار ادا کیا۔ تا آنکہ بھٹو حکومت کو چلتا کیا گیا اور چیف آف آرمی سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق نے مارشل لاء کا نفاذ کر دیا۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے مارشل لائی آرڈر کے ذریعہ عبوری قوانین نافذ کئے۔

قادیانیوں کے متعلق حلفیہ بیان کی بحالی: قادیانی خفیہ ہاتھ نے مارشل لائی آرڈر کے ذریعہ ووٹر فارم سے ختم نبوت کا حلفیہ بیان ختم کرادیا اور لاکھوں سے متجاوز ووٹر فارم شائع کر دیئے گئے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے سابق ناظم اعلیٰ مولانا محمد شریف جالندھریؒ حضرت مفتی صاحبؒ کو C.M.H میں ملے اور قادیانیوں کی سازش سے مطلع کیا۔ حضرت مفتی صاحب نے ٹیلی فون آپریٹر کو حکم دیا کہ صدرِ مملکت سے بات کرائی جائے۔ معلوم ہوا کہ صدر کراچی تشریف لے گئے۔ کراچی رابطہ قائم کیا گیا تو معلوم ہوا کہ صدر کا طیارہ سعودی عرب کی پرواز پر ہے۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ سعودی عرب میں پاکستان کے سفارت خانہ سے رابطہ کیا جائے چنانچہ سفیر سے فرمایا کہ صدر مملکت کا طیارہ جب جدہ یا ریاض لینڈ کرے تو سب سے پہلے میری بات کرائی جائے۔ صدر مملکت سے رابطہ ہوا تو آپؒ نے دینی کارکنوں اور تحریکِ ختم نبوت کے راہنماؤں کی تشویش سے آگاہ کیا۔ الیکشن کا اعلان ہو چکا تھا۔ صدر نے کہا کہ الیکشن ملتوی ہو سکتے ہیں فرمایا کہ فارم کی تصحیح کرواؤ، الیکشن کے التواء کا میں ذمہ دار ہوں۔ چنانچہ الیکشن ملتوی ہو گئے اور حضرت مفتی صاحبؒ سفرِ حج پر روانہ ہو رہے تھے کہ

14 اکتوبر 1980ء کو دارِ فانی سے کوچ فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات سے دینی تحریکوں کو بالعموم اور جمعیۃ علماء اسلام کو بالخصوص زبردست دھچکا لگا۔ ایم۔آر۔ڈی کے نام سے ایک سیاسی اتحاد قائم ہوا جس میں PPP بھی شامل تھی جس سے جمعیۃ علماء اسلام دو حصوں میں تقسیم ہوگئی تا آنکہ جنرل ضیاء الحق بھی اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے اور ایم۔آر۔ڈی بھی ختم ہوگئی۔

تحریک ناموسِ رسالت:

2010ء میں ننکانہ صاحب کے ایک چک کی مسیحی خاتون آسیہ ملعونہ نے رحمتِ عالم ﷺ کی شان اقدس میں دریدہ دھنی کی تو مقامی لوگوں نے اس کے خلاف تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ نمبر 295-C کے تحت درخواست دی۔ ایس۔پی انوسٹی گیشن نے تفتیش کی جس میں ملعونہ گنہگار ثابت ہوئی۔ ایڈیشنل سیشن جج، شیخوپورہ نے کیس کی سماعت کی اور اسے گنہگار قرار دیتے ہوئے سزائے موت سنائی۔ سابق گورنر پنجاب سلمان تاثیر نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور جیل میں آسیہ ملعونہ سے ملاقات کی اور اسے یقین دھانی کرائی کہ میں صدر مملکت سے کہہ کر تمہاری سزائے موت معاف کروادونگا۔ نیز ناموس رسالت کے قانون کو کالا قانون، ظالمانہ اور انسانیت کے خلاف قانون قرار دیا۔ پیپلز پارٹی کی رکنِ قومی اسمبلی شیریں رحمٰن نے قومی اسمبلی میں پرائیویٹ بل کے ذریعہ تحفظِ ناموسِ رسالت ایکٹ کو ختم کرنے کی قرارداد پیش کی۔ اقلیتی امور کے وفاقی وزیر آنجہانی شہباز بھٹی کی سرکردگی میں کمیٹی بنائی گئی جس نے متعلقہ قانون کو ختم کرنے کی سفارش کرنی تھی۔

تحفظِ ناموسِ رسالت کانفرنسیں:

عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے زیرِ اہتمام 15 دسمبر 2010ء کو آل پارٹیز تحفظِ ناموسِ رسالت کانفرنس منعقد ہوئی جس سے پہلے جمعیۃ علماء پاکستان، جماعت اہل سنت اور جمعیۃ علماء اسلام کانفرنسیں کر چکی تھیں۔

15 دسمبر کی کانفرنس میں ہڑتال، مظاہرے اور ریلیوں کا فیصلہ ہوا چنانچہ کراچی اور لاہور

میں عظیم الشان ریلیاں نکالی گئیں جس میں مطالبات تسلیم ہونے تک تحریک جاری رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ پوری تحریک میں عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت اور جمعیۃ علماء اسلام کا کردار نمایاں رہا۔ مزید پشاور اور کوئٹہ میں عظیم الشان کانفرنسیں اور ریلیاں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا کہ وزارتِ قانون نے 26 صفحات پر مشتمل ایک سمری تیار کر کے وزیرِ اعظم کو دستخط کرنے کے لئے پیش کی۔

وزیرِ اعظم سید یوسف رضا گیلانی نے سمری دستخط کر کے قائدِ جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن کو پیش کی۔ حالانکہ ناموسِ رسالت کمیٹی کی قیادت جمعیۃ علماء پاکستان نورانی گروپ کے صدر ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر فرما رہے تھے۔ غرضیکہ جمعیۃ علماء اسلام اپنے یومِ تاسیس سے دینی اقدار کے تحفظ، مدارسِ عربیہ کی حفاظت اور ملک کے اسلامی تشخص کی حفاظت کی جنگ لڑ رہی ہے۔ اللہ پاک جمعیۃ علماء اسلام کے قائدین بالخصوص مولانا فضل الرحمٰن کو جزائے خیر عطا فرمائیں جو سیاست کے ایوانوں میں اہل حق کی آواز ہیں۔ پروردگارِ عالم حضرت مولانا فضل الرحمٰن کو صحت و عافیت کے ساتھ عمرِ دراز نصیب فرمائیں جن کی گھن گرج سے باطل کے ایوانوں میں لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

☆......☆......☆

ایک عظیم میر کارواں

مولانا ظہور احمد علوی مدظلہ،

مدیر جامعہ محمدیہ، اسلام آباد

مولانا فضل الرحمٰن کی ذات گرامی اور شخصیت الحمدللہ کسی تعریف وتعارف کی محتاج نہیں بلکہ بلا مبالغہ آج ان کا شمار عالم اسلام کے عظیم مسلم راہنماؤں میں ہوتا ہے۔ یہ وہی شخصیت ہیں جن کے قلب وجگر میں ہمہ وقت عالم اسلام کے مسائل کی آگ سلگتی رہتی ہے نیز دست قدرت کی فیاضی نے جہاں انہیں اپنے والدگرامی مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرح وسعت نظر، وسعت قلب اور فکر ونظر کی گہرائی و گیرائی عطا فرمائی ہے وہاں ان کو تحمل و برداشت اور صبر واستقامت کی دولت بھی خوب عطا فرمائی ہے چنانچہ کئی بار دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ حضرات وشخصیات جو اپنی نجی محفلوں میں مولانا فضل الرحمٰن کی ذات کو اپنا موضوع سخن بناتے رہتے ہیں مشکل حالات میں وہی لوگ سب سے پہلے مولانا صاحب موصوف کو اپنا ملجا و ماویٰ سمجھنے لگتے ہیں اور مولانا باوجود ان کے اس سلوک ورویہ سے اچھی طرح باخبر ہونے کے ان کا بھرپور ساتھ دیتے ہیں اور ان کے ساتھ ایسا مثالی اور اخلاقی رویہ رکھتے ہیں کہ وہ خود بھی مولانا کی خوش اخلاقی اور تحمل و برداشت کے معترف ہو جاتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں امت مسلمہ کی مثال اس ریوڑ کی طرح ہو گئی ہے جس کا چرواہا غائب ہو یا اس یتیم بچے کی طرح جس کے سر پر سے والدین کا سایہ رحمت اٹھ چکا ہو ایسے حالات میں اغیار کی کوشش ہمیشہ یہی رہی ہے کہ اُن کو مزید باہم دست وگریباں کر دیا جائے تا کہ ان کی صلاحیتیں اور قوتیں ٹکرا ٹکرا کر ہی ختم ہو جائیں جس کے بعد ظاہر ہے کہ جس چمن کے باسیوں اور

محافظوں کے تیروں کا نشانہ اپنے ہی ہوں اس کو اجاڑنے اور تاراج کرنے میں دشمن کو کیا دیر لگ سکتی ہے؟ مولانا چونکہ اس صورت حال کی نزاکت سے خوب واقف اور اس کے علاج سے بھی خوب شناسا ہیں اس لئے اُن کا اکثر بلکہ ہمیشہ سے ہی موقف یہی رہا ہے:

چمن بچاؤ غم آشیاں کا وقت نہیں

اس لئے وہ کسی کا آلہ کار بن کے باہمی خلفشار اور فرقہ واریت کی آتش کو ہوا دینے کے بالکل قائل نہیں بلکہ وہ ایک دوسرے سے جزدی اختلاف رکھنے کے باوجود بھی ایک دوسرے کے وجود کے اعتراف اور اہمیت کو سمجھنے کے قائل ہیں چنانچہ مختلف مواقع پر جب امت مسلمہ پر کوئی گرم وسرد گھڑیاں آئیں تو مولانا نے باہم اختلاف رکھنے والے افراد اور جماعتوں کو یکجا کیا اور دشمنان دین کے سامنے سینہ سپر ہوئے۔

یہاں اس بات کا اظہار بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ مولانا فضل الرحمٰن بھی ایک انسان ہیں اور بشر! ان سے غلطیوں کا صدور ممکن ہے لہٰذا ان سے فکری، سیاسی یا طریقہ وانداز کا اختلاف کیا جا سکتا ہے اور بعض بزرگ کرتے بھی ہیں ممکن ہے کہ بعض اوقات کوئی دوسرا ایک ایسا طریقہ ہو جو امت کے لئے قابل عمل بھی ہو اور زیادہ نفع بخش بھی۔ لیکن جہاں تک مولانا صاحب کے اخلاص، درد اور امت مسلمہ کے لئے بالخصوص پاکستان میں مدارس دینیہ کی بقاء وتحفظ اور مسلک حقہ کے لئے جوان کی خدمات ہیں وہ یقیناً لائق تحسین، قابل فخر، نا قابل تنقید اور نا قابل فراموش بھی ہیں ان کا اعتراف نہ کرنا میرے خیال میں بخل کہلائے گا۔ بالخصوص موجودہ سیاسی اکھاڑے میں مولانا صاحب اہل دین اور اہل مذہب کے وہ اکلوتے نمائندے ہیں جو پارلیمنٹ میں الحاد اور لادینی کی چلنے والی تاریک اور تندوتیز ہواؤں کے آگے اپنا چراغ جلائے ہوئے بیٹھے ہیں اور کئی بار ایسے مراحل آئے جب لادین قوتوں نے اس وطن عزیز کے کوہ ودامن سے دین اسلام کو کھرچ دینے کے مترادف بل پیش کئے مگر اللہ جزائے خیر دے مولانا موصوف کو کہ وہ ان کے سامنے "سد سکندری" ثابت ہوئے۔

المختصر یہ کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب اس امت مسلمہ کے عظیم لیڈر اور بے مثال میر کارواں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

علم وسیاست کے شہسوار

مولانا غلام نبی مدظلہ،

خطیب جامع مسجد اچھڑیاں، شیخ الحدیث جامعہ سید احمد شہید، مانسہرہ

حافظ علاؤ الدین زید شرفہ نے حضرت مولانا فضل الرحمٰن کے بارے میں ایک کتاب مسمیٰ بہ ''مولانا فضل الرحمٰن زعماء امت کی نظر میں'' مجھ ناکارہ کو بھی اپنے تاثرات زیب قلم کرنے کی فرمائش کی۔ الحمد اللہ ہم نے حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ کو پاکستان کی خارزار سیاست میں قدم رکھنے کے زمانہ ہی سے دیکھا جبکہ پاکستان کے جمعیۃ علماء اسلام کے کئی اکابرین نے پاکستانی سیاست میں نووارد ہونے کی وجہ سے سخت اختلاف کیا تاہم حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر بہت جلد یہ ثابت کر دکھایا کہ وہ اس ملک کے ایک عظیم مدبر، زیرک سیاست دان ہیں۔ مولانا فضل الرحمٰن زید شرفہ پاکستان کے تمام نامی گرامی سیاستدانوں پر بھاری ہیں کیونکہ اللہ جل شانہ نے ان کو ایک ایسی صلاحیت بخشی ہے جو کسی میں نہیں وہ یہ کہ جب کسی مجلس میں بحث مباحثہ ہوتا ہے تو الحمد للہ حضرت مولانا زید مجدہ کی رائے سب سے زیادہ وزنی اور مسکت ہوتی ہے۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن زید مجدہ صرف پاکستانی سیاست کے شہسوار ہی نہیں بلکہ عالمی سیاست دان ہونے کے اعتبار سے بھی اپنا لوہا منوا چکے ہیں بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ علماء کرام کی سیاست دینی مدارس اور مساجد کی چٹائیوں اور علوم دینیہ کی مرہون منت ہے۔ سیاست کا تعلق عقل مندی سے ہے وہ علماء کرام جو قرآن وسنت کے علوم سے بہرہ ور ہوتے ہیں ان کی عقل مکمل ہوتی ہے اور وہ عقل منداور زیرک و دانا سیاست دان ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے ایک

دفعہ فرمایا تھا "عقل کی تکمیل علوم دینیہ سے ہوتی ہے" چونکہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب قرآن پاک کے بہترین قاری، علوم عربیہ اور دینیہ کے مستند قابل عالم ہیں اور سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگوں سے بھی فیض یافتہ ہیں اس لئے ملکی و بین الاقوامی سطح پر میدان سیاست میں الحمدللہ ان سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کی راہنمائی اور سیادت و قیادت کے لئے ان کا سایہ تادیر قائم و دائم رکھے۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز.

☆......☆......☆

اکابر کے اعتماد کا نشان

حضرت مولانا مفتی محمد سردار مدظلہ،
شیخ الحدیث و مہتمم دارالعلوم عربیہ ٹل

ہمیں مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ کی قیادت پر مکمل اعتماد اور یقین ہے۔ آج کل پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کی قیادت کی ذمہ داری یہی نڈر عالم دین ادا کر رہا ہے کیوں کہ اکابرینِ دیوبند نے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے سر پر اعتماد کی پگڑی رکھی ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام کا مشن اللہ کی سرزمین پر اللہ کا نظام ہے ان کی قیادت کو پورا عالم اسلام مان رہا ہے۔ ہمیں جمعیۃ علماء اسلام میں شمولیت پر جس بات نے مجبور کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اکابر علماء کرام، مشائخ عظام، مفتیان کرام اور خطباء و مدرسین کا تعلق اسی جماعت سے ہے۔

لہٰذا میں ہر مسلمان بھائی سے اور خصوصاً علماء کرام اور دینی مدارس کے طلباء اور آئمہ مساجد اور خطباء مدرسین سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ جمعیۃ علماء اسلام میں شامل ہو کر اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام نافذ کرنے کی کوشش کریں۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے سر پر بزرگان دین نے شفقت کا ہاتھ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تمام سازشوں اور ہتھکنڈوں سے محفوظ رکھے اور طویل عمر عطا فرمائے۔ آمین!

☆......☆......☆

افقِ سیاست کا روشن ستارہ

مفتی عبدالستار حفظہ اللہ
جامعہ مفتاح العلوم مستونگ، صوبائی ناظم عمومی جمعیۃ علماء اسلام، بلوچستان

جمعیۃ علماء اسلام، پاکستان اپنی موجودہ قیادت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی کمان میں ملک کے ہر شعبہ میں ترقی خاص طور پر سیاسی حوالے سے بہتر انداز میں پھلتی پھولتی نظر آرہی ہے ۔یہ سب کچھ جمعیۃ کی اعلیٰ قیادت اور موجودہ امیر مولانا فضل الرحمٰن کی مرہون منت ہے جو کہ پاکستان کے سیاسی افق کا چمکتا دمکتا ستارہ ہیں جو ان کی خداداد قابلیت ا ور ان کے والد گرامی حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی تربیت کا نتیجہ ہے۔ مولانا صاحب کی شخصیت ہمہ جہت ہے۔ وہ مغربی اور اسلامی سیاسی قائدین میں سب سے نمایاں اور بدر جہا اعلیٰ سیاسی صلاحیت رکھتے ہیں۔اور خداوند کریم نے ان کو دور اندیشی کے ساتھ اپنے موقف کو نہ صرف ملکی سطح پر بلکہ عالمی اداروں میں بھی پیش کرنے کی صلاحیت اور کمال استعداد عطا کی ہے۔وہ عالمی سیاست پر نہایت گہری اور عمیق نظر بلکہ سیاسی امور پر کماحقہ گرفت رکھنے کی بدولت ہر قسم کی سیاست کے پس منظر، پیش منظر اور اس کے مابعد اثرات پر نہایت گہرائی اور دور تک جھانکنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ عالمی سیاست بالخصوص عرب ،اسرائیل،امریکہ،عراق، افغانستان،روس، چین ،ہندوستان اور ان کے مدارج اور ماخذ کو بھی بخوبی جانتے ہیں۔اور قبل ازوقت قوموں، ملکوں اور بالخصوص مسلمانوں کو بیدار کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کی خوش نصیبی ہے کہ ان کو مولانا فضل الرحمٰن جیسے زیرک اور بزرگ سیاستدان ملے ہیں۔جو کہ اب تک ہر سیاسی بحران میں قوم کے حوصلوں کو بلند رکھنے میں کامیاب رہے ہیں۔

انہوں نے ہمیشہ جابر آمروں کے خون آشام چنگل اور مکروہ سازشوں سے ملک اور قوم کو اپنی بہترین حکمت عملی کو بروئے کار لاتے ہوئے نکالا۔وہ ظالمانہ اور عوام دشمن ارادوں کو ناکام کر کے انہیں کسی نہ کسی طرح جمہوریت ،اسلام اور آئین کے تحفظ کی طرف راغب کرتے ہیں ۔وہ کسی بھی اعلیٰ پائے کی شخصیت اور سیاستدان سے بھی بڑھ کر ہیں۔

سیاست سے ہٹ کر وہ اپنی عملی زندگی میں خاندان کے شفیق سربراہ، ہر ایک سے محبت کرنے والی شخصیت اور ایک بلند پایہ مذہبی عالم بھی ہیں۔وہ ایک خوش لباس ،خوش اخلاق اور ہر لمحے چہرے پر مسکان بھرے خوش وخرم شخصیت ہیں۔ان کو پاکستان کے غریب عوام سے بے حد لگاؤ ہے۔وہ اپنے اور ہر علاقے کے لوگوں میں یکساں مقبول ہیں۔وہ عوامی سطح پر عوامی انداز میں رہنے کی خو سے بھی بخوبی آشنا ہیں۔اور بقول شاعر:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

☆......☆....☆

ذہانت وحاضر جوابی میں بے مثال شخصیت

مولانا قاری عبدالباعث صدیقی مدظلہ،

سابق مرکزی نائب امیر جمعیۃ علماء اسلام، پاکستان، خطیب جامع مسجد اللہ اکبر، سوات

مولانا مفتی محمودؒ کا اس دنیائے فانی سے اچانک انتقال یقیناً پاکستانی قوم کے لئے عموماً اور علماء کرام اور کارکنان جمعیۃ علماء اسلام کے لئے خصوصاً ایک بڑا حادثہ تھا۔ حضرت مفتی صاحب کی عظیم شخصیت کے سامنے تمام مخالف قوتیں بے بس تھیں مگر حضرت مفتی صاحب کے خلا کے بعد جمعیۃ علماء اسلام دولخت ہو کر حضرت مولانا درخواستیؒ گروپ اور مولانا فضل الرحمٰن گروپ کی شکل اختیار کر گئی۔ کارکنان جمعیۃ کی اکثریت ناامیدی کا شکار ہو کر جماعتی کام چھوڑ گئی۔ تقریباً سال ڈیڑھ سال تو صورت حال ایسی ہی رہی پھر مولانا نے فیصلہ کیا کہ البرکتہ فی الحرکتہ پر عمل کیوں نہ کیا جائے۔ چنانچہ فیصلہ کے مطابق کراچی میں پروگرام ترتیب دے دیا گیا اور مجھے حکم ملا کہ مسجد قدسیہ، ناظم آباد میں علماء اور کارکنان جمعیۃ کا اجتماع منعقد کروں جس سے مولانا خطاب کریں گے چنانچہ میٹنگ بلائی دعوت نامے جاری ہوئے۔ مسجد کے بالائی چھت پر تقریباً دو ہزار سے زائد کارکنان اور علماء جمع ہوئے۔ تقریباً اکثریت کے ہاتھوں میں قلم و کاغذ تھے سوالات لکھے جا رہے ہیں۔ مولانا کا خطاب شروع ہوا تقریباً دو گھنٹے سیر حاصل خطاب کیا اور ایسی جامع تقریر کی کہ وہ تمام سوالات کی پرچیاں لوگوں نے واپس جیب میں رکھ لیں۔ گویا مولانا کو پہلے سے یہ سوالات معلوم تھے جن کا جواب تقریر میں ملا اور سب کو تسلی ہوئی اور ایسا محسوس ہوا کہ مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ مرحوم اب بھی زندہ ہیں چنانچہ جماعتی ساتھیوں نے بے

لوث خدمت کی جماعت کو کراچی میں دوبارہ زندہ کر کے چار چاند لگا دیئے۔

مولانا کو اللہ تعالیٰ نے ذہانت اور حاضر جوابی کی صلاحیت سے نوازا ہے جس کی ایک مثال یہ ہے کہ مولانا جس زمانے میں سٹینڈنگ کمیٹی برائے امور خارجہ کے چیئرمین تھے تو برطانیہ کے دورے پر گئے کہتے ہیں پروگراموں میں ایک پروگرام بڑے بڑے پادریوں اور علمی طبقہ سے طے ہوا تھا۔ مولانا کے بقول جس وقت میں نے تقریر کی سوالات شروع ہوئے ایک پادری نے سوال کیا کہ مولانا آپ دینی علوم کے امین ہیں علماء کا سب سے بہترین کردار دینی علوم کی تدریس ہوا کرتا ہے۔ آپ ایسے عظیم کام کو چھوڑ کر سیاست میں آگئے جو ایک بدنام پلیٹ فارم ہے۔ مولانا کہتے ہیں کہ اس وقت یقیناً مجھے پریشانی ہوئی کیونکہ سوال معقول اور علماء کے منصب کے عین مطابق تھا۔ اچانک اللہ تعالیٰ نے دل میں القا کیا میں نے ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ کے سوال کا جواب دوں گا اس سے پہلے میرا صرف ایک سوال آپ سے ہے وہ یہ کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ برطانیہ میں لوگ ہم جنس پرستی کے لئے باقاعدہ نکاح کی رسم رچاتے ہیں دوسرا یہ کہ بہت سے چرچ کے اندر شراب خانے چل رہے ہیں کیا یہ آپ کے دین میں جائز ہے؟ جواب ملا نہیں بلکہ ناجائز اور حرام ہے۔ میں نے سوال کیا آپ اس کو روکتے کیوں نہیں؟ اس نے کہا چونکہ برطانیہ کی پارلیمنٹ میں اس کی قانوناً اجازت ہے اس وجہ سے ہم قانون کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ مولانا نے کہا میں نے ان سے کہا کہ یقیناً آپ کا سوال معقول ہے کہ تدریس ایک بڑا قیمتی عمل ہے مگر میں نے سیاست میں حصہ لے کر اس قسم کے غیر اسلامی قوانین کا راستہ روکا ہے۔ مولانا نے کہا کہ میرے جواب کے بعد وہ لوگ نہ صرف مطمئن ہوئے بلکہ میری فکر سے بہت متاثر ہوئے۔

علمی قابلیت، حافظہ اور یادداشت کے لئے یہ واقعہ بھی حیران کن ہے کہ ایک مرتبہ مولانا کو پنجاب یا سندھ کے کسی دینی مدرسہ میں ختم بخاری میں شرکت کی دعوت دے دی گئی۔ مولانا کہتے ہیں کہ:

''میں نے اپنی سعادت سمجھ کر دعوت قبول کی پروگرام میں جب پہنچا تو مہتمم صاحب

نے کہا کہ ختم بخاری شریف آپ کرائیں گے میں نے کہا کہ میں نے نہ کوئی تیاری کی ہے اور نہ اس ارادے سے آیا ہوں۔ بڑے علماء اور مشائخ کے سامنے ختم بخاری کرانا ایک مشکل ترین عمل ہے جس کے لئے پہلے سے ذہنی طور پر تیار ہونا ہے مگر مہتمم صاحب کوئی عذر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔اچانک ذہن میں آیا کہ دورہ حدیث کے اختتام میں علامہ شمس الحق افغانیؒ صاحب نے ہمیں بخاری شریف کا ختم کروایا تھا یہ سوچا تو اللہ تعالیٰ نے وہ تمام تقریر جو علامہ شمس الحق افغانیؒ نے کی تھی وہ تمام کی تمام مستحضر کردی۔بسم اللہ کر کے میں نے ختم بخاری کروا کر وہ تمام تقریر من وعن کی جو افغانی صاحب نے کی تھی۔ختم کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو لاج رکھی اور پھر علماء تقریر سن کر دنگ رہ گئے کہ ایک سیاسی شخص نے ختم بخاری میں تمام علمی مباحث چھیڑ کر علماء اور طلباء کو مطمئن کیا''۔

ایک مرتبہ بمقام سواڑی بونیر جلسہ عام میں شرکت کے لئے سوات سے روانہ ہوئے کراکڑ کے مقام پر ایک بڑے جلوس کے ساتھ رواں دواں تھے۔مولانا کی گاڑی سے چند نوجوان موٹر سائیکلوں پر آگے آگے جا رہے تھے۔اچانک ایک ساتھی کا ایکسیڈنٹ ہوا اور وہ زخمی ہوگیا۔مولانا اپنی گاڑی سے اتر کر سب سے پہلے پہنچے اور نوجوان کو اٹھا کر موٹر کار میں ڈال کر ہسپتال کے لئے روانہ کیا۔اسی قسم کے کئی ایک واقعات میں ہم نے دیکھا کہ انہوں نے بنفس نفیس خدمت کی۔یقیناً ایک بڑے لیڈر کے لئے ایک عام کارکن کی سختی میں مدد کرنا بڑی بات ہے۔بہرحال مولانا کے بین الاقوامی پروگراموں میں شرکت اور بین الاقوامی سیاست میں نمودار ہونے سے جماعت کو شہرت ملی اللھم زد فزد۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کو طویل زندگی عطا فرمائے اور جماعت کی گاڑی کو رواں دواں رکھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔آمین!

☆......☆......☆

اکابرین دیوبند کی نسبت کے حامل مولانا فضل الرحمن

مولانا خلیل الرحمٰن نعمانی مدظلہ
صدر مدرس وشیخ الحدیث جامعہ اشاعت الاسلام، مانسہرہ

نحمده و نصلی علیٰ رسوله الکریم اما بعد:

فقد قال الله تعالیٰ: یا ایہاالذین امنوا اتقوا الله و کونوا مع الصادقین.

ترجمہ: اے ایمان والو گناہوں سے بچ کر رہو اور سچوں کے ساتھ ہو کر رہو۔

آیتِ مسطورہ بالا سورۃ التوبہ کی ہے۔ ابتداء سورۃ سے منافقین کی دغابازی، فریب اور روزمرہ کی شرارتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے والے ۸۰ سے زائد منافقین بہانہ سازوں کا خبث باطن مذکور ہے اور ۳ مخلص مسلمان جو شریک نہ ہوئے ان کی توبہ کا بیان ہے تو اس خطاب کا مقصود یہ ہے کہ ان اہل نفاق کی عادات سیئہ سے بچو اور ہمارے ایک ماہر تفسیر شیخ کہا کرتے تھے کہ: اتقوا اللہ۔ کا حکم جہاں آجاتا ہے وہاں سیاق وسباق میں یا تو کوئی حکم مذکور ہوتا ہے جس کی پابندی مطلوب ہوتی ہے یا کسی قباحت سے روکنا مقصود ہوتا ہے جس سے اجتناب مقصود ہے وہاں دونوں میں عادات اہل نفاق سے اجتناب اِور معیت صادقین کو اختیار کرنا۔

صدق کی متعدد قسمیں ہیں:

صدق فی الافعال ہوتا ہے کہ کوئی کارخیر کا عزم کرکے اس کو تکمیل تک پہنچائے، صدق فی المقال ہوتا ہے کہ موقع کی مناسبت سے صحیح بات کرے، کبھی صدق فی العقیدہ ہوتا ہے کہ

تمام ایمانیات کو خلوص دل سے حسب ارشادِ خداوندی اور اس کے رسول ﷺ پر اعتماد کر کے مان لے، یہاں معیت صادقین تینوں طرح سے مطلوب ہے یعنی گفتگو، عمل اور عقیدہ تینوں میں سچوں کی معیت اختیار کرو۔

اقسام نیکی:

نیکیاں دو طرح کی ہوتی ہیں۔

1۔ وہ نیکی جب کوئی بندہ شروع کرے اور اس کو تکمیل تک پہنچا دے جیسے سچ بولنا، روزہ، عفت، اکل حلال وغیرہ۔ ان کو اختیار کرنے سے بندہ عبدیت کی صف میں تو آجاتا ہے لیکن یہ نیکیاں ایسی جامع اور وزنی نہیں کہ ان کو اختیار کرنے سے جملہ معاصی و ناجائز سے بچے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے اس نیک شخص سے بے تحاشہ گناہ سرزد ہوتے ہیں۔

2۔ وہ نیکی جو تنے کی طرح مضبوط ہو اور جملہ نیکیوں کیلئے سبب اور نگران کا درجہ رکھتی ہو جیسے معیت صادقین ان نیکیوں کو اختیار کرنے سے بندہ تمام تر مراحل میں کامل ہو جاتا ہے۔ رقت قلبی اور صلحاء کی صحبت اختیار کرنے سے ہزار ہا کار خیر کا حامل ہو جاتا ہے۔

اس آیت کو امام بخاریؒ نے بخاری جلد دوئم میں ایک مقام پر ذکر کیا ہے اور اس کے تحت وہ حدیث ذکر کی کہ ایک شخص حضور ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی۔

ما تقول فی من یحب قوما ولما یلحق بھم.

جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا۔ **المرء مع من احبہ.**

ترجمہ: ''جو جس سے محبت رکھے گا اسی کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور اس کے ساتھ رہے گا''۔

اس کے ذیل میں ابن بطالؒ فرماتے ہیں:

"جو آدمی کسی اللہ کے نیک بندے جو مذہب کا خدمت گار ہو اس سے صرف اس وجہ سے محبت رکھتا ہے تو اس محبّ کو اس محبوب کے تمام معمولات زندگی کا ثواب ملے گا۔ اس محبت کی وجہ سے اور جو جس برے آدمی سے برائی ہوتے ہوئے محبت رکھے گا تو اس پر اس وِزر ہو گا"۔

مجدد الف ثانی کی معیت میں ڈاکو تائب ہوئے:

قلعہ گوالیار میں ہزاروں ڈاکو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی معیت کی وجہ سے توبہ کر کے اولیاء اللہ بنے۔ ایسے ہی جملہ صلحاء سابقین کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو معاصی وغیرہ سے توبہ تائب ہو کر اسلامی زندگی اختیار کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

اکابرین جو خدا کے مقبول بندگان ہیں اللہ تعالیٰ ان کی نسبتیں نیک خلف میں اکٹھی کر دیتے ہیں پھر مختلف میدانوں میں وہ نسبتیں ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں البتہ دیکھنے والی نظر کو انصاف وبصیرت کی ضرورت ہے۔

انہی نیک خلف لوگوں میں قائد جمعیۃ حضرت مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم ہیں جن کی صاف وشفاف اجلی ہوئی شخصیت میں اللہ تعالیٰ نے سلف صالحین میں سے میدان علوم و معارف سے مزین شخصیات یعنی حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی علم وفکر کی گہرائی، شیخ الہندؒ کی قربانی، حضرت تھانویؒ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کا تصوف، حضرت مدنیؒ کی محتاط انداز گفتگو اور اپنے اور بےگانے کو ساتھ لے کر چلنا، حضرت ہزارویؒ کی زندگی اور مفتی محمودؒ کی شرافت اور جرأت، مفتی کفایت اللہ محدث دہلویؒ کی قوت دلیل کو اللہ تعالیٰ نے سمیٹ کر قائد کی زندگی میں رکھ دیا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمود کا انتقال ہوا تو میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں پڑھتا تھا۔ جنازہ میں رات کو شریک ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ نظریں کئی ایک اہل علم پر پڑتی تھیں کہ حضرت مفتی صاحب کا منصب سنبھالنے والا وہ ہو گا، فلاں ہو

گایا وہ ہستی ہو گی لیکن غیبی چناؤ ان کا نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی محمودؒ کے مشن کے لئے انہی کے خون کو چنا۔ چند دن بعد ایک استقبال کا پروگرام بنا کہ مولانا فضل الرحمٰن کراچی تشریف لا رہے ہیں ہم بھی جمعیۃ سے سابقہ تعلق کی وجہ سے استقبال میں شریک ہوئے۔ بنوری ٹاؤن آمد پر سفیر اسلام سید مولانا عبدالمجید ندیم شاہ صاحب نے بیان کیا پھر رات خالق دینا ہال، کراچی میں قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن کا پہلا بیان سنا شاید یا غالباً مولانا کی سیاسی زندگی کا پہلا بیان ہو گا اس دن سے لے کر آج تک میں حضرت قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن کا عقیدت مند ہوں۔

علامہ عبدالکریم شہرستانی فرماتے ہیں: الملل والنحل کتاب میں خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کئی باتیں بطور دلیل ذکر کی ہیں ان میں ایک بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ بروقت فیصلہ کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے تو قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن کو بھی اللہ تعالیٰ نے تائید غیبی سے یہ خوبی دے رکھی ہے جو فیصلہ بھی کرتے ہیں حالات وواقعات بعد میں حضرت کی بات کی تائید پر دلال ہوتے ہیں۔ فیصلہ کو بروقت سمجھنے میں اکثر بڑوں بڑوں کو تامل ہوتا ہے لیکن بعد میں حالات کے مطابق مولانا کے فیصلے کی تائید کیے بغیر رہ نہیں سکتے۔

ید اللہ علی الجماعۃ:

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے کہ جماعت کے فیصلوں میں اللہ تعالیٰ کی تائید شامل حال ہوتی ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام کی روز اول سے یہ خوبی رہی ہے کہ مناسب فیصلہ اور تدبر و الہام موجود ہوتا ہے۔

قائد جمعیۃ پر اعتراضات:

حضرت قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن پر لوگ بے تحاشہ اعتراضات کرتے رہتے ہیں لیکن حالات خود جواب دے دیتے ہیں (اگر نظر عبرت ہو تو)۔ ملکی سیاست اس وقت کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کا منظر پیش کر رہی ہے لیکن اس نازک ترین دور میں مولانا نے شرافت اور کردار کی سیاست کو پروان چڑھایا ہے۔ تمام سیاسی پیشہ ور حضرات جب غبن، ظلم، فراڈ، افراط

تفریط اور لوٹ کھسوٹ سے اپنے دامنوں کو داغدار کررہے ہوتے ہیں تو دوسری طرف قائد جمعیۃ بمع اپنے تمام رفقاءِ جمعیۃ کے اپنے دامن میں امانت و دیانت وصداقت کے گوہر لے کر بچتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔آج تک کوئی غبن ثابت نہیں کرسکا۔ہم اس پر اللہ رب العزت کا شکرادا کرتے ہیں۔

جمعیۃ کا فیصلہ اپنا ہوتا ہے:

اس جماعت کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے تمام تر فیصلے مذہبی رواداری، ملکی دفاع و ترقی کے ساتھ ساتھ اپنے ضمیر اور نظریہ پر ہوتے ہیں۔قرآن وسنت سے مزین مشائخ و قیادت سے ہی یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ کسی لالچ اور دباؤ میں کوئی فیصلہ نہیں کریں گے۔میں اپنے تمام رفقاء سے عرض کرتا ہوں کہ مدارس، مساجد اور مراکز دینیہ کے تحفظ اور مزید ترقی کے لئے جمعیۃ علماء اسلام میں یکسو ہو کر کام کرتے رہیں انشاء اللہ روز قیامت اکابرین کی معیت میں اٹھیں گے۔آخر میں ایک خواب پر اپنی معروضات ختم کرنا چاہتا ہوں۔

خواب:

آج سے چند سال قبل میں نے ایک خواب دیکھا۔ میں ایبٹ آباد میں ہوں، سارا تحتانی علاقہ شہر کے گدلے پانی سے بھرا ہے، سیلاب ہے اس سے آگے سفید پگڑی اور لباس والے بہت سے لوگ کھڑے ہیں ان سب نے مجھے کہا کہ اس طرف آجاؤ اس تمام آبادی والوں کی تباہی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔آگے شملہ پہاڑی پر مولانا فضل الرحمٰن سب سے آگے ہیں اور ان کے پیچھے ساری عوام جارہی ہے اور آواز دیتے ہیں آؤ نجات کی طرف۔ دوسری طرف تمام مکانات تباہ ہورہے ہیں۔اس خواب کے بعد مزید اللہ تعالیٰ نے شرح صدر عنایت فرمایا: اللہ تعالیٰ قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن حفظہ اللہ تعالیٰ کی زندگی اور علم وعمل میں برکت نصیب فرمائیں اور ہر اپنے و بے گانے کے شر سے محفوظ فرماتے ہوئے اسلام کی خدمت کے لئے قبول فرمائیں۔آمین!

آخر میں عزیزم مولانا حافظ شجاع الدین اور قاری شمس الدین کو مبارک باد پیش کرتا

ہوں جنہوں نے قائد جمعیۃ پر اکابرین کے تاثرات قلم بند کرنے کا قدم اٹھایا ہے۔اللہ تعالیٰ اس میں کامیابی نصیب فرمائیں اور کارکنان جمعیۃ کے لئے خصوصاً اور عام مسلمانوں کے لیے عموماً ثابت قدمی کا ذریعہ بنائیں ۔آمین! اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تعاون کرنے پر میرے عزیزی مولوی فضل الہادی اور عزیزم سہیل زمان کو بھی جزائے خیر نصیب فرمائیں جو ان حضرات کے ساتھ اس کام میں شریک سفر ہیں۔

☆......☆......☆

امت کیلئے نعمت غیر مترقبہ

مولانا الٰہی بخش بن احمد جیؒ،
فاضل جامعہ اسلامیہ، اکوڑہ خٹک، سرپرست اعلیٰ جامعہ اسلامیہ تعلیم القرآن، پڑھنہ مانسہرہ

علماء دیوبند اسلام کے تحفظ اور فروغ کیلئے ہر میدان میں قربانیاں دینے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ تبلیغی جماعت کے بزرگوں نے بڑی جانفشانی سے عوام کو بھی اس کام میں شامل فرما کر معاونین میں اضافہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ دین کی محنت کرنے والوں کو اخلاص کی دولت سے مالامال فرمائیں۔ جمعیۃ علماء اسلام برصغیر پاک و ہند میں تمام مسلمانوں کی نگرانی کرنے والی جماعت ہے۔ اکثر سادہ لوگ علماء کی محنت اور قربانیوں سے ناواقفیت کی وجہ سے اعتراضات کرتے رہتے ہیں لیکن علماء دیوبند ہی ہیں جو تبلیغ اور سیاست میں ایک مثبت کردار ادا کر رہے ہیں۔ مولانا فضل الرحمٰن کو جب میں نے دیکھا تو مفتی محمودؒ یاد آ گئے۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحبؒ کی قبر پر اپنی خاص رحمتیں نازل فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت مفتی صاحبؒ سے اور پھر ان کے بعد ان کے لائق بیٹے مولانا فضل الرحمٰن سے دین کا خوب کام لیا ہے۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے جو فہم و فراست دی ہے وہ اس امت کیلئے خداوند قدوس کی طرف سے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ حضرت کی صلاحیتوں سے ہم خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھا سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرما دیں۔ علماء کرام احیاء دین کیلئے ہر میدان میں قربانیاں دے رہے ہیں۔ اسی طرح قربانیاں دیتے دیتے ان کو موت آ جائے گی تو حضور اقدس ﷺ جب حوض کوثر پر ملیں گے تو اپنی امت کے ان علماء کرام سے کتنے خوش ہونگے اور کتنی محبت کا اظہار فرمائیں گے۔ جو لوگ سیاست کے میدان میں مولانا فضل الرحمٰن پر نواز شریف یا دوسرے لوگوں کو ترجیح دیتے ہیں وہ

اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں یہ لوگ تو مولانا کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں۔ یہ لوگ صرف دنیا کے فائدے ہی کو کامیابی سمجھتے ہیں دین و دنیا کی کامیابی تو صرف اسلام میں ہے اور اسلام کو علماء سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے۔ اللہ تعالی میرے خاندان کو ساری زندگی تبلیغ اور جمعیۃ علماء اسلام کے ساتھ وابستہ رہنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ مجھے اپنے بیٹوں سے دین کی محنت چاہیے اور علماء کرام کا ہمیشہ ساتھ دینا چاہیے۔ میرے بیٹوں نے مولانا فضل الرحمن پر علماء کرام کی آراء جمع کر کے کتابی شکل دی ہے یہ میرے لیے سرمایہ افتخار ہے۔

☆......☆......☆

علماء کرام کے نمائندہ

مولانا مفتی گل حسن مدظلہ،
مشیر شرعی عدالت، رئیس دارالافتاء مدرسہ رحیمیہ، کوئٹہ

میدان سیاست میں اسلام دشمن قوتیں سرگرم عمل ہیں اس لئے ان کے مقابلے میں علماء کرام کا سیاست میں آنا بہت ضروری ہے۔ اس میدان میں مولانا فضل الرحمٰن علماء کرام کے نمائندہ ہیں۔ وہ بہت بڑے عالم ہیں اور میدان سیاست کے بھی بڑے ماہر ہیں اور دین کی بڑی خدمت کر رہے ہیں۔

☆......☆......☆

امت مسلمہ کا ترجمان

مفسر قرآن مولانا عبدالحلیم دامت برکاتہم، کوہستان

سابق مدرس جامعہ حقانیہ، اکوڑہ خٹک، بانی و مہتمم دارالعلوم مدنیہ، کوہستان

شروع دن سے ہی میرا تعلق جمعیۃ علماء اسلام سے تھا لیکن شروع میں مجھے مولانا فضل الرحمٰن کی اہمیت کا اتنا احساس نہیں تھا بلکہ ایک علماء حق کی جماعت ہونے کی وجہ سے تعلق تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھے مولانا فضل الرحمٰن کی شخصیت کا اندازہ ہوا، اسی وجہ سے میں 2002ء کے انتخابات میں جمعیۃ سے ٹکٹ لے کر قومی اسمبلی کا ممبر منتخب ہوا اور جب بعد میں قائد کے کہنے پر میں نے استعفیٰ دیا تو اس MMA کی حکومت کے دوران میں نے مولانا کو قریب سے سمجھنے کی کوشش کی اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ دورِ حاضر میں دین اسلام کے لئے مولانا فضل الرحمٰن کی جو خدمات ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں چاہے وہ مدارس کے تحفظ کی شکل میں ہوں یا اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جدوجہد کی شکل میں ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ مولانا اس وقت اندرونی سطح پر اور بین الاقوامی سطح پر دین اسلام کے خادم ہیں اور حقیقی معنوں میں تمام دنیا کے مسلمانوں کا تحفظ کر رہے ہیں۔ آج ہمارے ملک میں اسلام کے حوالے سے جو آزادی ہے وہ بھی مولانا فضل الرحمٰن ہی کی حکمت عملی سے ہے۔

میرے نزدیک مولانا فضل الرحمٰن کا ساتھ دینا عین دین اسلام کی خدمت ہے۔ مولانا پوری دنیا کے مسلمانوں کے ترجمان ہیں میرے نزدیک انتہائی قابل احترام ہیں اگرچہ وہ میرے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔

☆......☆......☆

قائد جمعیۃ ایک مظلوم قائد

حضرت مولانا ظہور الحق دامت برکاتہم،

حضرو اٹک، فاضل دار العلوم دیوبند

آپ کے مکتوب سے آپ کے نیک ارادوں کا علم ہوا اور بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے ضرورتِ وقت کا لحاظ کرتے ہوئے جمعیۃ علماء اسلام اور خاص طور پر موجودہ قائد حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے بارے میں اکابر علماء کرام کے خیالات جمع کرنے چاہے۔

میرے محترم! کون سے پیغمبر ہیں کہ جن کی مخالفت نہیں کی گئی اور انبیاء کو دنیا کے اقتدار کا طعنہ نہ دیا گیا ہو۔ مولانا فضل الرحمٰن اگرچہ بہت سے علماء کرام سے عمر میں چھوٹے ہیں لیکن بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال۔

میرے نزدیک جماعتوں میں سب سے مظلوم جماعت جمعیۃ علماء اسلام ہے اور قائدین میں سب سے مظلوم قائد مولانا فضل الرحمٰن صاحب ہیں۔ ان کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان کو ہر وقت برائی سے یاد کرنے والوں کے بارے میں ان کی زبان سے ان کے خلاف ایک لفظ تک نہیں نکلتا۔ جب ان پر صوابی میں قاتلانہ حملے کئے گئے تو ماہنامہ الجمعیۃ کو مولانا ابراہیم فانی استاذ دار العلوم حقانیہ نے ان کی جرات کے بارے میں ایک نظم لکھی، بندہ نے ملاقات کے وقت مولانا فانی کو مبارک باد دی اور ان کی جرأت کو بھی سلام کیا۔ بہرحال میرے نزدیک سیاست دین کا حصہ ہے اور اس میں حصہ لینے والے دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو شرف قبولیت بخشے اور ان کو استقامت نصیب فرمائے۔

اس مختصر وقت میں یہی الفاظ لکھ سکا۔ اللہ تعالیٰ اس کام کے کرنے والوں کو اپنی طرف سے بہترین صلہ نصیب فرمائے۔ آمین!

☆......☆......☆

قائد جمعیۃ اکابر کی تائید یافتہ شخصیت

مولانا شیخ عبدالرحیم حفظہ اللہ،
شیخ الحدیث جامعہ محمودیہ (گلشن جھنگوی)، جھنگ

بندہ ناچیز اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے علومِ دینیہ مروجہ کی تحصیل سے کچھ حصہ نصیب ہوا ہے مگر بایں ہمہ اب تک طالب علم ہوں۔ دل میں علماء کرام کی الفت و محبت رکھتا ہوں۔ علماء ربانیین کے قدموں میں بیٹھنے کو اپنے لئے سعادت سمجھتا ہوں۔ علمی وتحریری میدان میں ناقص ہوں۔

وانی ناقص فی کل شئی ولکننی احب الکاملینا.

برادرم قاری شمس الدین دامت برکاتہم نے بذریعہ خط اور پھر فون پر جمعیۃ کی ضرورت اور قائد جمعیۃ حضرت مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم کے بارے میں کچھ لکھنے کا حکم فرمایا۔ بہرحال انتہائی ڈرتے ہوئے قلم اٹھایا ہے۔ محض اپنی عاقبت کو محمود بنانے کے لئے درج ذیل گزارشات پیش خدمت ہیں۔

برادرانِ وطن انسان کی زندگی کا کوئی شعبہ بھی مذہب سے مستغنی نہیں ہوسکتا چنانچہ جہاں مسلمان کو صلوٰۃ، زکوۃ، حج، نکاح، طلاق، بیع وشراء وغیرہ میں مذہبی فتویٰ و رہنمائی کی ضرورت ہے وہاں ملکی معاملات اور غیر مسلم اقوام سے تعلقات میں بھی مذہب کی حاجت ہے۔ سیاست بھی مذہب کا حصہ ہے اس میں بھی مذہبی راہنمائی کی ضرورت ہے۔ پھر مسائل عبادات و معاملات میں علماء کے انفرادی فتاویٰ کافی رہ جاتے ہیں لیکن اصولی اور اساسی

معاملات میں انفرادی آراء مفید ثابت نہیں ہوتیں۔ اس کے لئے باہمی سوچ وفکر اور مدبرین کے تدبر کی ضرورت پڑتی ہے ایک جماعت بخوبی یہ کام سرانجام دے سکتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ جماعت ضروری مناقشات اور باہمی اختلافات سے بالاتر ہو کر اخلاص اور یکجہتی کے ساتھ معاملات کو نبھائے اور ایثار سے کام لے۔ جاہ طلبی وتن پروری سے دور ہو۔ معاملات شرعیہ میں مداخلت کی عادت نہ بنائیں اور بلاخوف کلمہ حق کہہ دیں۔ اصول شریعت اور طریقہ سنت کو مضبوط ہاتھوں سے سنبھالیں۔ ایسی جماعت کے لئے پردہ غیب سے تائید الٰہی کا ظہور ہوتا ہے اس لئے حکم ہے۔ علیکم بالجماعۃ و ید اللہ علی الجماعۃ۔ چنانچہ جمعیۃ علماء اسلام جو اہل حق کی نمائندہ جماعت ہے۔ امت مسلمہ جب بھی تنزل ومصائب کا شکار ہوئی تو یہی علماء وارثین نبوت انسانیت کی ہمدردی کے لئے بے چین ہوئے اور ظلمت کدوں میں امت مسلمہ کے لئے مینارۂ نور بنے رہے۔ ماضی میں جب ہندوستان کے اندر انگریز کی ریشہ دوانیوں نے امت مسلمہ کو پریشان کیا تو اکابرین امت کی سرپرستی میں ایک جماعت جمعیۃ علماء ہند بنائی گئی جس نے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے بغیر کسی لالچ کے امت مسلمہ کے مقاصد ومسائل مہمہ کے لئے انتہائی محنت کی حتی کہ اندرون و بیرون ملک مغربی ممالک کے عزائم کی تکمیل کے راستے میں سد سکندری بن گئے۔ آج پاک وہند میں اسلام کی جو شمع روشن ہے وہ انہی علماء کرام کی مرہون منت ہے۔ جب مکار انگریز نے اپنی ناکامی دیکھی تو مکاری کی نئی روش اختیار کی کہ ملک تقسیم کروا دیا اور ایک طبقہ مسلمانوں کا اپنے ساتھ ملا کر اپنا اور لارڈ میکالے کا تیار کردہ تعلیمی نصاب اور ملکی نظام ہم پر مسلط کیا جس کے برے نتائج آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ پھر اس تقسیم ملک سے کئی ہم نوا مل گئے جو آج بھی اپنے آپ کو مسلمان کہلوا کر انگریزوں کی سی تہذیب وتمدن اپنائے ہوئے ہیں اور اس تمدن پر چلتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں اور علماء کرام کو بنیاد پرست اور دہشت گرد کے القابات دے کر امت مسلمہ کو اسلام اور علماء اسلام سے متنفر کر رہے ہیں۔ اس طبقہ کی اس روش کی اطلاع نبی کریم ﷺ نے پہلے ہی فرما دی تھی تا کہ ان کے شر سے مسلمان ہوشیار رہیں چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

"عن ابی هریرةؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لتتبعن سنن من قبلکم شبرا بشبر وذراعاً بذراع حتیٰ لو دخلوا جحر ضب لدخلتموه، قالوا یارسول الله الیهود والنصاری قال فمن؟".

ترجمہ: فرمایا نبی کریم ﷺ نے تم لوگ گزشتہ اقوام کی پوری طرح اتباع کرو گے حتیٰ کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوں گے تم بھی اس میں داخل ہو جاؤ گے۔لوگوں نے عرض کیا کہ یہود ونصاری کی اتباع مراد ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر اور کس کی؟۔

برادران اسلام! یہود ونصاری نے پیروان اسلام کی دنیا و آخرت کی بربادی کے لئے کچھ امراض (وبائیں) پھیلا دی ہیں جن کی روک تھام ضروری ہے ورنہ مسلمانوں کا نام و نشان مٹ جانے کا خدشہ ہے۔ایک نوجوان نسل کو بے راہ روی پر لگانا اور مذہب سے بیزار کرنا جس کو حریت اور آزادی کا سادہ نام دے کر دھوکے میں ڈال رکھا ہے کہ تم آزاد لوگ ہو ہر شخص اپنے افعال و خیالات میں آزاد ہے۔صرف اسمبلی کے اراکین کے بنائے ہوئے قوانین کی پابندی کرو تا کہ اجتماعی تمدن خراب نہ ہو باقی عقائد، اخلاق اور اعمال برباد ہوں تو کوئی پرواہ نہیں کسی کو ذاتی افعال و اعمال کا پابند کرنا یہ اس کی آزادی کو سلب کرنا ہے۔

حالانکہ اگر غور وتدبر سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت میں نفس کی غلامی اور خواہش پرستی ہے یہ بہت مضر ہے۔یہ دماغی اور عملی انتشار و انا کا سبب بنتی ہے۔شریعت اسلام نے خواہش نفس کی پیروی سے روکا ہے اور قوانین الٰہی کی پابندی کا حکم دیا ہے تا کہ اللہ کے بندے کفار کی غلامی سے آزاد ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کی غلامی اختیار کریں اور جو انسان اللہ کے حکم کو جاری و نافذ کرنے والا ہو اس کی پیروی کرنے اور اس کی بات مان کر زندگی گزارنے کا حکم دیا ہے تا کہ نفس پرستی اور خواہش نفسانی سے بچ سکے۔ارشاد ہوا کہ:

"اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر منکم"

اور سرور کائنات ﷺ نے مزید فرمایا کہ:

"لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق"

لہٰذا معصیت خالق کے علاوہ امور میں ان کی اتباع کی جائے گی چونکہ یہ اتباع حکم الٰہی کے تحت ہے اس لئے یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی غلامی ہوئی نہ انسان کی۔ معلوم ہوا کہ انسان دنیاوی زندگی میں قوانین الٰہیہ کا پابند ہے اس کو یوں واضح فرمایا:

"الدنیا سجن المومن وجنة الکافر"

ترجمہ: "دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے جنت ہے"۔

دوسری وبا جمہوریت ہے جسے بڑی تیزی کے ساتھ اسلامی ممالک میں پھیلانیکی کوشش جاری ہے پھر اس کو کبھی اسلامی جمہوریت اسلامی شوریٰ کا نام دے کر مسلمانوں کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔ اس کی بنیاد سب سے پہلے فرانسیسیوں نے ڈالی پھر باقی اقوام نے ان کی پیروی شروع کر دی۔

اس جمہوریت کی وباء نے جاہل، جاگیردار و سرمایہ دار اور بے دین عناصر کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور تھما دی ہے جو "ضلوا فاضلوا" کا مصداق بنے ہوئے ہیں اور ان کے گمراہ کن کالے قوانین کی اتباع کو احترام جمہوریت کا نام دے کر مجبور کیا جاتا ہے حتیٰ کہ کسی فرد کی یہ مجال نہیں کہ صدر جمہوریت کا ہاتھ پکڑ کر کہے کہ تم یہ خلاف شرع حکم کیوں دیتے ہو یہ انسانی غلامی نہیں تو اور کیا ہے۔ صرف عنوان اور لیبل حریت اور آزادی کا ہے اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ اصحاب رائے اور اصحاب علم پر مشتمل ایک جماعت (شوریٰ) بنائی جائے اور وہ آگے ملکی نظام چلانے کے لئے فرمانروا منتخب کر لے اب اگر یہ حاکم کوئی حکم خلاف حق نافذ کرے تو امت کا ادنیٰ فرد بھی (جو شریعت کے احکام سے واقف ہے) اس حاکم کا ہاتھ پکڑ سکتا ہے اور اس سے جواب طلبی کر سکتا ہے مگر ہمارے اوپر مسلط جمہوریت میں یہ حق کب کسی کو ملتا ہے۔ حقیقت شناسی یہ ہے کہ اس جمہوریت کے ذریعہ نہ اسلام نافذ ہو سکتا ہے اور نہ ہی مفاسد کا سد باب ہو سکتا ہے۔ تیسری خطرناک بیماری یہ ہے کہ قومیت کی تعمیر وطنیت کی بنیاد پر ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مختلف ممالک کے مسلمان ایک دوسرے سے بے نیاز ہو کر اس وطن پرستی میں مشغول ہو جائیں جو اتحاد عالم اور اسلامی مرکزیت کو ناکام بنانے کے مترادف ہے تاکہ مغربی بھیڑیے ایک

ایک کر کے مسلمانوں کو نگل جائیں جب کہ اسلام قومیت کی تعمیر صرف کلمہ: ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' اور اصول اسلام کے تسلیم کرنے پر سمجھتا اور بناتا ہے اور یہی اسلامی قومیت حدود جغرافیہ سے بالاتر ہے۔ ہر مسلمان کو دوسرے کے دکھ درد اور خوشی غمی میں برابر کا شریک ہونا چاہیے۔ اسی لئے ارشاد گرامی ہے کہ تمام مسلمان بلا تفریق وطنیت وقومیت بنیان واحد کی طرح ہیں جس کے ایک عضو کی تکلیف سے سارا جسم متاثر ہوتا ہے۔ اللہ کرے یہ جذبہ اہل اسلام میں بیدار ہو جائے۔ ان تینوں مہلک امراض سے بچاؤ کے لئے اہل اسلام کو راہنماء جماعت کی ضرورت ہے جو انسانی اور قومی ہمدردی رکھتی ہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے دیئے ہوئے نظام اور دستور حیات سے پوری طرح آشنا ہو تا کہ اصول دین پر چلتے ہوئے انسانیت کو یہ غلط نظام کی غلامی سے آزاد کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سچی غلامی میں لائیں۔ ایسی جماعت علماء حق وخیر کی ہو سکتی ہے جن کو حدیث مبارکہ میں خیر کی کنجی قرار دیا گیا ہے۔

''عن انس بن مالک انہ قال. قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من الناس مفتاحاً للخیر مغلاقاً للشر وان من الناس مفتاحاً للشر مغلاقاً للخیر فطوبیٰ لمن جعل اللہ مفتاح الخیر علی یدیہ وویل لمن جعل اللہ مفتاح الشر علی یدیہ''. (ابن ماجہ

ترجمہ: ''حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ بے شک کچھ لوگ خیر کی مفتاح (چابی) ہیں اور شر کے مغلاق (تالے) ہیں۔ یعنی شر کو بند کرنے والے ہیں اور بے شک کچھ لوگ شر کے لئے چابی اور خیر کو بند کرنے والے ہیں۔ پس خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے خیر کی کنجیوں کو رکھا ہے اور ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جس کے ہاتھ پر شر کی کنجیوں کو رکھا''۔

اس حدیث کی روشنی میں دیکھا جائے تو مفتاح الخیر اور مغلاق الشر کا مصداق جماعت اہل حق کی جماعت ہے جو مشترکہ ہندوستان میں جمعیۃ علماء ہند کے نام سے کام کرتی رہی اور

تقسیم ملک کے بعد پاکستان میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ و دیگر علماء ربانیین کی سرپرستی میں معرض وجود میں آنے والی جماعت جمعیۃ علماء اسلام ہے جس نے ہر دور میں امت مسلمہ کی راہنمائی کا حق ادا کیا اس جماعت کے اکابرین کا ہر دور میں ستارہ تابندہ رہا۔اگرچہ باد سموم کے جھونکے ان میں تفرقہ کی فضا پیدا کرتے رہے ہیں مگر یہ تفرقہ میں بھی امت کے لئے باعث رحمت رہے ہیں۔ارشاد پیغمبرﷺ ہے ''اختلاف امتی رحمۃ'' آج بھی اس جماعت میں ہدایت کے باخدا اکابر موجود ہیں جنہوں نے سیکولر طبقہ سے پنجہ آزمائی کے لئے مرد قلندر مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی کو زمام قیادت تھمائی ہے جن کے سیاسی تدبر و بصیرت کو اپنے پرائے سب تسلیم کئے ہوئے ہیں۔اختلاف رائے کا ہر فرد ذی عقل کو حق ہے مگر حاسد اور معاند کو حق حاصل نہیں۔کئی مشاورتی اجتماع میں مولانا کا کلام سننے کا اتفاق ہوا ہے اور انہوں نے ان مجالس میں اپنا موقف مدلل انداز میں بیان کر کے اپنا قد و قامت اونچا رکھا ہے۔

لہٰذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مولانا فضل الرحمٰن عظیم قائد کے عظیم فرزند ہیں جو اسم با مسمّٰی ہیں ۔ذات رحمٰن کی عنایت ہیں۔بندہ ناچیز نے بطل حریت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اور محدث جلیل حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ کی زبان سے بالمشافہ ان کی تائیدات سنی ہیں۔شہید ناموس صحابہؓ امیر عزیمت حضرت مولانا حق نواز جھنگویؒ سے بھی ان کے سیاسی تدبر و جرات کا پیغام سنا ہے۔ایک موقع پر فرمایا کہ:''میرا مشن و کاز کانٹوں کی سیج ہے ۔اس کام کے لئے اپنی پشت کو مضبوط رکھنا ضروری ہے۔اس لئے میں جمعیۃ علماء اسلام کی طاقت کو ساتھ رکھنا چاہتا ہوں''۔

اللہ تعالیٰ مولانا فضل الرحمٰن موصوف کو مزید شرف و مرتبہ نصیب فرمائے اور اپنی تائید ایزدی سے نوازے۔

اللھم ایدہ بروح القدس

جیتے جی ہوتی نہیں کچھ قدر انسان کی
یاد آتی ہیں ان کی وفائیں ان کے چلے جانے کے بعد

☆......☆......☆

داعیٔ اتحاد امت

شیخ الحدیث مولانا عبدالمالک مدظلہ، منصورہ لاہور

سابق ایم۔این۔اے، مرکزی رہنما جماعت اسلامی پاکستان

حضرت مولانا فضل الرحمٰن انتہائی ذہین وفطین عالم دین ہیں۔انہیں ذہانت و فطانت وراثت میں ملی ہے۔ان کے والد گرامی حضرت مولانا مفتی محمودؒ بلند پایہ عالم دین، ممتاز فقیہ اور عظیم المرتبت سیاستدان تھے۔وہ تمام خوبیاں جو حضرت مفتی محمودؒ میں تھیں حضرت مولانا فضل الرحمٰن میں بھی پائی جاتی ہیں۔علمِ دین میں بھی انہیں کمال حاصل ہے۔حریفوں کو قلت تعداد کے باوجود شکست دینے کا تجربہ رکھتے ہیں۔ملک میں مختلف طرح کے بحران آتے رہے لیکن وہ ہر بحران میں کامیابی سے سرخرو ہوئے۔اتحادِ ملت کے لئے انہوں نے ملی یکجہتی کونسل اور مجلس عمل کے پلیٹ فارم تشکیل دینے میں نمایاں کردار ادا کیا۔جماعت اسلامی اور قاضی حسین احمد (سابق امیر جماعت اسلامی) کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔اسمبلی میں ممبران کی راہنمائی کی اور "تحفظ خواتین قانون" میں متفقہ ترامیم پیش کیں لیکن جب پرویز مشرف کے دباؤ پر حکومتی پارٹی نے اسے پاس کیا تو اس کے خلاف بھرپور تحریک چلائی۔مدارس نے اس قانون کے خلاف بڑے بڑے کنونشن منعقد کیے۔حکومتی پارٹی اور پرویز مشرف کو ذلت و رسوائی سے دوچار کیا۔لال مسجد کے مسئلہ پر بھی اہم کردار ادا کیا۔لال مسجد کو دوبارہ آباد کرنے اور جامعہ فریدیہ کو دوبارہ کھلوانے میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔

☆......☆......☆

قائد جمعیۃ کی شخصیت، کردار و خدمات

مولانا میر محمد میرک مدظلہ،
جوائنٹ جنرل سیکرٹری جمعیۃ علماء اسلام، پاکستان رئیس جامعہ اسلامیہ حمادیہ، خیر پور میرس

جمعیۃ علماء اسلام علماء حق کے قافلہ حق و صداقت اور کاروان حریت و اخلاص وطن کا تسلسل ہے۔ یہ قافلہ سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کے علم و عمل کا ناشر ہے۔ اس قافلہ کے لوگ کبھی مسند تدریس پر جلوہ گر ہوتے ہیں تو قال اللہ و قال الرسول اللہ ان کا وظیفہ ہوتا ہے کبھی منبر پر بیٹھتے ہیں تو قال اللہ و قال رسول اللہ کی آواز بلند کرتے ہیں، کلمہ حق بلند کرتے ہیں اور باطل کے سامنے ڈٹ جاتے ہیں اور سر بلند ہو جاتے ہیں یہ لوگ کبھی میدان جہاد میں ہوتے ہیں تو شہادت سے سرخرو ہوتے ہیں، کبھی سیاست کی گتھیاں سلجھاتے ہیں تو لوگوں کو امن و سکون، معاشرہ کو عافیت اور شہروں کو حفاظت و صیانت مہیا کرتے ہیں۔ انہی بزرگوں کے وارث علماء کا 1956ء سے باقاعدہ ایک نظم "جمعیۃ علماء اسلام" کے نام سے سرگرم عمل ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس نے باطل قوتوں کو للکارا اور حق و صداقت کے منشور کو اقصائے عالم میں متعارف کروایا۔ یہی اس کا پروگرام ہے اور یہی اس کی تاریخ ہے۔ اس جماعت نے نور نبوت ﷺ سے استفادہ کیا ہے اور پیغام نبوی ﷺ کو اپنے دستور اور منشور کی اصل اور اساس ٹھہرایا ہے۔ اس کا ما حاصل اور خلاصہ ہے کونو اعباداللہ، اس کی تفصیل اہل حق کی تاریخ اور اہل علم کے افکار و نظریات میں دیکھی جا سکتی ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام کا نصب العین رضائے الٰہی کا حصول ہے اور مقصود اس کا اعلائے کلمۃ اللہ ہے اس مقصد کے لئے اس جمعیۃ نے نہ

کبھی مداہنت سے کام لیا اور نہ کبھی اصولوں پر مفاہمت کی۔ جمعیۃ علماء اسلام کا پروگرام ایک علمی و عملی پروگرام ہے اس کی اصل اور بنیاد قرآن مجید کی حکمت بالغہ ہے اس کی تفصیل فرامین نبوت ﷺ ہے۔ 1956ء سے لے کر 1980ء تک قائد جمعیۃ حضرت مولانا فضل الرحمٰن کے والد گرامی مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے حضرت شیخ الہندؒ کے فلسفہ عدم تشدد کو سامنے رکھتے ہوئے پارلیمنٹ کے اندر اور باہر ہر فورم پر جماعتی پروگرام کو اس احسن طریقہ سے اجاگر کیا کہ سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے صف اول کے قائدین میں شمار ہونے لگے حتیٰ کہ قائد حزب اختلاف کے طور پر بھی سامنے آئے۔ 1980ء کا سال جمعیۃ کے لئے انتہائی تکلیف دہ ثابت ہوا کیونکہ اس سال حضرت مفتی صاحب وفات پا گئے۔ 1980ء میں ہی مفتی صاحبؒ کے بعد ایم۔آر۔ڈی کے مسئلہ اور جماعتی انتخاب کے موقع پر جماعت دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئی۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب جو اس وقت تعلیم سے فارغ ہوئے تھے اور نوجوان تھے اس کے باوجود سندھ، پنجاب، سرحد اور بلوچستان کے بزرگ علماء کرام خصوصاً سندھ سے حضرت مولانا سائیں عبدالکریم قریشیؒ بیر شریف والے، حضرت مولانا سید محمد شاہ امروٹیؒ، حضرت مولانا محمد مرادؒ سکھر والے، حضرت مولانا غلام قادرؒ پنھوار شکار پور والے اور دیگر نامور علماء کرام نے قائد جمعیۃ میں موجود خداداد صلاحیتوں کو دیکھ کر ان کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا اور انہیں مرکزی ناظم عمومی منتخب کیا۔ قائد جمعیۃ نے مرکزی ناظم عمومی کی حیثیت سے جماعت کو منظم کرنے کے لئے جو کردار ادا کیا وہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ ضیاء الحق کی آمریت کے خلاف ڈٹ جانے پر جیلوں میں گئے اور صعوبتیں برداشت کیں اور اپنی ہمت و جرأت کو دنیا سے منوایا۔ مختصراً 1980ء سے 2011ء تک 31 سالوں میں بحیثیت قائد آپ نے ملکی اور بین الاقوامی حالات کو مدنظر رکھ کر جو کردار ادا کیا ہے اور جس سیاسی بصیرت و سنجیدگی اور معاملہ فہمی کا مظاہرہ کیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں مثلاً:

1۔ مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ العالی سیاسی بصیرت کے حامل،

مفاہمت پسند، سنجیدہ و معتدل طبیعت کے حامل اور کامیاب ترین سیاستدان ثابت ہوئے ہیں۔

2۔ 1988ء سے اب تک جتنے بھی انتخابات ہوئے ہیں الحمدللہ جمعیۃ علماء اسلام نے صوبائی، قومی اسمبلی اور سینیٹ میں نمائندگی حاصل کی ہے۔

3۔ پاکستان کے آئین میں موجود اسلامی دفعات کو برقرار رکھنے کے لئے اور قرآن وحدیث کے خلاف کوئی قانون پاس ہونے کے حوالے سے آپ نے جو پارلیمنٹ میں محنت کی آج اس کا نتیجہ ہے کہ اسلامی دفعات آئین پاکستان میں من وعن موجود ہیں جنہیں تبدیل کرکے ہر آنے والی حکومت نے اپنے بیرونی آقاؤں اور بے دین طبقہ کو خوش کرنے کی کوشش کی۔

4۔ ایک وہ وقت تھا جب ملک کے بڑے بڑے علماء کرام آپ کے طرز سیاست کے مخالف تھے۔آپ کا نام لینا بھی گوارہ نہیں کرتے تھے۔آپ کو اپنی جامعات، مدارس اور مساجد میں آنے نہیں دیتے تھےلیکن قائد جمعیۃ اپنے حوصلہ کو برقرار رکھتے ہوئے اور اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے جماعتی نظم کومضبوط کرکے آگے بڑھتے رہے۔الحمدللہ آج ملک کے بڑے بڑے علماء، بڑی جامعات اور نامور مدارس کے مہتممین اور علماء دیوبند سے وابستہ تمام دینی جماعتیں آپ کو قائد تسلیم کرتی ہیں اور مجلس تحفظ ختم نبوت،وفاق المدارس العربیہ و دیگر مدارس والے اہم پروگرامز میں قائد محترم کوخصوصی طور پر مدعو کرتے ہیں۔

5۔ قومی اسمبلی میں امور خارجہ اور کشمیر کمیٹیوں کے چیئرمین کی

حیثیت سے آپ نے جنرل اسمبلی اور مختلف ممالک کے دورہ کے دوران عالمی اور صف اول کے راہنماؤں سے ملاقاتوں، مختلف فورمز، سیمیناروں اور اجلاسوں میں شرکت کر کے ملک کی خارجہ پالیسی، کشمیر کی ابتر صورتحال، اسلامی دفعات، مدارس و مساجد اور جماعتی موقف کو اتنے واضح انداز میں پیش کیا ہے کہ سیاسی و غیر سیاسی مخالفین بھی قائد کے موقف کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔

6۔ آپ نے قائد حزب اختلاف کے حیثیت سے پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار ایسا معتدل اور مفاہمت پسندانہ رویہ اختیار کیا ہے کہ آپ کے بعد آنے والا ہر قائد حزب اختلاف آپ کی طرز پر اپنا کردار ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

7۔ آپ کی محنت وجستجو سے پہلی بار ملک کی تاریخ میں مختلف الخیال مذہبی جماعتوں پر مشتمل اتحاد ''متحدہ مجلس عمل'' کے نام سے وجود میں آیا جس کی وجہ سے قومی اسمبلی، سینیٹ، چاروں صوبوں اور صوبائی اسمبلیوں میں کثیر تعداد میں علماء کرام منتخب ہو کر آئے اور صوبہ سرحد میں پانچ سال تک بلا شرکت غیرے کامیاب حکومت کی اور جو اصلاحات کیں اور حسبہ بل جیسا موثر نظام نافذ کرنے کے لئے جو محنت کی گئی یقیناً قائد جمعیۃ مدظلہ نے اس میں قائدانہ کردار ادا کیا۔

8۔ افغانستان میں اسلامی تحریک طالبان نے مکمل اسلامی نظام نافذ کرنے کے لئے اپنی جدوجہد شروع کی اور مجاہدین نے اپنی جانوں کا نذرانہ دے کر بالآخر افغانستان میں اسلامی امارت قائم کی تو اس جدوجہد میں بھی قائد جمعیۃ نے تاریخی کردار ادا کیا اور جب مریکی حکومت نے اسامہ کو بہانہ بنا کر نومولود امارت اسلامیہ پر حملہ کرنے کا

ارادہ کیا تو مولانا نے اعلان کیا کہ اگر امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیا تو ہم پاکستان میں امریکیوں کو قتل کریں گے جس پر امریکیوں نے پسپائی اختیار کی۔

9۔ نائن الیون کے بعد امریکی سامراج نے دہشت گردی کے نام سے نیا واویلا شروع کیا اور امارت اسلامی افغانستان پر حملہ کر کے طالبان کی اسلامی حکومت ختم کر کے افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجائی اور پھر عراق پر حملہ کر کے صدام حکومت ختم کی اور مسلمانوں پر جو ظلم ڈھائے اس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی اور پھر اس کے بعد جو حالات پیدا ہوئے اس سے ہمارے ملک پر جو منفی اثرات پڑے، دہشت گردی کی لہر اور خودکش حملوں کا سلسلہ شروع ہوا مختلف مقامات کے علاوہ عبادت گاہوں میں بھی بم دھماکے ہوئے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں اور آج بھی آئے روز ملک میں جو ڈرون حملے ہو رہے ہیں اس ساری صورتحال میں قائد جمعیۃ امریکہ اور اس کے حواریوں کے خلاف مضبوط دلائل کی بنیاد پر موثر طریقہ سے احتجاج کرتے آرہے ہیں۔

☆......☆......☆

عصر حاضر کی سیاست کا امام

مولانا قاضی محمد الیاس دامت برکاتہم،
امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، آزاد کشمیر، بانی و سرپرست سوادِ اعظم اہل سنت،
مہتمم مدرسہ عربیہ حنفیہ دارالسلام، چناری آزاد کشمیر

یہ حقیقت اپنی جگہ عیاں ہے کہ ہمارے اکابر حضرات علماءِ دیوبندؒ جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے پناہ علمی و عملی صلاحیتوں سے نوازا تھا وہ اپنے دور کے بلند پایہ فقیہ، محدث و مفسّر، باعمل شیخ طریقت اور باکردار قائد قرار پائے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی محدّثِ دوراں کہلایا اور کوئی فقیہ العصر کوئی حکیم الامت کہلایا اور کوئی حکیم الاسلام کوئی امام العصر کہلایا اور کوئی خطیب العصر، کسی نے شیخ التفسیر اور شیخ القرآن کا لقب پایا اور کسی نے شیخ الاسلام اور مفکرِ اسلام کا۔

اگرچہ بعد میں آنے والے انکے حقیقی و روحانی بیٹے ان کے خلا کو پر نہیں کر سکے تاہم اس بات سے بھی انکار کی گنجائش نہیں کہ بعض خوش نصیب باصلاحیت حقیقی و روحانی فرزند ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کی بناء پر وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جن کی وجہ سے وہ خلا کسی حد تک پُر نظر آتا ہے انہی ہونہار بیٹوں میں ایک نام قائدِ ملتِ اسلامیہ مولانا فضل الرحمٰن کا ہے جنہوں نے اپنے والد گرامی مفکرِ اسلام مولانا مفتی محمودؒ کی وفات کے بعد جمعیۃ علماء اسلام کی قیادت سنبھالی اور اپنے والد گرامی کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے ہر دینی و ملی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تحریک تحفظِ ختم نبوت ﷺ ہو یا تحریک تحفظِ ناموس رسالت ﷺ تحریک آزادیِ کشمیر ہو یا تحریکِ طالبان، تحریک نظامِ مصطفیٰ ﷺ ہو یا تحریک بحالیِ جمہوریت ان تمام تحریکوں میں جمعیۃ علماء اسلام کا کلیدی کردار رہا ہے۔ بلاشبہ علماء حق کے علم و عمل، تحمل و بردباری اور سیاست و قیادت کی جھلک مولانا فضل الرحمٰن کی شخصیت میں

موجود ہے ان ہی کی شبانہ روز کاوشوں سے جمعیۃ علماء اسلام ترقی کی منازل طے کر رہی ہے اور اس وقت جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کے چاروں صوبوں بشمول آزاد کشمیر علماء کی نمائندہ جماعت کے طور پر ابھری ہے۔ پاکستان کی قومی اسمبلی میں علماء کی نمائندگی جبکہ سینیٹ میں دوسرے بڑی جماعت کے طور پر سامنے آئی ہے اسی بناء پر مولانا عبدالغفور حیدری کو سینٹ میں قائد حزب اختلاف منتخب کیا گیا۔ یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کی سب سے بڑی دینی و سیاسی قوت ہے اور اس کی مقبولیت کا سہرا قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن کے سر ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کے اس قائد کو تا دیر سلامت رکھے، علماءِ حق کو جمعیۃ علماء اسلام کے پلیٹ فارم پر متحد رکھے اور اپنی سابقہ روایات کو قائم رکھتے ہوئے ہر باطل کے خلاف برسرِ پیکار رہنے کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین!

عزیز القدر قاضی شمس الدین شمسی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ جنھوں نے " مولانا فضل الرحمٰن زعماء ملت کی نظر میں " کتاب شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے ، ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور کتاب کو عامتہ الناس کے لئے مفید بنائے۔ آمین!

☆......☆......☆

قائد جمعیۃ علماء امت کی نظر میں اور مشاہداتی تجزیہ

پروفیسر ابو محمد، (سکھر)

صوبائی رہنماء جمعیۃ علماء اسلام، سندھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والف بین قلوبھم لو انفقت ما فی الارض جمیعاً ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم. انہ عزیز حکیم. (الانفال: ۶۳)

ترجمہ: اور الفت ڈالی ان کے دلوں میں اگر تو خرچ کر دیتا جو کچھ زمین میں ہے سارا نہ الفت ڈال سکتا ان کے دلوں میں لیکن اللہ نے الفت ڈالی ان میں بیشک وہ زور آور ہے، حکمت والا۔

(ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

تفسیر میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

''دنیا کی کوئی طاقت نہ تھی جو درندوں کی بھیڑ اور بہائم کے گلہ میں معرفت الٰہی اور حب نبوی کی روح پھونک کر اور شراب توحید کا متوالا بنا کر سب کو ایک دم اخوت والفتِ باہمی کی زنجیر میں جکڑ دیتی اور اس مقدس ہستی کا درم ناخریدہ غلام، عاشق اور جانثار بنا دیتی جس سے زیادہ چند روز پہلے ان کے نزدیک کوئی مبغوض ہستی نہ تھی۔ بلاشبہ روئے زمین کے خزانے خرچ کر کے بھی یہ مقصد حاصل نہ کیا جا سکتا تھا جو اللہ تعالیٰ کی رحمت و اعانت سے ایسی سہولت کے ساتھ حاصل

ہوگیا۔خدا نے حقیقی بھائیوں سے زیادہ ایک کی الفت دوسرے کے دل میں ڈال دی اور پھر سب کی الفتوں کا اجتماعی مرکز حضور نو ﷺ کی ذات منبع البرکات کو بنا دیا۔قلوب کو دفعتہً ایسا پلٹ دینا خدا کے زورِ قدرت کا کرشمہ ہے اور ایسی شدید ضرورت کے وقت سب کو محبت و الفت کے ایک نقطہ پر جمع کر دینا اس کے کمال کی دلیل ہے"۔

امت میں محبت واخوت کی اہمیت:

قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ سے سمجھ میں آیا کہ اسلامی اخوت اور الفت کتنی بڑی نعمت ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ نے ہی ودیعت فرمائی ہے اور کسی کے بس کی بات نہیں۔قلوب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں ۔یہ چیز ہے بھی قلوب کی صرف ظاہر کی نہیں۔اس لئے اس نعمت کے لئے اللہ تعالیٰ نے قلوب کو ظرف بنایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

واذ کروا نعمت الله علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا.(آل عمران:۱۰۳)

ترجمہ: "اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر کہ تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت دی تمھارے دلوں میں اب ہوگئے اس کے فضل سے بھائی"۔

اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کی روشنی میں اس امت کے لئے واضح ہوگیا کہ اس امت کی زندگی ترقی،کمال،بلندی اور معراج آپس کی الفت ومحبت ،اخوت و یگانگی،بھائی چارہ اور دلی تعلق میں مضمر ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ پناہ میں رکھے اگر یہ اخوت ومحبت نہ رہے گی تو ترقی کے بجائے تنزل اور بلندی کی جگہ پستی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

جماعت میں محبت واخوت اور یکجہتی:

اس طرح دین کا کام کرنے والی جماعت میں بھی اگر یگانگت،محبت ، بھائی چارہ،یکجہتی

اور ہم خیالی رہے گی تو وہ جماعت ترقی کرے گی اور محبت و اخوت والی قوت اور طاقت سے کام کرے گی ورنہ اس کی ساری قوتیں اور صلاحیتیں آپس کے اختلافات و انتشارات کی نذر ہو جائیں گی۔ منزل کی طرف رواں دواں نہیں ہو سکے گی بلکہ اپنی منزل کھو بیٹھے گی اور حرماں نصیب بن جائے گی۔

اس سے یہ سبق حاصل ہوا کہ ہم جماعتی جدوجہد کرنے والے کارکن اپنی جماعت کے لئے اخوت و محبت کو بڑی نعمت اور اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھ کر اسے قدر کی نگاہ سے دیکھیں اور اس کی نگہداشت کریں۔

دشمن جماعت میں پھوٹ ڈالتا ہے:

ہمارے دشمن ہر وقت تاک میں رہتے ہیں کہ دین حق کی نمائند جماعت جو پوری دنیا میں علماء کا سب سے بڑا پلیٹ فارم ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام کو نقصان پہنچائیں اور سب سے بڑا نقصان جماعت میں پھوٹ پڑنا، اختلاف و انتشار کا ہو جانا ہے جس سے بنیاد اکھڑ جاتی ہے اور قوت زائل ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو آگاہ کر دیا ہے۔ فرمایا:

ولا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ريحكم. (الانفال ۴۶)

ترجمہ: ''اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم سست اور بزدل ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی''۔

آپس کے جھگڑوں سے امت کا یہ حال ہوگا کہ اس کا جو رعب اور دھاک دشمن پر بیٹھی ہوئی ہے ختم ہو جائے گی۔ امت بزدل ہو جائے گی اس طرح جماعت میں جھگڑوں سے جماعت کا رعب بھی ختم ہو گا ور جماعتی کارکن بھی سست اور بزدل بن جائیں گے اور جمعیۃ بحیثیت مجموعی انتشار و افتراق کا شکار ہو کر روبہ زوال ہو جائے گی۔

اس لئے جماعت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ جماعت کو اختلاف و انتشار سے بچایا جائے اور کسی وجہ سے انتشار پیدا ہو تو جلد سے جلد اس کو ختم کیا جائے اور پھر سے جماعت میں شیرازہ بندی اور ہم آہنگی کی فضا پیدا کی جائے۔ کچھ حادثات و واقعات کی وجہ

سے اختلاف رونما ہو جاتا ہے جیسے جمعیۃ علماء اسلام کے ساتھ ایسا حادثہ رونما ہوا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی وفات حسرت ایات کے بعد جماعت اختلاف کی لپیٹ میں آئی۔

حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی وفات:

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے انتقال کے بعد اختلاف پیدا ہوا۔ جماعت انتشار کا شکار ہو گئی افراتفری کا عالم تھا خانپور کا اجلاس اب تک احباب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ بہرحال ایسے بھونچال بھی جماعت میں آجاتے ہیں۔ وہ دور ایک ڈراؤنا خواب محسوس ہوتا ہے۔ جماعت میں بڑا خلا پیدا ہو گیا تھا۔

اللہ کا فضل جماعت پر مولانا فضل الرحمٰن کی صورت میں:

ایسے پرآشوب حالات میں اللہ تعالیٰ نے جمعیۃ علماء اسلام پر اپنا خصوصی فضل و کرم فرمایا کہ حضرت مفتی محمودؒ کی جگہ پر جماعت نے ان کے فرزند ارجمند حضرت مولانا فضل الرحمٰن کو منتخب کیا جس سے سارا خلفشار و فساد رفع دفع ہو گیا اور پھر سے جماعت مکمل ہم آہنگی، یک جہتی، اتفاق و محبت اور بھائی چارے کی فضا میں دین حق کی سربلندی کے لئے رواں دواں ہو گئی۔ سارے اختلافات دور ہو گئے۔ الحمد للہ!

اس سے معلوم ہوا کہ اتفاق و اتحاد جو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے وہ ہمیں مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت و سیادت کی شکل میں نصیب ہوئی۔ اللہ کے اس کرم کا جتنا شکر بجا لایا جائے کم ہے۔

جماعت کے ہر رکن کی خدمت میں عرض ہے کہ اللہ کے اس انعام کی قدر کی جائے اور شکرگزاری کی جائے۔ صمیم قلب سے۔ جماعتوں کی تاریخ میں یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ اتحاد و اتفاق معمولی انعام نہیں۔ قرآن و سنت کی تعلیم اور امت کی تاریخ اس پر شاہد عدل ہے۔

جماعت کی اہمیت وافادیت کا احساس وادراک:

جس شخص کے دل میں جماعت کی اہمیت کا احساس ہے وہ اس کا پاس اور لحاظ ضرور رکھے گا جس شخصیت کی وجہ سے جماعت محفوظ رہی اور سب کے دل پھر سے جڑ گئے وہ شخصیت اتحاد و اتفاق کی علامت بن کر سامنے آئی اس سے منہ کیسے موڑا جائے۔اس کی مخالفت کیسے کی جائے جس کو لانے والے وقت کے اولیاء کرام اور جید علماء عظام ہوں۔جس پر پوری جماعت متفق ہو جائے۔کامل اطمینان ہو جائے اور پھر ہر انتخاب میں بلا مقابلہ سربراہ بن جائے۔جماعت کی مرکزیت اتنی مضبوط ہو جائے کہ جماعت سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائے۔"بنیان مرصوص" بن کر باطل کے مقابلے میں کھڑی ہو جائے، کیا یہ کم بات ہے؟ کیا اس کی مخالفت جماعت سے دشمنی نہیں؟

اللہ والوں کی توجہ وتصرف، محنت ومشقت:

جماعتی تاریخ میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت یہ اللہ والوں کی دعاؤں کا ثمر اور ان کی محنتوں کا نتیجہ ہے۔ہر ایک صوبہ سے کوشش ہوئی پورے ملک سے تحریک ہوئی سب نے مل کر یہ بیڑا اٹھایا جس سے جماعت کا بیڑا پار ہوا۔

ہم اپنے صوبہ سندھ کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ہمارے امام وقت حضرت سائیں مولانا عبدالکریم قریشیؒ بیر شریف والوں نے فرمایا "ہم کراچی میں حضرت مولانا مفتی محمودؒ سے ملنے گئے۔حضرت مفتی صاحب ایک انتہائی خوب صورت صندلی "چھوٹی چوکی" پر بیٹھے ہوئے تھے۔جب ہم پہنچے تو حضرت مفتی صاحب اس صندلی سے اتر کر نیچے بیٹھ گئے اور مجھے حکماً اس پر بٹھایا۔ہم ملاقات کر کے چلے آئے اور دوسرے دن حضرت مفتی صاحبؒ کا انتقال ہو گیا۔اس وقت مجھے محسوس ہوا کہ حضرت مفتی صاحب کا حکماً اپنی جگہ پر بٹھانا یہ جماعت کا سونپنا اور سپرد کرنا ہے۔حضرت سائیں بیر شریف والوں کے اس ارشاد کے بعد مولانا فضل الرحمٰن کا ایک فرمان بھی ملاحظہ کیجیے تو بات آگے بڑھے۔

(یاد رہے کہ حضرت سائیں بیر شریف والوں کا ارشاد خود میں نے سنا ہے۔)

مفتی محمود اکیڈمی کراچی کی طرف سے حضرت سائیں بیر شریف والوں کی یاد میں " جبیس ہوٹل "صدر کراچی میں ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن نے فرمایا: "حضرت بیر شریف والے حضرت مولانا عبدالکریم صاحب ہمارے ہاں والد صاحب سے ملنے کے لئے آتے رہتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ حضرت بڑے عالم تھے، بڑے بزرگ ہیں لیکن حضرت بیر شریف والوں کی صلاحیتوں کا پتہ تب چلا جب حضرت مفتی صاحب کی وفات کے بعد جماعت بحران کا شکار ہوئی اس بحران سے جماعت کو حضرت بیر شریف والوں نے جس انداز سے نکالا اس وقت حضرت کی شخصیت کا پتہ چلا"

(کراچی کی اس تقریب میں، میں خود موجود تھا اور یہ الفاظ سنے تھے)۔

حضرت بیر شریف والوں سے مولانا فضل الرحمٰن کا تعلق:

ثابت تو یہ کرنا ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت کن بزرگوں کی محنت و تگ و دو کی مرہون منت ہے یا اس سے بھی آسان الفاظ میں کہ حضرت مولانا کی قیادت کا تحفہ کون کون سے اللہ والوں کی طرف سے جماعت کو ملا ہے۔ لیکن درمیان میں یہ مبارک تذکرہ بھی ہو جائے کہ اللہ والوں کی مخلوق پر کتنی شفقت ہے تا کہ خلق خدا جان لے کہ الحمد للہ ہماری قیادت کتنی مقبول عند الصالحین وعند اللہ ہے اور انشاء اللہ رہے گی۔

مولانا کمال الدین کوئٹہ والوں سے ہم نے سنا کہ جامع گول مسجد سکھر میں انہوں نے فرمایا:

> "مولانا فضل الرحمٰن جب پہلے پہلے اپنے عہدے پر فائز ہوئے تھے اور اس کے بعد جب پہلی بار کوئٹہ آئے ۔اجلاس میں لوگوں نے اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی۔مولانا فضل الرحمٰن تحمل سے سب سنتے رہے آخر میں جب خطاب کے لئے اٹھے تو فرمایا 'جب سے میں نے عہدہ سنبھالا ہے تو مجھ پر اعتراضات کئے جاتے ہیں جہاں جاتا ہوں یہ تیر لگتے ہیں لیکن ایک جگہ ہے جہاں پر مرہم رکھا جاتا ہے اور وہ ہے

بیر شریف جہاں پر مجھے تسلی دی جاتی ہے مجھے قرار ملتا ہے''۔

بہر حال حضرت مولانا عبدالکریم بیر شریف والوں نے حضرت مولانا فضل الرحمٰن کو حضرت مفتی صاحب کے منصب پر فائز کرنے کے لئے بڑی محنت کی۔احباب کو اپنے ساتھ ملایا۔سندھ سے بھی اور سارے ملک سے بھی۔اسی طرح ملک کے طول وعرض سے علماء ربانیین نے یہ کام سرانجام دیا۔نتیجتاً مولانا فضل الرحمٰن اس منصب پر فائز ہوئے۔ان بزرگوں کے نام اگر گنوائے جائیں اور کوئی نام رہ جائے تو دکھ ہوگا لیکن حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ ہمارے قائد کی قیادت بزرگان دین کی دعاؤں،توجہ،تصرف،محنت،مشقت،تمناؤں اور آرزوؤں کا پھل اور نتیجہ ہے۔اس وقت چونکہ ایک بزرگ کے تعلق اور محبت ومودت کی بات ہورہی ہے اس کو پورا کریں تاکہ احباب کو اس کا علم ہو جائے جو شاید دوسرے ذریعے سے نہ ہوسکے اس لئے ان معلومات کو پہنچانا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ایک بزرگ کے واقعات سے دیگر بزرگانِ دین کی محبت،مساعی اور توجہ کا اندازہ بھی ہو جائے گا۔

جماعتی لائحہ عمل کے لئے راہنمائی:

ایک دور میں جماعت میں ایک سوال پیدا ہوا کہ انتخابی اور پارلیمانی سیاست سے نظام اسلام کے قیام کا مقصد حاصل نہیں ہوگا۔اس لئے اس کو چھوڑ کر اور طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔اس پر غور وحوض کرنے کے لئے مرکزی اجلاس ہوا۔پھر تین دن کا اجلاس کوئٹہ میں بلایا گیا۔اسی دوران حضرت مولانا فضل الرحمٰن بیر شریف آئے۔حضرت سے مشورہ طلب کیا۔حضرت نے فرمایا:

''مولانا ہمارے ملک اور افغانستان کے ملک میں بڑا فرق ہے وہاں پر پہاڑ اور غار ہیں۔وہاں مجاہدین کاروائی کر کے محفوظ رہ سکتے ہیں لیکن یہاں پر ایسا نہیں۔دوسرا طالبان نے کامیابی حاصل کی اسلامی نظام نافذ کیا اس لئے کہ وہاں کوئی منظم فوج نہ تھی۔تیسری بات یہ ہے کہ لیڈر وہ نہیں جو جماعت یا قوم کو آزمائش میں ڈالے یا مروائے بلکہ لیڈر وہ ہے جو جماعت کی قوت کو محفوظ رکھے اور اسے وقت پر کام میں لائے''۔

حضرت مولانا نے اس طرح راہنمائی حاصل کی اور دعائیں لیں۔بہرحال ہر وقت حضرت سائیں بیر شریف والوں سے صلاح مشورہ ہوتا رہتا تھا۔باقاعدہ اجلاسوں اور میٹنگوں میں تو مشاورت ہوتی ہی رہتی تھی۔حضرت بیر شریف والے حتی المقدور اجلاسات میں بھی پہنچ جاتے تھے۔

حضرت بیر شریف والوں کی ہر وقت تائید اور حمایت:

حضرت بیر شریف والے ہمیشہ مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت کے معاملے میں ہر ایک شخص کو اعتماد میں لیتے رہے اور سب کے خدشات و اعتراضات کے جوابات دیتے رہے۔ایک ایک واقعہ بیان تو نہیں ہوسکتا۔مجموعی طور پر یہ تاثر ہے کہ علماء، قائدین، عوام اور جماعتی کارکن اپنے پرائے سب کے جواب دیتے تھے۔شبہات دور کرتے تھے۔کسی کو جرأت نہ تھی کہ حضرت کے سامنے مولانا کی شکایت کر سکے۔فرمایا کرتے تھے کہ مولانا فضل الرحمٰن ہمارا قائد ہے۔ہمیں اس پر پورا اعتماد ہے۔شیر کا بیٹا ہے ہمت نہیں ہارے گا پیچھے نہیں ہٹے گا۔کمی نہیں کرے گا۔

حضرت بیر شریف والوں کے ارشادات اور عمل سے جماعت کی ہمت افزائی ہوتی تھی۔قائد پر اعتماد کی راہ ہموار ہوتی تھی بلکہ ایسی فضا بنتی تھی کہ قائد پر مکمل اعتماد ،عقیدت، محبت و مودت کے ساتھ ساتھ جماعتی زندگی میں جوش وخروش اور جذبہ عمل پیدا ہوتا تھا۔اسی طرح حق کا قافلہ رواں دواں رہا اور انشاء اللہ رہے گا۔

حضرت سائیں بیر شریف والوں نے فرمایا: ''جب بھی حضرت مفتی صاحبؒ تشریف لاتے تھے تو ہم ان کے لئے کپڑوں کا جوڑا سلوا کر رکھتے تھے اور جیب میں کچھ پیسے بھی رکھ دیتے تھے۔حضرت مفتی صاحبؒ کے بعد اب جب کبھی مولانا فضل الرحمٰن کا آنا ہوتا ہے تو اسی طرح ان کے لئے بھی جوڑا سلوا کر اس کی جیب میں اسی طرح پیسے رکھ دیتے ہیں''۔

حضرت بیر شریف والوں کے اور بھی اس طرح کے ارشادات ہیں اب کہاں تک بیان کیے جائیں کچھ تو رازداری کی فہرست میں آتے ہیں۔بہرکیف یہ داستان طویل بھی ہے اور

لذیذ بھی۔ رحماء بینھم . کی تجلی ہے جوان بزرگوں کے قلوب مطہرہ پر چمکتی ہے۔
اللہ والوں کے ان ارشادات اور عمل سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جماعت کی شیرازہ بندی، مضبوطی، مرکزیت اور وحدت کتنی اہم ہے اور اس وحدت کی بنیادی شرط قائدین کی محبت اور متابعت ہے۔ اس کے بغیر جماعت کی وحدت قائم نہیں رہ سکتی۔

مولانا فضل الرحمٰن کی شخصیت و کردار پر ایک نظر:

اب تک جو بات ہوئی ہے وہ مولانا فضل الرحمٰن کے تقرر اور انتخاب اور مولانا کے بطور قائد جماعت کے اہم عہدوں بلکہ اب تو ایک ہی عہدہ پر فائز ہونے کے متعلق ہوئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مولانا نے جماعت کا قائد بن کر کیا کارنامے سرانجام دیئے ہیں کیا مقاصد حاصل کئے ہیں۔ جماعت کو ملکی سیاست اور قیادت کی کن بلندیوں تک پہنچایا ہے اور دیگر جماعتوں کے مقابلے میں جمعیۃ علماء اسلام کو کتنا مقام دیا۔ الغرض جماعت کی سربلندی اور سرخروئی کی کیا سطح ہے۔ الحمد للہ دیکھا جائے تو جماعت اپنے مقاصد اور اہداف حاصل کرنے میں نمایاں طور پر کامیاب ہوئی ہے۔ کیسے؟ کسی دور میں ایک صوبے کی حکومت جماعت کو حاصل ہوئی تو اس دور میں بھی ایک صوبے کی حکومت حاصل ہوئی اس سے آگے بڑھ کر وفاق میں وزیر اعظم کی امیدواری، اس میں کامیابی بھی ہو جاتی لیکن قومی اور بین الاقوامی حالات مولانا اور جماعت سے سامراج اور استعمار کی دشمنی کی وجہ سے متوقع کامیابی نہ ہو سکی۔ بہرحال دنیا نے دیکھ لیا کہ قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن کس منزل تک پہنچ چکے ہیں۔ اس کے بعد قائد حزب اختلاف کا منصب کس خوش اسلوبی سے سنبھالا۔ المختصر مسلکی اور ملکی سیاست پر مولانا چھا گئے ہیں۔ حکومت یا حزب اختلاف کا مولانا کے بغیر گزارا نہیں۔ جماعت کے اتنے کم حجم کے ساتھ قائد کی اتنی پذیرائی پر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ برطانیہ کے اندر یہ اعتراف کیا گیا کہ مولانا فضل الرحمٰن سے زیادہ کوئی بھی شخص طالبان، افغانستان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا اور کوئی ایسا شخص نہیں جس کی بات طالبان مانیں۔ دوسرا یہ کہ پشتون کمیونٹی میں اتنا بااثر کوئی شخص نہیں۔ اسمبلی یا اسمبلی کی کوئی کمیٹی مولانا کے بغیر نہ مکمل ہے نہ معتبر۔ جس فورم پر مولانا نہیں وہ فورم قابل احترام اور

قابل وقعت نہیں۔الحمد للہ یہ بات قابل شکر اور قابل فخر ہے کہ اسلامی نظام نافذ کرنے کا جو نصب العین جمعیۃ علماء اسلام کا مقصد ہے اس کو ہمارے اکابرین نے 1973ء کے آئین کی صورت میں حاصل کیا۔جبکہ اس کی حفاظت ان اکابرین کے جانشین مولانا فضل الرحمٰن نے کی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اٹھارہویں ترمیم کے سلسلے میں:

جس وقت قومی اسمبلی میں آئین میں اٹھارہویں ترمیم پورے آئین پر از اول تا آخر نظر ثانی کی گئی اس وقت اسلام دشمنوں، سیکولر فاشسٹوں اور قوم پرستوں الغرض بے دین عناصر کو موقع مل گیا کہ آئین سے اسلامی دفعات کو ختم کریں اور اسلام کے خلاف اپنی عمر بھر کی بھڑاس نکالیں۔لیکن الحمد للہ جس طرح 1973ء میں ہمارے بزرگوں نے بازی جیتی تھی اسلامی نظام کی کشتی کنارے پر لائے تھے اسی طرح ان کے وارثوں نے اس کشتی کو بچایا اور ساحل مراد سے ہٹنے نہ دیا۔دشمن تو اس کا تشخص ہی ختم کرنے کے درپے تھے۔کہا:

''اس ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان (Islamic Republic of Pakistan) کیوں ہے اسلامی مٹاؤ عوامی رکھو اس میں سربراہ کے لئے مسلمان ہونے کی لازمی شرط کیوں ہے اسے نکالو اگر کافر بھی سربراہ بن جائے تو کیا حرج ہے"۔یہ بحث طویل ہے یہ جنگ ہمارے جنرل نے لڑی اور کامیاب ہوا۔دشمن خائب و خاسر ہوئے۔بس ساری بحث کا ایک جملہ میں نچوڑ آ گیا۔وہ جملہ مولانا فضل الرحمٰن کا تاریخی جملہ ہے۔مولانا نے کہا:

"الحمد للہ میں نے انہیں کسی اسلامی دفعہ تو کیا اس کی کسی ایک شق کو بھی نکالنے نہیں دیا۔اسلامی دفعات جوں کی توں حرف بحرف 1973ء کے آئین کی طرح محفوظ ہیں''۔

کیا یہ کم افتخار ہے ہم سارے سر بسجود ہیں اللہ تعالیٰ کے آگے کہ ہمارے بزرگوں کی محنت پوری طرح محفوظ رہی۔یہ اسلام کی بھی تاریخ ہے اور پاکستان کی بھی تاریخ ہے۔اسے سینوں اور سفینوں میں بھی محفوظ رکھو،اور آئندہ کے لئے بھی اسی طرح ہوشیار خبردار مستعد اور چوکنے رہو،کوئی دشمن وار کرنے نہ پائے،ہم سے ہماری میراث نہ چھین لے،انشاء اللہ ایسا

نہیں ہوگا کیونکہ ابھی اسلام باقی ہے، ابھی مسلمان باقی ہیں، تو ابھی جمعیۃ باقی ہے۔ ابھی جمعیۃ کے خادم باقی ہیں۔

جمعیۃ علماء اسلام کی روز افزوں ترقی:

الحمدللہ مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت میں جمعیۃ علماء اسلام ہر میدان میں رو بہ ترقی ہے۔ کارکنوں کی کثرت، ہر میدان میں کامیابی، ہر فورم پر پذیرائی، ی سیاست میں مقام، رفاہی اور سماجی کاموں میں کردار اس کو ذرا واضح کیا جائے تو:

1۔ قومی اسمبلی میں قابل ذکر قوت۔

2۔ صوبائی اسمبلیوں میں شرکت بلکہ حکومتوں میں شرکت۔

3۔ وفاقی کابینہ میں شرکت۔

4۔ صوبائی حکومت کی کابینہ میں موجودگی اور موثر کردار کی ادائیگی۔

5۔ اسلامی نظریاتی کونسل میں نہ صرف شرکت بلکہ سربراہی۔

6۔ ایوان بالا (سینٹ) میں حزب اختلاف کی قیادت۔

7۔ ملکی معاملات میں ہر کمیٹی میں شرکت اور کامیاب راہنمائی۔

8۔ ہر مشکل گھڑی میں مصیبت زدہ افراد کی جانی و مالی خدمت۔

9۔ ملکی اور بین الاقوامی معاملات میں ہر وقت ہر مسئلہ پر اپنے موقف اور پالیسی کی وضاحت اور دوٹوک انداز میں باوقار طریقے سے موقف کی صداقت اور اصابت پر استقامت۔

10۔ ساری دینی اقدار کی حفاظت خاص طور پر ناموس رسالت کی حفاظت، مساجد و مدارس کی حفاظت۔ دین و علماء، دین کے وقار کا تحفظ و معاونت و صیانت۔

مولانا فضل الرحمٰن کی حیثیت و مقام علماء دین کی نظر میں:

اول تو جمعیۃ علماء اسلام کے لئے یہ کہنا کہ یہ جماعت ملک کے علماء اسلام کا سب سے

بڑا فورم ہے مبنی برحق ہے تو جو جماعت علماء کا سب سے بڑا فورم ہو اس کا سربراہ ہونا اور قائد بننا یہی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اکثر علماء مولانا کو اپنا قائد مانتے ہیں اور ان کی قیادت میں دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں جن کے دو شعبے ہیں ایک مذہبی اور دوسرا سیاسی۔ یہ تو بات ہوئی پاکستان کی، ہندوستان کی بات بھی سن لیجئے۔

ہندوستان کے علماء اور علماء دارالعلوم دیوبند کا فیصلہ:

سب کو یاد ہو گا کہ ڈیڑھ سو سالہ خدمات دارالعلوم دیوبند، پشاور کے اجلاس میں جمعیۃ علماء ہند کے امیر فدائے ملت حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ جو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے فرزند ارجمند تھے اور مولانا مرغوب الرحمٰنؒ جو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے انہوں نے اس اجلاس میں عالمی تنظیم جو اس وقت بنائی گئی "التنسیق الاسلامی العالمی" کے نام سے اس کا سربراہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن کو مقرر کیا تھا یہ کتنی بڑی عزت ہے کہ پوری دنیا کی تنظیم کا سربراہ مولانا فضل الرحمٰن کو بنائیں اور بنائیں بھی وہ جو ہندوستان اور دارالعلوم دیوبند کے علماء کے بڑے ہیں۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

تحفظ دینی مدارس:

اسی طرح مدارس اسلامیہ کی تنظیم "وفاق المدارس العربیہ" کے اکابرین بھی ہر وقت اور خاص طور پر آڑے وقت میں مولانا فضل الرحمٰن کو یاد رکھتے ہیں اور الحمد للہ مولانا بھی ہر طرح کی مدد، معاونت اور خدمت کی سعادت حاصل کرتے رہتے ہیں اور مدارس دینیہ کی حفاظت، علماء کی عزت و وقار اور ان کی رہنمائی و قیادت کے لئے ہر جگہ ہر حال میں ہر پالیسی بناتے وقت جدوجہد کرتے رہتے ہیں اس لئے کہ یہ کام ان کا نصب العین ہے۔

مختصر الفاظ میں مولانا کی خدمات اس حوالے سے یہاں تک ہیں کہ وہ دنیا کے حالات یعنی بین الاقوامی حالات کے تناظر میں دینی مدارس کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ حالات سے باخبر اہل فہم وفراست اس کو خوب جانتے ہیں۔ مولانا اس مقدس مشن پر اپنا سیاسی کردار بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ ایک جملہ میں بات "اس حد تک یہ بات محسوس تو کی جاسکتی ہے لیکن بیان نہیں کی

جاسکتی" اس کے علاوہ وفاق المدارس العربیہ کے اپنے اندرونی مسائل میں بھی بروقت مدد کی ایک مثال اس میٹنگ میں مولانا نے کس انداز سے وفاق کو بچایا جس میں خلفشار کا صرف خطرہ نہیں بلکہ وقوع ہورہا تھا۔ مدارس کے ارباب اختیار اور ارباب بصیرت جانتے ہیں۔

تحفظ ختم نبوت اور تحفظ ناموس رسالت کے معاملے میں مولانا کی ساری عمر کی مساعی اور محنت اظہر من الشمس ہے۔ تحفظ مدارس کے سلسلے میں مولانا فضل الرحمٰن اور مولانا کی زیر قیادت جمعیۃ علماء اسلام نے خاص طور پر 1998ء میں وہ کردار ادا کیا جو خالص "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" کا نمونہ تھا۔ اس وقت مغربی سامراج خصوصاً امریکہ کی مدارس سے دشمنی عروج پر تھی۔ مدارس دینیہ پر بہت کڑا وقت تھا۔ ایسے وقت میں مولانا نے امریکہ اور اس کے ہمنواؤں کو للکارا۔ خاص طور پر تحفظ دینی مدارس ریلی کراچی میں مولانا نے اللہ کے فضل سے ان دین کے دشمنوں کو اپنی خداداد ہمت و جرأت سے ایسے طریقے سے چیلنج کیا کہ دنیا کانپ کر رہ گئی۔ الحمدللہ یہ نقشہ سامنے آیا:

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیر کفن کانپ رہا ہے

مولانا نے فرمایا: "اگر مریکیوں کی گولی کسی مسلمان کے بدن میں پیوست ہوسکتی ہے تو مسلمان کی گولی بھی امریکیوں کے سینے کو چھلنی کرسکتی ہے"۔ بہر حال اس جرأت سے دشمنوں کے دینی مدارس کے خلاف عزائم مٹی میں مل گئے اور اللہ کے فضل سے مدارس محفوظ ہوگئے۔ فزنا ورب الکعبہ۔

تحفظ ختم نبوت:

الحمدللہ! تحفظ ختم نبوت کے مقدس محاذ پر بھی جمعیۃ علماء اسلام کے امیر مولانا فضل الرحمٰن کو اللہ تعالیٰ نے خدمات سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائی ہے جس طرح مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھریؒ سے جو وعدہ مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ نے کیا تھا۔ چنیوٹ کی سالانہ ختم نبوت کانفرنس میں کہ میں انشاء اللہ قادیانیوں کو قانونا کافر قرار دلواؤں گا اور وہ وعدہ الحمدللہ

7 ستمبر 1974ء کو پورا ہو گیا۔ پاکستان کی پارلیمنٹ نے قادیانیوں کو کافر قرار دیا اس کے ساتھ جب ضیاء الحق نے ووٹ فارم سے ختم نبوت کا حلف نامہ کاٹ دیا تھا تو یہی مولانا مفتی محمودؒ تھے جو کٹے ہوئے انگوٹھے کے ساتھ وہیل چیئر پر بیٹھ کر ضیاء کے پاس پہنچے اور بڑی جرأت کے ساتھ پوری استقامت سے زبردستی اس سے منوایا اور وہ اقرار نامہ بحال کرایا۔ الغرض موت کی گھڑی تک ختم نبوت کا تحفظ کیا۔

اسی نقش قدم پر ان کے جانشین مولانا فضل الرحمٰن ختم نبوت پر قربان ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ تاریخ شاہد ہے کہ الحمد للہ مولانا فضل الرحمٰن حضرت مولانا خان محمد، کندیاں شریف والوں کی سرپرستی میں اس مقدس محاذ پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ تن من دھن سب اس پر قربان کیے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین!

ملک، بیرون ملک اور بین الاقوامی پلیٹ فارم پر مولانا جدوجہد کر رہے ہیں تحریک تحفظ ختم نبوت 1974ء کی کامیابی کی سعادت ہمارے اکابرین خاص طور پر مولانا مفتی محمودؒ نے حاصل کی۔ اسمبلی میں قادیانیوں کو کافر قرار دیا گیا۔ یہ امت کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس وقت سے آج تک امریکہ کی یہ کوشش ہے کہ اس قانون کو ختم کیا جائے اس ناپاک کوشش کا مقابلہ امت کے اکابرین کر رہے ہیں۔ ان میں نمایاں ہمت و جرأت و پکار اور للکار جانشین مفتی محمود، مولانا فضل الرحمٰن کی ہے۔ اس جدوجہد میں مولانا اللہ کے فضل سے کامیاب ہیں۔

تحریک تحفظ ناموس رسالت:

تحریک تحفظ ناموس رسالت تو کل کی بات ہے سب جانتے ہیں کہ اس مقدس تحریک میں سب خوش نصیب شرکاء کے ساتھ ساری جماعتوں کو جمع کرنا ان کو ساتھ لے کر چلنا، تحریک کو دھیما اور اعتدال کے اندر رکھنا، ہر مکتبہ فکر کے رہنماؤں کی عزت کرنا، تحریک کو کامیابی کے ساتھ کنارے تک پہنچانا اور سارے مقاصد و اغراض حاصل کرنا۔ کامیابی کے بعد تحریک کو ختم کرنا یہ کسی کی فراست و بصیرت اور سب پر حاوی ہونے کی صلاحیت ہے سب جانتے ہیں۔
اس سلسلے میں دو باتیں عرض کرنے کو دل چاہ رہا ہے جو مولانا فضل الرحمٰن نے تحریک تحفظ

ناموس رسالت کے دو اجتماعات میں کہیں۔ ایک کراچی اور دوسرا لاہور۔ ایک اجتماع میں یہ فرمایا ''اس تحریک میں جس میں ہم سارے اکٹھے ہیں اور مل جل گئے ہیں یہ بے مثال اجتماع ہے یہ ساری توجہ حضور اکرم ﷺ کی ہے۔ ان کی روح مبارک متوجہ ہے اس نے ہم سب کو ملا دیا اور جمع کیا'' اس جملے پر میں عرض کروں مولانا کے الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ الحمد للہ مولانا کو کائنات کے سردار نبیوں کے تاجدار خاتم النبین سید المرسلین حضرت محمد ﷺ سے کیسی بہترین نسبت حاصل ہے اس نسبت پر قربان جو وہی نسبت مبارک ہے جس پر سارا جہان دنیا و آخرت قربان ہے۔ مولانا کی خدمت میں عرض ہے کہ ہمارے مرشد قطب الاقطاب حضرت حماد اللہ ہالیجی شریف والوں نے فرمایا ہے ''یہ اپنی اپنی نسبت پر ہے جس کی نسبت حضور ﷺ کے ساتھ زندہ ہے وہ حضور انور ﷺ کو زندہ سمجھتا ہے اور جس کی اپنی نسبت حضور ﷺ کے ساتھ زندہ نہیں وہ حضور ﷺ کو زندہ نہیں سمجھتا''۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے مولانا سے جو الفاظ کہلوائے ہیں ان سے معلوم ہوا کہ ہمارے قائد محترم کی نسبت حضور ﷺ سے زندہ و تابندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو یہ نعمت نصیب فرمائے۔ دوسری بات جو مولانا فضل الرحمٰن نے فرمائی وہ امت کے لئے راہنمائی ہے۔ مولانا نے فرمایا ''اس تحریک تحفظ ناموس رسالت میں سارے مسلکوں کے لوگ جمع ہیں اور ساری جماعتوں کے راہبر آئے ہوئے ہیں سب ایک سٹیج پر اکٹھے ہیں۔ ہمیں ہر مسلک اور ہر جماعت کے اکابر کا اتنا ادب و احترام کرنا چاہئے جتنا اپنے مسلک اور جماعت کے رہبروں کا کرتے ہیں۔ سب کو اتنا پروٹوکول دینا ہے جتنا ہم اپنے لیڈروں کو دیتے ہیں۔ وحدت امت، نصب العین کی محبت، مقصد کے لئے تڑپ، برداشت، رواداری، اخلاق و کردار کی بلندی کے کتنے سبق پوشیدہ ہیں۔ اس بات میں وسعت قلبی کے ساتھ ناموس رسالت پر سب کچھ قربان کرنا، نچھاور کرنا۔ سارے جہان کو حضور انور ﷺ کے قدموں پر وار دینا قربان کرنا مسلمانوں کا مقصد زندگی ہے سب کچھ عشق مصطفیٰ ﷺ ہے بس۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کے قلوب کو عشق مصطفیٰ ﷺ کی دولت سے مالا مال کر دے۔ اسی سرمایہ کو لے کر ہم رب العالمین کے حضور حاضر ہوں۔ آمین یا رب العالمین!

صاحب بصیرت سیاستدان

مولانا عبدالقادر ڈیروی مدظلہ

مولانا فضل الرحمٰن ذہین وذکی اور بابصیرت سیاستدان ہیں ان کی سیاست کی غرض ملک میں اسلامی نظام کی تنفیذ ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی نظر صرف ملکی حالات پر نہیں بلکہ عالمی سوچ، اسلام کے خلاف عالم کفر کی سازشوں، منصوبہ بندیوں اور ریشہ دوانیوں پر بھی ہوتی ہے۔

مخالف وموافق جانتے ہیں کہ مولانا ملکی یا عالمی سیاست پر جب بات کرتے ہیں تو وہ سیاسی بیان بازی نہیں ہوتی بلکہ حالات کی رگِ حیات پر انگلی رکھ کر بات کرتے ہیں۔نتیجتاً مولانا اپنی گفتگو میں فریب وفراڈ کی سیاست کرنے والوں کے پیروں سے زمین نکال دیتے ہیں۔مفاد پرستی کی موجودہ سیاسی فضا میں ایسے لوگ ناپید ہیں یہی وجہ ہے کہ ہوا کا رخ دیکھ کر چلنے والے ایسے لوگوں کو برداشت نہیں کرسکتے۔ مولانا اسلام کا نام بھی لیں تو لوگوں پر کپکپی طاری ہوجاتی ہے۔

مولانا کی سیاست اسقدر سادہ اور سچی ہے کہ مولانا جس کا ساتھ دیتے ہیں تو کسی کی مخالفت وموافقت کی پرواہ نہیں کرتے اور اختلاف کی صورت میں کبھی دو رخی اختیار نہیں کرتے۔انہوں نے اپنے لئے جو اصول بھی وضع کئے ہیں دوستی اور دشمنی میں انہیں بنیاد بنایا ہے۔وقتی اور عارضی مصلحتوں کے لئے اپنے اتحاد واختلاف کے پیمانے نہیں بدلے جبکہ دنیا کا مزاج یہ ہے:

دنیا نے اپنے آپ کو بدلا گھڑی گھڑی
اک اہل عشق ہیں جہاں تھے وہیں رہے

مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے محاسن میں ایک بات یہ بھی ہے کہ لوگوں نے مولانا سے اختلاف کیا۔اس اختلاف کے اظہار میں اخلاق و زبان کا ایسا پست اور گھٹیا استعمال کیا کہ اس سے زیادہ گھٹیا پن نہیں ہو سکتا تھا لیکن وہی لوگ جب سامنے آئے تو مولانا نے ان کے ساتھ میل ملاپ میں کبھی انہیں یہ محسوس ہی نہیں ہونے دیا کہ مولانا نے ان کی پست معاملگی کا کوئی اثر لیا ہے۔ البتہ مولانا نے ان لوگوں کو ٹھیک ٹھیک پہچانا اور جب کبھی موقع ملا تو انہیں ان کی اوقات کا احساس بھی ضرور دلایا شاید کہ اپنی اصلاح کر لیں۔الحمدللہ مولانا کو بفضلہٖ تعالیٰ یہ بصیرت بدرجہ اتم حاصل ہے کہ مخالف کے قد کاٹھ کا ماپ رکھتے ہیں اور مکمل ادراک کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ میرا مخالف کس کے کندھے پر بیٹھ کر بات کر رہا ہے۔اس کا اعتراف واحساس عام سطح سے لے کر بی بی سی جیسے عالمی نشریاتی اداروں کو بھی ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ جب کبھی وقت کے فراعنہ سے سامنا ہوا تو ایسی جرات و بے باکی کا مظاہرہ کیا کہ مخالف اوسان کھو بیٹھا۔ان سے بچ نکلنے کی راہ چھوٹ گئی۔ ایسے موقعوں پر مولانا کے بدترین دشمنوں کو بھی موصوف کی اس عظمت کا اعتراف کرنا پڑا کہ خان، خان ہے۔ان کی حق گوئی کی اس جرأت پر علماء کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ان کی زبانوں پر بیساختہ علماء دیوبند زندہ باد کے نعرے بلند ہوئے اور انہوں نے دل کی گہرائیوں سے تسلیم کیا کہ حق پرست نے حق طریق سے حق گوئی کا حق ادا کر دیا۔جس کی جرأت و ہمت ایوان صدارت و وزارت عظمیٰ کی زینت بننے والوں کو بھی نہ ہوئی وہی حق بات ایک بوریا نشین مولوی نے ببانگ دھل اس عظمت اور ایسے پر وقار طریقے سے کہی کہ سپر پاور کہلانے والوں کے بھی دانت کھٹے کر دیئے اور دشمن کے دل میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ ثبت کر دیا کہ: ''مولوی ناقابل تسخیر ہے''۔

میری مراد یہاں امریکی سفیر سے مولانا کا مکالمہ ہے۔دنیا کا معروف کذاب و دغا باز، مقصد برار، خودغرض اوراحسان فراموش ملک کی نمائندہ چرب زبانی میں ید طولیٰ رکھنے والی اپنی پرفریب اداؤں سے مخالف کو رام کرنے والی امریکی سفیر خاتون مولانا سے ایک ہی

ملاقات میں چند جملوں کے تبادلے سے اپنے تمام غزوے وعشوے بھول گئی۔سفارت کاری کے سارے پینترے جاتے رہے۔ایسی بھاگی کہ اپنے کونسل خانے میں جا کر سکھ کا سانس لیا۔امریکہ اس قدر بدحواس ہوا کہ عالمی فورم پر پورے عالم کے مشاہدہ ومعلومات کے علی الرغم غلیظ ترین جھوٹ بولا کہ ہماری سفیر خاتون اپنے طور پر مولانا سے ملاقات کرنے گئی تھی ،حکومت نے اسے نہیں بھیجا تھا امید ہے پورے عالم نے یک زبان ہوکر امریکا کو کہا ہوگا:

شرم تم کو مگر نہیں آتی۔

مولانا کے انداز سیاست سے کوئی لاکھ اختلاف کرے ،نہ اختلاف کرنے والا مجرم، نہ اس کا اختلاف برا،لیکن اتنی بات تسلیم ہونی چاہیے کہ مولانا اپنے ہم عصروں میں تدبر وتفکر میں فائق ہیں۔رائے ان کی صائب ہے، منتشر نہیں۔مولانا اپنے دل کے یقین اور ضمیر کی آواز کے بہترین ترجمان ہیں۔نصب العین کے ساتھ وفاداری ان کی ترجیحات میں شامل ہے۔مخالفت وموافقت میں اخلاق ودلیل ان کا سرمایہ ہے۔زور سے بولو گے تو مرعوب نہیں ہوتے۔شرافت سے بات کرو گے تو احترام کیا جائے گا۔بات دلیل سے ہوئی تو تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں۔دھونس دھاندلی کو کبھی خاطر میں نہیں لایا۔ہر مخالف وموافق کے لئے یہ دعوت عام ہے۔دلیل کے ذریعے بات مانو،دلیل سے بات منواؤ۔

☆......☆......☆

ولی اللّٰھی قافلہ کے نمائندہ مولانافضل الرحمٰن

مولانا محمد حبیب اللہ نقشبندی مجددی مدظلہ،
مہد الفقیر الاسلامی، جھنگ

اللہ رب العزت نے انسان کے سر پر اپنی خلافت کا تاج سجایا، خلافت کی ذمہ داریوں میں سے سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ اللہ کے دین کو بطور ضابطہ حیات روئے زمین پر نافذ کیا جائے۔ انبیاء کرام دنیا میں آئے اور انہوں نے یہ فریضہ بطور احسن سرانجام دیا۔ انبیاء کا سلسلہ منقطع ہوا تو ان کے ورثاء میں سے ہر زمانے میں ایک ایسی جماعت اللہ رب العزت نے پیدا فرمائی جس نے اقامتِ دین کے لئے کوششیں کیں اور عنداللہ سرخرو ہوئی اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔

زمانہ قریب میں ولی اللّٰہی تحریک کی مساعی اس حوالے سے معروف ہے۔ اس ولی اللّٰہی قافلے کے ایک نمائندہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی بھی ہیں۔

یہ عاجز تو سیاست کے نشیب و فراز جانتا ہے اور نہ ہی اس راستے کے پیچ وخم سے واقف ہے۔ تاہم اکابر علماء جس انداز سے حضرت مولانا مدظلہ پر اعتماد کرتے ہیں یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ حضرت مولانا اپنے اکابر کی نہج پر ہی کام کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور نفاذ شریعت کے راستے کی رکاوٹوں کو دور فرما کر ہمیں بھی اپنی گنہگار آنکھوں سے نفاذ شریعت کی بہاریں دیکھنے کا موقع عطا فرمائے۔ آمین!

☆......☆......☆

پرچم نبوی کا تحفظ ہم سب کا فریضہ

حضرت پیر جی عبدالجلیل رائے پوری مدظلہ،
مہتمم مدرسہ عزیز العلوم، چیچہ وطنی، ضلع ساہیوال

جمعیۃ علماء اسلام اکابرین کے ساتھ ساتھ میرے والد گرامی کی نشانی بھی ہے اور مجھے جان سے عزیز ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام اور قائد جمعیۃ حضرت مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم کا تحفظ اور ان کے مشن کی آبیاری ہم سب کا فرض ہے۔ قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن بڑے باپ کے بڑے بیٹے ہیں وہ وقت بھی ہمیں نہیں بھولا جب مولانا مفتی محمودؒ مرحوم کے انتقال کے بعد مولانا فضل الرحمٰن ابھی بالکل ہی نوجوان تھے کہ جمعیۃ علماء اسلام کا بوجھ ان کے کندھوں پر آن پڑا، اپنے بیگانے سبھی مولانا فضل الرحمٰن کے راستے میں مداخلت کر رہے تھے لیکن مولانا فضل الرحمٰن نے صبر واستقامت کے ساتھ یہ مشکل دور گزارا۔ مولانا مفتی محمودؒ کے انتقال کے بعد ہم نے چیچہ وطنی میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد کیا جس میں مولانا فضل الرحمٰن نے خطاب کرتے ہوئے یہ ثابت کر دیا کہ وہ ہی جمعیۃ علماء اسلام کی قیادت کے حقدار ہیں۔ جمعیۃ علماء اسلام کا پرچم، پرچم نبوی ہے جس کا تحفظ اکابرین علماء حق کرتے رہے اور آج ہم پر بھی اس کا تحفظ فرض ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام ایک تحریک ہے جو کہ دین کی بقاء کی جنگ لڑ رہی ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام دشمن قوتیں اور ان کے ایجنٹ دن رات جمعیۃ علماء اسلام کے خلاف منفی پروپیگنڈے میں مصروف ہیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ کفر کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لئے جمعیۃ علماء اسلام اور قائد جمعیۃ کے ہاتھ مضبوط کریں اسی میں مسلمانوں کی بقاء ہے اور اسی میں پاکستان کی سالمیت بھی ہے۔ سب سے بڑھ کر اسی پرچم کے نیچے روزِ قیامت ہم جمع ہوں گے۔ آخر میں اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہم سب کو جمعیۃ علماء اسلام کی خدمت کرنے کی توفیق دے۔ آمین

جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر

شیخ الحدیث مولانا عبدالرزاق مجددی مدظلہ، (بنوں)

خلیفہ مجاز پیر ذوالفقار نقشبندی مدظلہ، سابقہ ممبر صوبائی اسمبلی

محدث دہلوی حضرت شاہ ولی اللہ سے لے کر رشید احمد گنگوہی، مدنی و آزاد اور مفتی محمودؒ تک کے اسلامی قافلوں کی نگرانی اور بحیثیت داعی نت نئے چیلنجز کا اور ملکی و غیر ملکی پروپیگنڈوں کا اور ہر دور کے فرعون کا بہادری، جرات اور دلیری سے مقابلہ کیا وہ بلاشبہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب ہیں۔ اپوزیشن ہو یا حکومتی بینچز، مدارس دینیہ ہوں یا حکومتی ایوان، یورپی یونین میں ہوں یا حجاز مقدس میں ہر سطح پر بلا کسی جھجک و بلا کسی خوف تمام مسائل چاہے وہ ملکی ہوں یا بین الاقوامی، معاشی ہوں یا امن و امان سے متعلق، ان سب کا حل خدا کی زمین پر خدا کے نظام کے عملی نفاذ میں مضمر قرار دیا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر کشمیریوں اور فلسطینیوں سمیت افغانستان، چیچنیا، بوسنیا اور بھارتی مسلمانوں کے حقوق کی جس انداز سے بات کی شاید کسی اور کا خاصہ ہو۔ افغان مسئلے میں طالبانائیزیشن کا لیبل لگنے کے باوجود انہوں نے کھل کر دہشت گردی، مزاحمت اور ردعمل کے درمیان فرق کی بات کی اور پورے پاکستان بلکہ پوری دنیا میں ایک واحد شخصیت آپ ہی ہیں جس نے افغانستان پر امریکی یلغار کو غاصبانہ قبضہ، دہشت گردی اور بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی قرار دیا۔ جس کی پاداش میں ان پر ساتھیوں سمیت قاتلانہ و بزدلانہ حملے بھی کیے گئے لیکن امت مسلمہ کی کرن اور آخری امید کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں رکھا۔ ملک کے اندر سیکولر لادین قوتوں کا مقابلہ صرف اور صرف

اسی ایک نور کے پتلے نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کیا، چاہے وہ نام نہاد دہشت گردی کے خلاف عالمی بدمعاش تھانیدار امریکہ کے ساتھ اتحاد ہو یا قبائل کے خلاف امریکی اشاروں پر معصوم نہتے قبائلیوں کے خلاف آپریشن اور ان پر بمباریوں کا معاملہ ہو۔آمر پرویز مشرف کی اسلام کے منافی روشن خیالی اور غیر شرعی قوانین کا ہو، ترمیم ناموس رسالت کا مسئلہ ہو یا مدارس و مساجد کے خلاف پروپیگنڈوں اور ان کا دفاع ہو ہر محاذ پر صف اول کا کردار ادا کیا ہے جس کا ملکی سطح پر ہی نہیں عالمی میڈیا پر بھی چرچا رہا۔غربت کے خاتمے، سامراج کی مخالفت، طبقاتی نظام کے خاتمے، قومی مسائل اور حقوق، جاگیرداری خان خوانین کے خاتمے اور سرمایہ دارانہ نظام کی مخالفت اور اس کے برعکس ایک اسلامی جمہوری سٹیٹ بنانے کے لئے عملی کوششیں کیں۔انہوں نے جھونپڑیوں کے تھکے ماندے ہاریوں کو زبان دے کر انہیں جمہوری حقوق سے آشنا کیا۔آپ کی بلند اور لاثانی قیادت پر پوری امت مسلمہ اور ہر جبہ ودستار کو فخر ہے آپ اسی بے داغ قیادت کی وجہ سے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔انہوں نے علمی شعور، سیاسی بصیرت، اعلیٰ اخلاق، بے داغ کردار، للّٰہیت اور سچی روحانیت کا لوہا منوایا۔آج پوری دنیا کے اغیار اور ملکی ایجنسیاں آپ کے خلاف برسرِ پیکار ہیں لیکن اس کے باوجود بھی رائی کے دانے کے برابر ان کے نظریے اور قیادت پر اثر نہ ہوا اور تمام مکتبہ فکر کا آپ پر اسی طرح اعتماد اور بھروسہ برقرار ہے بلکہ پہلے سے زیادہ پروان چڑھا ہے۔

الغرض اس عظیم مجاہد ملت اسلامیہ اور امام سیاست کا تذکرہ اس مختصر مضمون اور اظہار میں تحریر کرنا ناچیز فقیر اور خاکپائے خادم کے بس کی بات نہیں۔اللہ تعالیٰ مولانا کا سایہ امت پر تادیر برقرار رکھے۔آمین!

☆......☆......☆

پرچم ھے روایات سلف کا جس سے سربلند

حضرت اقدس رضوان نفیس حفظہ اللہ،
خلیفہ مجاز حضرت نفیس الحسینی شاہؒ

الحمد لله و حده و الصلوة و السلام علیٰ من لا نبی بعده.

دین اسلام چند مختلف شعبہ جات کا مرکب ہے جس میں عبادات بھی شامل ہیں اور معاملات بھی، معاشرت بھی شامل ہے اور سیاست بھی ان شعبہ جات میں شامل ہے۔ ہر ایک کی اپنی حیثیت ہے۔ ساتھ ساتھ یہ تمام شعبہ جات باہم مربوط بھی ہیں یہ تمام شعبہ ہائے دین حکم کے اعتبار سے بھی جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔

شریعت مطہرہ میں ابتداء اسلام سے ہی جہاں عبادات سکھائی گئی ہیں وہیں زعماء دین و مذہب ہمیشہ سیاسی میدان میں بھی پیچھے نہیں رہے گویا سیاست کو دین کا حصہ ہی سمجھا گیا۔ بقول علامہ اقبالؒ۔

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

الحمدللہ ہمارے اکابر علماء دیوبند جو سلسلہ ولی اللہی کی ایک زریں لڑی ہے نے بھی برطانوی سامراج کے خلاف آوازِ حق بلند کی جس کے نتیجہ میں پاک و ہند میں اسلامی پرچم بلند سے بلند تر ہوتا رہا اور انشاء اللہ قیامت تک ہوتا رہے گا۔

فی زمانہ جمعیۃ علماء اسلام، پاکستان دراصل اسی جمعیۃ علماء ہند کا تسلسل ہے جس کی بنیاد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ نے رکھی اور تادم زیست دین کی خدمت میں

مصروف رہے۔آپ کے جانشین شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اس جماعت کی آبیاری میں مصروف رہے اور تقسیم ہند کے بعد ہندوستان میں عوام کی فلاح و بہبود اور مسلمانوں کے دین و مذہب کی حفاظت میں سرگرم عمل رہے۔

ہمارے ملک میں قائم جمعیۃ علماء اسلام حضرت شیخ الہندؒ اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی روایات کی امین اور پاسدار ہے۔حضرت مفتی محمودؒ نے حفاظت دین کے لئے جو کوششیں کیں وہ کسی سے مخفی نہیں ۔آپ کے بعد آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب زید مجدہم نے الولد سر لابیہ کے مصداق اپنے عظیم والد کی عظیم روایات کو زندہ رکھا، جمعیۃ علماء اسلام استعمار اور سامراج کے خلاف سرگرم عمل رہی اور اس سلسلے میں اپنے منشور کی روشنی میں عوام الناس سے لے کر ایوان خاص تک اس انداز میں کام کیا جو تمام دینی و مذہبی، ملی و رفاہی اور سیاسی جماعتوں کے لئے نمونہ ہے جس کی نمایاں مثال یہ ہے کہ جمعیۃ علماء اسلام نے حضرت مولانا فضل الرحمٰن زید مجدہ کی سربراہی میں مختلف طبقہ ہائے فکر سے متعلق دینی قوتوں کو متحد کر کے ایکسیاسی پلیٹ فارم پر جمع کیا جس سے دینی آواز ایک ٹھوس اور جاندار آواز بن گئی۔جمعیۃ علماء اسلام اور قائد جمعیۃ کے لئے اکابر علم اور اساطین فضل ہمیشہ دعا گو رہے۔حضرت خواجہ خواجگان خواجہ خان محمدؒ صاحب تادم زیست جمعیۃ کے سرپرست رہے۔ہمارے سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ بھی جمعیۃ اور مولانا فضل الرحمٰن کی ہمیشہ تائید فرماتے رہے اور اپنی دعاؤں میں شامل رکھتے تھے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قائد جمعیۃ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا سایہ ہمارے سروں پر صحت وتندرستی کے ساتھ تادیر سلامت رکھے اور آپ کی قیادت میں اس ملک میں دین کی ترقی اور پھیلنے کا ذریعہ بنائے۔آمین!

☆......☆......☆

جمعیۃ علماء اسلام اور بزرگانِ سندھ

مولانا محمد رمضان پھلپوٹو،
شیخ الحدیث مدرسہ مظہر العلوم حمادیہ، خیر پور میرس سندھ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات پیدا فرمایا اور تخلیق انسانیت کا مقصد و مطمع نظر قرآن کریم میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون. (الذاریات ۵۶)

ترجمہ: ”اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو“۔

(ترجمہ حضرت شیخ الہند)

اللہ تعالیٰ کی عبادت کیسے کی جائے؟ اس کے لئے ایک نظام کی ضرورت ہے۔ اللہ جل شانہ کی زمین پر اللہ جل شانہ کی حاکمیت قائم کرنا اس نظام کا نام ہے ائمہ اسلام نے قرآن و سنت کی روشنی میں واضح طور پر فرمایا ہے کہ اسلامی حکومت قائم کر کے ایک امیر مقرر کرنا فرض ہے جس کے ماتحت رہتے ہوئے اسلامی فرائض ادا کئے جائیں اور منکرات سے بچا جائے تاکہ ایک صالح معاشرہ وجود میں آئے اور دنیا امن وسلامتی کا گہوارہ بن جائے۔ اسلام ایسا نظام و معاشرہ دنیا کو فراہم کرنے کا اعلان کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں پر ایسا معاشرہ اور نظام نافذ کرنا ان کا منصبی فریضہ قرار دیتا ہے۔

اگر مسلمان رحمتوں اور برکتوں بھرا ایسا نظام فوری طور پر قائم کرنے سے قاصر ہیں تو ایسا نظام قائم کرنے کے لئے جدوجہد کرنا ان پر فرض ہے۔ اگر کسی بھی مسلمان نے اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے جدوجہد بھی نہیں کی تو اس ملک کے سب مسلمان گناہِ کبیرہ کے مرتکب قرار پائیں گے۔ اگر بعض نے جدوجہد کی تو فرض کفایہ ادا ہو جائے گا اور سب مسلمان

گناہ کبیرہ سے بچجائیں گے۔

یہ فرض کفایہ ہر حال میں ادا کرنے والے ان بعض خوش نصیب مسلمانوں کی ایک جماعت جمعیۃ علماء اسلام ہے جس کے کارکن و قائدین اپنوں کے طعنے سہتے ہوئے اور غیروں کی تلواروں اور تیروں کی بارش کا مقابلہ کرتے ہوئے حالات کی ستم ظریفی کے سامنے ڈٹ جاتے ہیں۔

اس راہ میں جو سب پر گزرتی ہے وہ گزری
تنہا پسِ زنداں، کبھی رسوا سرِ بازار
چھوڑی نہیں غیروں نے کوئی ناوک دشنام
چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرزِ ملامت

الحمدللہ! باب الاسلام، سندھ کو دوسری گوناگوں دینی اور اسلامی خصوصیات حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ یہ عظیم شرف وسعادت بھی حاصل ہے کہ تقسیم ہند کے بعد جب لا الہ الا اللہ کے نعرے کی بنیاد پر وجود میں آنے والے پاکستان میں اکتوبر 1956ء میں حق وصداقت کے اس قافلے کو جو ترتیب ونظم کے اعتبار سے جمعیۃ علماء اسلام کے نام پر وجود میں آیا اس کے لئے تگ و دو کرنے والے اور سارے ملک کے علماء کرام وصلحاءِ عظام کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے کا کارنامہ سرانجام دینے والے باب الاسلام سرزمین سندھ سے علمی اور روحانی شریعت اور طریقت کا فیض حاصل کرنے والے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ جو کہ قطب الاقطاب امام المجاہدین حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹیؒ کے بڑے خلفاء میں سے ایک ہیں اور جنہوں نے دینی علم دارالعلوم امروٹ شریف اور دارالرشاد پیر جھنڈہ کے مدارس میں حاصل کیا اور دورہ حدیث اور دستارِ فضیلت بھی سندھ کے عظیم علمی اور روحانی مرکز دارالرشاد پیر جھنڈہ میں حاصل کی۔ حضرت لاہوریؒ کے سوانح نگار مولانا سعید الرحمٰن صاحب علوی رقمطراز ہیں۔

”پاکستان بننے سے پہلے آپ جمعیۃ علماء ہند کے سٹیج پر کام کرتے رہے۔ بعد میں خیال

فرمایا کہ دیوبند کے دونوں حلقے (پاکستان کا مخالف اور حامی) مل کر کام کریں تا کہ ملک کو صحیح معنوں میں اسلامی سٹیٹ بنایا جا سکے اور ابتداء میں کوششیں بھی ہوئیں لیکن خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا تو اکتوبر 1956ء میں ملتان میں علماء کا اجتماع بلایا جس کے داعی آپ تھے اور منتظم حضرت مولانا مفتی محمودؒ تھے۔ چنانچہ جمعیۃ علماء اسلام کے مؤسس ثانی کی حیثیت سے آپ امیرِ جماعت منتخب ہوئے اور آپ نے اپنی امارت کی شرط کے طور پر مولانا غلام غوث ہزارویؒ کا نام بطور ناظم عمومی پیش کیا جس کی ہاؤس نے تائید کی'۔

(مقدمہ ترجمہ قرآن مجید حضرت لاہوریؒ ص۴۹، اشاعت سوم ۱۴۰۲ھ ۱۹۸۲)

اور امام المجاہدین حضرت امروٹی نوراللہ مرقدہ کے سب سے بڑے اور اجل خلیفہ مرشد الموحدین، رئیس الاولیاء عارف باللہ حضرت سائیں مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی نوراللہ مرقدہ نے اپنے قول وعمل سے ترغیب وترہیب سے اپنے سارے متوسلین کو جمعیۃ علماء اسلام میں لگا دیا۔

حضرت امروٹیؒ کے اس خلیفہ اجل سے اجمالی طور پر تو سارا ملک واقف ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ ملک کے دیگر حصوں کے باسی تفصیلی طور پر اتنے واقف نہ ہوں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نہایت اختصار سے اکابرین امت کا وہ خراج عقیدت پیش کیا جائے جو انہوں نے ہالیجی شریف کے اس رئیس الاولیاء کی خدمت میں وقتاً فوقتاً پیش کیا ہے۔ اعظم گڑھ یو پی ، ہندوستان کے ایک عظیم مصنف نے اپنی شاہکار کتاب "تذکرۃ الشیخ ہالیجوی" میں ایک باب قائم کیا ہے "علماء ومشائخ کی نظر میں" ص۱۹۱۔۱۹۷ سے چند اقتباسات کچھ اس طرح ہیں۔

پیر طریقت حضرت حماد اللہؒ اکابرین کی نظر میں:

1۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ:

حضرت شیخ الاسلامؒ نے حضرت اقدس ہالیجویؒ کی خدمت میں عرض کیا" اگر آپ دیوبند تشریف لے چلتے تو اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہوتا ہم لوگ آپ سے معرفت الٰہی اور تعلق مع اللہ کا سبق سیکھتے"۔

(تذکرۃ الشیخ ہالیجوی ص۱۹۱)

2۔ حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھی: حضرت مولانا حماد اللہ صاحب کو عارف باللہ تو سارا عالم تسلیم کرتا ہے مگر ظاہری علوم میں بھی ان کے پائے کا کوئی عالم نہیں (ایضاً ص ۱۹۳)

3۔ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ: حضرت ہالیجوی کے قلب مبارک میں گناہ کا تصور بھی نہیں آتا کیونکہ حضرت کا قلب ہمہ وقت اللہ رب العزت کی محبت و یاد میں مشغول و مشغوف ہے اس لئے گناہ کا تصور کیونکر آسکتا ہے۔ (ایضاً ص ۱۹۴)

4۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان: میں نے دو شخصوں کو دیکھا ہے کہ علم ظاہری کے ساتھ عارف کامل بھی ہیں۔ ایک پنجاب میں دوسرے سندھ میں۔ مگر حضرت ہالیجوی معرفت میں پنجاب والے بزرگ سے بہت بلند و بالا ہیں۔ (ایضاً ص ۱۹۴) نیز فرمایا: اور بزرگوں کی کرامتیں تو کبھی کبھی ظاہر ہوتی ہیں لیکن حضرت ہالیجوی سے روزانہ کرامت ظاہر ہوتی ہے (ص ۱۹۵)

5۔ شیخ التفسیر مولانا عبدالغنی صاحب جاجروی: حضرت شیخ ہالیجوی کو خدا کی اس درجہ معرفت حاصل ہے کہ عقل حیران ہے۔ حضرت سے ملاقات کے بعد حضرت امروٹی قدس سرہ کی زیارت سے محرومی کا احساس جاتا رہا۔ (ایضاً ص ۱۹۵)

6۔ محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری: سرزمینِ سندھ میں حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی ان اکابر امت میں سے تھے کہ ان کے کمالات کو یا تو کسی نے صحیح طور پر پہچانا نہیں یا پھر صحیح فائدہ نہیں اٹھایا۔ وہ پیر و مرشد تھے لیکن متبع سنت، وہ حکیم بھی تھے لیکن نہایت حاذق، وہ عالم بھی تھے لیکن نہایت محقق، وہ زاہد بھی تھے جن کے زہد کی

نظیر میں نے اپنی زندگی میں نہ دیکھی نہ سنی، وہ عارف تھے تصوف کے رموز و اسرار اور اس کے لطائف و اذکار کے دانائے راز تھے۔

(بصائر و عبر بعنوان افادات حمادیہ ۵۸۳/۱)

کبھی سوز و ساز رومی، کبھی پیچ و تاب رازی

سو آیئے! دیکھتے ہیں کہ اس پائے کے چوٹی کے بزرگ عارف باللہ اور قطب الاقطاب جمعیۃ علماء اسلام کی کس شان سے سرپرستی کرتے ہیں۔

خانقاہ عالیہ قادریہ راشدیہ ہالیجی شریف کے موجودہ سجادہ نشین ولی کامل مرشد الموحدین پیر طریقت حضرت سائیں عبدالصمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ روایت فرماتے ہیں کہ: خان پور (پنجاب) کے مولانا محمد حنیف صاحب حضرت قبلہ اقدس سائیں حماد اللہ صاحب ہالیجی شریف والوں کے متوسلین میں سے تھا۔ اس دور میں احرار الاسلام کا بڑا چرچا تھا وہ ختم نبوت کے محاذ پر سرگرم عمل تھے۔ مولانا محمد حنیف صاحب بھی ان سے متاثر ہو کر احرار اسلام میں شامل ہو گئے۔ ان کے علاقے کے کچھ متوسلین ہالیجی شریف آئے اور انہوں نے حضرت صاحب سے مولانا محمد حنیف کا یہ واقعہ بتایا کہ وہ احرار اسلام میں شامل ہو گئے ہیں اور ان کے پلیٹ فارم سے سرگرم ہیں۔ حضرت صاحب نے ان لوگوں کو مزید کچھ بھی نہیں فرمایا۔ صرف اتنا فرمایا کہ: "مولوی صاحب کو میرا اسلام کہنا"۔ انہوں نے سلام پہنچایا تو فوراً سمجھ گئے کہ حضرت اقدس نے یاد فرمایا ہے۔ سو انہوں نے ہالیجی شریف کے لئے رخت سفر باندھا اور خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضرت والا نے مولانا صاحب کو ارشاد فرمایا:

"بیٹے ہماری اصل جماعت وہ ہے جو حضرت حسین احمد مدنی والی اور حضرت شیخ الہندؒ والی ہے اور وہ ہے جمعیۃ علماء اسلام جس کے اس وقت امیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ہیں یہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری والی جماعت اب بنی ہے۔ پہلے نہیں تھی اس لئے ہم اپنی اصلی اور پہلے والی جماعت جمعیۃ علماء اسلام میں رہیں گے"۔

اس کے بعد مولانا محمد حنیف صاحب پھر سے جمعیۃ علماء اسلام میں سرگرم ہو گئے۔

حضرت خلیفہ احمد الدین صاحب حضرت اقدس ہالیجوی کے بڑے خلفاء میں سے ایک ہیں۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے ساتھ جمعیۃ علماء اسلام میں کام کیا ہے۔ حضرت ہزاروی نے انہیں اولیاء سندھ کی آخری نشانی قرار دیا تھا۔ غالباً آپ جمعیۃ علماء اسلام، صوبہ سندھ کے پہلے امیر تھے۔ بعد میں حضرت سائیں سید محمد شاہ امروٹیؒ کے دور میں جمعیۃ علماء اسلام، خیر پور ڈویژن کے مدتوں امیر رہے۔ ابھی حال ہی میں "سفینۃ السالکین" کے نام سے حضرت والا کی ضخیم ملفوظات شائع ہو گئی ہے۔ اس میں سے ایک اقتباس من وعن پیش خدمت ہے۔

جمعیۃ علماء اسلام کے لئے رسول اللہ ﷺ کا خواب میں حکم: مولانا استاد عبدالہادی صاحب، ابڑو خان پور والے نے روایت کی ایک مرتبہ حضرت اقدس خلیفہ احمد الدین صاحب خان پور تشریف لائے۔ میں اپنی گائے لے کر جا رہا تھا تو اچانک حضرت والا سے ملاقات ہو گئی فرمایا: بیٹے فارغ ہو؟ میں نے عرض کیا حضرت جی ہاں! تو فرمایا: سکھر جانا ہے آپ میری رفاقت میں چلو۔ میں نے راستے میں ہی وہ گائے طالب علم کے حوالے کر دی اور حضرت صاحب کے ساتھ چل پڑا۔ سکھر میں جمعیۃ علماء اسلام، خیر پور ڈویژن کا اجلاس رکھا ہوا تھا۔ حضرت صاحب نے اس اجلاس میں شرکت فرمائی۔ بعد میں ہم واپس لوٹے۔ شکار پور پہنچ کر خان پور کے لئے تانگے پر سوار ہوئے تو راستے میں حضرت اقدس نے فرمایا:

بیٹے عبدالہادی! جمعیۃ علماء اسلام کے اجلاس کی سکھر میں دعوت ملی ہوئی تھی لیکن طالب علموں کے اسباق کے ناغہ ہونے کی وجہ سے اجلاس میں شریک نہ ہونے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن جیسے ہی میں رات کو سویا تو (خواب میں) رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ مبارک میں ایک تختی تھی جو آپ ﷺ نے مجھے دکھائی اس تختی پر عربی زبان میں سنہری حروف میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی: احمد الدین! جمعیۃ علماء اسلام کے لئے قربانی دو، قربانی دو، قربانی دو!

جیسے ہی میں نیند سے بیدار ہوا تو سکھر اجلاس میں شرکت نہ کرنے والا ارادہ ترک کر دیا

اور میں نے دل میں کہا: جمعیۃ علماء اسلام حق وصداقت والی جماعت ہے جس کے لئے رسول اللہ ﷺ جیسی ذاتِ اقدس نے قربانی دینے کا حکم فرمایا ہے۔ اس لئے میں اسباق کا ناغہ کر کے بھی جمعیۃ علماء اسلام کے اجلاس میں شریک ہوا اور آپ کو بھی شرکت کروائی۔ (سفینۃ السالکین ملفوظات المشائخ حضرت خلیفہ احمد الدینؒ۔ (ص ۱۲۸۔۱۲۹)

ولی کامل حضرت مولانا سائیں عبدالکریم قریشیؒ بیر شریف:

حضرت بیر شریف والوں سے پاکستان میں جمعیۃ کے سارے لوگ اچھی طرح متعارف ہیں۔ آپ حضرت ہالیجوی قدس سرہ کے بڑے خلفاء میں سے ہیں۔ آپ جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی امیر و سرپرست اعلیٰ بھی رہ چکے ہیں۔ ان کے زہد وتقویٰ کی مثال شاید اس زمانے میں ملنی مشکل تھی۔ حضرت بیر شریف قدس سرہ کے جمعیۃ علماء اسلام کے بارے میں کچھ اقتباسات پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔ ربنا تقبل منا۔

قیامت کے دن جمعیۃ کے رکن ہونے کا عمل پیش کروں گا۔

جمعیۃ علماء اسلام، صوبہ سندھ کی طرف سے ٹھیڑھی ضلع خیر پور میرس میں ایک عظیم الشان آئین شریعت کانفرنس منعقد ہوئی۔ الحمد للہ اس احقر کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کانفرنس کی ایک نشست کے سٹیج سیکرٹری کے فرائض سرانجام دینے کی سعادت نصیب ہوئی اور جمعیۃ، ضلع خیر پور کے سیکرٹری جنرل ہونے کے ناطے کانفرنس کے انتظامات سے از اول تا آخر وابستہ رہا۔ رات کو حضرت بیر شریف والوں نے کانفرنس سے ایک یادگار خطاب فرمایا جس کی بازگشت دور دور تک سنی گئی۔ حضرت اقدس نے فرمایا:

1۔ ’’اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا کہ:
عبدالکریم! میرے پاس کون سا عمل لائے ہو؟ تو میں عرض کروں گا اے میرے اللہ! میرے پاس اور کوئی عمل نہیں۔ میں تیری بارگاہ اقدس میں جمعیۃ علماء اسلام کی رکنیت کا فارم لایا ہوں، میں یہ فارم پر کر کے جمعیۃ علماء اسلام کا رکن بنا ہوں۔ جمعیۃ علماء اسلام میں شامل

ہونا اسلام میں داخل ہونے کے مترادف ہے"۔

2۔ مزید فرمایا:

"اگرچہ جمعیۃ علماء اسلام کے دستور میں ہے کہ ہر بالغ مسلمان جمعیۃ کا رکن بن سکتا ہے (یعنی اٹھارہ سال کی عمر کا) لیکن میں اپنے گھر کے چھوٹے چھوٹے بچوں کا بھی فارم پر کرواتا ہوں کیونکہ میں جمعیۃ علماء اسلام کے فارم پر کرنے کو اسلام میں داخل ہونے کے مترادف سمجھتا ہوں۔ کسی کو جمعیۃ سے نکالنا اسلام سے خارج کرنا ہے"۔

3۔ قائد جمعیۃ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی کا بیان ہے:

"جمعیۃ علماء اسلام کے ساتھ آپ کی وابستگی کا یہ عالم تھا کہ آپ مجھے کہتے تھے کہ جمعیۃ سے کسی کو نہ نکالو۔ میں کہتا یہ جماعت کے اصولوں کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ آپ جواب دیتے ٹھیک ہے لیکن حضور ﷺ نے جماعت کے التزام کا جو حکم فرمایا ہے اس کا مصداق میں جمعیۃ علماء اسلام کو سمجھتا ہوں۔

(پندرہ روزہ نجات پشاور، خصوصی اشاعت حضرت بیر شریفؒ۔ ص ۵۲)

4۔ جمعیۃ کے نمائندہ کو ووٹ نہ دینا بڑا کبیرہ گناہ ہے:

حضرت اقدس کی ایک تقریر کیسٹ میں محفوظ ہے جسے میں نے خود سنا ہے اور ہمارے ساتھیوں کے پاس وہ کیسٹ محفوظ ہے۔ حضرت نے فرمایا: میرے پاس انتخابات کے بعد ایک شخص آیا (غالباً وہ سکھر کا تھا) اس نے مجھے کہا کہ حضرت میرے لئے دعا فرمائیں کیونکہ مجھ سے ایک گناہ ہوگیا ہے۔ میں نے پوچھا کون سا گناہ؟ تو اس نے کہا ان انتخابات میں جمعیۃ علماء اسلام کا نمائندہ بھی کھڑا تھا بایں ہمہ میں نے

ووٹ دوسرے (مخالف) امیدوار کو دیدیا اور اب پشیمان ہوا ہوں۔استغفار کیا ہے۔آپ بھی میرے لئے مغفرت کی دعا کریں۔حضرت نے فرمایا: میں نے اس کی مغفرت کے لئے ہاتھ اٹھائے تو میرے ہاتھ نیچے گر پڑے۔پھر اٹھائے تو پھر گر پڑے اور تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا۔تو میں نے اس شخص کو کہا: جمعیۃ علماء اسلام کے امیدوار کو ووٹ نہ دے کر آپ نے اتنا بڑا کبیرہ گناہ کیا ہے کہ شاید اس کے لئے آپ کی توبہ بھی قبول نہیں ہو پا رہی اور میرے ہاتھ دعا کے لئے اٹھتے ہی نہیں تو میں کیا کروں۔جمعیۃ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں۔

5۔ حضرت نے ایک شخص کو جس نے مولانا فضل الرحمٰن پر تنقید کی تھی فرمایا: ''ایک شخص نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی اس اللہ کے بندے نے خواب میں یوں دیکھا کہ سخت گرمی کا موسم ہے دوپہر کا وقت ہے شدت کی گرمی ہے میدان میں ایک شخص نے شامیانہ لگایا ہوا ہے۔اس شامیانے کے اندر حضور ﷺ تشریف فرما ہیں۔اس اللہ کے بندے نے دیکھا کہ شامیانے کے سوراخوں سے کچھ دھوپ اندر آرہی ہے۔تو اس نے عرض کیا کہ حضرت آپ شامیانہ تبدیل کیوں نہیں کرتے۔یہ تو پھٹا ہوا ہے اس پر حضور ﷺ نے فرمایا بیٹے دوسرا کوئی شامیانہ نہیں ہے۔اس کے بعد حضرت نے فرمایا میاں تفسیر سمجھ گئے؟ وہ آدمی خاموش رہا حضرت نے فرمایا میاں تفسیر یہ ہے کہ جمعیۃ علمائے اسلام کے سوا اس وقت حق کی کوئی دوسری جماعت نہیں ہے۔میرے حضرت نے فرمایا کہ جمعیۃ سے کسی کو خارج کرنا اسلام سے خارج کرنے کے مترادف ہے''۔

(پندرہ روزہ نجات پشاور، خصوصی اشاعت برائے حضرت پیر شریف، ص۲۳)

6۔ سندھ کے مایہ ناز فقیہ و مفتی شیخ الحدیث حضرت مولانا غلام محمد صاحب پنہور کولاب جبیل (سابق مرکزی نائب امیر جمعیۃ علماء اسلام) نے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''جمعیۃ علماء اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسری سیاسی یا مذہبی جماعت میں شامل ہونے کو میں سیاسی کفر سمجھتا ہوں کیونکہ موجودہ دور میں جمعیۃ علماء اسلام ہی علماء حق کی واحد سیاسی و دینی نمائندہ جماعت ہے جو کہ قرآن و سنت میں بیان کردہ ''الجماعۃ'' کی مصداق ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوا کرتی ہے''۔

☆......☆......☆

ایک باوقار اور سنجیدہ شخصیت

مولانا انوار الحق حفظہ اللہ،
نائب شیخ الحدیث جامعہ مطلع العلوم، ممبر رویت ہلال کمیٹی، خطیب مرکزی جامعہ مسجد، کوئٹہ

مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے میری پہلی ملاقات حضرت مفتی محمودؒ کی وفات کے موقع پر دارالحدیث، بنوری ٹاؤن کراچی میں ہوئی۔ میرا دورہ حدیث کا آخری سال تھا اور ہمیں بخاری شریف کا آغاز مفتی صاحبؒ نے کروایا تھا اور اسی سال مفتی صاحبؒ کا انتقال ہوا۔ جب مفتی صاحبؒ کے جسد مبارک کو دیدار کے لئے دارالحدیث میں رکھا گیا تو اس کا سارا انتظام دورہ حدیث کے طلباء کے ذمہ تھا۔ مولانا صاحب کراچی آئے تو بڑی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ دارالحدیث میں آکر مفتی صاحبؒ کے سرہانے بیٹھ گئے اور چہرے پر بوسہ لیا۔ قریباً 5 منٹ بیٹھے رہے پھر مہمان خانے چلے گئے۔ اس وقت مولانا نے قبائلی علاقوں کے طرز پر قدرے کھلے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ پہلی نظر میں ہی طلباء کا تاثر تھا کہ الحمد للہ مولانا بڑے باوقار، متحمل اور سنجیدہ ہیں۔ بعد ازاں مولانا صاحب سے کئی بار ملاقاتیں ہوئیں مدارس اور جماعتی جلسوں میں بار بار سننے اور دیکھنے کا موقع ملا۔ ہمیشہ مولانا کو باوقار اور سنجیدہ پایا اور گفتگو ماشاء اللہ بڑے مدلل انداز میں فرماتے ہیں۔ شکوک وشبہات کا ازالہ بڑے بہترین انداز میں فرمادیتے ہیں۔ اپنا موقف دلائل کے ساتھ پیش کرتے ہیں جس سے منصف مزاج طبیعتوں کے مالک لوگ ضرور قائل ہوتے ہیں۔

اللہ جل شانہ نے مولانا کو تواضع بھی اعلیٰ درجہ کی عطا فرمائی ہے۔ کسی قسم کی تصنع اور بڑے پن کا اظہار نہیں کرتے۔ دینی مدارس کے حوالے سے ان کی خدمات کی ایک دنیا معترف ہے۔ دوست دشمن سبھی ان کی ذہانت، حالات حاضرہ پر ان کی گرفت اور مستقبل کے

لئے قبل از وقت منصوبہ بندی میں مہارت کے قائل ہیں البتہ بلوچستان میں جماعت میں جو گروپ بندی ہوئی ہے اس میں اہل علم اور خصوصاً مدارس کے مدرس اور علماء مولانا صاحب سے مزید فعال کردار ادا کرنے کی توقع رکھتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ مولانا خود ہی اس سلسلے میں کوئی پیش رفت فرما کر جمعیۃ کی طاقت اور قوت کو مزید تقسیم ہونے سے بچائیں گے۔

☆......☆......☆

ملت اسلامیہ کا حقیقی قائد

جانشین شیخ القرآن مولانا اشرف علی حفظہ اللہ
مہتمم دارالعلوم تعلیم القرآن، راولپنڈی، مرکزی نائب امیر جمعیۃ اشاعت التوحید والسنۃ، پاکستان

کسی حاضر و موجود شخصیت سے متعلق خامہ فرسائی بڑا صبر آزما اور مشکل کام ہے جو بلامبالغہ تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے کیونکہ حق ادا کرنے کے لئے اخلاص و تکلف اور تنقیص و تملق سے بچ کر نکلنا کارے دارد! پھر شخصیت بھی ایسی جس کے مداحین اور ناقدین آمنے سامنے ہوں تو ایسے حالات میں خامہ انگشت بدنداں ہے کہ کیا لکھے؟

ماشاء اللہ قیام پاکستان کے روز اول ہی سے جمعیۃ علماء اسلام وطن عزیز کی وہ سیاسی جماعت ہے جس کی بنیاد میں اسلامی نظریہ حیات کارفرما ہے اور اس کی قیادت دارالعلوم دیوبند سے علمی، روحانی اور مسلکی تعلق رکھنے والے نابغہ روزگار علمائے ربانی کے ہاتھوں میں رہی ہے۔ان میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ اور مفکر اسلام قائد انقلاب اسلامی حضرت مولانا مفتی محمودؒ جیسی نابغہ روزگار شخصیات کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔ان جلیل القدر قائدین عظام کی قیادت میں بحمداللہ جمعیۃ علماء اسلام ہر دور میں اندرون و بیرون ملک اسلام دشمن باطل قوتوں سے نبرد آزما رہی۔مذہبی تحاریک ہوں یا سیاسی جمعیۃ علماء اسلام نے ہر محاذ پر ہراول دستے کا کام کیا اور ماشاء اللہ اجتماعی قیادت کا تاج بھی جمعیۃ علماء اسلام کے سر پر سجا۔

جمعیۃ علماء اسلام کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے پاکستان قومی اتحاد کی تحریک کے سربراہ کی حیثیت میں اس دنیائے فانی کو خیر باد کہا تو آنموصوف کے فرزند گرامی حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب زید مجدہ کو جانشینی کا اعزاز ملا۔یہ وقت مولانا فضل الرحمٰن کا دور

عنفوان شباب تھا اور موصوف "اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہوگئے" کے مصداق بے شمار خانگی، خاندانی، علمی، تدریسی اور سیاسی مسائل کی صعوبتوں میں گھر گئے۔ بالخصوص ایم۔آر۔ڈی میں شمولیت کے مسئلہ پر یہ جماعت دو واضح دھڑوں میں منقسم ہوگئی۔ ایک دھڑا حضرت درخواستیؒ کے نام سے موسوم ہوا جبکہ دوسرا دھڑا مولانا فضل الرحمٰن کا تھا۔ اگرچہ پنجاب کے دینی مدارس و مساجد کی غالب اکثریت حضرت درخواستیؒ کے ساتھ تھی اور مولانا فضل الرحمٰن کے لئے پنجاب کی سیاست میں پاؤں جمانا خاصا مشکل تھا مگر حضرت مولانا خواجہ خان محمدؒ جیسی مرنجان مرنج خاموش شخصیت نے اپنا سارا وزن مولانا فضل الرحمٰن کے پلڑے میں ڈالتے ہوئے آپ کی قیادت پر سو فیصد اطمینان کا اظہار کر دیا تھا جو بذات خود مولانا فضل الرحمٰن کے لئے ایک بڑی سعادت اور حوصلہ افزائی کا مظہر تھا۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ نے خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے جنرل محمد ضیاء الحق جیسے فوجی صدر پاکستان، وزیر اعظم بے نظیر بھٹو، وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف اور غاصب جمہوری، دشمنِ اسلام جنرل پرویز مشرف کے ادوار میں سیاسی محاذ پر قائد حزب اختلاف کی حیثیت سے حریت فکر، اصابت رائے، جرات و شہامت اور مدبرانہ سیاست کی نظیر قائم کی۔ بالخصوص امارت اسلامیہ افغانستان پر عالم کفر کے حملے سے پیدا ہونے والی نازک صورت حال میں جس علو ہمت اور دینی غیرت وحمیت کا ثبوت دیتے ہوئے بزعم خویش اپنے در پر آئی سپر پاور امریکہ کی قونصلر کی دھمکیوں کو جوتے کی نوک پر رکھا اور واضح کر دیا کہ:

؎ آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دور حاضر میں بلا مبالغہ آسمان شہرت پر براجمان ہیں۔ آپ ماشاء اللہ ملک کی معروف و معتبر علماء حق کی سیاسی جماعت جمعیۃ علماء اسلام کے منتخب امیر ہیں جن کی بے باک قیادت میں یہ جماعت اندرون و بیرون ملک باطل قوتوں سے چومکھی جنگ لڑ رہی ہے اور اس مجاہدانہ کردار سے جہاں ابرار و اخیار سکینت و طمانیت محسوس کرتے ہیں

وہاں اعدا و اغیار عداوت و خصومت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔

میرے نزدیک حضرت مولانا فضل الرحمٰن کی شخصیت کا سب سے بڑا معتبر اور مستند حوالہ آپ کا فرزندِ محمود ہونا ہے۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے جہاں ظاہراً محمودی وجاہت سے حصہ وافر عطا فرما رکھا ہے وہاں آپ کی نجی مجالس، منابر مساجد کے خطبات اور جلسہ عام سے لے کر اسمبلی بلکہ بین الاقوامی سطح تک کی تقاریر و مذاکرات میں آپ کا اندازِ تخاطب سو فیصد محمودی انداز متانت میں ڈھلا ہوا ہے۔آپ کو دلیل سے بات کرنے اور منوانے کا خداداد ملکہ حاصل ہے کہ سامعین میں آپ کے مخالفین بھی از دل خیزد بردل ریزد کی کیفیت محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے اور ہر کس و ناکس آپ کی بات کا قائل بلکہ گھائل ہو جاتا ہے۔اس میں بلاشبہ آپ کی رگوں میں دوڑتے ہوئے محمودی خون، آغوش محمودی کی پرورش و تربیت اور دار العلوم حقانیہ کے مرد درویش شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی تعلیم و تدریس اور صحبت حق کی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن کی بوقلموں شخصیت میں بہ یک وقت ایک متکلم، مفکر، مدبر، ادیب، خطیب، منتظم اور بے باک سیاسی قائد کی تمام خوبیاں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں جس کی وجہ سے آپ کی طرحدار شخصیت سے متاثر ہو کر اغیار بھی طرفدار بن جاتے ہیں مگر کمال یہ ہے کہ مولانا صاحب اکثر و بیشتر بات طرفداروں کی نہیں تنقید نگاروں کی مانتے ہیں۔آپ اسلام کے علاوہ اپنا نقطہ نظر اور موقف بدلتے رہنے میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔آپ کی شخصیت میں امکانات کا ایک خوبصورت جہاں آباد ہے۔وقت شاہد ہے کہ آپ نے بدلتے ہوئے حالات میں اقتدار کی چکاچوند سے براہ راست متاثر ہونے کے باوجود اسلامی نظام کے نفاذ اور دنیائے اسلام میں اسلام کی بالادستی کے ایمانی موقف سے کبھی انحراف نہیں کیا اور اس کے لئے بارہا ایسا ہوا کہ آپ نے برسوں کے یارانے چھوڑ دینے میں بھی باک محسوس نہیں کیا۔تاریخی شواہد کے آئینے میں یہ حقیقت نمایاں ہے کہ آپ نے بعض اوقات دھارے کے موافق بہنے کے بجائے دھارے کے مخالف جدوجہد کو اہمیت دیتے ہوئے عزیمت کا ثبوت دیا

اور بزبان حال ثابت کیا:

دھارے کے موافق بہنا تو توہین ہے دست و بازو کی
طوفاں پروردہ کشتی کو دھارے کے مخالف لیکن

یہاں پر میں یہ ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے والد گرامی قدر شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان نور اللہ مرقدہ اور مفکر اسلام قائد قومی اتحاد حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے درمیان بڑے اخلاص کیش تعلقات تھے۔ والد صاحب کی دعوت پر حضرت مفتی صاحبؒ بارہا دارالعلوم تعلیم القرآن میں قدم رنجہ ہوئے اور خطبات جمعہ کے علاوہ سالانہ جلسوں اور اختتام بخاری شریف کی تقاریب میں شرکت فرمائی۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت شیخ القرآنؒ معروف معنوں میں سیاسی شخصیت نہ تھے اور نہ ہی ان کی کسی سیاسی جماعت سے وابستگی تھی تاہم تاریخ گواہ ہے کہ ملک و ملت کو پیش آمدہ ابتلاء و آزمائش میں قیام پاکستان سے قبل انگریزی استعمار سے آزادی کی تحریک سے لے کر پاکستان قومی اتحاد کی تحریک تک اکابرین علماء دیوبند کی معیت میں مصروف جہاد رہے۔

1956ء میں اس وقت کے مغربی اور آج کے پاکستان کے ممتاز دیوبندی مکتب فکر کے علماء نے جمعیۃ علماء اسلام قائم کی تو اس جماعت کے منتخب امیر حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ نے اپنے خصوصی حکم سے حضرت شیخ القرآنؒ کو مرکزی مجلس عاملہ کا رکن نامزد فرما کر ضلع راولپنڈی کا امیر مقرر فرمایا لیکن حضرت شیخ القرآنؒ اپنی تدریسی اور تبلیغی مصروفیات کے پیش نظر اس وابستگی کو تادیر قائم نہ رکھ سکے البتہ ہر مرحلے پر جمعیۃ علماء اسلام کا دامے درمے سخنے قدمے ساتھ دیا۔

امام المفسرین، خاتم المحدثین راس الموحدین حضرت مولانا حسین علی الوائیؒ نے جب شرکستان پنجاب میں قرآن و سنت کی تنویر کی بنیاد پر خالص توحید و سنت کی شمع روشن کی۔ اس شمع ہدایت سے مستفید ہونے والے آپ کے خلفاء مسترشدین تلامذہ نے دعوت و تبلیغ و سنت کے انفرادی کام کو اجتماعیت میں بدلنے کے لئے جمعیۃ اشاعت التوحید والسنۃ کے نام سے ایک

خالص مذہبی تنظیم بنائی۔حضرت شیخ القرآنؒ نے اپنی اس خالص غیر سیاسی جماعت کے پہلے سہ ماہی دستور میں سیاسی امور سے متعلق ایک شق شامل کروائی جس کا مفہوم یہ تھا کہ بوقت ضرورت سیاسی معاملات میں غیر سیاسی جماعت ہونے کے باوجود جمعیۃ اشاعت التوحید والسنۃ جمعیۃ علماء اسلام کا ساتھ دے گی۔اس کا عملی مظاہر 1977ء کے عام انتخابت میں سامنے آیا جب گوجرانوالہ سے قومی اسمبلی کی نشست کے لئے استاذ العلماء وکیل احناف ترجمان مسلک حقہ دیوبند تلمیذ شیخ القرآن حضرت مولانا قاضی عصمت اللہؒ سابقہ امیر جمعیۃ اشاعت التوحید والسنۃ کے مرکزی شوریٰ کے رکن رکین حضرت شیخ القرآنؒ کے معتمد رفیق چوہدری فضل الٰہی صاحب تاجپوری کو جمعیۃ علماء اسلام کی طرف سے میدان انتخاب میں اتارا گیا۔

یاد رکھئے کہ چند مذہبی مسائل میں علمی اختلاف کے باوجود حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ قائد جمعیۃ حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی علمیت،اہلیت اور قیادت کے قدردان تھے اور اپنے اکثر خطبات میں برملا فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مفتی محمودؒ نے مفکر اسلام ہونے کی حیثیت میں علماء دیوبند کی طرف سے ترجمانی کا حق ادا کردیا۔آپ نے فرمایا تھا کہ مفتی محمودؒ وہ عظیم شخص ہیں جن کی پوری زندگی ہمارے سامنے ہے۔آپ نے فرمایا تھا کہ مفتی محمودؒ درحقیقت اجلے لباس میں ملبوس (شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ) کا چلتا پھرتا نمونہ ہیں۔آپ نے فرمایا تھا کہ میں صاف کہتا ہوں کہ ملک میں اسلامی نظام وہی شخص نافذ کرسکتا ہے جس کے دل میں ایمان اور بدن پر اسلام کا راج ہو۔جس کی زندگی گھر سے باہر تک اسلام کا عملی نمونہ ہو اور وہ شخص مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ ہیں۔

بات طویل ہوگئی۔ہمارے ممدوح حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ اس عظیم المرتبت شخصیت کے سپوت ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے بڑی فیاضی سے گوناں گوں صفات سے مالامال فرما رکھا ہے اور آپ ان خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ملک وملت کی حتی الوسع والمقدور خدمت میں مصروف ہیں۔آج کے عالمی طاغوتی سرکشی کے منظر کا کما حقہ جائزہ لیتے ہوئے مولانا فضل الرحمٰن نے سال 2012ء کو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے نام سے موسوم

کرکے بزعمِ خویش سپر پاور سمجھنے والے امریکہ اور اس کے حواری اسرائیل، برطانیہ اور دیگر نیٹو سے وابستہ ممالک کے کفار یہود و نصاریٰ کو یہ عملی پیغام بھیجا ہے کہ کافرو! اور ان کے نمک خوارو! پاکستان کے مسلمانوں کی رگوں میں بالعموم اور حضرت شیخ الہندؒ کی روحانی اولاد میں بالخصوص ایمانی غیرت اور اسلامی حمیت کا لہو دوڑ رہا ہے۔ پاکستان کا ہر مسلمان خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذہبی گروہ یا سیاسی دھڑے سے ہو امریکی چوہدراہٹ اور اس کی ذہنی غلامی کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ آپ نے پاکستانی مسلمانوں کے دلوں کی یہ غیرت مندانہ آواز دنیائے کفر تک پہنچانے اور ان کے نمائندہ منافقوں تک کلمہ حق پہنچانے کے لئے وطنِ عزیز کے بڑے بڑے شہروں میں عظیم الشان اسلام زندہ باد کانفرنسوں کا انعقاد فرمایا اور اس میں نیٹو سپلائی کی بحالی، ملک میں لحہ بہ لحہ بڑھتی ہوئی گرانی، بجلی اور گیس کی معدومیت کے باوجود مختلف حیلوں بہانوں سے عامۃ الناس کی روزمرہ آمدن اور مالی استعداد کے فقدان کے باوصف بھاری بھرکم بلوں کے مہلک حملوں، امن و امان کی نہایت بھیانک صورتحال اور حلوائی کی دوکان پر نانی جان کی فاتحہ پڑھنے والے زرداریوں گیلانیوں اور ان کے آوارہ منش وزیروں مشیروں کو جھنجوڑنے کی بساط بھر کوشش فرما کر حضرت شیخ الہندؒ اور دیگر اکابرین علماء دیوبند کا وارث ہونے کا عملی ثبوت دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ اسلام دشمن کافرو! منافقو! سنو: الاسلام لیلوا ولا یتلیٰ۔

اسلام کو اللہ نے فطرت میں لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے حضرت مولانا فضل الرحمٰن کی حفاظت و نصرت فرمائے۔ قدم قدم پر انہیں اپنی حمایت و تائید خاصہ سے نوازے۔ استقامت کے ساتھ دین دشمنوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دین حق کے ڈنکے بجاتے رہنے کی مزید توفیق عطا فرمائے رکھے! آمین! این دعا از من داز جملہ جہاں آمین باد۔

☆......☆......☆

عظیم باپ کے عظیم فرزند

مولانا عبدالقیوم ہالیجوی حفظہ اللہ،
سجادہ نشین خانقاہ ہالیجوی شریف، سکھر سندھ

میدان سیاست میں علماء کرام کا کردار ہر دور میں بڑا اہم رہا ہے اور ہر موڑ پر علماء نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ آج بھی علماء کرام جمعیۃ علماء اسلام کے جھنڈے تلے مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ کی قیادت میں حالات اور وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے امت مسلمہ کی صحیح معنوں میں راہنمائی کا حق ادا کر رہے ہیں۔ جمعیۃ علماء اسلام واحد ایسی جماعت ہے کہ جو اکابرین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مخالفین کی تنقید کے باوجود بڑے حوصلہ کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ عظیم باپ کے عظیم فرزند ہیں۔ ان کی سیاست، تدبر اور علمیت پر ہمیں فخر ہے اور ان کی پالیسیوں پر بھرپور اعتماد ہے۔ اللہ تعالیٰ جمعیۃ علماء اسلام کے کارکنوں اور قائدین کی حفاظت فرمائے۔ آمین!

دین کا درد رکھنے والے حضرات جمعیۃ علماء اسلام میں شامل ہو کر علماء حق کی طاقت کو مضبوط کریں اور ان کے ساتھ محبت کا ثبوت دیں۔

☆......☆......☆

اہل حق کے سرپرست

مولانا شفیق الرحمٰن دامت برکاتہم،
شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ انوارالاسلام، ایبٹ آباد

مولانا فضل الرحمٰن اس وقت دین، دینی داروں، مساجد، مدارس اور علماء حق کی سرپرستی کررہے ہیں۔ وہ واجب الاحترام ہیں۔ ان جیسے علماء زمانے میں بہت کم ملتے ہیں۔ ٹھیک ہے منطق و فلسفہ اور دوسرے علوم کے ماہر علماء کو آپ میسر ہو جائینگے لیکن جو سیاست میں بھی پورا ادراک رکھتے ہوں اور دین میں بھی وہ الحمد للہ مولانا فضل الرحمٰن کی جامع شخصیت ہے۔ ہم ان کی حیات کے لئے دعا گو ہیں، ان کے وجود کو غنیمت سمجھتے ہیں اور جمعیۃ علماء اسلام مولانا کے نام لیوا حضرات اور اس جماعت سے وابستہ حضرات اپنے اندر اتفاق، جدوجہد اور حقانیت کا جذبہ پیدا کریں۔ اللہ تعالیٰ جماعت کو قائم ودائم رکھے۔ آمین!

☆......☆......☆

عظیم بزرگ اور بے مثل راھنما

حضرت مولانا سید سراج احمد شاہ امروٹی،

سجادہ نشین درگاہ امروٹ شریف، شکار پور سندھ

مولانا فضل الرحمٰن ہمارے عظیم بزرگ اور بے مثل راہنماء ہیں۔ بلکہ پوری جماعت اور قوم نے ان پر اعتماد کیا ہے میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن کے ساتھ ان کے کردار کو سراہ سکوں۔

☆......☆......☆

عالم اسلام کے قائد مولانا فضل الرحمن

مفتی دین اظہر مدظلہ،

جامعہ مفتاح العلوم الاسلامیہ، ہنگو

ہمارا مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی قیادت وتقویٰ پر مکمل اعتماد اور یقین ہے۔آج کل پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کی قیادت اسی شخصیت کو حاصل ہے کیونکہ دیوبند کے اکابرین نے اسی کے سر پر اعتماد کی پگڑی رکھی ہے۔جمعیۃ علماء اسلام کا یہی مشن ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام نافذ ہو اور جب حضرت عیسیٰؑ آجائیں گے تو ان کا بھی یہی مشن ہو گا کہ ظلم ختم کر کے اللہ کا عادلانہ نظام قائم کیا جائے۔حدیث مبارکہ میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

"وہ امت کیسے ہلاک ہوجائے گی کہ جس کے اول میں ہوں درمیان میں مہدی ہوں اور آخر میں عیسیٰؑ ہوں گے"۔ (مشکوٰۃ)

یہ جمعیۃ علماء اسلام کو مکمل خوشخبری ہے کہ آپ نظام کے لئے کوشش کریں یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ آجائیں۔

نوٹ: ہمیں جمعیۃ علماء اسلام میں شمولیت اختیار کرنے کے لئے اس بات نے مجبور کیا کہ جتنے اکابر، مشائخ، مفتیان کرام اور مؤرخین و خطباء ہیں اسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔لہٰذا میں ہر مسلمان سے اپیل کرتا ہوں کہ جمعیۃ میں شامل ہو کر اسلام کی خدمت کریں۔

☆......☆......☆

مولانا خواجہ خان محمدؒ کا قائدجمعیۃ پر دستِ شفقت

مولانا شجاع الدین حفظہ اللہ
مہتمم جامعہ اسلامیہ تعلیم القرآن، پڑہنہ مانسہرہ

ویسے تو مولانا فضل الرحمٰن علمی اور ملکی سیاسی میدان کے مانے ہوئے مدبر، منجے ہوئے عالم اور راہنما شمار ہوتے ہیں لیکن تصوف کے میدان کے قطب زمان غزالی دوران خواجہ خان محمد صاحبؒ کا قرب اپنی جماعتی، ملکی اور بین الاقوامی مصروفیات کے باوجود ایک ایسی لازوال نعمت عظمیٰ ہے جو شاید کہ اتنی ہمہ جہت شخصیت نے حاصل کی ہو جو تقریباً ان 3 عشروں میں مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ عالی کو نصیب ہوئی ہے۔

ذیل میں چند واقعات و احوال خواجہ خان محمدؒ کے درج کیے جاتے ہیں جو اس تعلق کو آشکارہ کرتے ہیں:

اول تو یہ حقیقت واضح ہے کہ مفکر اسلام سرتاج جمعیۃ علماء اسلام حضرت اقدس مولانا مفتی محمودؒ نے اپنی تمام فہم و فراست، بصیرت و بصارت اور تدبر و تفکر کو جمع کرتے ہوئے حضرت خواجہ خان محمد صاحبؒ کی خدمت میں اپنے بعد اور اپنی موجودگی میں مولانا فضل الرحمٰن کی سرپرستی کی درخواست کی جو ہر دو حضرات نے خوب نبھائی، ایک نے دست شفقت دراز فرما کر اور دوسرے فریق نے دست شفقت کی تحصیل میں کسر نہ چھوڑی۔ یہی وجہ ہے کہ ملت اسلامیہ کے ہر میدان کی نمائندہ جماعت جمعیۃ علماء اسلام کی قیادت کرتے ہوئے اسلاف امت کے افکار کو بڑی جانفشانی سے منزل کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مزید ترقی

دین و دنیا نصیب فرماویں۔ آمین ثم آمین !۔

1۔ مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم (کراچی) والے (لولاک خواجہ خواجگان نمبر) میں فرماتے ہیں:

''سیاسی قیادت کے لئے تمام دینی جماعتوں کی نظریں خانقاہ سراجیہ کے سجادہ نشین حضرات خواجہ صاحبؒ پر ہی جمی رہتی تھیں۔ چنانچہ جمعیۃ علماء اسلام کے قائدین آپ کی ہی زیر قیادت وزارت کے منصب تک پہنچے اور ایوانوں اور اسمبلیوں میں حق کی صدا بلند کرتے ہیں بلکہ بعض تربیت یافتگان کو اسلامی نظریاتی کونسل میں بھی خدمت کا فخر حاصل ہے اور حضرت خواجہؒ ہر موڑ پر ان کے شانہ بشانہ رہے اور سنت یوسفی پر عمل کرتے رہے۔ یہ ایسی سنت ہے جس پر یہ شعر صادق آتا ہے:

؎ در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوس نا کے نداند جام سندان باختن

یہ ایسی خانقاہ کا ایسا طرہ امتیاز ہے جو اس دور میں کسی اور خانقاہ کو حاصل نہیں''۔

2۔ مولانا اللہ وسایا مدظلہ (خواجہ خواجگان نمبر ۶۱) فرماتے ہیں:

''ایک بار صادق آباد رحیم یار خان کے دوستوں نے کہا کہ عورت کی حکمرانی کیسی ہے (بطور اعتراض مولانا فضل الرحمٰن پر) آپؒ نے فرمایا یہ سوال نہیں بلکہ سوال یہ ہے کہ وہ پیپلز پارٹی کی رہنماء ہیں جب انہیں ووٹ دیتے ہو تو وہ حکمران بنے گی۔ اگر عورت کی حکمرانی روکنی ہے تو پھر ووٹ کیوں دیتے ہو۔ ووٹ بھی دو کامیاب بھی کرو اور پھر پوچھو کہ عورت کی حکمرانی کیسی ہے یہ طرز عمل و طرز سوال ٹھیک نہیں ہے''۔

3۔مولانا اللہ وسایا مزید صفحہ ۶۷ پر فرماتے ہیں:

”پرویز مشرف کے زمانہ اقتدار میں مشین ریڈ ایبل پاسپورٹ تیار ہوا اس کی ڈیزائننگ کرتے ہوئے خانہ مذہب کو خذف کر دیا گیا۔حضرت مولانا فضل الرحمٰن سے ہم نے خانہ مذہب کی بحالی کے متعلق درخواست کی ۔آپ کی منظوری و رہنمائی اور تقسیم کار سے عالمی مجلس نے اپنا کام شروع کر دیا۔بہت لمبی محنت کرنی پڑی کئی ماہ اس جدوجہد میں لگ گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا۔پرویز مشرف کی گردن کا سریا ٹیڑھا ہوا۔کفر ہار گیا اسلام والے جیت گئے۔پاسپورٹ میں مذہب کا خانہ بحال ہو گیا۔اے کاش کوئی اللہ کا بندہ اس پوری تحریک کی کاروائی قلمبند کر دے۔ملک بھر میں جگہ جگہ جلسے کرنے پڑے“۔

4۔مزید فرماتے ہیں:

”مولانا صاحبزادہ عزیز احمد فرماتے ہیں کہ میں ۷۲۔۱۹۷۱ میں دارالعلوم ،کبیر والا میں پڑھتا تھا۔مولانا فضل الرحمٰن بھی کبیر والا تشریف لاتے تو کبھی میں ان سے ملنے قاسم العلوم،ملتان چلا جاتا۔حضرت مفتی محمودؒ حضرت مولانا فضل الرحمٰن کی تربیت کے مسئلہ میں اتنا سخت موقف رکھتے تھے کہ ان کو سیر سپاٹا کی بہت کم اجازت ملتی البتہ کبیر والا ہمارے ملنے کے لئے اجازت مانگتے تو مفتی محمودؒ کبھی انکار نہ فرماتے“۔

5۔حضرت سید الطائفہ حاجی عبدالوہاب صاحب مدظلہم امیر تبلیغ جماعت:

مولانا صاحبزادہ عزیز احمد فرماتے ہیں:

”ایک مرتبہ رمضان المبارک میں حضرت قبلہ خواجہ صاحبؒ کوران پر

پھوڑا نکل آیا۔ مجبوراً آپریشن کروایا گیا اس دوران بہت سے علماء و مشائخ تشریف لائے۔عیادت کے لئے دیگر حضرات کے علاوہ حاجی عبدالوہاب صاحب بھی تشریف لائے۔یہ غالباً (الیکشن 1990) کے زمانہ کی بات ہے۔اندرون سندھ میں مدتوں قیام پذیر پنجابیوں کو نکالا جا رہا تھا۔روزانہ قافلے سندھ سے جائیدادیں چھوڑ کر پنجاب آ رہے تھے تو حاجی عبدالوہاب صاحب نے حضرت خواجہ صاحبؒ سے فرمایا کہ سندھ سے آ رہا ہوں وہاں کے حالات یکسر بدل رہے ہیں۔عصبیت زوروں پر ہے یہی حال رہا تو پتہ نہیں ملک کا کیا بنے گا۔میرے خیال میں دو آدمی اس صورتحال کو کنٹرول کر سکتے ہیں اور وہ دونوں آپ کی بات (خواجہ صاحب) کا حکم مانیں گے۔ان کا اندرون سندھ دورہ رکھا جائے تو انشاء اللہ یہ صورتحال ٹھیک ہو جائے گی اور ملک کو فائدہ ہوگا۔وہ دو حضرات ایک تو نوابزادہ نصر اللہ خان (مرحوم) اور دوسرے مولانا فضل الرحمٰن ہیں۔ان کو آپ سندھ بھجوائیں۔مولانا عزیز احمد فرماتے ہیں کہ ڈیڑھ دو گھنٹے حاجی صاحب حضرت قبلہ خواجہؒ صاحب کے پاس رہے اور یہی گفتگو فرماتے رہے''۔

راقم الحروف جب جماعت کے ساتھ 1995ء میں حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے گاؤں عبدالخیل گیا جہاں گاؤں کی دو مسجدوں میں 6 دن گزارے تو ایک مرتبہ مولانا عطاء الرحمٰن صاحب مدظلہ نے اس مذکورہ واقع کی تفصیل کچھ اس طرح سنائی کہ:

''ہم مولانا فضل الرحمٰن کی انتخابی مہم سے رات 11 بجے واپس آ رہے تھے کہ ایک نہر پنیالہ میں ریت میں ایک سفید آلٹو گاڑی پھنسی ہوئی تھی قریب آئے تو دیکھا کہ ایک بابا جی کنارے بیٹھے ہیں اور ڈرائیور گاڑی نکالنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ہم نے جب گاڑی قریب کر کے کھڑی کی تو دیکھا کہ حاجی عبدالوہاب صاحب مرکز رائیونڈ والے نیچے تشریف فرما

ہیں۔خیر ہم نے اپنی گاڑی کے ساتھ ان کی گاڑی باندھی اور کھینچ کر نکالی اور پھر پوچھا کہ آپ رات کو کیسے تشریف لائے ہیں تو حاجی عبدالوہاب صاحب نے فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰن سے ملنے آیا ہوں ساتھ لے کر ڈیرہ پر گئے۔بارہ بجے گھر پہنچے تو مولانا انتظار میں تھے اسی وقت مولانا فضل الرحمٰن اور حاجی صاحب ایک کمرہ میں گئے اور دونوں ہی گفتگو کرتے رہے۔معمولی سا کھانا کھایا۔حاجی صاحب نے ایک گھنٹہ ملاقات فرمائی اور ٹھیک 1 بجے رات ہی کو حاجی صاحب رائے ونڈ مرکز کے لئے تشریف لے گئے۔جب صبح ہوئی تو مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے پوچھا کہ حاجی صاحب رات کس کام سے تشریف لائے تھے تو فرمایا کہ سندھ میں نسلی فسادات پھیلے ہوئے ہیں۔مجھے وہاں جانے کا حکم فرمایا ہے پھر مولانا نے فرمایا کہ میری تشکیل کی گئی ہے۔اس کے بعد مولانا فضل الرحمٰن نے تقریباً 22 یوم کا تفصیلی دورہ اندرون سندھ کیا۔الحمدللہ حالات میں بہتری آئی۔راقم الحروف نے اسی سفر میں مولانا عطاء الرحمٰن صاحب سے ایک عجیب سوال کیا جو مولانا عطاء الرحمٰن صاحب کو بڑا پسند بھی آیا اور حیرت بھی ہوئی کہ آج تک کسی نے یہ سوال نہیں پوچھا۔خیر سوال یہ تھا کہ مولانا تدریس میں زیادہ مہارت رکھتے ہیں یا سیاست میں؟ تو مولانا عطاء الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ مولانا کی تدریس کے مقابلہ میں ان کی سیاست صفر ہے۔اللہ اللہ کیا صفات جمع فرما رکھی ہیں کہ آج سیاست کے میدان میں مولانا کا کوئی ثانی نہیں۔سیکولر ہوں یا مذہبی ہر ایک انگشت بدنداں ہے۔اگر مولانا تدریس ہی کے میدان میں ہوتے تو وقت کے ابن مبارک اور غزالی ہوتے۔

بڑے بڑے نامی گرامی تلمیذ خاص ہونے کے لئے سند کے حصول میں لائن میں لگے ہوئے ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے جملہ مدرسین کی تدریسی یکسوئی کے لئے مولانا کو سیاست کا میدان مرحمت فرما کر مدارس و مساجد والوں پر ایک بڑا احسان فرمایا ہے۔اب مدارس و مساجد اور خانقاہوں والوں کو خصوصی طور پر مولانا کے لئے نیم شب کو اللہ کے حضور شکریہ کے آنسو بہاتے ہوئے مولانا کے لئے استقامت و برکت اور کامیابی کے لئے دعائیں مانگنے میں حسد اور بخل سے کام نہیں لینا چاہیے۔مولانا نے اپنی تدریس کی قربانی دے کر میدان

سیاست کا انتخاب فرمایا ہے۔اس سفر کی داستان بڑی عجیب ہے پھر کسی موقع پر سناؤں گا۔

6۔خواجہ خواجگانؒ کا سفر رحلت اور قائد جمعیۃ کا نصیب:

محترم مولانا صاحبزادہ سعید احمد فرماتے ہیں:

"آخری بار جب ملتان ہسپتال میں عیادت کے بعد مولانا فضل الرحمٰن نے اجازت چاہی تو حضرت قبلہؒ نے صرف مصافحہ کیا ور کوئی بات نہ فرمائی۔حالانکہ مولانا اس سے پہلے جب بھی جانے کی اجازت لیتے تو حضرت ڈھیر ساری دعائیں فرماتے۔اس باربالکل خاموش رہے۔البتہ مولانا کے باڈی گارڈ قیوم خان کا کہنا ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن مصافحہ کر کے چلنے لگے تو حضرت قبلہؒ نے سر مبارک اوپر کیا اور جب تک مولانا فضل الرحمٰن سامنے چلتے رہے حضرت قبلہ ان کی طرف دیکھتے رہے"۔

(صفحہ ۸۴ لولاک)

7۔مولانا کی سیاست پر خانقاہ سراجیہ کی نظر خاص:

مولانا صاحبزادہ عزیز احمد فرماتے ہیں:

"حضرت قبلہ عمرہ پر تشریف لے گئے میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔حضرت قبلہ جب مواجہہ شریف سے حاضری کے بعد واپس ہوئے تو مسجد نبوی کی صف اول میں حضرت قاری محمد طاہر صاحبؒ پانی پتی ملتانی ثم مہاجر مدنی نے حضرت قبلہ کو دیکھ لیا۔سرو قد کھڑے ہو گئے۔حضرت قبلہ بھی ان کو دیکھ کر رک گئے۔معانقہ اور مصافحہ کے بعد حضرت قاری محمد طاہر صاحبؒ نے بڑے اخلاص کے ساتھ فرمایا کہ حضرت آپ مولانا فضل الرحمٰن کو سمجھائیں وہ کیا کر رہے ہیں؟(یہ ایم

آرڈی کا دور تھا) حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ قاری صاحب آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔البتہ دعا فرمائیں۔قاری صاحب نے فرمایا حضرت دعا(یعنی عجیب بات ہے) حضرت خواجہؒ نے فرمایا ہاں دعا کے لئے ہی تو کہا ہے۔قاری صاحب نے فرمایا حضرت آپ کو اطمینان ہے؟فرمایا! سو فیصد اطمینان ہے۔قاری صاحب نے فرمایا کہ حضرت آپ کی بات سر آنکھوں پر،مان لیتا ہوں لیکن ذمہ داری آپ کی ہو گی۔حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ:"سو فیصد میری ذمہ داری ہے"۔

اس دور میں جنرل محمد ضیاء الحق (مرحوم) کے متعلق پاکستان اور بالخصوص بیرونی دنیا میں بہت (بظاہر) اچھا تاثر تھا کہ وہ اسلام کی خدمت کر رہے ہیں۔اس زمانہ میں ایم آر ڈی میں دینی جماعتوں کی شمولیت باعث تشویش تھی۔مولانا فضل الرحمٰن کی ایم آر ڈی میں شمولیت اور حضرت قبلہ خواجہ صاحبؒ کا اس پر اطمینان آنے والے حالات نے فیصلہ کر دیا کہ ان حضرات کا یہ فیصلہ سو فیصد درست تھا اس لئے کہ ضیاء الحق (مرحوم) نے صرف اپنے اقتدار کی طوالت کے لئے اسلام کا نام استعمال کیا۔

حضرت قاری محمد طاہر رحیمی صاحب مجدد قرات حضرت قاری رحیم بخش صاحب پانی پتیؒ کے مایہ ناز شاگرد اور داماد بھی تھے۔جامعہ قاسم العلوم،ملتان میں شعبہ قرات کے صدر مدرس تھے اس زمانہ میں مولانا فضل الرحمٰن کی ابھی تک داڑھی مونچھ بھی نہیں آئی تھی۔آپ سکول پڑھتے تھے۔تب حضرت قاری طاہرؒ سے قرآن مجید اور تجوید پڑھتے تھے۔

8۔مولانا عبداللہ صاحب بھکر والے فرماتے ہیں:

"جمعیۃ علماء اسلام میں اس اختلاف کے ابتدائی ایام میں مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ مجھ سے ملے اور منشاء ظاہر کی کہ آپ کو اور مجھے مل کر ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ناموس صحابہؓ اور مسلک اہلسنت کے لئے منظم طریقہ سے کام کرے۔اس وقت سپاہ صحابہؓ نہیں بنی تھی۔میں نے

عرض کیا سوچ کر بتاؤں گا۔میں خانقاہ سراجیہ (کندیاں شریف) حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔اپنے علاقہ کے حالات تفصیل سے عرض کیئے اور مولانا حق نوازؒ کی رائے کا بھی ذکر کیا۔حضرتؒ نے مختلف محاذوں پر کام کرنے والی اپنے مسالک کی تمام جماعتوں کا نام لیا اور فرمایا کہ:"عالمی اور ملکی سطح پر ان تمام جماعتوں کا کوئی اثر نہیں۔اگر تھوڑا بہت ہے تو وہ جمعیۃ علماء اسلام کی سیاسی قوت کا ہے اور جماعت بھی یہی رہے گی جس میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب ہیں۔لہٰذا اپنا جو بھی وزن ہو وہ اسی پلڑے میں ڈالنا چاہیے"۔

(لولاک خواجہ نمبر ص ۹۴)

9۔مولانا عبداللہ صاحب فرماتے ہیں:

"حضرت خواجہ خان محمد صاحبؒ ہمیشہ جمعیۃ علماء اسلام کی پالیسی کی مکمل حمایت فرماتے رہے۔ایم آر ڈی کے زمانہ میں ایک دن ٹوبہ ٹیک سنگھ تشریف فرما تھے۔ایک صاحب نے حضرتؒ کے سامنے مولانا فضل الرحمٰن پر تنقید شروع کر دی اور مولانا کے خلاف خاصی طویل گفتگو کی۔حضرتؒ خاموشی سے سنتے رہے جب اس شخص کی بات پوری ہو گئی تو حضرتؒ نے فرمایا کہ:مولانا فضل الرحمٰن جو کچھ کر رہے ہیں ٹھیک کر رہے ہیں میں ان کے ساتھ ہوں۔حضرت کے اس ارشاد سے اس کی ساری تقریر پر پانی پھر گیا"۔

10۔مولانا عبداللہ صاحبؒ مزید فرماتے ہیں:

"حضرت کے خادمِ خاص حکیم سلطان محمود صاحب نے بیان کیا کہ پانچ چھ ماہ کی بات ہے کہ ایک عالمِ دین نے حضرت سے سوال کیا کہ حضرت ہمارے ہاں جمعیۃ علماء اسلام بھی ہے اور مجلس تحفظ ختم نبوت بھی

ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام والے ساتھی مجھے مجبور کرتے ہیں کہ میں جمعیۃ میں کام کروں اور مجلس تحفظ ختم نبوت والے ساتھ کہتے ہیں کہ مجلس ختم نبوت میں کام کروں۔ میرے لئے جناب کا کیا حکم ہے؟ تو حضرتؒ نے فرمایا کہ جمعیۃ علماء اسلام میں کام کرو۔ جمعیۃ علماء اسلام ہو گی تو مجلس تحفظ ختم نبوت ہوگی۔ جمعیۃ ہوگی تو مدارس ہوں گے''۔

(لولاک خواجہ خواجگان نمبر ص ۹۷)

11۔ جناب دین محمد فریدی صاحب فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی وفات کے بعد خان پور میں اجلاس ہوا۔ جمعیۃ علماء اسلام کے متحرک ساتھی مولانا فضل الرحمٰن کو جنرل سیکرٹری بنانا چاہتے تھے۔ مقابلے میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستیؒ سمیت کئی ذمہ دار احباب مولانا سمیع الحق کے حامی تھے۔ اختلاف ہوا اور اس اختلاف کو ایجنسیوں نے بہت زیادہ ہوا دی۔ مولانا فضل الرحمٰن کے خلاف اخبارات میں مہم چلائی گئی۔ مقصد جمعیۃ علماء اسلام کی متحدہ طاقت کے حصے بخرے کرنا تھا۔ الزامات کی بھرمار تھی مگر میرے مرشد نے مولانا فضل الرحمٰن کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا۔ بندہ بھی ان دنوں پروپیگنڈے کا شکار ہوا مگر اپنی رہنمائی حسب دستور مرشد سے چاہی۔ ان کی خدمت میں عریضہ بھیجا۔ اپنے شکوک وشبہات کا اظہار کیا۔ عریضے کا جواب نہیں ملا تو حضرت اقدسؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجلس میں میرے حضرتؒ نے پوچھا خط لکھا تھا؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ اس نوجوان یعنی مولانا فضل الرحمٰن میں بہت صلاحیتیں ہیں۔ حضرت کے اس فقرے نے تمام شکوک وشبہات دور کر دیئے''۔

؎ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔

اب حالات پر نظر کرتا ہوں تو مولانا فضل الرحمٰن حضرت اقدسؒ کی سرپرستی میں بین الاقوامی سیاست دان بن کر ابھرے ہیں۔ایم ایم اے کی تشکیل کے بعد سرحد اور بلوچستان میں پرامن حکومت، مرکز میں بطور اپوزیشن بہترین کردار ادا کر رہے ہیں۔اگر جماعت اسلامی حالیہ الیکشن میں ایم ایم اے کو نہ توڑتی اور اسی طرح متحدہ الیکشن لڑتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ دینی قیادت ملک کی اہم قیادت ہوتی۔جماعت اسلامی ایم ایم اے کو توڑ کر، الیکشن کا بائیکاٹ کر کے اور جنرل الیکشن کو فراڈ کہنے کے بعد اب اسی اسمبلی میں ضمنی الیکشنوں میں حصہ لے کر حافظ سلیمان بٹ جیسے قدآور لیڈر کی ضمانت تک ضبط کروا بیٹھی ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن تو پھر بھی اپنی پوزیشن بچا گئے۔حکومت کے اتحاد میں رہ کر اسلامی کاز پر ڈٹ جاتے ہیں۔اگر یہ مختصر سی قیادت نہ ہوتی تو آج سیکولر حکومت اسمبلی میں امتناع قادیانیت آرڈیننس اور اسلامی دفعات کو آئین سے نکال باہر کرتی اور آئین کو مکمل سیکولر بنادیتی۔یہ مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت اور میرے مرشد کی بصیرت ہے کہ آئین میں اسلامی دفعات کو نہ چھیڑا گیا۔(لولاک خاص نمبر ص ۲۷۴)

12۔مذہبی جماعتوں کا اتحاد اور قبلہ خواجہؒ:

حضرتؒ تصوف کے لئے تو وقف تھے ہی ختم نبوت کی تحریک میں بھی دل و جان سے حصہ لیتے تھے لیکن سیاسی ذوق و لگن ہر عمل پر غالب رہتی تھی۔1984ء کی تحریک ختم نبوت کے لئے مجلس عمل بنائی گئی جس میں اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی اور شیعہ تمام طبقوں کے سرکردہ علماء شامل تھے۔تمام جماعتوں کے خلوص اور محنت سے تحریک کامیاب ہوگئی۔بعد میں آہستہ آہستہ بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ حضرات متحرک نہ رہے۔میں نے (غالباً اللہ وسایا مدظلہ) سے عرض کیا کہ ختم نبوت کا سارا کام تو دیوبندی کرتے ہیں۔آپ شیعوں کو اپنے ساتھ کیوں رکھتے ہیں؟ تو حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ جب تک وہ ہمارے ساتھ شریک تحریک ہوتے ہیں تو کسی دیوبندی، بریلوی اور اہلحدیث کے خلاف عقیدہ کی بات نہیں کرتے۔آپس

میں اختلاف کی آگ نہیں سلگتی۔ کیا یہ کوئی کم فائدہ ہے۔ اسی طرح کوئی مکتبہ فکر ایک دوسرے کے خلاف تقریر نہیں کرتا۔ حضرتؒ کی یہی سوچ متحدہ مجلس عمل کے قیام کا سبب بنی۔ مجھے یاد ہے ایم ایم اے کے وجود سے پہلے والے الیکشن کے دنوں میں حضرت خواجہؒ جامعہ فرقانیہ، راولپنڈی میں عشاء کے بعد آرام فرمارہے تھے کہ لاہور سے کسی عباسی صاحب کا فون آیا وہ بڑے درد سے حضرت کو بتا رہے تھے کہ سترہ سیٹوں پر مولانا فضل الرحمٰن اور مولانا سمیع الحق کے نمائندے ایک دوسرے کے مقابلے میں کھڑے ہیں جس کا لازمی طور پر فائدہ تیسری جماعت کو ہوگا۔ عباسی صاحب اصرار کر رہے تھے کہ حضرتؒ خانقاہ سراجیہ تشریف لے جانے کے بجائے سیدھا لاہور آئیں اور سیٹوں کی ایڈجسٹمنٹ کریں۔ اس الیکشن میں تو خواہش پوری نہ ہوسکی مگر زمانے نے دیکھا کہ حضرت کی محنت سے ایم ایم اے کو وجود ملا۔ اسمبلیوں اور سینیٹ میں ستر کے لگ بھگ نشستیں ایم ایم اے کو ملیں اور سب سے بڑا یہ فائدہ ہوا کہ اس باہمی اتحاد کے دور میں کہیں شیعہ سنی قتل تو درکنار فساد بھی نہیں ہوا۔ (مولانا اللہ وسایا لولاک خاص نمبر ص ۳۱۰)

13۔ حضرت خواجہؒ اور جمعیۃ علماء اسلام:

پاکستانی سیاست میں سیکولر اور بے دین عناصر کا مقابلہ کرنے والے اکابرین کی سیاسی جماعت جمعیۃ علماء اسلام کے آپ رکن رکین تھے۔ جمعیۃ کی ہمیشہ سرپرستی کی۔ آپؒ کی طرف سے سیاست میں نمائندگی حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور مفتی محمودؒ کرتے رہے اور ان کے بعد حضرت مفتی محمودؒ کے فرزند ارجمند میدان سیاست کے شاہ سوار مولانا فضل الرحمٰن ان حضرات کی طرف سے نمائندگی کرتے رہے اور کر رہے ہیں۔ (مولانا فیض محمد صاحب، کراچی۔ لولاک خاص نمبر ص ۳۷۸)

14۔ مفتی محمودؒ نے کہا میرے فضل الرحمٰن کا خیال رکھنا:

حضرت خواجہ صاحبؒ جمعیۃ علماء اسلام کے سرپرست اعلیٰ تھے۔ مولانا مفتی محمودؒ کے ساتھ آپؒ کے انتہائی قریبی تعلقات تھے۔ مولانا مفتی محمودؒ نے ایک مرتبہ حضرت خواجہ خان محمدؒ

سے کہا کہ زندگی اور موت کا کوئی علم نہیں لیکن میرے بعد فضل الرحمٰن (موجودہ قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن) کا خیال رکھنا اور پھر دنیا نے دیکھا کہ مولانا مفتی محمودؒ کے انتقال کے بعد حضرت خواجہ خان محمد صاحبؒ کی محنت اور دعاؤں سے مولانا فضل الرحمٰن اپنوں اور بے گانوں کی مخالفت اور رکاوٹوں کے باوجود ترقی کی سیڑھیوں پر چڑھتے ہی چلے گئے۔ حضرت خواجہ خان محمد صاحبؒ نے مولانا مفتی محمودؒ سے کیا ہوا وعدہ نبھانے کا حق ادا کر دیا۔ (میں یہ کہنے کا حق رکھتا ہوں کہ ایک صاحب بصیرت قائد ملت اسلامیہ اور امت کا درد رکھنے والے والد ماجد نے صاحب بصیرت اور علم و تدبر سے لبریز بیٹے کو ایک صاحب بصیرت اور علم و معرفت کے بحر بے کنار مربی کے ہاتھوں میں دے کر امت مسلمہ کے لئے ایک رہنما اور قائد کا انتخاب کر کے حق خیر خواہی ادا کر دیا۔ راقم الحروف شجاع الدین۔) (جناب ابوسعید صاحب، لولاک خاص نمبر ۳۹۸)

15۔ حضرت خواجہ خان محمد صاحبؒ کی وفات کے بعد قائد جمعیۃ نے کہا میں آج یتیم ہو گیا ہوں:

محترم جناب حافظ محمد طیب صاحب پسروری۔ خواجہ خوجگان لولاک نمبر ص ۴۳۳ پر رقم طراز ہیں۔ ختم نبوت کے میدان میں تو آپؒ کی خدمات یاد رکھی جائیں گی۔ حضرت والا کی ساری زندگی دعوت تبلیغ، تزکیہ نفس واحسان اور تمام دینی تحریکوں کی سرپرستی میں گزری۔ بالخصوص جمعیۃ علماء اسلام، پاکستان کے یوم تاسیس (۸ اکتوبر ۱۹۵۶ء سے لے کر تا وصال ۵ مئی ۲۰۱۰ء تک وابستگی، سرپرستی د تائید اکابرین و قائد جمعیۃ کے لئے بہت بڑا سرمایہ ہے۔ حضرت کے اسی احسان کے پیش نظر قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم نے اپنائیت کا ثبوت دیتے ہوئے مسلسل تین دن ۶، ۷، ۸ مئی ۲۰۱۰ء خانقاہ شریف میں گزارے اور اپنے دست مبارک سے حضرت خواجہؒ صاحب کے جانشین صاحبزادہ حضرت خلیل احمد صاحب مدظلہ کی دستار بندی فرمائی۔ قائد جمعیۃ نے تعزیتی کلمات ارشاد فرماتے ہوئے کہا کہ میں آج یتیم ہو گیا ہوں اور یہی احساس دینی طبقہ بالخصوص جمعیۃ علماء اسلام سے وابستگان کا ہے۔

16۔مولانا عبدالرحیم صاحب مدرس خانقاہ سراجیہ شریف فرماتے ہیں:

’’حضرت والاؒ مجلس میں سوالات کے جوابات بھی دیتے تھے۔ایک مرتبہ کسی نے سوال کیا کہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن اسمبلی سے استعفیٰ کیوں نہیں دیتے جبکہ باقی جماعتوں کے لوگ استعفیٰ پیش کر رہے ہیں"۔جواب میں فرمایا کہ:"تیرا کیا خیال ہے کہ اسمبلی میں کوئی مولوی نہ رہے اور لوگ اپنی من مانیاں کریں‘‘۔

(یعنی مشرف دور میں جمعیۃ کے استعفیٰ نہ دینے کا حکم حضرت خواجہ خواجگانؒ کا تھا۔راقم اثم۔)

ایک مرتبہ کسی نے سوال کیا۔حضرت جمعیۃ کے بارے میں آپ کا کیا موقف ہے؟ فرمایا:"میں خود جمعیۃ کا سرپرست ہوں"۔(لولاک خواجہ خواجگان نمبر ص ۴۸۰)

17۔اس خوشی میں آپ کو مجھ پر صدقہ کرنا چاہیے:

مولانا توصیف احمد صاحب فرماتے ہیں کہ:’’حضرتؒ مرجع خلائق تھے جو بزرگ بھی میانوالی آتے تو حضرتؒ کی زیارت ضرور کر کے جاتے۔ایک مرتبہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور مولانا عبدالغفور حیدری صاحب تشریف لائے۔حضرت کی زیارت کے لئے کمرہ میں گئے۔بندہ بھی ساتھ تھا۔مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے خیریت پوچھی۔اس کے بعد پوچھا کہ حضرتؒ کیا آپ نے اس مرتبہ رمضان المبارک کے پورے روزے رکھے؟ حضرت خواجہ خان صاحبؒ نے جواب دیا جی ہاں۔مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے بطور مذاق حضرت سے عرض کیا اس خوشی میں تو آپ کو مجھ پر کچھ صدقہ کرنا چاہیے۔اس بات پر حضرت خواجہؒ بہت مسکرائے‘‘۔

(لولاک خواجہ خواجگان ۵۳۸)

18۔سفینہ نوح کو طوفان سے نکال کر امت کے لئے سنہری کارنامہ سرانجام دیا:

جہاں آپ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر تھے وہاں جمعیۃ علماء اسلام کے سرپرست اعلیٰ بھی تھے۔ملک کے سیاسی حالات پر گہری نظر کے ساتھ ساتھ بصیرت سے بھرپور رائے بھی رکھتے تھے۔حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی وفات کے بعد جمعیۃ علماء اسلام جب بہت بڑے بحران سے دوچار ہوئی تو ملک بھر کی تمام بڑی خانقاہوں کے بزرگوں نے جماعت کو اس بحران سے نکالنے کے لئے یک جان ہوکر جماعت کی سرپرستی کرتے ہوئے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ کی دستگیری کی اور ہر دشوارگزار موقع پر ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتے رہے اور پرزور دفاع بھی۔ان بزرگوں میں سب سے بڑھ کر دو شخصیتوں ۔والد ماجد شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا سید حامد میاں صاحبؒ امیر جمعیۃ علماء اسلام اور شیخ المشائخ خواجہ خواجگان حضرت اقدس مولانا خان محمد صاحبؒ نے اس سفینہ نوح کو طوفان سے نکال کر پوری امت کے لئے ایسا سنہری کارنامہ سرانجام دیا جو رہتی دنیا تک یادرکھا جائے گا۔

(اداریہ ماہنامہ انوار مدینہ،لاہور جون ۲۰۱۰ء)

19۔آپ کی سیاست کا محور سراسر دین اور مذہب تھا:

(ماہنامہ الحسن ،لاہور جون ۲۰۱۰ء)

حضرت خواجہ صاحبؒ کی خانقاہی اور سیاسی خدمات بھی اپنے ذیل میں ایک طویل و عریض سلسلہ رکھتی ہیں۔بلاشبہ آپؒ سے روحانی اور اصلاحی مستفیدین کی تعداد اندرون اور بیرون ملک لاکھوں میں ہے جن میں اکابر علماء کرام اور شیوخ بھی شامل ہیں۔اسی طرح سیاسی میدان میں بھی آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔آپؒ کی سیاست کا محور سراسر دینی اور مذہبی تھا۔آپؒ ملک میں قرآن وحدیث کی بالادستی اور ان کے احکامات کی تنفیذ چاہتے تھے یہی وجہ تھی کہ ان کی سیاسی وابستگی اس جمعیۃ علماء اسلام سے رہی جس کی بنیاد شیخ الاسلام

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے رکھی تھی اور جس کا بنیادی اور اساسی مقصد اس مملکت خداداد میں اسلامی حکومت کا قیام تھا۔ پاکستان بن جانے کے بعد اس جمعیۃ علماء اسلام کی سرپرستی جن حضرات کے حصہ میں آئی ان میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ خلیفہ اجل حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ، امام الاولیاء حضرت احمد علی لاہوریؒ، مفتی اعظم مفتی محمودؒ، حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور حضرت مولانا عبدالحقؒ اکوڑہ خٹک شامل ہیں۔

حضرت مفتی محمود صاحبؒ کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت مولانا فضل الرحمٰن اس کے ایک حصہ یا گروپ کے ناظم اعلیٰ ہیں جبکہ دوسرے گروپ کے سرپرست (امیر) مولانا سمیع الحق دامت برکاتہم ہیں۔ حضرت خواجہ صاحبؒ مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ کے ساتھ رہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس جمعیۃ کے ساتھ کام کرنے کی بخششیں جس کے امراء مذکورہ بالا سلاطین رہے ہیں۔ آمین ثم آمین! (راقم شجاع الدین)

مذکورہ بالا حقائق و اقائق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جمعیۃ علماء اسلام کا امیر کوئی معمولی آدمی نہیں ہوتا بلکہ وقت کا ایک ذمہ دار، صاحب تصوف و صاحب تقویٰ، علم و عمل کا مجموعہ، صاحب بصیرت، تدبر و تفکر کا پیکر، اپنوں کے لئے ابریشم اور باطل کے لئے سیفِ بے نیام ہوتا ہے۔ اگر صاحب بصیرت و عقل سلیم رکھنے والا کوئی بھی غور کرے گا تو قائد جمعیۃ میں سابقہ تمام اکابرین کی جھلک ہر لائن سے نظر آئے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین ثم آمین!

☆......☆......☆

قائد جمعیۃ ایک بین الاقوامی لیڈر

ڈاکٹر اے جی انصاری حفظہ اللہ، جنکب آباد
صوبائی رہنماء جمعیۃ علماء اسلام، سندھ

حضرت آدمؑ کی پیدائش کے ساتھ ہی حق و باطل میں معرکہ آرائی شروع ہوگئی، جب شیطان نے احکام خداوندی سے انکار کرتے ہوئے حضرت آدمؑ کو سجدہ نہ کیا تو اسی دن سے دو جماعتوں کا قیام عمل میں آگیا۔ایک حزب اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی جماعت اور دوسری حزب الشیطان یعنی شیطان کی جماعت، دونوں کو ایک مشن دیا گیا کہ وہ اپنی جماعت کی سرپرستی کرتے ہوئے سیدھا راستہ اور برائی کا راستہ اختیار کرنے والوں کی جماعت تیار کرکے اللہ جل شانہ کی رضا یا اللہ جل شانہ کی ناراضگی حاصل کریں۔یہ ایک عجیب بات ہے کہ شیطان کو اپنی جماعت تیار کرنے کے لئے کھلی چھٹی دی گئی اور کئی برس حضرت آدمؑ سے پہلے زمین پر اترا اور اپنے پنجے گاڑنے کا موقع باطل کو پہلے دیا گیا جبکہ اس کے مقابلہ میں حق کو کئی سال بعد زمین پر اتارا گیا۔شیطان کو بے پناہ طاقت اور وسائل استعمال کرنے کی اجازت دی گئی جبکہ انسان کو ایک کمزور حیثیت میں پیدا کیا گیا کیونکہ شیطان کو اپنے مشن کی تکمیل کے لئے نہ کھانے پینے کی، نہ کسی روزگار کی، نہ شہوت کی ضرورت، نہ رہائش اور نہ اولاد اور مال کی مجبوری جبکہ انسان کو ان سب چیزوں کا محتاج اور ضرورت مند بنا کر بھیجا گیا مگر تاریخ شاہد ہے کہ انسان نے ان تمام کمزوریوں کے باوجود اپنے طاقتور حریف سے وہ مقابلہ کیا ہے کہ فرشتے بھی حیران رہ گئے۔حضرت آدمؑ سے لے کر اللہ جل شانہ کے آخری رسول ﷺ تک حق و باطل کی یہ لڑائی چلتی رہی مگر ہر دفعہ اعلیٰ اور افضل انسان ہی ٹھہرا۔حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالنے کا واقعہ ہو یا حضرت اسماعیلؑ کو اللہ کی راہ میں ذبح کرنے کا واقعہ، حضرت ایوبؑ کا

صبر ہو یا حضرت زکریاؑ کا تیز دھار آلے سے کٹنا اور حضرت محمد ﷺ کا دین کے لئے بے پناہ تکلیفیں سہنا یہ تمام واقعات انسانی عظمت کے مینا رہیں۔مطلب یہ کہ اللہ جل شانہ کی جماعت ہمیشہ بازی لے گئی، یہ بھی قابلِ ذکر امر ہے کہ حق کے مقابلہ میں باطل ہمیشہ طاقتور ہو کر سامنے آیا مگر آخر فتح حق کی ہوئی ہے۔وقتی طور پر کبھی کبھی حق کمزور ضرور ہوا ہے مگر یہ ختم کبھی نہیں ہوا بلکہ حق اور باطل کی یہ جنگ تا قیامت جاری رہے گی۔یعنی خیر و شر کی قوتیں ابتداء سے ہی چلی آرہی ہیں۔خیر کی قوتوں کی بھی جماعت ہوتی ہے اور شر کی قوتوں کی بھی جماعتیں ہوتی ہیں۔خیر کی قوتوں کی جماعت کے امراء اور قائدین کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت محمد ﷺ کی تائید کے لئے کیا ہے کہ خیر کی قوت کے سب سے پہلے سربراہ حضرت آدمؑ تھے وہ امیر بھی تھے اور پیغمبر بھی، حق کی طرف بلانے والے بھی تھے اور باطل کا قلع قمع کرنے والے بھی تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کا پورا واقعہ حضرت محمد ﷺ کو قرآن مجید میں سمجھایا۔اسی طرح حضرت نوحؑ بھی حق کی قوتوں کے امیر تھے، اسی طرح حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور آخر میں جناب محمد ﷺ ہیں۔زمانے اور حالات کے مطابق ان کی رہنمائی اور تربیت اللہ تعالیٰ خود فرمایا کرتے تھے ایک دستور نازل ہوتا تھا، جسے کتاب اللہ، صحیفہ یا آسمانی کتاب سے تعبیر کیا جاتا تھا۔اس کتاب کو سامنے رکھ کر حق کی قوت کا سربراہ جماعت تشکیل دیتا تھا اور وہی جماعت حق کے لئے لڑتی تھی۔دنیا میں حق پھیلاتی اور باطل کو ختم کیا کرتی تھی۔اس کے مدِ مقابل ہمیشہ کے لئے باطل قوتیں منظم ہوتی ہیں اور ان کا ایجنڈا ایک ہوتا ہے۔وہ آپس میں پیار محبت نہیں رکھتے، کوئی کتاب نہیں ان کے پاس، نظم اور دستور نہیں ہوتا لیکن وہ ایک بات پر متفق ہوتے ہیں کہ حق کی قوتوں کو ختم کرنا ہے۔مختلف دور میں مختلف لوگ آئے فرعون، شداد، نمرود، ابوجہل اور غلام احمد قادیانی وغیرہ اور اس دور میں حق جس قافلہ سے تعلق رکھتا ہے قرآن وسنت کی روشنی میں تاریخی حقائق کو سامنے رکھ کر ہم اس بات کو کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ہمارا یہ قافلہ جمعیۃ علماء اسلام ہی حق ہے۔اس قافلہ کا کام دنیا میں اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور اسکی جدوجہد کا مقصد اللہ جل

شانہ کو راضی کرنا ہے جو روزِ ازل سے اللہ جل شانہ کی جماعت کا مقصد تھا۔حق کی جماعت تا قیامت باطل سے ٹکراتی رہے گی۔اس جماعت کے بارے میں حضرت محمد ﷺ نے جو نشانیاں بتائی ہیں وہ سب جمعیۃ علماء سلام میں نظر آتی ہیں۔ہزاروں لاکھوں جید علماء کرام،مفتیان عظام ،بزرگانِ دین اور آئمہ کرام اس جماعت سے وابستہ رہے جنہوں نے دین کی سربلندی کے لئے اپنی جان و مال اور اولاد کو قربان کر ڈالا اور یہی اس جماعت کی حقانیت کا کھلا ثبوت ہے کہ آج بھی سینکڑوں ہزاروں مدارس میں قال اللہ اور قال الرسول کا سبق یہ علماء کرام سرانجام دے رہے ہیں ۔برصغیر پاک وہند میں انگریز سامراج کا مقابلہ کرکے انہیں اس خطہ سے نکال باہر کرنے کا سہرا بھی ان علماء کرام کو جاتا ہے۔شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ،شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ،مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ،مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ،مولانا ابو الکلام آزادؒ،مولانا انور شاہ کاشمیریؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ،مولانا مفتی محمودؒ،مولانا حماد اللہ ہالیجویؒ،مولانا غلام غوث ہزارویؒ،مولانا تاج محمود امروٹیؒ ، مولانا عبداللہ درخواستیؒ، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، مولانا محمد شاہ امروٹی ؒ،حضرت مولانا عبدالکریمؒ بیر شریف اور دیگر ہزاروں علماء کرام نے جمعیۃ علماء اسلام سے بالواسطہ یا بلاواسطہ وابستہ رہ کر باطل کی سازشوں کو ناکام بنا کر اسلام کو سربلند کیا۔یہ عظیم صالح قیادت تھی جن کی تہجد کی نماز بھی قضا نہ ہوتی ہوگی اور اب اس قافلہ حق کی امارت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے سپرد ہے۔جماعتیں ہمیشہ دلیرانہ قیادت میں اپنا سفر جاری رکھ کر اہم مقام تک پہنچتی ہیں اور اس بے باک مردِ حق نے سیاست ،قیادت، امانت اور دیانت کا وہ حق ادا کیا کہ بڑے بڑے علماء کرام اور مفتیان انگشت بدنداں ہیں۔مولانا فضل الرحمٰن صاحب جید عالم، ماہر قاری اور مدبر سیاستدان ہیں جن کو عربی اور فارسی پر عبور ہے،انگریزی بھی جانتے ہیں۔مولانا فضل الرحمٰن ایک بین الاقوامی لیڈر ہیں۔مسلم دنیا کے سربراہان اور رہنماؤں سے ان کے اچھے تعلقات ہیں ۔دراصل مولانا فضل الرحمٰن اتحاد بین المسلمین کے داعی ہیں جس نے حقیقی دشمن سامراج کا سامنا کیا ہے اور سامراجی سازشوں کی بروقت

نشانہ ہی کر کے مظلوم امتِ مسلمہ کو بیدار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سامراج ان کی جماعت اور ذات کا بڑا دشمن ہے۔انہوں نے پارلیمنٹ اور دنیا کے کونے کونے میں باطل قوتوں کو للکارا ہے۔اس سالارِ حق نے اپنی بات منوانے کے لئے بات چیت اور مذاکرات کا راستہ اختیار کر کے وہ کامیابیاں حاصل کی ہیں جن کی مثال ملنا مشکل ہے۔انہوں نے اپنی بصیرت سے کئی مرتبہ دینی اتحاد بنا کر مغرب کو یہ باور کروایا کہ دینی جماعتیں متحد ہو کر سامراجی قوتوں کو شکست دے سکتی ہیں اور پھر باطل قوتیں اس اتحاد کو توڑنے کے لئے سر جوڑ کر بیٹھ گئیں۔متحدہ مجلسِ عمل اور ملی یکجہتی کونسل جیسے مشہور اتحاد امریکہ اور یورپ کی نیندیں حرام کرنے کے لئے کافی تھے۔یہی وجہ ہے کہ اس جماعت اور مولانا فضل الرحمٰن کے بارے میں حضرات علماء کرام کے فرمودات انتہائی اہم ہیں۔مولانا عبدالکریم قریشیؒ (بیر شریف) جمعیۃ کی رکنیت کو اپنے لئے ایک اعزاز سمجھتے تھے۔مولانا محمد شاہ امروٹیؒ، تادمِ مرگ جمعیۃ کے عہدیدار رہے۔مولانا عبداللہ درخواستیؒ اپنے آخری دور میں اپنے گروپ کو ختم کر کے مولانا فضل الرحمٰن کی سرپرستی فرماتے ہوئے اس قافلۂ حق کے سائے تلے واصل بحق ہوئے۔مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ اور مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ نے اس جماعت کے منشور پر چلتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔

آخر میں جید علماء کرام کے حضرت مولانا فضل الرحمٰن کے بارے میں چند فرمودات کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک فرماتے ہیں کہ:

”مولانا فضل الرحمٰن اگرچہ میرا شاگرد ہے لیکن سیاست میں وہ میرا امام ہے“۔

۲۔ ہم دارالعلوم دیوبند کانفرنس، پشاور کا وہ حسین منظر کبھی بھول نہیں سکتے جب یادگارِ اسلاف امیر الہند حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ نے لاکھوں عوام،علماء،مفتیان اور عالمی

میڈیا کی موجودگی میں قائدِ جمعیۃ حضرت مولانا فضل الرحمٰن کو تنظیم التنسیق الاسلامی العالمی کا چیئرمین مقرر کرکے ان کی دستار بندی کرکے انکے رخسار کو بوسہ دے کر فرمایا!

"آپ نے پوری دنیا میں دیوبند کا سر بلند کردیا ہے۔ آج کے بعد آپ پوری دنیا میں ہمارے مجاز نمائندے ہیں"۔

اسی موقع کے لئے ہی شاید فارسی کا یہ شعر بہت خوب ہے کہ:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۳۔ حضرت مفتی زرولی خان مدظلہ نے قائد جمعیۃ کی عظمت کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے:

"مولانا نے دیوبند کا نام روشن کردیا ہے"۔

۴۔ جید عالم دین مولانا غلام قادر ٹھیڑی والے فرماتے ہیں:

"قائد جمعیۃ میرے سائیں (آقا وسردار) ہیں اور انتہائی قابلِ قدر ہستی ہیں"۔

۵۔ امام العصر حضرت مولانا عبدالکریمؒ (بیر شریف) نے حضرت مولانا فضل الرحمٰن کے عزت واحترام، سیاسی کمال اور علمی مہارت کا قد کچھ اس طرح کہتے ہوئے بڑھایا ہے:

"قائد جمعیۃ فضل کا درخت ہیں"۔

۶۔ مفتی کامل حضرت مولانا زرولی نے قائد جمعیۃ کی شان کا انداز اس جملہ میں اس طرح بند کیا ہے:

"مولانا فضل الرحمٰن کفار کے مقابلہ میں عالمِ اسلام کے سپہ سالار ہیں"۔

یہ الفاظ حضرت مولانا کی مجاہدانہ زندگی کی طرف ایک کھلا اشارہ ہے۔

۷۔ علماء کرام کی شاداب سرزمین پنجاب کے ایک مفتی حضرت مولانا محمد حسن

صاحب قائد جمعیۃ کو علماء کرام کا تاج کہہ کر انہیں فقط ایک شخصیت ہی نہیں بلکہ علماء کرام کی کشتی کا ناخدا قرار دیتے ہیں۔

۸۔ اپنی خوبصورت آواز اور اسلام کا حقیقی روپ ظاہر کر کے دنیا کو حیران کر دینے والے بزرگ عالمِ دین جن کو دنیا میں اسلام کا سفیر بن کر تبلیغ کا شرف حاصل ہے جنہیں دنیا کی کئی زبانوں پر عبور حاصل ہے جن کو عالمِ اسلام مولانا عبدالمجید ندیم شاہ صاحب کے نام سے جانتا ہے وہ حضرتِ قائد کو نذرانہِ عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مولانا فضل الرحمٰن اس امت کا عظیم سرمایہ ہیں''۔

گویا انہوں نے امت کی قیادت اور امارت کی سند انہیں دے دی۔ جزاک اللہ!

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس عظیم جماعت کی حفاظت کرے اور باطل کے لئے سیف بے نیام حضرت مولانا فضل الرحمٰن کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین!

☆......☆......☆

قائد جمعیۃ کے متعلق سچا خواب

مولانا محمد ایوب سومرو حفظہ اللہ،

جنرل سیکرٹری جمعیۃ علماء اسلام و مدرس جامعہ عربیہ حدیقۃ العلوم، محراب پور نوشہرو فیروز۔

خواب دیکھنے والے کا مختصر تعارف:

سیدی و مولائی حضرت مولانا عبدالحیؒ الحسینی میرے استاد ہیں جو کہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہیں۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے انہوں نے حدیث پڑھی جو کہ دارالھدیٰ ٹھیڑی ضلع خیر پور میں استاد حدیث رہے اور بعد میں شیخ الحدیث رہے۔ جامعہ اشرفیہ والس روڈ سکھر میں تدریس کے وقت بندہ بھی جامعہ اشرفیہ میں زیر تعلیم تھا۔ درجہ رابعہ کے اسباق تھے 1993ء کی بات ہے ہمارا شرح وقایہ کا سبق سائیں عبدالحیؒ کے پاس تھا۔ حضرت کی خدمت کمرہ کی صفائی اور چائے وغیرہ کا اہتمام بندہ کے نصیب میں ہوتا اور بندہ سعادت سمجھ کر خدمت کرتا۔ چنانچہ حضرت کی بندہ کے ساتھ خاص شفقت ہوگئی اسی شفقت کی وجہ سے حضرت کو میں نے اپنے گاؤں اللہ بخش سومرو میں وعظ کرنے کی دعوت دی تو حضرت نے دو دفعہ قبول فرمائی اور ایسا وعظ فرمایا کہ تقریباً سارا مجمع رونے لگا اور بہت سے لوگ حضرت کے بیان سے متاثر ہوئے۔

خواب:

سبق کے دوران حضرت نے فرمایا کہ میں نے خواب میں ۳۲ دفعہ حضورﷺ کی زیارت کی ہے۔ ان خوابوں میں سے ایک خواب یہ دیکھا ہے کہ حضورﷺ نظر آرہے ہیں اور ان کے ساتھ حضرت مولانا فضل الرحمٰن (قائد جمعیۃ) بھی نظر آئے۔ آپ نے فرمایا کہ عبدالحی جمعیۃ

علماء اسلام اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن کو نہیں چھوڑنا۔ صبح ہوئی تو میں نے پیپلز پارٹی کو تین طلاقیں دے دیں (حضرت کا تعلق پہلے پیپلز پارٹی سے تھا) پھر حضرت نے ہمیں بتایا کہ اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو میں قرآن سر پر رکھ کر یہ خواب تمہیں بتاؤں!

بندہ عاجز کا فہم:

اس خواب میں شاید اشارہ ہو کہ جمعیۃ میں بعد دوسرے گروپ بن جائیں گے لیکن آپ نے اس گروپ کے ساتھ رہنا ہے جس کی قیادت مولانا فضل الرحمٰن کر رہے ہوں اور یہی گروپ باقی رہے گا باقی رفتہ رفتہ ختم ہو جائیں گے یا کمزور ہو جائیں گے۔

مشاہدہ دور حاضر:

واقعی جتنے بھی گروپ الگ ہوئے ہیں یا تو ختم ہو گئے ہیں یا کمزور ہو گئے ہیں اور الحمد للہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ جس کے ساتھ ہیں ان کو کافی ترقی نصیب ہوئی ہے اور ہو رہی ہے۔ اگرچہ دوسرے احباب نقصان دینے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جسے رب رکھے اسے کون چکھے۔ اللہ تعالیٰ قائد جمعیۃ کی حفاظت فرمائے اور امت کے اتحاد اور خصوصاً اسلامی نظام کے نفاذ کے ذریعہ کے طور پر قبول فرمائے اور اسلامی نظام کی برکات دیکھ کر ہم اور ہماری نسلیں خوش ہو جائیں۔ آمین ثم آمین!

یہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے اخلاص وتقویٰ اور حقانیت کی دلیل ہے کہ انہیں بڑے بڑے علماء کی تائید حاصل ہے اور ہزاروں علماء ان کے ساتھ صف میں شانہ بشانہ کام میں مصروف ہیں۔

☆......☆......☆

جمعیۃ آئین کی اسلامی دفعات کی محافظ

مولانا حسین احمد مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ عثمانیہ، پشاور

جمعیۃ علماء اسلام اہل حق کی نمائندہ جماعت ہے اور جمعیۃ علماء ہند (جو ہمارے اکابر کی آزادی پاکستان سے پہلے کی تنظیم تھی) پاکستان میں اس فکر کی نمائندہ اور ترجمان جماعت میرے نزدیک صرف جمعیۃ علماء اسلام، پاکستان ہی ہے۔ اب اہل حق علماء اور ان کے ادارے اور مدارس جمعیۃ علماء اسلام ہی کو سیاسی میدان میں اپنی جماعت سمجھتے ہیں اور جمعیۃ علماء اسلام کی قیادت میں سارے اہل حق گویا متفق ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی عالم سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لے سکتا ہے یا نہیں لیکن اس سے انکار نہیں کہ جمعیۃ علماء اسلام ہی اس سرزمین میں اسلامی نظام کے لئے کوششیں کرنے والی جماعت ہے۔ یہ جماعت اگرچہ پاکستان میں برسر اقتدار نہیں آسکی لیکن اس کے باوجود اس ملک کے اساسی نظریہ کی حفاظت درحقیقت آج تک اسی جماعت نے کی۔ قومی اسمبلی میں جمعیۃ علماء اسلام کے اراکین کبھی کم اور کبھی زیادہ رہے ہیں لیکن اگر ان کی تعداد گنتی کے اعتبار سے کم بھی رہی ہے تو وہ اپنے جذبہ ایمانی اور نظریے کی صداقت کے ساتھ مخلص ہونے کی بدولت پوری اسمبلی پر بھاری ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ وہ جماعت ہے جس نے پاکستان کے آئین کو اسلامی نظریہ حکومت کے قریب تر بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور آج یہی جماعت آئین میں موجود اسلامی دفعات کی محافظ اور چوکیدار ہے۔ اگر علماء کی یہ جماعت اسمبلی میں نہ ہوتی تو پاکستان نہ معلوم کب کا سیکولر (لادین) ریاست بن چکا ہوتا اور اس ملک کے اندر نہ معلوم اور کیا کیا خرافات در آئی

ہوتیں۔اس لئے علماء حق کا اعتماد سیاسی میدان میں جمعیۃ علماء اسلام پر ہے جس کی قیادت مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم جیسی بابصیرت شخصیت کے ہاتھ میں ہے۔ان کی قیادت میں اس جماعت میں بڑے بڑے راہبران طریقت جمع ہیں۔تمام مذہب سے محبت رکھنے والے حضرات سے گزارش ہے کہ جمعیۃ علماء اسلام کے پیغام کو عام کرنے اور جمعیۃ علماء اسلام کی طاقت کو مضبوط کرنے کے لئے محنت وکوشش کریں۔کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس عمل سے راضی ہو جائے۔

☆......☆......☆

مشن اسلاف کے ترجمان

عبدالجلیل جان ایڈووکیٹ،
سیکرٹری اطلاعات جمعیۃ علماء اسلام، خیبر پختونخواہ

قائد جمعیۃ علماء اسلام مولانا فضل الرحمٰن دنیائے سیاست کے وہ شہسوار ہیں جنہوں نے اپنے اسلاف کے مشن کی حقیقی ترجمانی کا حق ادا کرکے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے افکار اور نظریات کو زندہ وتابندہ کیا ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ڈیرہ اسماعیل خان میں پیدا ہونے والی یہ عالمی شخصیت آج پوری دنیا کو آنکھیں دکھا کر مظلوم اور پسے ہوئے طبقات کی حقیقی نمائندگی کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہے۔ افغانستان ہو یا عراق، لیبیا ہو یا فلسطین۔ استعمار کے خلاف جدوجہد کرنے والوں کے شانہ بشانہ شیخ الہندؒ کے جانشین مولانا فضل الرحمٰن پاکستان کے نہ صرف مذہبی طبقات کی نمائندگی کررہے ہیں بلکہ مختلف شعبہ ہائے زندگی کے حقوق کیلئے جدوجہد کرتے ہوئے ان کے دلوں کی دھڑکن بن چکے ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں مدارس، مساجد اور لاکھوں علماء کی سرپرستی کرنے والے قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن ملکی حالات پر گہری نظر رکھتے ہوئے اغیار کی سازشوں کا مردانہ وار مقابلہ کررہے ہیں۔ 2008ء کے انتخابات میں تن تنہا حصہ لیکر پارلیمنٹ کے ایوانوں میں پہنچ کر آئین کی اسلامی دفعات کا دفاع کیا اور سیکولر قوتوں کے عزائم خاک میں ملادیئے۔ مولانا فضل الرحمان صاحب 2008ء میں تنہا چھوڑنے والوں کو ایک دفعہ پھر ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنے کیلئے کوشاں ہیں۔ متحدہ مجلس عمل کے پلیٹ فارم کو بحال کرنے کیلئے مولانا فضل الرحمان کی سنجیدہ کوشش ان شاء اللہ بارآور ثابت ہوگی اور دشمنان اسلام ودشمنان پاکستان کے عزائم خاک میں مل جائینگے۔

قائد جمعیۃ
ایک ناقابل تسخیر رہنماء

مولانا احسان اللہ دامت برکاتہم
شیخ الحدیث ومہتمم مدرسہ احسانیہ نصیر آباد بلوچستان

میرے خیال میں میدان سیاست میں اس وقت مولانا فضل الرحمٰن کے مقابلے کا کوئی راہنماء نہیں اور مستقبل میں بھی کوئی ایسی امید نظر نہیں آتی۔ سیاست میں ان کا کردار سب سے بہترین ہے۔ وہ میدان سیاست میں ہمارے امام ہیں وہ اس میدان میں جو بھی کام کر رہے ہیں درست کر رہے ہیں۔ ہم ان کی بھرپور تائید کرتے ہیں۔ ہمارا تعلق پہلے بھی جمعیۃ سے تھا اور اب بھی ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن پر ہمیں اعتماد ہے وہ جو بھی حکم کریں گے ہم ان کے شانہ بشانہ چلنے کو تیار ہیں۔

☆......☆......☆

قائد جمعیۃ ایک عبقری شخصیت

مولانا محمد عطاء الحق قلبی حفظہ اللہ
مہتمم مدرسہ عربیہ اسلامیہ و استاذ دارالعلوم نورالاسلام، اٹک

محترم و مکرم جناب قاضی شمس الدین شمسی صاحب بعد از سلام تسلیم و تکریم گزارش ہے کہ یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ زعیم و حکیم قائد جمعیۃ حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ کی عبقری شخصیت و کردار کے حوالہ سے اکابرین امت کے تاثرات جمع کر کے کتاب شائع کرنا چاہتے ہیں۔ بندہ آپ کے اس اقدام کو وقت کی اہم ضرورت سمجھتا ہے کیونکہ ہمارے ہاں عام رجحان یہ ہی ہے اور غالباً بعض سابقہ ادوار میں بھی ایسے ہوتا رہا ہے جیسا کہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ:

مرجائے انسان تو بڑھ جاتی ہے قیمت
زندہ رہے تو جینے کی سزا دیتی ہے دنیا

بالخصوص بڑی شخصیت کو تو یہ معاملہ اسلئے درپیش رہتا ہے کہ عام طبائع ان کی درازنفسی بلند قامتی بلند ہمتی اور دور بینی سے قاصر رہتی ہیں۔ دیکھئے صاحب درمختار فرماتے ہیں۔

ہم یحسدوننی و شر الناس کلھم
من عاش فی الناس یوماً غیر محسود

ایسے میں اہل علم سے لوگوں کو جوڑنا وقت کی آواز اور دل کا تقاضہ ہوا کرتا ہے۔ بندہ کے استاذ مکرم شیخ الحدیث و التفسیر حضرت مولانا صوفی سرور صاحب مدظلہ پر جب ان کے فرزند حضرت مولانا محمد عتیق الرحمٰن صاحب نے کتاب لکھی ہے تو انہوں نے بھی یہی وجہ ذکر فرمائی اور حضرت لاہوریؒ کے خطبات میں ہے کہ آج جب اولیا کا ذکر کیا جاتا ہے تو عوام کا

ذہن قبروں کی طرف چلا جاتا ہے (مفہوم)

محترم! جہاں تک قائد جمعیۃ مدظلہ کی شخصیت و کردار کا تعلق ہے تو وہ ایک دنیا جانتی ہے:

؂زعشق نا تمام ما جمال یار مستغنی است

ہمارے چند نقوش یہاں کیا حیثیت رکھ سکتے ہیں بہرحال آپ نے ذکر فرمایا ہے کہ میدان سیاست میں علماء کرام کی ضرورت اور کردار کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں:

محترم! سیاست کے مقدس فریضہ کی ادائیگی کے لئے اگر دینی تعلیم سے ناواقف لوگ آگے آسکتے ہیں تو علماء کرام کو تو ضرور اس میں حصہ لینا چاہیے۔ حضرات انبیاء کرامؑ میں حضور اکرم ﷺ، حضرت سلیمانؑ صحابہ کرامؓ میں حضرات خلفائے راشدینؓ اور بعد کے ادوار میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت یا امام محمدؒ کی کتاب السیر الکبیر، امام ماوردیؒ کی الاحکام السلطانیہ اور سلطان اورنگزیب عالمگیر کے عہد کی عظیم یادگار فتاویٰ ہندیہ اس کی عمدہ شہادتیں ہیں۔ نیز ماضی قریب میں امام شاہ ولی اللہؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ اسی سلسلے کی نشانیاں ہیں۔

البتہ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جس طرح فقہ کے لئے ایک جماعت اور طائفہ چاہیئے اسی طرح سیاست کے لیے بھی آپ نے پوچھا ہے کہ اس دور میں تحفظ احیاء دین تحفظ ناموس رسالت تحفظ مدارس و مساجد فکر علماء دیوبند وغیرہ کے لئے جمعیۃ علماء اسلام اور مولانا فضل الرحمٰن کے کردار کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں

مولانا آپ نے ایسا سوال کر دیا کہ جس کے جواب کے لئے دفتر چاہیئے۔ مذکورہ بالا تحفظات کے لیے ہی تو توقعات سے بڑھ کر ہر طرح کی قربانیاں دے رہے ہیں۔

آپ نے مزید پوچھا کہ سیاسی خدمات سے ہٹ کر بحیثیت عالم دین آپ نے مولانا میں کیا خوبیاں دیکھی ہیں؟

مکرم! اللہ تعالیٰ نے قائد جمعیۃ کو بے شمار خوبیوں سے مزین فرمایا ان میں بعض درج

ذیل ہیں:

1۔ مطالعہ کی وسعت۔

2۔ علم کی گہرائی اورٹھوس و تلخ تجربات کے نتائج اور اس پر اکابرین امت پر اعتماد کی چیزیں محسوس کی ہیں آپ اکابرین امت کی لائن سے ہٹ کر کوئی کام نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ اکثر اہل علم جمعیۃ علماء اسلام میں شمولیت اختیار کرتے چلے آرہے ہیں۔

3۔ حضرت کا مدلل اور مبرھن بیان، جس کے نشیب وفراز میں کہیں کہیں خطابت کی گرج و چمک جو آپ کے پر اطمینان چہرے کو سامعین کی توجہ کا مرکز بنا دیتی ہے۔ خاص کر حضرت کا تبسم تو اختلاف رائے رکھنے والوں کو بھی اپنا گرویدہ بنانے پر مجبور کردیتا ہے۔ اتفاق رائے رکھنے والوں اور اختلاف رائے رکھنے والوں کے لئے اپنے در کھلے رکھتے ہیں۔ یہ حضرت کی ایسی خصوصیت ہے جو کم ہی لوگوں کے حصے میں آئی ہے۔ ایک مقام پر بڑے طریفانہ انداز میں کسی سیاسی رہنماء کی شکائت کو آپ نے اس شعر سے ادا فرمایا!

؎ اک طرز تغافل سو وہ ان کو مبارک
ایک عرض تمنا سو وہ ہم کرتے رہیں گے

4۔ آپ کا استقلال اور موقف پر جماؤ: پچھلے دن چارسدہ میں آپ کے کئی ساتھی شہید ہوئے لیکن آپ اپنے مشن کی طرف رواں دواں ہیں۔ البتہ ساتھیوں کی جدائی کا صدمہ تو ہر حال میں ہوتا ہی ہے ان دنوں اخبارات میں چھپا تھا کہ آپ نے اسمبلی میں یہ شعر پڑھا۔

؎ چمن کے رنگ و بو نے اس قدر دھوکے دیئے مجھ کو
کہ میں نے شوق گل بوسی میں کانٹوں پہ زباں رکھ دی

5۔ ایک اہم خصوصیت جو میں نے محسوس کی ہے وہ ہے مقصدیت ، بعض لوگ جماعت میں کام کرتے ہیں لیکن ان کا حال اقبال مرحوم کے اس شعر کا مصداق ہوتا ہے۔

با مریداں روز و شب اندر سفر
وز ضرورت ہائے ملت بے خبر

لیکن آپ اس حوالے سے عظیم راہنماء ہیں۔ بندہ جس طرح اپنے استاذ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا شیخ موسیٰ روحانی بازی کو تمام علوم دینیہ میں امام مانتا ہے اسی طرح قائد جمعیۃ کو سیاست میں امام مانتا ہے۔

آخر میں آپ کے ایک ارشاد کا مفہوم نقل کرتا ہوں جو آپ نے بندہ کے مادر علمی دارالعلوم عثمانیہ، لاہور میں فرمایا:

"جماعتوں کی وابستگی نظریات کی بنیاد پر ہوتی ہے اگر جماعت کے نظریات حق ہوں تو ایسی جماعت کی تائید واجب ہے۔ بحکم: اتبعوا السواد الاعظم وغیرہ اور اگر نظریات باطل ہوں تو ایسی جماعت سے علیحدگی واجب ہے۔ اہل حق کی جماعت سے اگر جزوی خطا ہو جائے تو اس کے کلیات و اصول ترک نہیں کئے جاسکتے اور اگر اہل باطل کی کوئی جماعت اچھا کام کرے تو اس کی جزوی اچھائی کی بناء پر اس کے غلط اصول نہیں قبول کئے جاسکتے"۔

کچھ شک نہیں کہ جماعتی زندگی کے حوالہ سے آپ کا یہ ارشاد حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔

☆......☆......☆

مجاہدین اسلام کے پشتیبان

مولانا گل احمد الازہری حفظہ اللہ،
ناظم اطلاعات سواد اعظم اہل سنت، ضلع ہٹیاں بالا، خطیب مرکزی جامع مسجد مدنی چکوٹھی، آزاد کشمیر

قائد ملت اسلامیہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم عظیم باپ کے عظیم فرزند ہیں جنہیں علم، سیاست اور قیاست ورثے میں ملی۔ وہ شخص کہ جس نے کبھی اصولوں پر سودے بازی نہیں کی۔ جمعیۃ علماء اسلام کی قیادت سنبھالتے ہی منافقت سے پاک ستھری سیاست کو فروغ دیا۔ غیر مسلم قوتوں کے خلاف پوری قوم کو جہاد کے لئے ابھارا۔ جہاد کشمیر ہو یا جہاد افغانستان قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن مجاہدین اسلام کے پشتی بان نظر آتے ہیں۔ مولانا کی خدمات ہی کی بنا پر انہیں کشمیر کمیٹی کا چیئرمین بنایا گیا اور آپ نے بیرون ممالک دورے کر کے کشمیر کے مسلمانوں پر ہونے والے بھارتی ظلم وستم کو طشت ازبام کیا اور پوری دنیا میں مظلوم کشمیریوں کے لئے ہر قسم کی سیاسی واخلاقی حمایت حاصل کی۔ قائد جمعیۃ نے علماء حق کی نمائندہ جماعت جمعیۃ علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے تحریک طالبان افغانستان کی بھی ہر طرح سے جانی و مالی اعانت کی۔ تحریک بحالی جمہوریت ہو، تحریک تحفظ ختم نبوت ہو یا تحفظ ناموس رسالت جمعیۃ علماء اسلام نے ہر تحریک میں ہراول دستے کا کردار ادا کیا ہے۔

ایم۔ایم۔اے کے قیام میں بھی جمعیۃ علماء اسلام کا کلیدی کردار ہے۔ بعض ایسی دینی جماعتیں جو قومی اسمبلی میں بمشکل دو دو سیٹیں حاصل کرتی تھیں 2002ء کے الیکشن میں قومی اور صوبائی سطح پر شاندار کامیابی حاصل کی اور صوبہ سرحد میں بلاشرکت غیرے ایم۔ایم۔اے کی حکومت بنی۔ بعد ازاں بدقسمتی سے یہ اتحاد بعض عناصر کو راس نہ آیا۔ ایم۔ایم۔اے کا اتحاد

برقرار نہ رہ سکا لیکن جمعیۃ علماء اسلام نے موثر اور بااصول قیادت کی جس کی بدولت 2008ء کے الیکشن میں حصہ لیا اور سابقہ روایات کو قائم رکھتے ہوئے قومی وصوبائی اسمبلیوں میں نمائندگی حاصل کی اور بفضلہٖ تعالیٰ اس وقت سینیٹ میں جمعیۃ علماء اسلام کے دوسری بڑی جماعت ہونے کی بنا پر مولانا عبدالغفور حیدری قائد حزب اختلاف منتخب ہوئے۔

الحاصل جمعیۃ علماء اسلام کی کامیابی کا راز اس کی مخلص، بے لوث اور باکردار قیادت ہے۔جمعیۃ کو قیام سے لے کر آج تک ہر دور میں ایسے قائدین میسر آئے ہیں جن کا اخلاص،تقویٰ اور علم وعمل مثالی تھا۔وقت کے ظالم و جابر حکمران کوشش وبسیار کے باوجود انہیں جھکا نہ سکے۔ان قائدین میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ، علامہ ظفر احمد عثمانیؒ،مولانا محمد یوسف بنوریؒ، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری،مولانا عبیداللہ انورؒ،مولانا اجمل خانؒ،مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒاور جمعیۃ علماء اسلام کے موجودہ قائد مولانا فضل الرحمٰن ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو علماء حق کے اس قافلہ کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رکھے اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جمعیۃ علماء اسلام کی کاوشوں کو شرف قبولیت بخشے۔آمین!

☆......☆......☆

اکابرین کی زندہ مثال

مولانا عبدالمالک حفظہ اللہ،

ممبر قومی اسمبلی، جنوبی وزیرستان

حضرت مولانا فضل الرحمٰن یقیناً جامع شخصیت ہیں اور مولانا صاحب کا دینی مدارس کے حوالہ سے بہت بڑا کردار ہے جو کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا عرب و عجم میں سیاست میں نمایاں کردار ہے۔ آپ اکابر امت مسلمہ کی زندہ مثال ہیں اور آپ نے ہر میدان میں امت مسلمہ کی بھرپور وکالت فرمائی ہے۔

☆......☆......☆

قائد جمعیۃ کے متعلق تاثرات اکابر

مولانا داؤد حفظہ اللہ

ناظم نشر و اشاعت جمعیۃ علماء اسلام، شمالی وزیرستان

جب میں نے اپنے استاد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا امان اللہ صاحب مدظلہ العالی سے مولانا فضل الرحمٰن کی شخصیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب ایک جید عالم دین اور قابل ترین سیاستدان ہیں۔

1۔ نیز حضرت شیخ الحدیث صاحب نے مزید کہا کہ پارلیمنٹ کے ایک مشترکہ خفیہ اجلاس میں آئی ایس آئی کے سربراہ جناب شجاع پاشا نے طالبان کے ظلم اور بربریت کے بارے میں بریفنگ دی اس کے مقابلہ میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن نے فوج کے ظلم پر جو بریفنگ دی فوراً مولانا سمیع الحق نے مولانا فضل الرحمٰن کو مخاطب کر کے کہا کہ آج آپ نے اسلام کی صحیح ترجمانی کی اور اسلام کا حق ادا کیا۔

2۔ شیخ الحدیث نے کہا کہ مجھے مولانا عطاؤ الرحمٰن صاحب نے اس بریفنگ کے بارے میں کہا کہ جب مولانا فضل الرحمٰن نے بریفنگ دی تو وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی اپنی سیٹ سے اٹھے اور مولانا فضل الرحمٰن کو کہا کہ آج آپ نے پاکستانی قوم کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا۔

3۔ شیخ الحدیث مولانا امان اللہ صاحب نے اور ایک واقعہ یہ بیان کیا کہ مجھ کو ایک طالب علم نے خواب بیان کیا کہ ایک اجتماع ہے

جس میں مختلف مکاتبِ فکر کے لوگ جمع ہیں اور لیڈر شپ کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے کہ اچانک حضور پاک ﷺ نمودار ہوئے اور قیادت کی پگڑی حضرت مولانا فضل الرحمٰن کے سر پر رکھی۔

4۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب نے ایک موقع پر فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب اگرچہ سبق میں میرا شاگرد ہے لیکن سیاست کے میدان میں میرا امام ہے۔

5۔ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا حسن جان صاحب نے مولانا فضل الرحمٰن کے بارے میں کہا کہ مولانا فضل الرحمٰن نے مسلک دیوبند کی پگڑی اونچی کر دی ہے۔

6۔ جسٹس (ر) حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی نے ایک اجتماع میں علماء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰن نے پارلیمنٹ میں جو بریفنگ دی ہے وہ ایک طرف اور ہمارے دینی مدارس کی خدمات دوسری طرف تو مولانا کے اس بیان کی فضیلت زیادہ ہے۔

7۔ کراچی کے ممتاز عالمِ دین حضرت مولانا مفتی زرولی خان صاحب نے مولانا فضل الرحمٰن کے بارے میں فرمایا ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن کی اسمبلی کے فلور پر ایک گھنٹہ کی نشست ایک عابد کی ساری رات کی عبادت سے بہتر ہے۔

8۔ ڈاکٹر خالد سومرو نے مولانا فضل الرحمٰن کے بارے میں واشگاف الفاظ میں کہا ہے کہ تم لوگ مولانا فضل الرحمٰن کو سیاست کے میدان میں دیکھتے ہو خدا کی قسم میں نے تہجد کے وقت مصلّٰی پر روتے ہوئے دیکھا ہے۔

9۔ دارالعلوم نظامیہ کے استاذ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ صاحب سے میں نے خود سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ مولانا فضل الرحمٰن

بعض اوقات قرآنی آیات کی جو تطبیق کرتے ہیں ہم اس کے لئے حیران ہو جاتے ہیں اور ہم اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ شاید انہیں کشف ہوتا ہے۔

10۔ راقم خود آنکھوں دیکھا حال یہ بیان کرتا ہے کہ جب مولانا فضل الرحمٰن صاحب چند سال پہلے شمالی وزیرستان کے دورہ پر آتے تھے اور مختلف جگہوں پر فاتحہ خوانی کی تورات کے وقت ایک کالٹیکس پمپ پر مولانا محمد دیندار مرحوم کے ساتھ ملاقات کے بعد جب کارکنان سو گئے تو مولانا صاحب نمازِ عشاء کے بعد نوافل میں مشغول ہو گئے اور جب میں تہجد کے وقت اٹھا تو مولانا صاحب کو میں نے نماز میں ہی کھڑا ہوا پایا تو خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ہمیں ایسا پیشوا اور لیڈر نصیب فرمایا ہے جو تہجد گزار ہے۔

راقم نے مولانا میں یہ صفت بھی دیکھی کہ ہر مخالف موافق کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملتے ہیں تو یہ حضور ﷺ کی شان بھی تھی۔

ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك.

11۔ جے یو آئی شمالی وزیرستان کے سابقہ سالار مولانا محمد شاہ حقانی نے مجھے یہ بیان کیا کہ مولانا فضل الرحمٰن کی شخصیت اور قابلیت اس بات سے بھی ہویدا ہے کہ مفتی محمد فرید صاحب مرحوم دار العلوم حقانیہ کی جامع مسجد میں امامت کے لئے حضرت مولانا فضل الرحمٰن کو اپنا خلیفہ مقرر کرتے تھے۔

12۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب کے ہاں جب خصوصی مہمان آتے تو مولانا صاحب استقبالیہ کا کام مولانا فضل الرحمٰن کے سپرد کرتے تھے۔

☆......☆......☆

عزم جواں میر کارواں

مولانا انوار الحق بن حضرت مولانا غلام سرور،
جامعہ اسلامیہ، بنہ الائی بٹگرام

نگاہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لئے

داعی انقلاب اسلامی، سالار قافلہ حریت، میر کاروان شریعت، رمز شناس طریقت، لحنِ داؤدی سے مالامال قاری قرآن، خطیب جادو بیان، فصاحت و بلاغت کے پیکر، مجسمہ شجاعت، جبل استقامت، مجمع المحاسن، منبع المکارم، تحریک ولی اللہی کے علمبردار، پیام انسانیت کے روح رواں، علمی، دینی اور سیاسی بصیرت میں گہرائی کے مالک، قرن حاضر کے مایہ ناز سپوت، تحریکات اسلامیہ کے سرپرست، روشن ضمیر رہنماء، اسلام کے ہیرو، مساجد مراکز اور مدارس کے پشتیبان، اسلامی شعائر کے پہرہ دار، براعظم ایشاء کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے قابل اعتماد فرزند، ثانی دیوبند حقانیہ اکوڑہ خٹک کے فیض یافتہ، قاسم العلوم، ملتان کے (سابق) قابل مفتی، کامیاب مدرس، معقولات کے شناور، منقولات کے ماہر، قیادت کے اہل، سیادت کے لئے موزوں، سیاست کے امام، جامعۃ المعارف الشرعیہ کے بانی، خواجہ خواجگان مولانا خان محمدؒ کے دست راست، مولانا عبدالکریم قریشی بیر شریف کے منظور نظر، امام اہل السنۃ مولانا سرفراز خان صفدرؒ کے محبوب، حافظ الحدیث حضرت درخواستیؒ کے مصاحب، مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی سیاست کے پاسدار، امام لاہوریؒ کی فکر کے وارث، محدث العصر حضرت بنوریؒ کے نیازمند، محدث کبیر علامہ عبدالحق کے تلمیذ خاص، شیخ الحدیث مولانا زکریا مہاجر مدنیؒ کے شاگرد حدیث، شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے خلیفہ مجاز، مولانا حق نواز جھنگویؒ کے قائد، مولانا غلام سرورؒ فاضل دیوبند کی پسندیدہ شخصیت، مبلغ اسلام حاجی

عبدالوہاب دامت برکاتہم کی شفقتوں سے بہرہ مند اکابر کی روایات کے امین، ہر ظالم سے باغی، ہر مظلوم کے حامی، مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ کے نورِ چشم، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کی مساعی جمیلہ کے قدر دان قائد جمعیۃ مخدوم الصلحا فضیلۃ الشیخ مولانا مفتی قاری فضل الرحمٰن دامت برکاتہم العالیہ کی شخصیت کے کارنامے، خدمات اور کردار برادرم مولانا شجاع الدین، عزیز القدر قاری شمس الدین اور برخوردار مولوی فضل الہادی کی کتاب کا موضوع سخن ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرما کر امت کی رہنمائی کا سبب بنا دے۔

علاقہ الائی (بٹ گرام) کا مولانا سے نیازمندانہ اور دیرینہ تعلق ہے۔ 1987ء کا زمانہ تھا جب علاقہ الائی کو پہلی دفعہ مولانا فضل الرحمٰن کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ تاریخی جلسہ عام میں مولانا کا انقلابی خطاب ہوا۔ اقوام الائی نے مجاہد اعظم مولانا قاضی اللہ داد خانؒ (عرف نہر قاضی صاحب) شہید جمعیۃ حاجی محمد ایوبؒ (نوگرام حاجی صاحب) کے رفقاء کار بالخصوص بحرالعلوم مولانا غلام سرورؒ (بنہ) فاضل دیوبند، ولی کامل مولانا سید ہدایت اللہ شاہؒ (بٹیلہ) فاضل جامعہ امینیہ دہلی حبر العلماء مولانا جلال الخالقؒ (بتکول) فاضل جامعہ صدیقیہ دہلی، جرجانی وقت علامہ دولت الرحمٰنؒ (کرگ) عقلیات ونقلیات کے بے بدل مدرس مولانا قاضی عبدالستار ربوجھڑی (عرف کسئی قاضی صاحب)، محدث جلیل مولانا محمد ایوب تیلوسی (فاضل دیوبند) کے جانشین علامہ رشید احمدؒ (تیلوس)، جرنیل جمعیۃ حاجی محمد زرین خانؒ (تیلوس)، مجاہد جمعیۃ حاجی شمس الرحمٰنؒ (راشنگ) کی قیادت میں اپنے نوجوان قائد کا شاندار استقبال کر کے عزم و اعتماد و تجدید عہد کا ثبوت دیا۔ اس مبارک اجتماع میں برادر مکرم قاری فیض الدین ہزاروی اسٹیج سیکرٹری تھے۔ الائی کے بلند قامت پہاڑ مولانا فضل الرحمٰن کی عظمت کے سامنے کوتاہ قد نظر آرہے تھے۔

زمانہ معترف ہے اب ہماری استقامت کا
نہ ہم سے قافلہ چھوٹا نہ ہم نے رہنماء بدلا

بحمد للہ آئے روز الائی کے عوام وخواص کا یہ اعتماد مسلسل ترقی کر رہا ہے۔

ادام الله ذلك من صنيع.

اللہ تعالیٰ قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن، ان کے خاندان اور ان کی جماعت جمعیۃ علماء اسلام کو اپنی خصوصی حفاظت سے مالا مال فرمادے اور ان کی مساعی جمیلہ کو قبولیت عطا فرمائے۔ آمین!

فیرحم الله عبداً قال امینا.

☆......☆......☆

ابنِ مفتی محمودؒ

بریگیڈئر (ر) ڈاکٹر فیوض الرحمٰن جدون، ملیر کینٹ کراچی

قاری شمس الدین صاحب نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے بارے میں اپنے چند تاثرات لکھ دوں۔ مولانا فضل الرحمٰن حضرت مفتی محمودؒ کے فرزند اور ان کے جانشین ہیں۔ میرا ان سے کہیں زیادہ تعلق ان کے والد گرامی حضرت مفتی محمودؒ کے ساتھ رہا ہے۔ میں نے دارالعلوم حقانیہ میں انہیں پڑھائی کے دوران قریب سے دیکھا ہے۔ میرا آرمی سے تعلق ہونے کی وجہ سے کبھی ان سے براہ راست ملاقات نہیں ہوئی البتہ ان کی بعض تقریری کیسٹیں اور ان میں تلاوت سنی ہے اور بعض ریڈیو اور ٹی وی کے انٹریو ز دیکھے سنے ہیں جو مجھے اچھے لگے ہیں۔ ان کے بیانات سے حضرت مفتی صاحبؒ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ ملک کے نامور صحافیوں کے تیکھے سوالات کے مدلل اور مسکت جواب دیتے ہیں۔ جمعیۃ کے قائد کے طور پر اپنے لوگوں کو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تیار کرتے ہیں اور اسمبلی اور اس کے باہر اسلام کی نمائندگی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ بڑے باپ کے بڑے بیٹے ہیں اور الولد سر لابیہ کا مصداق ہیں۔ ان کی سیاسی خدمات پر میں ایک غیر سیاسی آدمی کیا تبصرہ کر سکتا ہوں وہ اس میدان کے کسی شاہسوار ہی کو کرنا چاہیے۔ علمی لحاظ سے اپنے والد کے تفسیری، حدیثی علوم کی نشر و اشاعت کے علاوہ ان کے فتاویٰ کئی ضخیم جلدوں میں شائع کروا چکے ہیں۔ اللہ کرے کہ وہ اپنے والد کے علم و عمل، اخلاص اور للّٰہیت میں ان کی سچی تصویر ثابت ہوں تاکہ ایک دنیا ان کی خداداد صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کر سکے۔

☆......☆......☆

قائد جمعیۃ ایک ہمہ گیر شخصیت

مولانا خیر محمد مدظلہ،

استاذ الحدیث جامعہ مطلع العلوم، کوئٹہ، سابق مسئول وفاق المدارس العربیہ، پاکستان

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کی شخصیت ہمہ گیر اور جامعیت کی حامل ہے۔ سیاسی اور علمی میدان میں خاصی دسترس رکھتے ہیں۔ جذباتیت کم جبکہ سنجیدگی و متانت ان کی ذات میں نمایاں نظر آتی ہے۔ اپنے موقف میں مضبوط اور ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ ان کی سیاسی پختگی کے قائل مخالفین و موافقین سب ہیں۔ مشکل حالات میں ارباب اقتدار و حزب اختلاف کا رجوع مولانا ہی کی طرف ہوتا ہے۔

قوت استدلال کا ملکہ اللہ نے انہیں عطا فرمایا ہے۔ تجزیہ نگار مولانا کے بیانات کو انتہائی گہری نظر سے دیکھتے ہیں۔ اپنے موقف کو بہتر طریقہ سے پیش کرنے کا سلیقہ رکھتے ہیں۔ حالات کے نشیب و فراز کے باوجود ان کے پایہ استقلال میں لغزش نہیں آتی۔ ان کی گفتگو اور طرز تکلم میں بڑی معنویت ہوتی ہے۔ سادہ الفاظ میں اپنے موقف کو پیش کرنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ اکثر تجزیہ نگاران کی شائستہ زبان کو بطور ضرب المثل پیش کرتے ہیں۔ بیک وقت کئی دینی محاذوں کو سنبھالنا مولانا کا ہی کمال ہے۔ اس کا اقرار بھی تجزیہ نگار گاہ بگاہ کرتے رہتے ہیں۔

☆......☆......☆

جانشین مفتی محمودؒ

شیخ القرآن مولانا نور الہادی شاہ منصوری حفظہ اللہ،
شیخ الحدیث و مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن، صوابی

مولانا فضل الرحمٰن میدان سیاست میں مفتی محمودؒ کے حقیقی جانشین ثابت ہوئے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے اکابرین نے ''ڈیڑھ سو سالہ خدمات دیوبند کانفرنس'' کے موقع پر مولانا کی سیاسی بصیرت کو سراہتے ہوئے ان کی دستار بندی فرما کر ان کو پوری دنیا کے لئے اپنا نمائندہ منتخب کیا۔ اس سے مولانا حفظہ اللہ پر مزید ذمہ داریاں ڈال دی گئیں۔ پوری دنیا میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص مدارس کے تحفظ کے لئے مولانا قابل فخر کردار ادا کر رہے ہیں۔ خصوصاً پاکستان کے مدارس مولانا کی سیاسی بصیرت اور جرات مندانہ اقدامات کی وجہ سے محفوظ ہیں۔ میں مولانا کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ تمام علماء کرام مولانا پر مکمل اعتماد کرتے ہیں اور ہم انشاء اللہ ہر میدان میں مولانا کے شانہ بشانہ کھڑے ہوں گے۔

☆......☆......☆

قائد جمعیۃ ایک زیرک سیاستدان

مولانا عطاء اللہ مدظلہ
ناظم اعلیٰ جامعہ قاسم العلوم، سبی بلوچستان

مولانا فضل الرحمٰن ایک متقی، پرہیزگار اور باعمل عالم دین ہیں۔ الحمدللہ ان کے ہوتے ہوئے مفتی محمودؒ کی کمی محسوس نہیں ہورہی۔ وہ ایک زیرک، منجھے ہوئے سیاستدان اور بڑے پائے کے عالم ہیں۔ اپنے تو اپنے دشمنوں نے بھی مولانا کی شخصیت اور بین الاقوامی سیاست کو تسلیم کرلیا ہے۔ میرا ان سے قریب سے واسطہ پڑا ہے ان کی عبادت کو دیکھ کر میں بڑا متاثر ہوا ہوں۔ اللہ پاک ان کے علم، تقویٰ اور صلاحیتوں میں مزید برکت فرمائے اور ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔

☆......☆......☆

باعمل عالم دین اور نڈر رہنماء

ابو اویس مولوی غلام نبی ریشی
شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ عمر بن الخطاب للبنات، ہری پور

اللہ رب العزت کا احسان اور خصوصی فضل ہے کہ اس نے اس پرفتن دور اور ایک ایسے ملک میں جہاں ہر طرف لاقانونیت اور وحشیت ہے، جہاں لادین حکمران طبقہ اور ہر دوسرا آدمی ملک کو سیاسی، معاشی، معاشرتی، تہذیبی اور سب سے بڑھ کر مذہبی لحاظ سے تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے اور آخرت کے خوف سے عاری ہے ایسے شخص کو پیدا کیا جس کی ذات سے میرے جیسا تاثر نہ لینے والا شخص بھی اس کے ایمان، اعمال، عبادات، ریاضات، اتباع سنت اور سادگی کی وجہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور بغیر سوچے سمجھے اور بلا جھجک اس ہستی کو اپنا اور تمام ملت اسلامیہ کا قائد مان لیا۔ مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ نے بلا مبالغہ عالم باعمل، حق گوئی، باطل کے سامنے ڈٹ جانے اور اپنے متقی ہونے کا ثبوت دیا ہے۔

وما توفیقی اللہ باللہ۔

☆......☆......☆

نفاذ اسلام کا حقیقی داعی

مولوی بدیع الزمان بن عزیز الرحمٰن، سراں مانسہرہ

میرا شروع سے ہی اکابرین جمعیۃ سے والہانہ اور عقیدت مندانہ تعلق رہا ہے۔ اس دوران مجھے مولانا مفتی محمودؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا عبداللہ درخواستیؒ، اور مولانا چراغ الدین شاہ صاحبؒ کے متعدد بار بیانات سننے اور ان حضرات کی زیارت کا شرف حاصل ہوا لیکن ایک طویل عرصہ فوج میں ملازمت کی وجہ سے میں جمعیۃ کے ساتھ زیادہ متحرک نہیں رہ سکا۔

اب جبکہ وطن عزیز اندرونی وبیرونی سازشوں، لادین اور نااہل حکمرانوں کی وجہ سے ہر شعبہ میں افراط وتفریط اور تنزل کا شکار ہے اور مایوس ومقہور عوام کسی ایسے مسیحا، راہرو اور راہبر کی تلاش میں ہیں جو ہر شعبہ میں ان کی ۶۵ سالہ محرومیوں کا ازالہ کرے، ان کی عزت وآبرو جان و مال کا تحفظ کر سکے، ملکی وسائل کو بروئے کار لا کر ملک کو خودانحصاری کی راہ پر گامزن کرے، لسانیت وصوبائیت پرستی کو ختم کر کے قوم کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند کر دے، ابلیسی قوتوں کے مفاد کی خاطر اپنی فوج کے ہاتھوں اپنی ہی عوام کا قتل عام بند کروا کے اسے ملکی سرحدات (حقیقی خطرات) پر مامور کروائے، ملک کو حقیقی معنوں میں اسلام کا قلعہ بنا کر مادیت کے بھنور اور دہریت والحاد کے اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی دنیا کے لئے مینارہ نور بنا دے، پوری دنیا میں مغلوب ومقہور اسلامی خطوں کو طاغوتی وسامراجی طاقتوں کے تسلط سے بازیاب کروانے کے لئے عملی جدوجہد کرے، بیرونی ممالک سے تعلقات اور معاملات غلامی کی سطح سے برابری بلکہ برتری کی سطح پر قائم کر سکے۔ بلا مبالغہ وہ نجات دہندہ، راہبر و رہنماء مولانا فضل الرحمٰن ہیں جو ان سب مسائل کا حل نفاذ اسلام میں مضمر سمجھتے ہیں اور وہ حکومتی

ایوانوں میں واحد باا ثر عالم دین ہیں جو سیاست کے اسرار و رموز کو سمجھتے ہوئے اسے خالصتاً اسلامی رنگ میں ڈھال کر ہر طرح کی رکاوٹوں کو عبور کر کے پرامن اسلامی انقلاب کے لئے پرامن جدو جہد جاری رکھے ہوئے ہیں۔

ہم خود تراشتے ہیں منازل کے سنگِ میل　　ہم وہ نہیں ہیں جن کو زمانہ بنا گیا

لہٰذا ہمیں انفرادی اور اجتماعی حیثیت میں بیرونی ممالک کے دباؤ، مذہب بیزار میڈیا کی ہرزہ سرائی، پاکستان میں موروثی سیاستدانوں کے جھوٹے وعدوں اور روٹی، کپڑا اور مکان کے پرفریب حصار و سراب سے نکل کر جمعیۃ علماء اسلام کو مزید فعال بنا کر بھرپور نمائندگی کے ساتھ اقتدار کے ایوانوں میں پہنچانا ہے تاکہ اسلام جو کہ اجتماعیت پر مبنی دین اور مکمل ضابطہ حیات ہے، زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے اور بیک وقت ہر طرح کے دنیاوی اور اخروی بحرانوں سے نبرد آزما ہونے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے کا نفاذ عمل میں آسکے اور قوم جو روز بروز استحصال پذیر اور رو بہ زوال ہے اور مزید اس کی متحمل نہیں ہوسکتی ،ذلت کی اتھاہ گہرائیوں سے نکل کر قرونِ اولیٰ اور وسطیٰ کی طرح کامیابی و کامرانی کی معراج حاصل کرسکے۔

اکابرین دیوبند کی خدمات، قربانیوں اور کامیابیوں کے تسلسل کے پیشِ نظر مجھے امید ہے کہ پاکستان میں نفاذ شریعت کا سہرا بھی مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے سر ہی سجے گا کیونکہ ان کی پرعزم اور غیر متزلزل قیادت میں جمعیۃ ایک ملک گیر سیاسی جماعت کے طور پر ابھری ہے اور عوام نے بھی بھرپور اعتماد کا اظہار کیا ہے اور جمعیۃ کا ہر نمائندہ اور کارکن بھٹکی ہوئی قوم پر طاری جمود کو ختم کرنے اور اسے کامیابی و کامرانی کی طرف راغب کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ بمصداق

اٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا افقِ خاور پر　　بزم میں شعلہ نوائی سے اجالا کردیں

☆......☆......☆

اکابر کی روایات کا امین

قاری مقرب شاہ چترالی

امام/خطیب جامعہ مسجد گنگا رام ہسپتال، لاہور

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم اما بعد!

ہمارے اکابرین دیوبند کو اللہ تعالیٰ نے اتنا اونچا مقام عطا فرمایا ہے کہ ان کا فیض پوری دنیا کے اندر پھیلا دیا۔ اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول بندے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے دل میں یہ خیال آیا کہ مسلمانوں سے ان کی دنیا تو چھین لی گئی ہے لیکن یہ کوئی اتنا بڑا نقصان نہیں لیکن مسلمانوں سے ان کا دین چھینا جا رہا ہے یہ بہت بڑا نقصان ہے لہٰذا اس کی تلافی کی کوئی صورت ہونی چاہیے۔ چنانچہ اس کام کے لئے انہوں نے اس چھوٹی سی بستی کو منتخب کیا۔ جب انہوں نے دارالعلوم دیوبند کا سنگِ بنیاد رکھا اور کام شروع کیا تو ۳۰ مئی کا دن اور ۱۵ محرم الحرام کی تاریخ بنتی تھی۔ انار کے درخت کے نیچے ایک استاد اور ایک شاگرد، پڑھانے والے کا نام ملا محمودؒ اور پڑھنے والے کا نام محمود حسنؒ تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس سلسلے میں جو پہلا قدم جو اٹھایا گیا ہے بالآخر اس نے کتنا بڑا علمی مرکز بننا ہے۔ ہزاروں نہیں لاکھوں لوگوں کے دل علمی معارف سے سیراب ہوں گے۔ جب دارالعلوم دیوبند کا سنگِ بنیاد رکھا جانے لگا تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے یہ اعلان فرمایا کہ آج دارالعلوم دیوبند کا سنگ بنیاد ایک ایسی ہستی سے رکھواؤں گا جس نے اپنی زندگی میں کبیرہ گناہ کرنا تو دور کی بات کبھی اس کا ارادہ بھی نہیں کیا۔ چنانچہ مولانا اصغر حسین کاندھلویؒ کے ماموں شاہ حسین احمدؒ سے دارالعلوم دیوبند کا سنگِ بنیاد رکھوایا۔

خلاصہ یہ کہ ان پاکیزہ ہستیوں کے ہاتھوں سے رکھی ہوئی اینٹ میں اتنی برکت پیدا ہوئی کہ دارالعلوم دیوبند کو اللہ تعالیٰ نے ایسی یونیورسٹی بنایا کہ آج مشرق و مغرب، شمال و جنوب ہر طرف دارالعلوم دیوبند کا فیض نظر آتا ہے۔ان ہی ہستیوں میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ بھی تھے جن کے دل میں اللہ رب العزت نے عشقِ رسول کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔اس دین حق کے لئے ہمارے اکابرین اور اسلاف نے بے شمار قربانیاں دیں، بہت صعوبتیں اور تکالیف برداشت کیں۔

الحمد للہ آج کے اس پرفتن دور میں بھی اللہ تعالیٰ ہمارے علمائے دیوبند سے دین کا کام لے رہا ہے۔ہمارا ان علماء کے ساتھ روحانی اور علمی تعلق ہے۔الحمد للہ مجھے دورانِ طالب علمی حضرت مفتی اعظم مفتی محمودؒ اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ سے ملاقاتوں کا شرف حاصل رہا ہے اور میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا ہے۔جنرل ایوب خان، جنرل یحییٰ خان اور ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں اسمبلی کے اندر عائلی قوانین اور خاندانی منصوبہ بندی کے حوالے سے متنازعہ بل پیش کیے گئے۔حضرت مفتی صاحبؒ اور غلام غوث ہزارویؒ نے آخر دم تک مقابلہ کیا اور بل پاس نہیں ہونے دیا۔آج بھی حضرت مفتی صاحبؒ کے فرزندِ ارجمند، قایدِ جمعیۃ سالارِ اعظم مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ ان طاغوتی طاقتوں سے نبرد آزما ہیں اور حقیقی معنوں میں حضرت مفتی محمودؒ کی جانشینی کا حق ادا کر رہے ہیں۔ان نامساعد حالات میں وہ جس طرح علمائے دیوبند اور اہل حق کی نمائندگی کر رہے ہیں قابل تحسین ہے۔ہم ان کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو مزید ہمت، جرات اور استقامت نصیب فرماوے۔آمین!

☆......☆......☆

سرتاج العلماء

مولانا عبداللہ حفظہ اللہ،

خیابان جمعیۃ، پڑھنہ مانسہرہ

جانشین شیخ الہند، سرمایہ اہلسنت، امام سیاست، ولی ابن ولی، سرتاج العلماء، قائد ملت اسلامیہ مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم امت مسلمہ کے لئے عظیم سرمایہ ہیں۔ مولانا جیسی ہستیاں صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں۔ اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں چن لیا ہے۔ امت مسلمہ پر لازم ہے کہ انہیں وہ قوت میسر کریں جس کے ذریعے وہ ایوان میں پہنچ کر اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے عملی اقدامات کرسکیں۔

مولانا جیسی عظیم شخصیات کو ہی قانون سازی کے ایوانوں (قومی اسمبلی اور سینیٹ) میں بھیجنا چاہیے کیونکہ پاکستان میں اسلامی قانون سازی انہی ایوانوں میں ہو سکتی ہے اور اسلامی قانون سازی کا کام انگریز کے تربیت یافتہ لوگ نہیں بلکہ علماء کرام جو کہ وارثین انبیاءؑ ہیں وہی کرسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ امت مسلمہ کو ہر معاملے میں علماء کا ساتھ دینے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین!

☆......☆......☆

مولانا مفتی نظام الدین شامزئیؒ اور جمعیۃ علماء اسلام

حافظ علاؤ الدین، سابق صدر جے ٹی آئی، مانسہرہ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد

اعوذباللہ من الشیطن الرجیم. بسم اللہ الرحمن الرحیم.

قال تعالیٰ و ادخلنی برحمتک فی عبادک الصالحین.

قال النبی ﷺ العلماء ورثۃ الانبیاء.

انسانیت کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور اس مقصد کو انسانیت میں پھیلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کا سلسلہ جاری کیا تھا۔انبیاءؑ نے اپنی ذمہ داری کا پورا پورا حق ادا کر دیا اور انبیاءؑ کا سلسلہ نبی کریم ﷺ پر آ کر ختم ہوگیا۔انبیاءؑ کے ذمہ جو کام (اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام نافذ کرنا) تھا وہ انبیاءؑ کے بعد ورثاء انبیاءؑ یعنی علماء کرام کے ذمہ کر دیا گیا اور الحمدللہ آج علماء کرام بھی اپنی ذمہ داری احسن طریقہ سے سرانجام دے رہے ہیں۔خصوصاً پاکستان جو کہ مذہب کے نام پر بنا تھا لیکن بدقسمتی سے سیکولر (لادین) قوتوں کی وجہ سے آج تک اس ملک میں اسلامی حکومت نہ آسکی بلکہ جو بھی حکومت آئی اس نے ہر ممکن کوشش کی کہ کسی بھی طرح اسلام اور اہل اسلام کو اس ملک کے سیاسی نظام سے روکا جائے لیکن علماء کرام خصوصاً جمعیۃ علماء اسلام ہر رکاوٹ کو توڑ کر اللہ کے فضل و کرم سے کفر اور سیکولر قوتوں کا مقابلہ کر رہی ہے۔

جمعیۃ علماء اسلام کی قربانیوں کو سراہتے ہوئے وقت کے اولیاء اللہ نے ہر دور میں جمعیۃ کی سرپرستی فرمائی خصوصاً حضرت پیرو مرشد مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ، پیر آف بیر شریف حضرت اقدس مولانا عبدالکریمؒ اور مجاہد ملت محدث اعظم مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ اور ان جیسے کئی اکابرین امت نے زندگی کے آخری لمحات تک جمعیۃ اور موجودہ قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی سرپرستی فرمائی۔

حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ (جو کہ تمام مذہبی جماعتوں کے سرپرست کہلائے اور مانے جاتے تھے) نے کراچی میں 19 اگست 2002ء کو جمعیۃ طلباء اسلام، کراچی کے زیر اہتمام "پیغام جمعیۃ کانفرنس" میں فرمایا:

"آج بھی اس ملک کی سیاست (نظام حکومت) میں علماء (علماء دیوبند) کا کردار ہونا چاہیے۔ اگر سیاست میں علماء کا کردار ہوگا تو یقیناً یہ ملک اور اس کا نظام حکومت صحیح ہوگا۔ علماء اگر اس نظام سے ہٹ جائیں اور سیاست کے میدان کو یا نظام حکومت کے میدان کو وہ ان افراد کے حوالے کردیں جو نہ اللہ کے دین سے واقف اور نہ اللہ اور اس کے رسول سے واقف ہیں تو اس کا نتیجہ پھر یہی ہوگا جو آج ہمارے سامنے ہے"۔

اسی طرح حضرت اقدس مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ 16 جون 1999ء بوقت بعد نماز ظہر جبیس ہوٹل کراچی میں جمعیۃ کو راہ حق کی جماعت قرار دیتے ہیں۔ قائد محترم مولانا فضل الرحمٰن، حافظ حسین احمد اور دیگر اکابرین جمعیۃ کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

"جب صالحین کا ذکر کیا جائے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا تذکرہ ہوتا ہے اور اولیاء اللہ کو یاد کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے"۔

حضرت مفتی صاحب مولانا عبدالکریمؒ بیر شریف والوں کے جامع الصفات ہونے کا

تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ملک کے مشرق و مغرب شمال و جنوب میں دیکھیں تو اللہ کے خصوصی بندے جن میں یہ صفات (علم و عمل تقویٰ استقامت علی الحق) پائی جاتی ہیں وہ سب حضرات جمعیۃ علماء اسلام کے ساتھ الحمد للہ وابستہ ہیں اور اس (جمعیۃ) کی سرپرستی فرما رہے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جمعیۃ علماء اسلام حق کی راہ پر پہلے بھی گامزن تھی، اب بھی گامزن ہے اور آئندہ بھی انشاء اللہ حق کی راہ پر گامزن رہے گی''۔

حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ مزید فرماتے ہیں:

''علم، تقویٰ، استقامت علی الحق اور اللہ کی راہ میں جان دینے کے اوصاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے جن بندوں میں موجود ہیں ان کا جمعیۃ میں موجود ہونا اور جمعیۃ کی سرپرستی کرنا یہ ہمارے لئے خوش قسمتی کا باعث ہے اور جمعیۃ کے حق پر ہونے کی دلیل ہے۔ خدانخواستہ اگر کسی بھی وقت کسی بھی لمحے اور کسی بھی دور میں جمعیۃ راہ حق سے ہٹی ہوئی ہوتی تو مجھے سو فیصد یقین ہے کہ حضرت مولانا عبدالکریم (بیر شریف والے) کبھی بھی جمعیۃ کے ساتھ وابستہ نہ ہوتے''۔

حضرت مفتی شہیدؒ فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا عبدالکریمؒ کی درویشانہ زندگی اوران کے مجاہدانہ کارناموں کو آپ جانتے ہیں جن لوگوں نے ایک دفعہ ان کی زیارت کی وہ جانتے ہیں کہ حضرتؒ ان لوگوں میں سے تھے کہ اگر پوری دنیا ان کے سامنے رکھ دی جاتی اور یہ پیشکش کی جاتی کہ یہ سب لے لیں اور آپ فلاں باطل یا ناجائز طریقے کی حمایت کریں تو میرا دل گواہی دیتا ہے کہ حضرتؒ اس پوری دنیا پر لعنت بھیجتے اور کبھی بھی باطل کی

حمایت نہ کرتے۔ظاہر ہے کہ جمعیۃ علماء اسلام سے ان کی وابستگی صرف اللہ کی رضا کے لئے تھی اور وہ سمجھتے تھے یہ ہمارے اکابر حق کا وہ عظیم قافلہ ہے جو چلتے چلتے آخر میں حضرت مہدی کے ساتھ وابستہ ہوگا اور حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ہوگا اور جدوجہد کرتے ہوئے انشاءاللہ شیطانی قوتوں پر غلبہ حاصل کرے گا‘‘۔

حضرت مفتی صاحب جمعیۃ کو صالحین کی جماعت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’صالحین (الحاق باالصالحین) کے ساتھ ہونا یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اللہ نے حضرت یوسفؑ کو نبوت بھی عطا فرمائی اور بادشاہت بھی عطا فرمائی لیکن آخری خواہش کے طور پر حضرت یوسفؑ یہ دعا بھی فرما رہے ہیں کہ:

توفنی مسلماً والحقنی باالصالحین.

ترجمہ: اے اللہ تبارک و تعالیٰ مجھ موت دے دیں اسلام کی حالت میں کہ میں آپ کا فرمانبردار ہوں اور مجھے صالحین کے ساتھ ملحق فرمادے۔اسی طرح حضرت سلیمانؑ کی دعا بھی قرآن میں ہے اور اس کے الفاظ بھی اس سے ملتے جلتے ہیں اور آخری الفاظ یہ ہیں:

و ادخلنی برحمتک فی عبادک الصالحین.

میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ الحاق باالصالحین ہمارے جتنے دوست احباب جمع ہیں علمائے کرام کے وابستگان میں سے ہیں اس کے عہدیدار ہیں یا کارکن ہیں اس کے محبین ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر شکرادا کرنا چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں صالحین کی صحبت عطا فرمائی۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی وہ نعمت ہے جس کے لئے انبیاء کرامؑ نے بھی دعا فرمائی ۔ہم حضرت بیر شریف والوں کے جتنے بھی فضائل ومحاسن بیان کرنا چاہیں نہیں کرسکتے۔میری دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ان جیسا

علم تقویٰ اور حق پر مر مٹنے کا جذبہ نصیب فرمائے اور اللہ تعالیٰ جمعیۃ کو حضرتؒ جیسے صالحین کی سرپرستی ہی نصیب فرماتا رہے۔

16 جون 1999ء جبیس ہوٹل خطاب کے بعد جلسے کے اختتام پر حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم نے رقت آمیز دعا فرمائی جو ہم سب کی زبانوں پر ہونی چاہیے اور وہ دعا یہ ہے:

''اے اللہ جمعیۃ علماء اسلام کو استقامت علی الحق عطا فرما اور جو تھوڑی بہت محنت ہو رہی ہے اپنی بارگاہ میں قبول فرما، اے اللہ غلبہ اسلام کی جو محنت جمعیۃ علماء اسلام کر رہی ہے اس محنت کو اپنے دربار میں قبول فرما، اس محنت کا ثمرہ ہمارے سامنے ظاہر فرما، اے اللہ ہمارے قائد کے علم، عمل اور عمر میں برکت عطا فرما۔ جتنے بھی ہمارے بزرگ انتقال فرما گئے ہیں جن میں مولانا عبدالکریمؒ (بیر شریف والے)، حضرت مولانا سبحان محمود صاحبؒ، حضرت مولانا طاسین صاحبؒ، حضرت مولانا موسیٰ خان صاحبؒ سب کو جنت الفردوس عطا فرما، ان کے درجات بلند فرما اور ان کے نقش قدم پر ہمیں چلنے کی توفیق عطا فرما''۔

و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین.

برحمتک یا ارحم الراحمین.

☆......☆......☆

حصہ دوئم

یہ حصہ ملک کے نامور شعراء کے منظوم تاثرات
کا حامل ہے

حجتہ الاسلام سے قائد جمعیۃ تک

شاعر جمعیۃ: سید سلیمان گیلانی حفظہ اللہ

سن اٹھارہ سو ستاون کو چلا ایک قافلہ — وہ سفر کرتا رہا طے مرحلہ در مرحلہ

قافلہ چلتا رہا، چلتا رہا، چلتا رہا — خون سے اس کے چراغ حریت جلتا رہا

حضرت محمودؒ و قاسمؒ حق کے دو انعام تھے — ایک شیخ الہندؒ تھے اک حجۃ الاسلامؒ تھے

جس نے آزادی کا اپنے خون سے سینچا چمن — وہ عبید اللہ سندھیؒ جس نے چھوڑا تھا وطن

وہ حسین احمدؒ وہ امروٹیؒ سے اللہ کے ولی — وہ بخاریؒ ضیغم دین، مردِ حق احمد علیؒ

سب کے سب یہ عالم دین، عامل قرآن تھے — سب کے سب اس کاروانِ حریت کی جان تھے

اپنی آزادی کی خاطر ہر بلا سہتے رہے — حریت کے راستے میں ہر سزا سہتے رہے

گردنیں کٹوائیں، گھر لٹوائے، فاقے سہہ لئے — شہر تنگ ان پر ہوئے تو جنگلوں میں رہ لئے

تم سمجھتے ہو کہ آسانی سے آزادی ملی — اصل میں یہ ان کی قربانی سے آزادی ملی

قائد اعظم ہمارے ملک کے بانی بنے — ان کے ساتھی حضرت شبیر عثمانیؒ بنے

اس وطن میں جو تھے جمعیۃ کے میر اولیں — حضرت احمد علیؒ ان کے بنے پھر جانشیں

ان کے بعد آئے جماعت کی امارت کے لئے — حضرت درخواستیؒ جیسے قیادت کے لئے

ان کے ساتھی اک غلام غوثؒ اک محمودؒ تھے — وصف ان اسلاف کے جن میں سبھی موجود تھے

ہم کو منزل کا نشان دے کر ہوئے وہ بے نشاں — ان کی ہم قربانیاں ہونے نہ دیں گے رائیگاں

ابن مفتی کی قیادت میں بڑھائیں گے قدم — یعنی ہم جھکنے نہیں دیں گے کبھی حق کا علم

فضل رحمان پر خصوصی فضل ہے رحمٰن کا — پاسبان ہے آج وہ دین و وطن کی آن کا

اپنے والد کا ہے بے شک وہ حقیقی جانشیں
وہ کسی جابر، کسی ظالم سے ڈرتا ہی نہیں

کر سکا نہ دام میں لا کر اسے دشمن شکار
یعنی اس کی ساری تدبیروں سے ہے وہ ہوشیار

جبر منہا طبع کو اس کی تھا ایسے بھا گیا
آمریت سے ضیاء الحق کی وہ ٹکرا گیا

وہ حکومت میں رہا بھی تو اصولوں پر رہا
تب بھی اس نے جس کو حق سمجھا وہی منہ پر کہا

غیر حق کا خوف اس پر چھانے والا ہی نہیں
وہ کسی الزام سے گھبرانے والا ہی نہیں

لوگ کیا کیا تہمتیں دھرتے ہیں اس کے نام پر
وہ جواباً ہنس دیا کرتا ہے ہر الزام پر

اس پہ حملے کرنے والو کچھ کرو خوفِ خدا
تم سمجھتے ہو کہ تم ہو مالک قدر و قضا

اپنی کرتوتوں پہ تم کو شرم آنی چاہیے
ڈوب مرنے کے لئے اشکوں کا پانی چاہیے

☆......☆......☆

مرحبا مرحبا!

مولانا فضل الہادی، المیدانی

استاذ الحدیث جامعہ اشاعت الاسلام، مانسہرہ

استقبال قائدجمعیۃ بمقام جامعہ تعلیم القران ٹھاکرمیرہ (۲۰ جون۲۰۰۸)

مَرْحَباً مَرْحَباً اَیُّھَا الْخِضْرِمُ — غَضَبُ رَبِّ اِمَامُ الْھُدٰی الْاَحزَمُ

اَنْتَ بَعْدَ الْاَکَابِرِ سُلْطَانُنَا — قَائِدُ الْعَصْرِ قَمْقَامُنَا الضَّیْغَمُ

وَقُلُوْبُنَا فَرَشْنَا لِاِتْیَانِکُمْ — کُلُّ جَفْنٍ لِاَقْدَامِکُمْ دَغْلَمْ

وَجِبَالُ الْھَزَارَا لَکُمْ تَنْحَنِیْ — اَنْتَ فِیْ اَرْضِھَا دَائِمًا تُکْرَمُ

اَنْتَ فَخْرُ الزَّمَانِ وَشَمْسُ الْوَطَنْ — ثُمَّ قَرْمُ الْکِرَامِ لَنَا الْعَجْرَمُ

مِنْ اَبِیْکَ تَلَقَّیْتَ عِلْمَ التُّقٰی — وَھُوَ مُفْتٍ کَثِیْرُ النَّدٰی الْاَعْظَمُ

وتَرَبَّیْتَ مِن عَبْدِ حَقِّ الْفَخِمْ — وَھُوَ اُسْتَاذُ قَوْمٍ ھُوَ الْاَفْخَمُ

تَرْتَوِیْ مِنْ فُیُوْضِ النَّبِیْلِ الْاَرِبْ — وَھُوَ خَانْ مُحَمَّدْ لِذَا تُخْدَمُ

قَدْ اَجَازَکَ لُدْیَانَوِیُّ الْبَطَلْ — جَیْشَ اَعْدَاءِ دِیْنٍ لَقَدْ تَھْزِمُ

فِی السُّلُوْکِ لَقَدْ صِرْتَ شَیْخَ الزَّمَن — زَکَرِیَّا لَکَ الشَّیْخُ یَا کَرْدَمُ

مِنْ صَنَا دِیْدِ الاِسْلَامِ بِلْتَ الشِّیَمْ — بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکُمْ لِذَا تَزْعَمُ

اُسْدُ جَمْعِیَّۃٍ ثُمَّ اَضْیَافُنَا — فِیْ مَنَازِلِنَا رَبُّھَا اَنْتُمُ

مَرْحَباً مِنْ شُجَاعٍ وَ اِخْوَانِہٖ — وَالْکِفَایَۃِ مُفْتٍ ھُوَ الْاَیْھَمُ

فَضْلُ ھَادٍ یُحَیِّیْکَ بَدْرَ الْوَرٰی — ثُمَّ اَھْلًا لِمَنْ ھٰھُنَا یَقْدُمُ

لَمْ یَکُنْ شَاعِرًا قَطُّ مِنْ قَبْلِہٖ — ذَاکَ فَیْضُ الْخَلِیْلِ لَقَدْ یُرْاَمُ

☆......☆......☆

جمعیۃ علماء اسلام

مولانا یوسف مدظلہ، مانسہرہ،
فاضل دارالعلوم دیوبند

خدا کے دستِ قدرت میں جمعیۃ کی عناں ہے
خدا خود ہی جمعیۃ کا محافظ پاسباں ہے

جمعیۃ نام ہے سب کا خدا کے کام پر جڑنا
جمعیۃ کا یہی مقصد، جمعیۃ کی یہ پہچان ہے

جمعیۃ ایک وحدت ہے مسلمانان عالم کی
خدا کا ہاتھ اس پر ہے خدا اس کا نگہباں ہے

جمعیۃ کے سبھی افراد اللہ کے سپاہی
محمد مصطفی ﷺ اس کا میر کارواں ہے

خدا کی سرزمین پر ہو خدائے پاک کا قانوں
جمعیۃ کا یہ منشا، جمعیۃ کا یہ اعلاں ہے

برنگ ابیض و اسود خدا کے دیں کا پرچم
عظیم الشاں یہ پرچم جمعیۃ کا نشاں ہے

جمعیۃ کی نگاہ میں سارے عالم کی فلاح بہبود
جمعیۃ کے مقاصد میں تحفظ مال و جاں ہے

مٹا کر کفر کو، اونچا کریں اسلام کا پرچم
جمعیۃ کی تگ و دو سے یہی جذبہ عیاں ہے

یہ اُخیارِ امت مصطفی ﷺ کے دیں کا سرمایا
انہی کا علم و تقوی ملت بیضاء کی شان ہے

رہے گی تا قیامت یہ جماعت اللہ والوں کی
خدا کا نام لے کر یہ سوئے منزل رواں ہے

☆......☆......☆

کرن مہر دیوبند

شاعر جمعیۃ اطہر ہاشمی حفظہ اللہ، ہری پور ہزارہ

وہ شیخ الہند ہیں جن کو سبھی محمود کہتے ہیں — وہ دیوبند کے ولی ہمارے دل میں رہتے ہیں

اسیر مالٹا ہو کر دیا درسِ حریت — جو حق ملے ہیں بلا حق میں ستم ہنس ہنس کے سہتے ہیں

اسیر مالٹا تیری جماعت پر فدا ہو جاؤں — تیرے دیوانے ہیں تیری جمعیۃ میں ہی رہتے ہیں

تیرے محمود نے تیری جمعیۃ کو جلا بخشی — تیرا غیور بیٹا تھا جسے سب مفتی کہتے ہیں

ارے فضل الرحمٰن کرن مہر سورج دیوبند کی — خدا موجود رکھتا ہے جنہیں موجود رہتے ہیں

یہ میدان سیاست میں ہے جس کا یہ مقام اطہر — سیاسی بوڑھے جس کو سیاسی باپ کہتے ہیں

☆......☆......☆

الهدية الألانية إلى زعيم الجمعية مولانافضل الرحمن المحترم حفظه الله

مولانا فضل الہادی، المیدانی

استاذ الحدیث جامعہ اشاعت الاسلام، مانسہرہ

قَدْ أَتَانَا سَرِيَّ السُّرِى الْأَرْوَعُ ضَيغَمُ الدِّيْنِ صَمْصَامُهُ الْأَشْجَعُ

قَدْ سُرِرْنَا لِإِحْسَانِهِ جَاءَنَا مُصْلِحُ الْقَوْمِ مِنْ فَرْحَةٍ نَدْمَعُ

وَقُلُوبَنَا فَرَشْنَا لِأَقْدَامِهِ وَجُفُونَا بَسَطْنَا لِمَنْ نَسْمَعُ

فَهَزَارًا زَهَتْ بَلْ جِبَالٌ حَنَتْ عِنْدَ إِتْيَانِهِ أَرْضُنَا تَخْضَعُ

وَهُوَ تِذْكَارُ آبَائِنَا الْأَحْوَذِيُّ شِبْلُ مُفْتٍ كَبِيرٍ هُوَ الْمُقْنِعُ

جِهْبِذٌ عَارِفٌ بَاهِرٌ مُقْتَدَى دُوْنَ أَسْلَافِنَا شَيْخُنَا يَلْمَعُ

شَمْسُ قُطْرٍ وَبَدْرٌ وَ فَخْرُ الْوَطَن تَحْتَ أَفْلَا كِنَا صَاحِبِي أَبْدَعُ

سَالِسُ الْقَرْنِ كَالْمَدَنِيِّ الْأَرِبِ شَيْخُ هِنْدٍ وَسِنْدِيْ نِ الْأَسْنَعُ

أَحْسَنُ الصَّوْتِ غِطْرِيْفُنَا الامجدُ فِيْ خِطَابَتِهِ الْمُفْحِمُ الْمِصْقَعُ

مِنْ أَكَابِرَ فَيْضَ إِلٰهِهِ التَّقَلْ مِنْ دِيُوْبَنْدَ مَعْ حَرَمٍ يَجْمَعُ

أَنبِيَاءَ جَمِيعًا وَسُلْطَانَهُم ثُمَّ أَصْحَابَهُ كُلَّهُمْ يَتْبَعُ

وَهُوَ شَيْخُ الطَّرِيْقَةِ وَالْعَبْقَرِيْ زَهْدَمٌ مِدْرَةٌ شَأْنُهُ أَنْقَعُ

قَامَ قَرْمٌ لِاحْيَاءِ دِيْنِ الصَّمَد وَبِإِعْلَاءِ حَقٍّ لَقَدْ يَصْدَعُ

صَارَ قَائِدَنَا فِي شَبَابٍ لَهُ مِنْ كِيَاسَتِهِ الشَّيْخُ لَا يُخْدَعُ

وَارْتَقَتْ بَعْدُ جَمْعِيَّةٌ فِي الْعُلَىٰ جُلُّنَا فِيْ سِيَاسَتِهِ أَرْفَعُ

ذَبَّ عَنْ دِيْنِ رَبٍّ ذِئَابَ الزَّمَنْ شَرَّ ذَا الْجَوْرِ دَوْمًا وَلَا يَفْزَعُ

لَمْ يَخَفْ غَيْرَ خَلَّاقِنَا ذِي الْمِنَن يَعْبُدُ اللّٰهَ دَوْمًا لَهُ يَرْكَعُ

فَضْلُ رَحْمٰنِ هِمْهِمُنَا الدَّاهِيَةْ عَجْرَمٌ كَوْثَرٌ صَدْرُهُ أَوْسَعُ

مَرْحَبًا بِزَعِيْمِ الْكِرَامِ الْفَهِمْ ثُمَّ أَهْلًا وَ سَهْلًا أَيَا مِلْسَعُ

مَرْحَبًا بِإِمَامِ الْهُدَى وَالتُّقَى نَجْلِ مَحْمُوْدِنَا دَائِمًا يَنْفَعُ

مَرْحَبًا بِالْهُمَامِ وَأَهْلِ الْكَرَمْ ثُمَّ أَهْلًا بِهِمْ كُلِّهِمْ أَصْمَعُ

فَضْلُ هَادٍ يُحَيِّيْكَ بِالْقَائِدِيْ قَمَّتْ أَعْدَاءَ حَقٍّ لَقَدْ تَرْدَعُ

لَمْ يَكُنْ شَاعِرٌ قَطُّ مِنْ قَبْلِهِ ذَاكَ فَيْضُ الْخَلِيْلِ هُوَ الْمَنْبَعُ

حصہ سوئم

اس حصہ میں مجلّات کے شذرات و اقتباسات درج ہیں۔

اکابرین کی مجموعی سوچ
اور ہمارا کردار

فروری 1987ء میں جے یو آئی، ضلع خانیوال کے تربیتی اجتماع سے مولانا حق نواز جھنگویؒ کا فاضلانہ خطاب

انتخاب: قاری محمد یونس، (خیابان جمعیۃ) پڑہنہ مانسہرہ

معزز علماء کرام، عزیز طلباء گرامی قدر سامعین کرام!

آج کا یہ عظیم اجتماع جمعیۃ علماء اسلام، ضلع خانیوال کے ضلعی کنونشن کے عنوان سے معنون کیا گیا ہے اور اس اجتماع کو کنونشن کا نام دیا گیا ہے۔ اب تک مختلف موضوعات پر متعدد تقاریر ہو چکیں اپنے اپنے انداز میں علماء مقررین، خطباء اور شعراء نے آپ حضرات کے دلی جذبات کی ترجمانی کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں یہ کوشش کروں گا کہ آپ کا زیادہ وقت صرف نہ کروں اور آپ کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ آپ جتنی دیر تشریف فرما رہیں تو پوری توجہ کے ساتھ تشریف فرما رہیں۔

جمعیۃ علماء اسلام، اسلام کی داعی جماعت ہے۔ اسلام کی دعویدار جماعت ہے۔ اسلام کو پاکستان کی زمین پر عملاً نافذ کرنے کی طرف سفر کر رہی ہے اور آپ بھی دیر سے اب تک بار بار یہی سماعت فرما رہے ہیں کہ جمعیۃ پاکستان میں اسلام چاہتی ہے اسلام ہی کے لئے کوشاں ہے۔ لیکن ایک بات آپ کے ذہن میں آئی ہو گی اگر نہیں آئی تو کوئی لائے گا ضرور کہ جمعیۃ کیسے اسلام چاہتی ہے؟ کیا ولی خان کے ساتھ اتحاد کی صورت میں اسلام آجائے گا یا اصغر خان کے ساتھ اتحاد کی صورت میں اسلام آجائے گا؟ کیا مسلم لیگ کے ایک دھڑے کے ساتھ اتحاد کی صورت میں اسلام آجائے گا؟ کیا پیپلز پارٹی کے ساتھ اتحاد کی صورت میں

اسلام آ جائے گا؟ جبکہ ان میں بہت ساری وہ پارٹیاں ہیں جن کے جماعتی منشور و پروگرام میں اسلام نام کا کوئی نکتہ نہیں ہے۔ وہ سیکولر نظام کے داعی ہیں، سوشلزم کے داعی، لینن ازم کے پروگرام کے داعی ہیں۔ عملی زندگی میں بھی ان کا نتیجہ تباہ کن ہے، کردار نہایت برا ہے تو ان لوگوں کے ساتھ اتحاد کی صورت میں آپ کیسے اسلام لائیں گے؟ یہ ایک سوال آپ کے ذہن میں نہ بھی آیا ہو تو لایا جائے گا۔

میری ہمیشہ سے ایک عادت ہے اور آج بھی میں اپنی اس عادت کے مطابق گفتگو کروں گا کہ اپنے کسی بھی ہم مسلک بزرگ، عالم دین، چاہے وہ میرا ہم عمر ہو، چاہے مجھ سے عمر میں چھوٹا ہو۔ میں کوئی بھی لفظ ایسا اس کے لئے استعمال کرنا مناسب نہیں سمجھتا جس سے اس کی ہتک عزت ہوتی ہو لیکن حقائق کے لحاظ سے گفتگو کرنے کو بھی پیدائشی حق سمجھتا ہوں اور یہ حق مجھے اللہ اور رسول ﷺ نے دیا ہے کہ مشورے اور رائے کی حد تک اگر صحابہ رسول ﷺ سے اختلاف کر سکتے ہیں تو مجھے کیوں حق نہیں؟

میں عرض یہ کر رہا ہوں کہ یہ سوال یقیناً ذہن میں آئے گا یا لایا جائے گا یا لایا جاتا ہے یا لایا جا رہا ہے کہ تم بات اسلام کی کرتے ہو لیکن اسلام کیسے لاؤ گے؟ میں اس بات کو ذہن نشین کرانے کے لئے بہت پیچھے جاتا ہوں تاکہ بات آسانی کے ساتھ آپ کے ذہن میں آئے۔ زیادہ پیچھے نہیں ایک صدی پیچھے آپ کو لے جانا چاہتا ہوں۔ دارالعلوم دیوبند کا قیام، دارالعلوم دیوبند کی اساس اور بنیاد برصغیر میں اسلام کے غلبے ہی کے لئے رکھی گئی تھی۔ اسی اسلامی نظام کے غلبے کی طرف قدم بڑھانے کے لئے میرے اور آپ کے اکابر نے شاملی کے میدان میں قربانی دی، جنگ لڑی، ماریں کھائیں اور قربانی دے کر ایک حد تک سفر طے کیا۔ اس وقت وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ قافلہ کسی وقت اپنی حیثیت منوالے گا۔ بظاہر وہ تاریخ کرش کر دی گئی لیکن اس نے بنیاد ضرور باندھی۔ پھر ایک وقت آیا کہ اکابر علماء دیوبند، اکابر اہل سنت نے اسی تڑپ کو سامنے رکھ کر کہ ہمیں اسلام کو غالب کرنا ہے پھر قدم بڑھایا اور مختلف الخیال افراد کے ساتھ اتحاد کر کے تحریک ترک موالات کا آغاز کیا۔ تحریک

خلافت، تحریک ریشمی رومال اس کا ایک حصہ تھی۔ ان تمام تحریکوں میں وہ لوگ شامل تھے جن کا ہمارے ساتھ مسلکی اختلاف بھی تھا، سوچ اور فکر کا اختلاف بھی تھا لیکن مختلف مکاتب فکر کے لوگ ایک نکتے پر متفق تھے کہ ملک کو آزاد ہونا چاہیے، انگریز کے پنجہ استبداد سے ملک کو نکالنا چاہیے جبکہ انگریزی تختہ الٹنے پر برطانوی سلطنت کو تہہ و بالا کرنے میں ہندو جیسی کافر طاقت بھی ہمارے ساتھ تھی۔ اجتماعات اکٹھے، کانفرنسیں، گرفتاریاں، جلسے جلوس اکٹھے۔ یہ سوال اس وقت بھی ذہن میں ابھرتا تھا کہ آپ محض ملک کی آزادی چاہتے ہیں یا اسلام کا غلبہ چاہتے ہیں؟ ہمارے اکابرین کی سوچ اس وقت بھی یہی تھی کہ ہماری منزل تو اسلام کا غلبہ ہے لیکن اس راستے میں جو رکاوٹیں ہیں ہم ان رکاوٹوں کو ایک حکمت عملی اور حسن تدبیر کے ساتھ زائل کرنا چاہتے ہیں اور انہیں راستے سے ہٹا کر ہم اپنی منزل تک پہنچنا چاہتے ہیں۔

چنانچہ سوالات ابھرے، اعتراضات ہوئے، ایک کافر کے ساتھ مل کر آپ دوسرے کافر کو نکالنا چاہتے ہیں؟ تمہارا مقصد، منزل اور پروگرام کیا ہے؟ یہ اعتراض اس وقت بھی تھا جس کا میرے اور آپ کے اکابرین نے بڑی سنجیدگی اور متانت کے ساتھ جواب دیا اور قوم کو یہ باور کرایا کہ ہر کام کرنے کا ایک طریقہ کار ہے۔ ہر میدان میں اترنے کا طریقہ واردات ہے۔ کچھ میدان وہ ہوتے ہیں جن میں حکمت عملی کے ساتھ اترا جاتا ہے۔ بعض اوقات جذبات کام دیتے ہیں اور بعض اوقات سنجیدگی اور متانت کام دیتی ہے۔ بعض اوقات ہتھکڑیاں پہننا کام آتا ہے اور بعض اوقات ٹیبل ٹاک جنگ جیتنے کا سبب بنتی ہے۔ یہ مختلف حالات ہوتے ہیں اور ہمیشہ تاریخ میں آئے۔

ہمارے اسلاف اور ہمارے اکابرین نے، وہ اکابر جن کے ایمان کو میں اگر پہاڑ سے وزنی ایمان کہوں تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ انہوں نے ایک کھلے کافر کے ساتھ بیٹھ کر، چل کر، تحریک چلا کر جنگ لڑ کر قوم کو ایک ذہن دیا کہ بعض اوقات۔ تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا وبینکم۔ کے تحت غیر مسلم کو اپنے ساتھ کلمہ واحد پر جمع کر کے حکمت عملی کے ساتھ اپنی منزل تک پہنچنے کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے اور اس کے مطابق کام کیا جا سکتا ہے۔ شیخ الہندؒ سے بڑا ایمان

میرا اور آپ کا نہیں ہے، یقین جانیے ! نہیں ہے۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بڑا آج اس صدی میں نہ کوئی شیخ الحدیث ہے نہ کوئی مفتی ہے نہ کوئی متقی اور پرہیز گار ہے لیکن اتنا بڑا متقی اور پرہیز گار عالم بھی ایک کھلے کافر کے ساتھ ایک وقت تک چلتا ہے۔ یہ سوچ کر نہیں کہ اس کے دل میں کفر کی محبت ہے یا اس کے ساتھ انس رکھتا ہے۔ یہ طریقہ واردات تھا کہ ہم اپنی منزل تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟ چنانچہ انہوں نے یہ طریقہ کار اختیار کر کے یہ منزل حاصل کی اور آج بھی پوری قوم پر حسین احمد مدنیؒ کا احسان ہے، آج بھی پوری قوم پر عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا احسان ہے کہ اپنی پشت پر بستر اٹھانے والی جماعت، چٹائی پر بیٹھنے والی جماعت اور جس کو کئی کئی دن تک کھانا میسر نہیں آتا تھا، چنے چبا کر کام کرنے والی جماعت نے برطانوی گورنمنٹ کے چمکتے ہوئے سورج کو ہمیشہ کے لئے غروب کیا اور اپنی خودداری، شجاعت، بہادری اور للّٰہیت کا لوہا منوایا۔ ملک آزاد ہوا انگریز اس پر تیار ہو گیا کہ میں بستر گول کرتا ہوں لیکن اس نے ایک چال چلی، مسلم قوم کو دولخت کرنے کی، توجہ کیجئے ! میں بات کہنا چاہوں گا لیکن کہوں گا بڑے ادب سے زبان درازی سے نہیں۔ نیک نیتی کے ساتھ، خلوص کے ساتھ، للّٰہیت کے ساتھ، اپنی قبر اور آخرت کو سامنے رکھ کر قرآن وسنت پر عمل پیرا ہو کر، اور اسلامی نظام کے غلبے کے جذبے کے ساتھ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب مسٹر جناح کے ساتھ آئے تھے۔ میں ان کی نیت پر حملہ کرنا اپنی قبر اور آخرت کی بربادی سمجھتا ہوں۔ لیکن آپ آج بھی تسلیم کریں گے کہ موقف مولانا حسین احمد مدنی کا درست تھا۔ آپ کو یہ موقف آج بھی ماننا ہوگا تسلیم کرنا ہوگا بعینہٖ وہی سوچ آج بھی ہے۔

میں کسی بزرگ کی بزرگی پر اعتراض نہیں کرتا، نہ کرنا چاہتا ہوں نہ کسی کے تقوے کو اڑانا چاہتا ہوں نہ میرے اندر یہ سکت ہے، میری تو زندگی کا ایک حصہ اسلاف کیلئے لڑتے لڑتے گزر چکا ہے، ایک عرصہ علماء دیوبند کا دفاع کرتے گزر چکا ہے ایک عرصہ علماء دیوبند کی تحریرات کا جواب دیتے گزر چکا ہے میں نے اکابر کی تحریرات پر کیے گئے اعتراضات صاف کرنے کے لئے ایک مکتب فکر سے مناظرہ تک بھی کیا میں کیسے علماء دیوبند کے کسی فرد

کے خلاف زبان درازی کرسکتا ہوں لیکن اتنا تو مجھے حق ہے کہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب اس وقت اگر نیک نیتی کے ساتھ ایک ایسا راستہ اختیار کرتے جس راستے میں آنے والی قوم کے لئے خطرات ہی خطرات ہیں، تو کیا آج کوئی بزرگ، کوئی قطب ایسے راستے پر نہیں جا سکتا کہ جس راستے کا انجام کار جنرل ضیاء اس ملک سے اسلام کا ہمیشہ کیلئے صفایا کر دے، ضیاء الحق نے بعینہ برطانیہ کی طرح وہ چال چلی کہ وہ سیاسی قوت کو پامال کر دے۔ اس نے جماعتیں لڑائیں، افراد لڑائے، ادارے لڑائے، لیڈر لڑائے، طلباء لڑائے، قوم لڑائی، مزدور اور کسان کو لڑایا۔ اتنی بڑی سازش کے بعد بھی آج اگر آپ اس جنرل ضیاء کو ملک کا غدار، دشمن اور دین کا دشمن تصور نہیں کرتے تو مجھے آپ کی سوچ پر حیرت ہوتی ہے۔

میں آپ سے یہ کہوں گا کہ آپ کے بچے ہی سہی، ہم آپ کے کارکن سہی، ہم رضا کار سہی، لیکن کبھی کبھی ایک چیونٹی بھی صحیح بات کہتی ہے اور کبھی کبھی ہد ہد بھی پانی کا پتہ پیغمبر کو دیتا ہے۔ ہد ہد اور پیغمبر کا کیا مقابلہ؟ بولیے ہے کوئی مقابلہ؟ ہد ہد پانی کا پتہ دیتی ہے تو اس سے کیا پیغمبر کے علم میں کمی آگئی؟ ہد ہد پانی کی نشاندہی کرتا ہے تو کیا پیغمبر کی عظمت ختم ہوگئی؟ تو اگر آج ہم نوکر کی حیثیت سے یہ کہہ ڈالیں کہ جنرل ضیاء دھوکے سے پاکستان میں اسلامی نظام کو بہت دور پھینکنا چاہتا ہے تو دنیا مجھے یوں کیوں کہہ دیتی ہے کہ تم حافظ الحدیث حضرت درخواستی زید مجدہم کی توہین اور گستاخی کر رہے ہو، مجھے ہد ہد سمجھ لیجئے، میں پانی کا پتہ دے رہا ہوں۔ اس میں حضرت درخواستی کا تقویٰ پامال نہیں ہو رہا۔ جیسے ہد ہد کے پانی بتلانے سے حضرت سلیمانؑ کی شخصیت میں فرق نہیں آتا، حق نواز کی ایک سوچ اور رائے کے ظاہر کرنے سے شیخ الحدیث، حافظ الحدیث حضرت درخواستی کی للّٰہیت اور ان کے تقوے، علم وفہم اور پرہیز گاری میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

اگر آج میں علامہ عثمانیؒ سے اختلاف کرسکتا ہوں اور ان کے تقوے، پرہیز گاری، علم و عمل اور ان کے بحر العلوم ہونے میں کوئی فرق نہیں آیا تو بعینہ اسی طرح مجھے بنیادی حق ہے کہ میں اپنے اور کسی بزرگ سے بھی رائے اور سوچ کی حد تک اختلاف کرلوں یہ الگ بات کہ اگر

دلائل سے میری سوچ اور رائے کو بدل دیا جائے تو ہم اپنی رائے اور سوچ کو کوئی ختم نبوت کا عقیدہ بھی نہیں مانتے کہ اس سے ہٹ کر سوچا نہیں جا سکتا لیکن فرق یہ ہے کہ قائل تو کر دیا جائے۔ بات سمجھا تو دی جائے۔

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اکابرین کی ایک سوچ تھی ایک منزل تھی۔ انہوں نے مختلف حالات میں ایک حکمت عملی کے ساتھ کام کیا اور اس میدان کو تدریجاً جیتتے چلے آئے۔ برطانوی سازش تھی کہ ملک چھوڑا جائے، آزاد کیا جائے لیکن قوم تقسیم کر کے کیا جائے۔ آج ضیاء الحق کی بھی یہ سازش ہے کہ اقتدار چھوڑ دوں لیکن قوموں میں اتنی خلیج پیدا کر دوں، اقوام پاکستان کو اس حد تک لڑا دیا جائے کہ یہ قریب قریب زمانے تک ایک ٹیبل تک نہ آ سکیں، ایک جگہ نہ بیٹھ سکیں۔ اس نے بڑی چالاکی کے ساتھ اس پر پورے 9 برس محنت کی ہے۔ نو برس اس نے صرف کیئے ہیں کہ وہ کس انداز میں کس کس کو توڑ سکتا ہے اور اس میں وہ ایک حد تک کامیاب ہوا۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جمعیۃ علماء اسلام کے اکابر اور اسلاف کی ایک سوچ چلی آ رہی ہے، مقصد تو اسلام کا غلبہ ہے لیکن اس منزل تک کیسے پہنچا جائے؟ مختلف زمانے آئے، مختلف ادوار آئے، مختلف تحریکیں چلیں اور میرے اور آپ کے اکابرین نے کام کیا۔ گندے سے گندے لوگوں کے ساتھ مل کر بھی انہیں کام کرنا پڑا، بہرحال وہ ایک منزل تک پہنچ گئے۔ پاکستان بنا اختلاف رائے اس وقت بھی ہوا بڑی معذرت کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ جب میں درسگاہ میں بیٹھ کر پڑھاتا ہوں یا طلباء کی ذہن سازی کرتا ہوں کہ حضرت امام ابوحنیفہ نور اللہ مرقدہ کی قبر کے پاس امام شافعیؒ نے نماز پڑھی اور رفع یدین نہیں کیا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپؒ نے رجوع کر لیا رفع یدین کے موقف سے؟ تو جواب ملا کہ نہیں موقف تو وہی ہے لیکن چونکہ صاحب قبر کا یہ موقف نہیں اس لئے اس سے حیاء کرتے ہوئے میں نے رفع یدین چھوڑ دیا۔

درسگاہ کی تعلیم جب یہ ہے تو آج وہ وسعت قلب کیوں نہیں ہے؟ جس کے ساتھ تھوڑا

بہت اختلاف ہوتا ہے اس کی پگڑی کیوں اچھالی جاتی ہے؟ یہ قول وعمل میں اتنا تضاد کیوں ہے؟ تم کیوں کسی کو اختلاف رائے کا حق نہیں دیتے؟ بات تو سن لینی چاہیے۔ اس پر غور تو کر لینا چاہیے۔ شاید میں وہی ہد ہد کی طرح پانی کا پتہ دے رہا ہوں۔ ہد ہد ہی تو ہے نہ وہ معاذ اللہ کوئی بڑی چیز بن جائے گی اور ہد ہد پیغمبر کو پانی کا پتہ دیتا ہے تو اگر ایک ہد ہد پتہ دیتا ہے کہ یہاں پانی ہے اس سے اس کا کوئی کمال ثابت نہیں ہوتا۔ اگر واقعی پانی وہاں ملتا ہے تو اس کو شاباش دینی چاہیے۔ اس کے لئے دعا کرنی چاہیے اس سے آپ کے تقوے اور پرہیز گاری وللہیت، علم وفہم میں کمی نہیں آئے گی۔ مجھے اور آپ کو بھی یہی سوچ لینا چاہیے کہ رائے کا اختلاف ہوگا۔ سوچ کا اختلاف ہوگا اسے برداشت کر کے آپ اس سٹیج پر آیئے کہ آپ کے اسلاف کی مجموعی سوچ کیا ہے؟ اگر وہ دل سے کفر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے تھے تو یہ پوچھنے کا حق ہوگا کہ وہ لوگ ایک وقت میں پیر پگاڑا جیسے مزاحیہ انسان کی قیادت میں کیوں چلتے رہے؟ مفتی محمودؒ جیسا بحرالعلوم، فقیہ اعظم ہزاروں علماء کا استاد ایک وقت میں شرابیوں کی قیادت میں چلتا ہے کو وہ متحدہ محاذ کے لیڈر ہیں۔ مفتی محمودؒ اس کے کارکن کی حیثیت سے ساتھ چل رہے ہیں۔ مفتی محمودؒ اس وقت بھی اس کو سربراہ کی حیثیت سے نہیں مان رہے تھے۔ مفتی محمودؒ اس وقت بھی اسے متقی اور پرہیز گار نہیں مان رہا تھا، لیکن مفتی محمودؒ کا ایک صبر تھا کہ میں قومی قیادت کے سٹیج پر کس راستے سے آسکتا ہوں، کب آسکتا ہوں ایک عرصے تک اس نے ولی خان جیسے سیکولر کو قائد مان لیا۔ لیکن سفر طے کرتے کرتے پھر اس سٹیج پر آیا کہ پاکستان کا بریلوی تھا۔ تب مفتی محمودؒ کی قیادت میں دیوبندی تھا، اہلحدیث تھا رافضی تھا۔ اس نے لوہا منوالیا، فہم منوالیا۔ اگر سوچ چڑیا جتنی ہوتی اور سائی کان پھونک لیتا جیسے چمچے بزرگوں کے کان میں پھونک مار دیتے ہیں۔ مفتی صاحب ولی خان حزب اختلاف کا لیڈر، تو اتنا بڑا بحرالعلوم لیڈر ولی خان سیکولر جس کے باپ کو لوگ سرحدی گاندھی کہتے ہیں، کوئی کان میں پھونک مارتا ماری ہوگی پھونک کسی نے ضرور چمچوں کی کمی اس وقت بھی نہیں تھی، لیکن وہ انسان ایک سوچ رکھتا تھا اس کے سامنے اکابرین کی ایک زندگی تھی کہ میں نے منزل تک پہنچنا ہے

اس کے لئے حکمت عملی چاہیے ،راستہ چاہیے، اس کے لئے تدبیر چاہئے۔اس کے لئے کوئی لائن چاہیے ۔ایک وقت تک ولی خان کو بھی حزب اختلاف کی حیثیت سے اسمبلی میں مان لیا ایک وقت تک پیر پگاڑا جیسے بٹیر باز کو بھی مان لیا لیکن انجام کے لحاظ سے اپنی سیاسی بصیرت کالوہا منوالیا۔آگے چلنے سے پہلے میں یہ بھی کہتا ہوں کہ آپ کو اکابر کی مجموعی سوچ سامنے رکھ کرتا کہ آپ تہ تک پہنچ سکیں۔دوست اور دشمن کی پہچان کر سکیں۔

عقیدہ ختم نبوت ایمان کا حصہ ہے عفت اصحابؓ رسولﷺ ایمان کا حصہ ہے۔میں عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے ابوبکر وعمرؓ کا بڑا عاشق نہیں۔حاشا وکلا مجھ سے بڑا عاشق عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ابوبکرؓ کا تھا، مجھ سے بڑا عاشق امیر شریعت عمر، عثمان، علیؓ کا تھا۔مجھ سے زیادہ محبت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو اصحابؓ پیغمبرﷺ سے تھی اور وہ ان ساری چیزوں کو جانتے تھے۔اس کے باوجود اس کے سامنے خاتم الانبیاءﷺ کی ختم نبوت کا مسئلہ آتا ہے تو وہ اس وقت اسی ابوبکر وعمرؓ کے دشمنوں کو ساتھ لے کر وہی اکابرین کی حکمت عملی وہی لائن وہی طریقہ کار اختیار کر کے منزل تک پہنچنے کے لئے راستہ ہموار کرتا ہے کہ بیشک اس کی بغل میں وہ بھی ہے جو ابوبکر کو نہیں مانتا وہ بھی ہے جو عمر کو نہیں مانتا وہ بھی ہے جو عثمان کو نہیں مانتا۔بخاری (امیر شریعتؒ) دل سے ان سے پیار نہیں کرتے ہوں گے۔ان کا ایمان بہت بڑا ایمان تھا لیکن وہ جس منزل پر جانا چاہتے تھے اس کے راستے میں ایک رکاوٹ تھی۔آج تم کہتے ہو کہ قادیانی کافر ہے کل کسی اور کو کہو گے یہ رکاوٹ تھی۔بخاری سوچتا رہا کہ رکاوٹ کیسے ہٹاؤں۔اگر بخاری جذبات کی رو میں بہہ جاتا کہ رکاوٹ پڑی رہے، میں ابوبکرؓ کے دشمن کو کیسے ساتھ لگالوں؟ تو قادیانیت آج تک پہنچتی رہتی، آج تک سروں پر مسلط رہتی۔اس نے زہر کا گھونٹ پیا لیکن تیرے لئے ایک منزل حاصل کی۔اب تیرے آگے ایک منزل ہے تو ہمت کر لیکن اعتراض نہ کر حکمت عملی پر چل۔اب دوسرا نمبر تیرا ہے تو سفر شروع کر،اشارہ میرے خیال میں کافی ہوگا۔اب تیرا نمبر ہے تو آ میدان میں،تو دوسرا راستہ اختیار کر کے دوسری منزل حاصل کرلے۔

اکابرین نے ہمیں ایک سوچ دی ہے کام کرنے کا طریقہ دیا ہے بلکہ ایک اور بات کہہ دوں اسی ضلع کی بات ہے کہ ایک سنی امیدوار ہمارا لیڈر بغل میں شیعوں کو لئے پھر رہا ہے۔ابوبکر و عمرؓ کے دشمنوں کو لئے پھر رہا ہے ہم نے اس کی تائید کی۔بائیکاٹ کے باوجود میں نے اس کے لئے ووٹ مانگے۔میرے مسلک کے اور ساتھیوں نے بھی ووٹ مانگے۔اعتراض اس وقت بھی ہوا اس کے لئے ووٹ مانگتے ہو جس کے ساتھ وہ،وہ ۔۔۔ہیں؟ اس کے لئے ووٹ مانگتے ہو اور یہ "ان" کے ساتھ اکٹھے بیٹھ کر کھاتا پیتا ہے؟ اعتراض ہوا لیکن اس مجموعی سوچ نے ہماری دستگیری کی ہمیں راستہ بتلایا کہ ہم نے سیٹ لینی ہے انجام کار تو ہمارا ہے۔اس لئے ہم چلتے رہے ایک تو یہ وہ سوچ ہے کہ ہم ایک منزل تک پہنچنا چاہتے ہیں،راستے میں جگہ جگہ رکاوٹیں ہیں ان رکاوٹوں کو زائل کیسے کیا جائے،منزل تک کیسے پہنچا جائے۔ہمارے اسلاف کی میرے اور آپ کے اکابر کی یہ ایک مجموعی سوچ چلی آرہی ہے اور اس کے مطابق ہم ایک کام کرتے چلے آرہے ہیں۔اس مجموعی سوچ کا نتیجہ یہ نکلا جو آج آپ کے سامنے ہے۔

مثال کے طور پر پیپلز پارٹی جب 1970ء کا الیکشن لڑ رہی تھی تو اس کے جماعتی منشور میں درج تھا کہ ہمارا مذہب اسلام ہے ہماری معیشت سوشلزم ہے اور طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔یہ اس کا منشور تھا۔اس نے اس بنیاد پر الیکشن لڑا اور میدان جیت گئی۔پارٹی جب اقتدار میں آگئی تو اقتدار میں آنے والی پارٹیاں مختلف تھیں۔ولی خان تھا جس کے دستور میں اسلام نہیں اور اسی طرح کئی اور پارٹیاں آگئیں۔وہ پیپلز پارٹی جو برسراقتدار تھی اس کے جماعتی دستور میں بھی اسلام نہیں اور ہے وہ برسراقتدار لیکن ایک فرد آپ کا بلکہ دو کہیں وہ اسمبلی میں پہنچ گئے۔صرف دو ہیں لیکن ان کے سامنے اکابر کی سوچ تھی،حکمت عملی تھی،کام کا طریقہ کار تھا وہ اسمبلی میں لڑے انہوں نے پیپلز پارٹی کے منشور کو برباد کر دیا،ولی خان کا منشور برباد کر دیا جن کے منشور میں اسلام نہیں تھا اور جمعیۃ کے منشور میں اسلام تھا۔چنانچہ جب 1973ء کا آئین بننے لگا تو وہ آئین جمعیۃ کے دستور کے مطابق بنا۔تب پیپلز پارٹی

وعدہ کرتی ہے کہ دس سال کے بعد سوشلزم چھوڑ دیں گے۔ ولی خان اس بات کی پابندی کرتا ہے کہ میں سیکولرازم چھوڑ دوں گا۔ دس سال کے اندر اندر پاکستان میں وہ تمام قوانین جو غیر اسلامی ہیں مٹا دیئے جائیں گے۔ اسلام کا دعویٰ اسلامی منشور جمعیۃ کا تھا جس کو مفتی محمودؒ نے 1973ء میں منوایا۔ ساری پارٹیاں اپنا منشور چھوڑ گئیں اور اس منشور پر جو جمعیۃ کا منشور تھا عمل کیا۔ ولی خان چھوڑ گیا پیپلز پارٹی اپنا منشور چھوڑ گئی۔ اصغر خان چھوڑ گیا۔ 1973ء کے آئین پر دستخط کر گئے۔

اب آیئے اس سوال پر، منزل تھی ہمارے اکابرین کی، انجام اسلام کا غلبہ ہے۔ طویل جنگ لڑنے کے بعد مفتی محمودؒ یہاں تک لایا، مفتی محمودؒ چودھویں صدی کے آخر میں اس اسٹیج تک اس جنگ کو لڑتا ہوا اکابرین کی قیادت میں وہی سوچ لے کر وہی حکمت عملی لے کر یہاں تک لا کر منزل کو کھڑا کر گیا۔ مجھے اور آپ کو بتلایا گیا کہ اب اس منزل تک پہنچنے میں دس سال باقی ہیں۔ 1973ء میں آئین منظور کروا کر مفتی محمودؒ نے بتلا دیا کہ جس منزل کے لئے تم ایک صدی سے لڑ رہے ہو اس منزل تک پہنچنے میں اب دس سال باقی ہیں لیکن ایک وقت پھر وہ آیا کہ جنرل ضیاء الحق نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر 1973ء کے آئین کو معطل کیا۔ دس سال گزر چکے ہیں 1973ء کے آئین کے آنے کی دیر ہے۔ یہی منزل ہے جمعیۃ علماء اسلام کی۔

شاید وضاحت کے بغیر آپ کے ذہن میں نہ آئے وہ جو کہا گیا کہ اسلام چاہتے ہو تو پی پی کے ساتھ کیوں؟ اسلام چاہتے ہو تو ولی خان کے ساتھ کیوں؟ اسلام چاہتے ہو تو اصغر خان کے ساتھ کیوں؟ بعینہ اسی طرز کے ساتھ کہا جا سکتا تھا کہ مفتی محمودؒ اسلام چاہتا ہے تو اصغر خان کے ساتھ کیوں؟ اسلام چاہتا ہے تو پگاڑے کے ساتھ کیوں؟ اسلام چاہتا ہے تو مودودیوں کے ساتھ کیوں؟ اسلام چاہتا ہے تو نورانی کے ساتھ کیوں؟ اُس چیز کا جواب آپ دے دیجئے، اِس چیز کا جواب میں دوں گا۔

اور اگر وہاں یہ ہے کہ ایک حکمت عملی تھی، راستہ تھا، منزل تک پہنچنے کا تو ہماری بھی ایک حکمت عملی ہے منزل تک پہنچنے کے لئے، ایک سفر ہمارے اکابر طے کر گئے اگلا سفر ہم نے طے

کرنا ہے۔ پیپلز پارٹی نے ہمیں اسلام نہیں دینا وہ تو اپنا منشور چھوڑ چکی ہے اس کے منشور میں سوشلزم ہے۔ 1973ء کے آئین میں سوشلزم نہیں ہے۔ ولی خان کے منشور میں سیکولرازم ہے۔ 1973ء کے آئین میں سیکولرازم نہیں ہے۔ یہ تو جمعیۃ علماء اسلام کے منشور میں ہے کہ اس کے ذریعے سے پاکستان میں اسلام آتا ہے تو بے نظیر ہو تب بھی ہماری قیادت میں چل رہی ہے، ولی خان ہو تب بھی ہماری قیادت میں چل رہا ہے، نوابزادہ نصر اللہ خان ہو تب بھی ہماری قیادت میں چل رہا ہے کیوں؟ منشور ہمارا ہے۔ جب میرے منشور کے لئے کوئی لڑتا ہے، میرے دستور کے لئے کوئی جلوس نکالتا ہے، میرے منشور کے لئے کوئی جیل کاٹتا ہے تو وہ میری قیادت میں چل رہا ہے نہ کہ میں اس کی قیادت میں چل رہا ہوں۔

گرامی قدر سامعین! میری بات آپ کے ذہن میں اتری؟ اکابرین کی سوچ معلوم ہوئی؟ ایک بات اور بھی میرے بعض کرم فرما فرماتے ہیں کہ تم بزرگوں کو چھوڑ گئے ہو۔ میں ان کرم فرماؤں سے عرض کرتا ہوں کہ جناب والا نے کب سے لوح محفوظ پڑھ کر سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں کو اولیاء کی لسٹ سے نکالا؟ جناب! یہ تو فرمایئے میں تو آپ کے شیخ حضرت درخواستی کو ولی مانتا ہوں لیکن آپ کہتے ہیں بزرگوں کو چھوڑ گئے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ بزرگ سب آپ کی طرف ہیں۔ ادھر جتنے ہیں سب کو نکال دیا گیا تو وہ تاریخ بتلایئے کب آپ نے لوح محفوظ پڑھا ہے کہ خواجہ خان محمد ولایت کی لسٹ سے نکل چکا ہے؟ تاکہ مجھے بھی سوچ آئے اور میں بھی ان سے جدا ہو جاؤں کہ اب تو یہ ولی نہیں رہے۔ قطب نہیں رہے۔ آخر ہمیں بھی تو کوئی سوچنے کا موقع دیا جائے اور اگر آپ آج بھی خواجہ خان محمد کی بزرگی کے قائل ہیں پھر آپ بھی بزرگوں کے ساتھ ہیں، میں بھی بزرگوں کے ساتھ ہوں۔ یہ طعنہ چھوڑ دیں کہ بزرگوں کو چھوڑ گئے۔

میرے بہت سارے بھائیوں نے بزرگوں نے شاہ صاحب نے مولانا لقمان علی پوری صاحب نے اپنے مزاحیہ انداز میں مولانا ضیاء الرحمٰن صاحب فارقی نے دیگر علماء نے تذکرہ کیا بے نظیر کا۔ کسی نہ کسی انداز میں جواب دیا، دینے کی کوشش کی ہے کہ جی! لوگ اعتراض

کرتے ہیں لوگ یہ کہتے ہیں لوگ ایسا کہتے ہیں۔

میں کہنا چاہتا ہوں کہ وہی حکمت عملی ہے اکابرین کی کہ ہم ایک منزل تک پہنچنا چاہتے ہیں، راستے میں کچھ کانٹے ہیں ان پر چلنا ہے کہیں کہیں زہر کا گھونٹ ہے اس کو پینا ہے جیسے ہمارے اکابر پیتے آئے، ہندوؤں کے ساتھ چلے، زہر کا گھونٹ نہیں تھا؟ رفض کے ساتھ چلے، زہر کا گھونٹ نہیں تھا؟ ولی خان کے ساتھ چلے، جس مودودی نے سیدہ کائنات طیبہ طاہرہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے لئے اپنے غلیظ قلم سے تحریر کیا تھا کہ یہ نبی ﷺ کے سامنے زبان دراز تھیں۔ خدا کی قسم پیپلز پارٹی کا ظلم مودودی کے مقابلے میں کوئی وقعت کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

یہاں پر بہت سارے ادھر ادھر ہیں او جی! بزرگوں کو گالی دے رہا تھا۔ استغفر اللہ، معاذ اللہ! خدا کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں آپ کے شہر میں آج کوئی کتا حضرت درخواستیؒ کو بھونک کر دکھائے دیکھنا اس کا نوٹس کیسے لیتا ہوں میری رگوں میں اکابر علماء دیوبند کی محبت پیوست ہے۔ ٹھہریئے آپ نے اگر تجربہ کرنا ہے کہ تیرے شہر میں ایک پہلے بھونکتا تھا اس بھونکنے والے کا منہ بند کرنے کے لئے حق نواز آیا ہے۔ وہ بھونکنے والا یہی تو کہتا تھا کہ درخواستی کو لاؤ یہی تو کہتا تھا کہ دہلوی کو قبر سے نکال کر لاؤ وہ یہی تو بکتا تھا کہ تھانوی کو لاؤ! اس کی زبان بند کرنے کے لئے حق نواز نے وہی لہجہ استعمال کیا۔ لیکن یہ بات کہتا ہوں کہ طعنہ مت دو، گندے رنگ کا طعنہ مت دو کہ: "گندہ رنگاں دی سوچ اے کھندے جی بزرگاں دی مندے نئیں"۔

بزرگوں کو چھوڑ گئے۔ پروپیگنڈہ۔۔۔۔ جناب والا نے یہ اہل بدعت کا شیوہ کب سے اپنا لیا کہ بزرگوں کو نہیں مانتے؟ بزرگ کل بھی بزرگ تھے۔ آج بھی بزرگ ہیں وہ کل بھی متقی تھے آج بھی متقی ہیں۔ جہاں تک سوچ اور رائے کا تعلق ہے اگر حق نواز تنہا ہوتا تو خدا کی قسم! اپنی سوچ اور فکر کو حضرت درخواستی کے قدموں میں ڈھیر کر دیتا۔

میں نے اپنی سوچ استعمال نہیں کی میں نے حضرت خواجہ خان محمد کی سوچ کو اپنایا میں

نے اپنی سوچ استعمال نہیں کی میں نے تیرے اور اپنے شیخ، بزرگ، ولی اور قطب شیخ العرب و العجم مولانا حسین احمد مدنی کے خلیفہ اجل کی سوچ کو پکڑا ہے بلکہ کہنے دیں میں نے بیعت کی حضرت شیخ سید اسعد مدنیؒ کے ہاتھ پر۔ میرے اس شیخ کا جو فارمولا تھا اس کے مطابق میں نے لائن اختیار کی۔ میں نے چھچھورے پن میں کوئی ایسا راستہ اختیار نہیں کیا کہ کل اس راستہ سے مجھے کوئی ہٹائے گا۔ میرے شیخ نے یہ فیصلہ کیا ہے میرا شیخ وہ ہے کہ سیاست و تدبر جس کے گھر کی لونڈی ہے اس کے فارمولے کے مطابق میں نے مولانا فضل الرحمٰن کا ساتھ دیا ہے اور ایک بات آپ سے اور بھی کہتا ہوں ڈرتے ہوئے بھائی ڈر لگتا ہے۔ میں نے پاکستان میں کسی بزرگ کی بیعت نہیں کی بزرگ مانتے ہوئے بھی۔۔۔۔ خدا کی قسم! یہ نہیں کہ بزرگ نہیں مانتا ہوں۔ بزرگ مانتے ہوئے بیعت نہیں کی کہ کل اگر پاکستان کے بزرگ لڑے تو پیری اور مریدی کے چکر میں ہم نہ پھنس جائیں۔ اس وجہ سے بیعت نہیں کی لیکن بزرگوں کو لڑانے کا کردار چھوڑ دیجئے، کانا پھونسی چھوڑ دیجئے۔

سوچ اور رائے کا اختلاف ہے آپ کو کہنا چاہتا ہوں۔ آج میرے وہ دوست بھی ہیں جو مجھے کہتے ہیں بزرگوں کو چھوڑ گئے میرے ساتھیوں کو کہتے ہوں گے، میرے دیگر بزرگوں کو کہتے ہوں گے "بزرگوں کو چھوڑ گئے ہو" آج وہی ہیں جنھوں نے اپنے کانوں سے سنا نظمیں سنیں۔ (ٹن کٹیلا) کرنے کے لئے ایک سو تیرہ کے ساتھ اور بڑی خوشی کے ساتھ نعرے بلند کئے۔ میں انہی سے پوچھتا ہوں کہ کیا ان ایک سو تیرہ میں تم نے مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ کو شامل نہیں کیا تھا۔ مفتی محمد شفیعؒ کو اس وقت تو ایک سو تیرہ علماء کے فتوے میں شامل کر کے کہا گیا اور تم نے خوشی کے نعرے بلند کئے اس وقت تمہاری یہ بزرگی کی محبت کہاں گئی؟ ہم اس وقت بھی اس سوچ کو بکواس سمجھتے تھے اور آج بھی اس سوچ کو غلط سمجھتے ہیں۔ نہ اس وقت کسی بزرگ کی ہتک کے قائل تھے اور نہ آج کسی بزرگ کی ہتک کے قائل ہیں۔ رائے اور سوچ کے اختلاف کا اس وقت بھی حق تھا اور آج بھی حق ہے۔

گرامی قدر سامعین! میں یہ کہہ رہا تھا کہ بہت سے ساتھیوں اور بزرگوں نے جواب دیا

بے نظیر کا۔ میں نے ویسے اس سوال کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی لیکن چونکہ اس کو یہاں بار بار دہرایا گیا اس لئے کچھ اہمیت ہی ہو گی تو میں کہنا چاہتا ہوں کہ بعض اوقات اسی حکمت عملی، سوچ، سیاسی مجبوری کے تحت زہر کے گھونٹ پینے پڑ جاتے ہیں مثلاً اندرا گاندھی دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریب میں گئی۔ کافرہ عورت تھی دیوبند اسٹیج پر آئی۔ میرا مادر علمی، بحرالعلوم۔ پرہیزگاری اور تقوے کے پہاڑ موجود تھے جن کا گرد راہ بھی میں نہیں ہو سکتا۔ جن کی نظریں کبھی زمین سے جدا نہیں ہوتی تھیں وہ اسٹیج پر موجود تھے۔ اندرا گاندھی آئی، کفر اس کا الگ ایک جرم تھا، بے پردہ آنا الگ جرم تھا، عورت ہونا الگ جرم تھا۔ ان تمام خرابیوں کے باوجود اسٹیج پر آئی۔ اعتراض ہوا کہ دیوبند کے اکابرین نے عورت کیوں بلوائی، اسٹیج پر کیسے آئی کافرہ عورت۔۔۔۔؟ تو جواب یہ دیا گیا کہ خود آئی، ملک کی وزیراعظم ہیں بن بلائے آئی ہے روکا نہیں جا سکتا تھا۔ روکنا مروت کے خلاف تھا، اخلاق کے خلاف تھا، سیاسی سوچ کے خلاف تھا، بصیرت کے خلافت تھا اور ادارے کی تباہی کا سبب بن سکتا تھا، مسلم قوم کی بربادی کا سبب بن سکتا تھا۔ ہم نے بامر مجبوری زہر کا یہ گھونٹ پیا ہے وہ زہر کا گھونٹ تھا کہ اندرا گاندھی آئی تھی دارالعلوم دیوبند کے اسٹیج پر، آج یہ بھی زہر کا گھونٹ ہے کہ بے نظیر مولانا فضل الرحمٰن کے گھر آئی تھی جو سوچ وہاں تھی یہی سوچ یہاں بھی ہے۔ آپ اپنی تاریخ کا جائزہ لیں آپ چڑیا کے ذہن سے نہ سوچئے۔ آپ ابوالکلام آزاد کی طرح سوچئے۔ آپ شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنیؒ کے دماغ سے سوچئے! ان کی کارکردگی ان کی ایک مجموعی سوچ اور ان کی لائن کو سامنے رکھ کر سوچیے اور دیکھئے کہ اکابرین کی مجموعی سوچ کیا ہے؟

اچھا ایک بات اور کہتا ہوں مولانا فضل الرحمٰن کی حکمت عملی اپنی جگہ صحیح ہے اور یہی ہونی چاہیے۔ آپ پورا زور لگایئے ایک آدمی مجھے کہتا ہے او جی! ہم تیرے ساتھ ہیں ہم چلتے ہیں ہم آتے ہیں۔ میں نے کہا: تو کیوں نمیں آندا؟ (تم کیوں نہیں آتے؟) جواب ملا کہ فضل الرحمٰن سے اسٹیج پر کہلواؤ کہ "ابوبکرؓ و عمرؓ کا دشمن کافر ہے"۔ توجہ کرنا ذرا میری طرف۔۔۔۔

میں نے کہا: میرا کہنا مولانا فضل الرحمٰن کا کہنا مان لیجیے، میں اس کی جماعت میں تو ہوں، تسبیح پڑھ رہا ہوں، یقین نہیں آتا؟ کہتا ہے "نہیں، مولانا فضل الرحمٰن سے کہلواؤ"۔ میں نے کہا تم کسی دن تبلیغی جماعت سے کہلوا دو میں مولانا فضل الرحمٰن سے کہلوا دوں گا۔۔۔ٹھیک نہیں؟ میں نے کہا تم تبلیغی جماعت سے یہ کہلوا دو میں مولانا فضل الرحمٰن سے کہلوا دوں گا۔ تم ختم نبوت کانفرنس میں یہ بات کہلوا دو میں مولانا فضل الرحمٰن سے کہلوا دوں گا۔ لیکن اگر آپ کہتے ہیں کہ نہیں تبلیغی جماعت کی ایک الگ حکمت عملی ہے۔ ختم نبوت کی ایک الگ حکمت عملی ہے اور تبلیغی جماعت اور ختم نبوت کی حکمت عملی اپنی جگہ صحیح ہے اور یہی ہونی چاہیے تو مولانا فضل الرحمٰن کی حکمت عملی اپنی جگہ صحیح ہے اور یہی ہونی چاہیے اور میرا طریقہ کار اپنی جگہ صحیح ہے اور یہی ہونا چاہیے (کوئی تسلی ہوئی یا نہیں ہوئی۔۔۔؟)

پاکستان کی سرزمین پر جتنا دجل، ظلم اور تشدد ضیاء کے دور میں ہوا شاید اتنا کسی اور دور میں ہوا ہو۔ آپ ظلم، جیل اور ہتھکڑی کو سمجھتے ہیں یہ ظلم تو جسم پر ظلم ہے۔ ضیاء نے میری قوم کی روح پر ظلم کیا۔ جسم کا ظلم گوارہ ہے کہ یہ زندگی چند روزہ ہے مگر روح کا ظلم گوارہ نہیں۔ اس نے بار بار اسلام کا پروپیگنڈہ کیا اس حد تک کہ قوم کو چکرا دیا کہ تم اسلام چاہتے ہو، تم دین چاہتے ہو؟ اگر "ہاں" میں جواب دو گے تو میں پانچ سال کے لئے سربراہ۔۔۔ اور "نہیں" میں جواب دو گے تو میں ہٹ جاؤں گا۔ قوم بھاگی۔۔۔ اسلام، اسلام، اسلام۔ لیکن یہ کسی نے نہ سوچا کہ یہ تو بعینہ وہی بات ہے کہ ایک اچکا راہ چلتی عورت کو کہے کہ تو رسول کو مانتی ہے تو تو میری بیوی اور اگر نہیں تو ٹھیک ہے چھٹی۔۔۔ کیا اس طرح وہ اس کی بیوی بن جائے گی؟ بعینہ اسی طرز کے ساتھ اس نے یہ چکر چلایا اور یہ چکر چلانے کے بعد ووٹ لینے کے بعد میری قوم کی روح پر حملہ کرنے کے بعد ان کو غلط لائن پر لگانے کے بعد اب کہتا ہے کہ "اسمبلیوں کا گھیراؤ کرو یہ اسلام نہیں لاتے"۔ اتنا بڑا پاگل حکمران بھی کوئی آیا ہوگا جو خود کہے کہ میری حکومت کا گھیراؤ کرو میری اسمبلی کا گھیراؤ کرو۔۔۔ کیوں بھائی؟ اس لئے کہ یہ اسلام نہیں لاتے۔۔۔ جو اسمبلیوں میں گئے، دولت صرف کر کے گئے ہیں اسمبلی میں گئے سڑک کا

وعدہ کر کے گئے ہیں وہ لوگ بجلی کا وعدہ کر کے گئے ہیں اسمبلی میں گئے ہیں جھوٹے مقدمات قائم کرانے کا یا جھوٹے مقدمات سے رہائی دلانے کا وعدہ کر کے گئے ہیں۔اس اسمبلی میں جانے والے کسی ممبر کا کوئی منشور نہیں تھا کوئی دستور نہیں تھا۔اس نے اسلام کا وعدہ نہیں کیا ان کا گھیراؤ کریں۔۔۔؟ تیرا گھیراؤ کیوں نہ کریں کہ تو نے ریفرنڈم میں اسلام کا وعدہ کیا تھا قوم سے۔۔۔؟

کہتا ہے گھیراؤ اسمبلی کا کرو۔پوری قوم کے ذہن کو موڑنا چاہتا ہے۔دس سال اس (ضیاء الحق) نے محنت کی،اس نے شہادت کے مسئلے کو متنازع بنا دیا،دیت کے مسئلے کو متنازع بنا یا،نکاح اور طلاق کے مسائل متنازع بنائے،اس نے قومیں لڑائیں۔یہی کچھ ان دس سالوں میں ہوا۔مجھے پندرہ سال ہوئے مدح اصحابؓ رسول ﷺ کرتے ہوئے اور دشمنان اصحابؓ رسول ﷺ کے لٹریچر کا مطالعہ کرتے ہوئے اگر آپ کو میری زبان پر یقین آجائے تو اس رب کی قسم! جس نے محمد ﷺ کی زلفوں میں رعنائی رکھی ہے جتنا غلیظ لٹریچر،جتنا کمینہ لٹریچر اصحاب پیغمبر کے خلاف ضیاء کے دور میں چھپا ہے اتنا پاکستان کی تاریخ میں پہلے کبھی نہیں چھپا۔میں یہ چیلنج کرتا ہوں اس اسٹیج کا میرا ایک وسیع مطالعہ ہے،اتنا غلیظ لٹریچر،اتنی بکواس،اتنا کفر اور غلاظت کسی دور میں صحابہؓ کرام کے خلاف اردو زبان میں نہیں چھپا لیکن مجال ہے کہ کسی کو کوئی سزا ہوئی ہو،کتاب ضبط ہوئی ہو۔اخبار میں آتا ہے لیکن وہ اسٹالوں پر بکتی ہے اسے تقسیم کیا جاتا ہے اسے بار بار بیچا جاتا ہے۔کیا یہ ظلم نہیں ہے؟ اتنا بوگس،اتنا گندہ،اتنا ردی قانون کہ پیغمبر ﷺ کی ازواج مطہراتؓ اور نبی ﷺ کے صحابہ تک کا تحفظ نہیں کر سکتا ہے؟ اسلام اسلام کا ایک غلغلہ ہے نعرہ ہے اور اس اسلام کے پردے میں وہ اسلام کو متنازع بنا رہا ہے وہ اسلام کے پردے میں سرمایہ داری کو پروان چڑھا رہا ہے۔لاہور کا گول گپہ کہتا ہے کہ دو چار آدمیوں کے مرنے سے سیاستدان شور مچا دیتے ہیں۔اس شخص نے اہل سنت کا قتل عام کروایا،اہل سنت کا قتل عام اس شخص کے دور میں ہوا۔اسمبلی میں سوال آیا کہ تم محرم کے فسادات پر بحث کرنے کی اجازت دو۔انہوں نے اس کی اجازت تک نہیں دی کہ کم از کم قوم

کے سامنے آئے کہ ظلم کتنا ہوا؟

گرامی قدر سامعین! میں عرض کر رہا تھا کہ آپ لوگوں کو اگر اکابرین کی مجموعی سوچ سمجھ آ گئی ہے۔ آپ لوگوں کے ذہن میں اگر یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ ہمارے اکابر نے کس حکمت عملی کے ساتھ کام کیا تھا اس حکمت عملی کے ساتھ جمعیۃ علماء اسلام کام کر رہی ہے۔ 6 مارچ 1987ء کو مینار پاکستان پر جمعیۃ علماء اسلام کی تاریخ میں پہلا جلسہ ہے اس سے پہلے جمعیۃ نے کبھی جرأت نہیں کی مینار پاکستان جانے کی لیکن آج جمعیۃ علماء اسلام کی نوجوان قیادت یہ جرأت کرنا چاہتی ہے اور ایک پرفتن دور میں کرنا چاہتی ہے۔ آپ سے اپیل ہے کہ آپ سنی فرزند ہونے کی حیثیت سے اپنے ملکی وقار کو سامنے رکھ کر مینار پاکستان کے گراؤنڈ کو اس طرح بھر دیں کہ وہاں قدم رکھنے کو جگہ نہ ملے۔ ضد، تعصب، حسد اور عناد کو چھوڑ دیجئے! یہ سوچ کر کہ اگر مینار پاکستان نہ بھرا گیا اور آج جمعیۃ علماء اسلام اس کو بھرنے میں ناکام رہی تو پورا ملک کہے گا جمعیۃ علماء اسلام ناکام سیاسی جماعت ہے۔ کل میرے دوسرے بزرگ اعلان کریں گے کہ ہم جاتے ہیں وہاں۔ تم کو ہم ناکام کرنے کی سوچیں گے۔ تم ہمیں ناکام کرنے کی سوچو گے لیکن انجام کے لحاظ سے نہ تمہارا وجود رہے گا نہ ہمارا وجود رہے گا۔ سوچ بدل لو آج تم آؤ مینار پاکستان بھر دو جمعیۃ کا نام ہو گا کل تم جاؤ گے ہم مینار پاکستان کو بھر دیں گے نام جمعیۃ کا ہو گا۔ جھنڈا تمہارا بھی وہی ہے میرا بھی وہی ہے۔ دستور تمہارا بھی وہی ہے میرا بھی وہی ہے اسلاف تمہارے بھی وہی ہیں میرے بھی وہی۔ قرآن تمہارا بھی وہی ہے میرا بھی وہی ہے۔ سنت میری بھی وہی ہے تمہاری بھی وہی۔ صحابہؓ تیرے بھی وہی ہیں میرے بھی وہی۔ اس کو بھر دو نام جمعیۃ کا بلند ہو گا۔ سیاسی قوت کا مظاہرہ ہو گا اور مینار پاکستان پر جمعیۃ اپنی قوت منوا لے گی۔ رب العالمین مجھے اور آپ کو صحیح سوچنے سمجھنے کی توفیق بخشے۔

و اخر دعوانا ان الحمدلله رب العلمین.

بشکریہ: ماہنامہ الجمعیۃ اپریل ۲۰۱۰ء

حضرت قدس سرہ کا جمعیۃ علماء اسلام سے تعلق اور خدمات

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب دامت برکاتہم مرکزی سرپرست جمعیۃ علماء اسلام

انتخاب: حافظ عبدالرحمٰن شاکر، (خیابان جمعیۃ) پڑہنہ مانسہرہ

1956ء کے اوائل کی بات ہے خانقاہ سراجیہ کے اس وقت کے سجادہ نشین اور حضرت مولانا خواجہ خان محمدؒ صاحب قدس سرہ کے مرشد و مربی حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ نے اپنے متوسل خصوصی حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزارویؒ کو اپنے ہاں بلایا اوران کے سامنے علماء کے لئے سیاسی کام کرنے کی ضرورت بیان فرمائی اور اس کی عملی شکل اختیار کرنے کا ارشاد فرمایا۔ حضرت مولانا غلام غوث صاحبؒ ملتان تشریف لے گئے، حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ اور مولانا خیر محمد صاحبؒ بانی و مہتمم جامعہ خیرالمدارس سے حضرت صاحب خانقاہ سراجیہ کے ارشاد کو عملی جامہ پہنانے کے متعلق مشورہ کیا اور بھی اکابر علماء کرام سے رابطہ ہوا، سب کی تائید اور دعاؤں سے کام کا آغاز ہوا۔ مجلس استقبالیہ تشکیل ہوئی جس کے صدر حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ اور ناظم حضرت مفتی محمود صاحبؒ بنائے گئے۔ 8,9 اکتوبر 1956ء کو علماء کونشن بلانے کا فیصلہ ہوا تو حضرت لاہوریؒ اور حضرت مفتی صاحبؒ کے دستخطوں سے دعوت نامہ جاری ہوا۔ اسی اثناء میں حضرت مولانا سید امیر حسن شاہ صاحب گیلانی ہندوستان کے سفر سے تشریف لائے اور یہاں کے علماء کے نام حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا پیغام لائے کہ: "بیٹھنے کا وقت نہیں، اٹھیں کام کریں"۔ 8,9 اکتوبر 1956ء کو جامعہ قاسم العلوم، ملتان میں کونشن ہوا جس کی صدارت

حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری صاحبؒ نے فرمائی۔ چاروں صوبوں کے تقریباً ڈیڑھ سو جید علماء نے شرکت فرمائی، حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ بھی شریک ہوئے اور حضرت مولانا مفتی حسن صاحبؒ بانی جامیہ اشرفیہ، لاہور نے تعاون اور دعائے برکت کا پیغام بھیجا تھا۔

7 جون 1956ء کو سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ کا دنیا سے سفر ہو گیا تھا، چنانچہ ان کی جگہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ مسند نشین ہوئے اور ملتان کے علماء کنونشن میں شرکت فرمائی۔ اس کنونشن میں جمعیۃ علماء اسلام کے نام سے کام کرنے کا فیصلہ ہوا، حضرت لاہوریؒ مرکزی امیر اور حضرت مفتی محمود صاحبؒ نائب امیر اور حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے اور بھی عہدیداروں کا انتخاب ہوا تھا جس کی تفصیل اس وقت یاد نہیں۔

حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ ہمیشہ جمعیۃ علماء اسلام میں شریک رہے، باقاعدہ فارم رکنیت پر فرمایا کرتے تھے۔ مرکزی مجلس عاملہ کے اکثر اور مجلس شوریٰ کے ہمیشہ رکن رہے اجلاسوں میں پابندی سے شرکت فرمایا کرتے تھے، جماعت میں آپؒ کا بہت احترام تھا، آپؒ کی رائے بہت وقیع ہوتی تھی، اکثر کانفرنسوں میں آپ کی صدارت ہوا کرتی تھی۔ جمعیۃ کی علاقائی اور مقامی کانفرنسوں میں بھی شرکت کی درخواست کی جاتی تو بخوشی قبول فرماتے اور دور دراز سفر کی تکلیف اٹھا کر بھی تشریف لے جاتے تھے۔

جمعیۃ علماء اسلام کے استحکام اور ترقی کے لئے فکر مند رہا کرتے تھے، حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ کا 14 اکتوبر 1980ء کو وصال ہو گیا اور آپؒ کے وصال کے بعد بعض مسائل پر اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ خانپور میں مرکزی مجلس عمومی کا اجلاس تھا، چاروں صوبوں سے ارکان نے بھرپور شرکت کی ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ ارکان کے جذبات بھڑک اٹھے اور ایسا فیصلہ کرنے لے لئے تیار ہو گئے جو اس وقت کسی طرح مناسب نہ تھا۔ تب حضرت خواجہ صاحبؒ ہجوم کے سامنے تشریف لائے اور فرمایا: "آپ لوگ آج کوئی فیصلہ نہ کریں اپنے گھروں کو

تشریف لے جائیں، اگر دوبارہ مجلس عمومی کا اجلاس نہ بلایا گیا تو میں بلالوں گا" پورے ہجوم نے بلاچوں چراں آپؒ کے ارشاد پر سرِ تسلیم خم کیا اور خاموشی سے واپس چلے گئے۔

اجلاس بھی ہوئے انفرادی گفتگو کا سلسلہ بھی رہا۔ حضرتؒ نے جماعت کو متحد اور یکجا رکھنے کے لئے بہت کوشش فرمائی، سفر بھی کیے، مشقتیں اور اذیتیں بھی اٹھائیں لیکن اس وقت کوئی محنت بارآوار نہ ہوسکی۔ جماعت سے تعلق رکھنے والے بعض اور علماء نے بھی جدوجہد فرمائی مگر کوئی نتیجہ حاصل نہ ہوا۔ اس کے باوجود دعائیں اور کوششیں جاری رہیں۔

اس اختلاف کے ابتدائی ایام میں مولانا حق نواز جھنگوی صاحبؒ شہید مجھ سے ملے اور منشاء ظاہر کی کہ آپ اور مجھ کو ملکر ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ناموس صحابہؓ اور مسلک اہل سنت کے لئے منظم طریقے سے کام کرے۔ اس وقت تک سپاہ صحابہؓ نہیں بنی تھی۔ میں نے عرض کیا "سوچ کر بتاؤں گا"۔۔۔۔۔ میں خانقاہ شریف حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، اپنے علاقے کے حالات تفصیل سے پیش کئے اور مولانا حق نوازؒ کی رائے کا ذکر بھی کیا۔ حضرتؒ نے مختلف محاذوں پر کام کرنے والی اپنے مسلک کی تمام جماعتوں کا نام لیا اور فرمایا کہ: "عالمی سطح پر اور ملکی سطح پر ان تمام جماعتوں کا کوئی اثر نہیں، اگر تھوڑا یا زیادہ ہے تو وہ جمعیۃ علماء اسلام کی سیاسی قوت کا ہے۔ جماعت بھی یہی رہے گی جس میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب ہیں، لہٰذا اپنا جو کوئی وزن ہو وہ اسی کے پلڑے میں ڈالنا چاہیے"۔

لاہور میں جمعیۃ علماء اسلام کا اجلاس تھا، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب جیل میں تھے، اجلاس سے کچھ دن پہلے میں بھکر میں اپنے مدرسے میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک حضرتؒ تشریف لائے اور فرمایا کہ: "ہمارے ساتھ چلو"۔ میں ساتھ ہولیا، اگلی سیٹ پر حضرتؒ تشریف فرما ہوئے۔ پچھلی سیٹ پر میں اکیلا تھا، مظفر گڑھ حاجی گل محمد صاحب مرحوم باگڑھ سرگانہ والے سڑک کے کنارے منتظر کھڑے تھے، وہ ساتھ ہو لئے، جتوئی سے مولانا لقمان صاحب مرحوم کو ساتھ لیا۔ دین پور شریف پہنچے، حضرت میاں سراج احمدؒ صاحب مدظلہ العالی مسجد کے صحن کے دروازے کے قریب کھڑے مسجد کے تعمیراتی کام کی نگرانی فرما رہے تھے۔ ملاقات ہوئی، وہیں

کچھ دیر نشست ہوئی، حضرتؒ نے میاں صاحبؒ سے فرمایا کہ "لاہور میں جمعیۃ علماء اسلام کا اجلاس ہو رہا ہے جس میں مرکزی عہدیداروں کا انتخاب ہوگا، ہماری درخواست ہے کہ آپ امارت قبول فرمائیں"۔ حضرت میاں صاحب نے فرمایا: "میں آپ کو اپنے باپ کی جگہ سمجھتا ہوں، انکار نہیں کرسکتا۔ اتنی گزارش ہے کہ میں اجلاس میں نہیں آؤں گا۔ اگر آپ حضرات میرے حق میں امارت کا فیصلہ فرمادیں گے تو میں قبول کرلوں گا"۔ چنانچہ لاہور کے اجلاس میں حضرت میاں سراج احمدؒ صاحب مدظلہ العالی کو امیر اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو ناظم عمومی (جنرل سیکرٹری) منتخب کیا گیا۔

حضرت میاں صاحبؒ نے امارت قبول فرمالی اور پوری مستعدی سے کام شروع کر دیا، کئی اضلاع کے دورے میں مجھے بھی معیت حاصل رہی، اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی، تقریباً دس سال بعد جمعیۃ علماء اسلام کے دونوں دھڑوں میں اتحاد وہ گیا۔ 12 دسمبر 1990ء کو مدرسہ قاسم العلوم، شیرانوالہ دروازہ لاہور میں بھرپور پریس کانفرنس کے ذریعے جمعیۃ علماء اسلام کے اتحاد، نئی مجلس عاملہ اور پالیسی کا اعلان کیا گیا۔ تین اکابر سرپرست بنائے گئے، حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؒ بیر شریف، حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ خانقاہ سراجیہ اور حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ گوجرانوالہ، امیر حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ اور ناظم عمومی (جنرل سیکرٹری) مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو بنایا گیا۔ اس طرح جماعت دوبارہ یکجا ہو کر کام کرنے لگی، اگرچہ کچھ لوگوں نے الگ رہ کر جمعیۃ کا نام استعمال کیا ہے لیکن جماعت ایک ہی ہے جس کا جماعتی نظم اور وزن ہے۔

حضرتؒ ہمیشہ جمعیۃ علماء اسلام کی ترقی اور استحکام کے لئے فکرمند اور کوشاں رہتے تھے۔ جس زمانے میں بھکر ضلع میانوالی کی تحصیل تھی اور الگ ضلع نہیں بنا تھا، ہماری ضلعی مجلس شوریٰ کے اکثر اہم اجلاس خانقاہ شریف میں حضرتؒ کی صدارت میں ہوا کرتے تھے۔ زیادہ تو یاد نہیں ایک دفعہ مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس بھی خانقاہ شریف میں ہوا تھا، یہ اجلاس 22,23 مارچ 1994ء کو ہوا تھا۔ ایجنڈے میں جماعت کے دستور میں ترامیم کا مسئلہ

بھی شامل تھا۔ مولانا فضل الرحمٰن کی تجویز سے مجلس شوریٰ نے یہ کام میرے حوالے کر دیا تھا کہ میں جن ساتھیوں کو مناسب سمجھوں ساتھ لے کر یہ خدمت سرانجام دوں۔ مجلس شوریٰ کے اجلاس سے فارغ ہونے کے بعد حضرتؒ کے بڑے فرزند مولانا صاجزادہ عزیز احمد صاحب مدظلہ اور خواجہ محمد زاہد شہیدؒ (ڈیرہ اسماعیل خان) سے عرض کیا کہ وہ اس کام میں میرے ساتھ شریک ہوں۔ خانقاہ شریف کی تاریخ بھی مقرر کر دی، میں بھی وہاں پہنچ گیا اور خواجہ محمد زاہدؒ مرحوم بھی تشریف لائے۔ بھلوال کے حاجی احمد یار صاحب مرحوم بھی حضرت کی زیارت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے، خانقاہ شریف اور جمعیۃ علماء اسلام سے ان کا پرانا تعلق تھا۔ حضرتؒ نے مجھے فرمایا ان کو بھی اپنے کام میں شریک کر لو، اس طرح ہم چار ساتھی ہو گئے۔ کئی دن مسلسل خانقاہ شریف میں بیٹھ کر ہم نے اول سے آخر تک پورے دستور پر غور کا ی اور ترامیم تجویز کیں، جو مجلس شوریٰ کے اجلاس لاہور میں پیش ہوئیں۔ الحمدللہ ہماری کئی تجاویز اب تک دستور کا حصہ ہیں۔

حضرت کے تین صاحبزادے مولانا صاحبزادہ عزیز احمد صاحب، مولانا صاحبزادہ خلیل احمد صاحب اور جناب صاحبزادہ سعید احمد صاحب، ضلع میانوالی جمعیۃ کے یکے بعد دیگرے امیر رہے اور اب بھی انہی حضرات کو سرپرستی جمعیۃ حاصل ہے۔

حضرتؒ جمعیۃ علماء اسلام کی پالیسی کی ہمیشہ مکمل حمایت فرماتے رہے۔ ایم آر ڈی کے زمانہ میں ایک دن آپ ٹوبہ ٹیک سنگھ تشریف فرما تھے، ایک صاحب نے حضرتؒ کے سامنے مولانا فضل الرحمٰن صاحب پر تنقید شروع کر دی، مولانا صاحب کے خلاف خاصی طویل گفتگو کی، حضرتؒ خاموشی سے سنتے رہے، جب اس شخص کی بات پوری ہو گئی تو حضرتؒ نے فرمایا کہ: "مولانا فضل الرحمٰن صاحب جو کچھ کر رہے ہیں، ٹھیک کر رہے ہیں، میں ان کے ساتھ ہوں"۔ حضرت کے اس ارشاد سے اس کی ساری تقریر پر پانی پھر گیا۔

سال ڈیڑھ سال پہلے کی بات ہے، ایک صاحب جو عالم معلوم ہوتے تھے خانقاہ شریف میں حضرتؒ کے سامنے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے خلاف گفتگو کرتے رہے اور جب

خاموش ہوئے تو حضرتؒ نے فرمایا: "ہم مولانا فضل الرحمٰن کے ساتھ ہیں"۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب اسلام آباد آتے جاتے حضرت کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے اور کبھی صرف زیارت کے لئے سفر کیا کرتے تھے لیکن میں جب بھی حاضر ہوتا حضرت خواجہ صاحبؒ مولانا فضل الرحمٰن کا حال پوچھا کرتے تھے۔ 2 مئی کو عشاء کے وقت مجھے سیال ہسپتال میں ان کی آخری زیارت نصیب ہوئی تھی، اس وقت بھی مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا حال دریافت فرمایا تھا۔

حضرتؒ کے خادم خاص حکیم سلطان محمود صاحب نے بیان کیا کہ: "پانچ مہینے کی بات ہے ایک عالم دین نے حضرتؒ سے سوال کیا کہ حضرت! ہمارے ہاں جمعیۃ علماء اسلام بھی ہے اور مجلس تحفظ ختم نبوت بھی ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام والے ساتھی مجھے مجبور کر رہے ہیں کہ میں جمعیۃ میں کام کروں اور مجلس تحفظ ختم نبوت والے ساتھی زور دیتے ہیں کہ ہمارے ساتھ مجلس تحفظ ختم نبوت میں کام کرو۔ میرے لئے جناب کا کیا حکم ہے؟۔۔۔۔ تو حضرت نے فرمایا کہ: جمعیۃ علماء اسلام میں کام کرو، جمعیۃ علماء اسلام ہوگی تو مجلس تحفظ ختم نبوت ہوگی، جمعیۃ ہوگی تو مدارس ہوں گے"۔

ظاہر اسباب میں روحانی فیضان اور دینی و ملی خدمات کے لئے آپؒ کے بڑے مور نمایاں ذرائع تین تھے، خانقاہ سراجیہ، مجلس تحفظ ختم نبوت اور جمعیۃ علماء اسلام۔ اللہ تعالیٰ ان تینوں کو دوام و بقا عطا فرمائے اور دین کی خدمت اور حفاظت نصیب فرمائے۔ آمین!

☆......☆......☆

شریعت نے انسانوں کو علماء کا ساتھ دینے کا حکم دیا ہے

جے یو آئی کے مرکزی نائب امیر سینیٹر مولانا گل نصیب خان کا دارالعلوم عثمانیہ، لاہور میں خطاب:

انتخاب: مولانا محمد انس، خطیب جامعہ مسجد علی المرتضیٰ، مانسہرہ

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اس تقریب کو ہم سب کے لئے آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔

موجودہ حالات میں جبکہ دین اور مذہب ہماری زندگیوں سے نکلتا جا رہا ہے اور ہم دین کے بہت سے حصوں کے متعلق یہ سمجھنے لگے ہیں کہ یہ دین کا حصہ ہی نہیں ہیں جن کے اندر خلافت کا قیام بھی شامل ہے۔ ہماری اجتماعی زندگی کے حوالے سے شرعی احکامات بھی شامل ہیں اور ممکن ہے کہ جن چیزوں کو آج ہم دین کے اندر شامل سمجھتے ہیں اور جن پر ہم دین سمجھ کر عمل کرتے ہیں ہماری آنے والی نسلیں انہیں دین ہی نہ سمجھیں۔ جیسا کہ سود کا معاملہ ہے کہ آج لاکھوں لوگ سود میں ملوث ہیں، بنکوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں، ان سے سود لیتے بھی ہیں اور دوسرے معاملات میں سود دیتے بھی ہیں اور لاکھوں لوگ اس کو اپنی مجبوری قرار دے کر سود کا معاملہ کرتے ہیں حتیٰ کہ علماء، طلباء اور مدارس کے اکاؤنٹ بھی کرنٹ اکاؤنٹ کے نام سے بنکوں میں کھلے ہوئے ہیں تو مدارس اور علماء بھی اس سے محفوظ نہیں ہیں تو ممکن ہے کہ اس کثرت کے ساتھ اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے ہماری آنے والی نسلیں سود کی حرمت کو فراموش کر دیں اور اسے حرام ہی نہ سمجھیں۔ حالانکہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے اپنی کتاب "الاعتدال فی مراتب الرجال" المعروف بہ اسلامی سیاست میں لکھا ہے کہ: دوگناہ

ایسے ہیں کہ جو ہیں تو بڑے گناہ لیکن قرآن نے ان کی سزا کا ذکر نہیں کیا۔قرآن نے چوری، زنا اور ڈاکہ وغیرہ کا ذکر کیا تو ساتھ ہی ان کی سزا بھی بتا دی لیکن دو گناہ ایسے ہیں کہ ان کی سزا کا ذکر نہیں کیا، ایک گناہ سود کھانے کا ہے کہ اللہ رب العزت نے اس کے بارے میں فرمایا کہ: "جو سود کھاتا ہے تو اس کے مقابلے میں خود آجاتا ہوں، میں خود اس کا مدمقابل بن جاتا ہوں" دوسرا گناہ علماء اور اولیا کے ساتھ دشمنی کرنا اور ان کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا ہے۔یہ بھی اتنا بڑا گناہ ہے کہ اللہ رب العزت علماء کے ساتھ دشمنی کرنے والے اور ان کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والے کے مدمقابل خود آجاتے ہیں تو یہ اتنے بڑے گناہ ہیں اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ: "سود کھانا بیت اللہ میں اپنی ماں کے ساتھ 32 مرتبہ زنا کرنے سے بھی بڑا گناہ ہے"۔لیکن آج حالات اس ڈگر پر چل رہے ہیں کہ ہم ان گناہوں کو گناہ ہی نہیں سمجھ رہے۔

اب ان حالات میں جب مجھے اور آپ کو انفرادی زندگی کے حوالے سے کوئی مسئلہ معلوم کرنا ہو تو ہم علماء کے پاس جاتے ہیں اور ان سے معلوم کرتے ہیں تو اسی طرح اجتماعی زندگی کے حوالے سے بھی ہماری راہنمائی یہ علماء ہی کریں گے۔میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر آج حضور ﷺ ہمارے درمیان موجود ہوتے تو ہماری قیادت کون کرتا؟ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ ہی ہماری قیادت فرماتے اور حضور ﷺ نے خود فرمایا کہ: "علماء انبیاء کے وارث ہیں"۔تو ظاہر ہے کہ اس وقت ہماری قیادت کے حقدار بھی وہی لوگ ہیں جنہیں خود حضور ﷺ اپنا جانشین نامزد کر کے دنیا سے تشریف لے گئے ہیں اور وہ ہیں علماء کرام۔۔۔۔۔پھر آپ یہ بھی دیکھئے کہ یہ علماء آپ کو ایمان کی طرف لے کر جاتے ہیں اور دوسرے لوگ آپ کو کفر کی طرف لے کر جاتے ہیں۔ان میں ساری جماعتوں کے لوگ شامل ہیں چاہے وہ مسلم لیگ ہو، پیپلز پارٹی، تحریک انصاف ہو، اے این پی یا ایم کیو ایم ہو۔اس لئے کہ چند علماء کرام اسمبلی کے اندر پہنچ جاتے ہیں اور وہ اپنی عددی قوت کے مطابق کفریہ قانون سازی کے مقابلے میں مزاحمت کرتے ہیں۔

گزشتہ دنوں "تحفظ خواتین بل" پیش ہوا۔عنوان تو بڑا اچھا ہے، تحفظ خواتین کا لیکن جب بل آیا تو اسلامی قوانین کے بالکل برعکس تھا تو ہم نے اس پر اپنی طرف سے صرف یہ جملہ ترمیم کے طور پر پیش کیا کہ "اگر عورت اسلامی حیاء کے تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرتی ہو" ہماری پیش کردہ اس ترمیم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا گیا تو اس پر ہمارے فاٹا کے ممبر سینیٹ مولانا عبدالرشید صاحب جو کہ ایک کہنہ مشق مدرس بھی ہیں انہوں نے دوسری پارٹیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر تمہیں ہماری ترمیم قبول نہیں تو تم ان علماء کو یہ ترمیم دکھا دو جن پر تمہیں اعتماد ہے مگر اس پر بھی وہ تیار نہیں ہوئے تو گویا کہ ہماری دوسری جماعتوں کے ارکان کو حیاء کے شرعی تقاضوں کے مطابق زندگی بھی قبول نہیں ہے۔اسی طرح بلوچستان کے ایک قوم پرست راہنماء ڈاکٹر عبدالحئی بلوچ نے سینیٹ میں بل پیش کیا کہ ہم جنس پرستی کی اجازت دی جائے تاکہ مرد مرد کے ساتھ اور عورت عورت کے ساتھ شادی کر سکے۔اس پر میں نے خود مسلم لیگ (ن)، پیپلز پارٹی، اے این پی اور مسلم لیگ (ق) کے ممبران سے ملاقات کی اور ان سے کہا کہ یہ تو خالص اسلام کا مسئلہ ہے اس پر تو ہمارا ساتھ دیں تو انہوں نے ساتھ دینے کا یقین دلایا لیکن جب بل پیش ہوا تو یہ سارے اس بل کی حمایت کرنے کے لئے کھڑے ہوگئے۔میں نے ان سے کہا کہ آپ تو ہمیں حمایت کا یقین دلا چکے ہیں، تو اس پر انہوں نے کہا کہ ہمیں اوپر سے بل کی حمایت کرنے کا حکم ملا ہے۔۔۔۔۔"۔

تو محترم سامعین! جب آپ مسلمان ہیں، آپ نے مسلمان ممبر کو ووٹ دے کر اسے منتخب کیا ہے اور وہ مسلمان ہونے کے باوجود ایسے قوانین منظور کرواتا ہے جو کفر کی طرف لے جاتے ہیں تو اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ وہ خود علم رکھتا نہیں ہے اور علماء سے رجوع کرتا نہیں تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا اور اس بل کے پیش ہونے کے بعد جب میں خود مولانا محمد خان شیرانی اور مولانا عبدالغفور حیدری کے ہمراہ چیئرمین سینیٹ سے ملاقات کے لئے اس کے چیمبر میں گیا تو وہاں نیم برہنہ عورتیں جمع تھیں جو اس بل کے پیش ہونے پر خوشی منا رہی تھیں۔لہٰذا ان حقائق کی بنیاد پر ہم سمجھتے ہیں کہ علماء ہی قیادت کے اصل حقدار ہیں اور ان علماء

کی تعلیم یہاں کے دینی مدارس کی ہے جو چٹائیوں پر بیٹھ کر پڑھتے ہیں، انہی درسگاہوں میں زانوئے تلمذ طے کیا ہے جبکہ پاکستان کی قومی سیاست کے دوسرے لیڈروں کو آپ دیکھیں کہ ان لوگوں نے آکسفورڈ وغیرہ سے تعلیم حاصل کی ہے جو کہ برہنہ تہذیب کے علمبردار تعلیمی ادارے ہیں۔ لہٰذا وہ اپنی تعلیم کے مطابق ہی قوم کی قیادت کریں گے، اسی تہذیب پر قوم کو بھی ساتھ لے کر چلنا چاہتے ہیں اور تعلیمی و اخلاقی تربیت کو سامنے رکھ کر قوم کے اندر بھی برہنہ تہذیب کو پھیلانا چاہتے ہیں۔

حضرات محترم! بہت سی چیزیں ہیں جن سے شریعت نے انسان کو منع کیا ہے لیکن انسان ان کا ارتکاب کرتا ہے۔ شریعت نے انسان کو چوری سے روکا ہے لیکن انسان اس کو کرتے ہیں، زنا سے روکا ہے لیکن انسان اس کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اسی طرح بہت سی چیزوں کا حکم دیا ہے لیکن انسان وہ کام نہیں کرتے جیسا کہ نماز کا حکم دیا ہے لیکن انسان نماز نہیں پڑھتے، زکوٰۃ کا حکم دیا ہے لیکن زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تو ان سب چیزوں کا گناہ انسان کی گردن پر ہے اور وہ خود ہی اس کا ذمہ دار ہے۔ اسی طرح انسان کو شریعت نے علماء کے ساتھ جڑے رہنے اور ان کا ساتھ دینے کا حکم دیا ہے اور ان سے دور ہونے سے روکا ہے لیکن وہ پھر بھی علماء کا ساتھ نہیں دیتا تو اس کا گناہ اس کی اپنی گردن پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

بشکریہ: "ماہنامہ الجمعیۃ" جون ۲۰۱۰ء

☆......☆......☆

میر کارواں

حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی،

مہتمم جامعہ ابو ہریرہ، نوشہرہ

حافظ محمد قاسم کی تصنیف میرِ کارواں سے انتخاب

انتخاب: قاری عبدالمالک (خیابان جمعیۃ) پڑھنہ مانسہرہ

کہو وہ کون حسین ہے تمہاری بستی میں
کہ جس کے نام کے ساغر اٹھائے جاتے ہیں

مولانا فضل الرحمٰن کی شخصیت کی تصویر اتنی پھیلی ہوئی ہے اور اس کے اتنے درخشاں گوشے سامنے ہیں کہ ان سب کا احاطہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ پھر سوال صرف اسے پیش کر دینے کا نہیں، پیش اس طرح کرنا ہے کہ قاری یہ محسوس کرے کہ جیسے اس نے تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

مولانا کے اندر ایک داعی حق، ایک متکلم اسلام، ایک مفکر حیات، ایک ادیب، ایک خطیب، ایک سیاسی قائد، ایک تنظیم کار اور ایک بے باک مجاہد بیک وقت جمع ہیں۔ ان کی شخصیت سیاسی و تاریخی اور علمی و انقلابی ہر دو لحاظ سے بے حد اہم ہے اور پھر اس کے ساتھ حسن کردار کا اجتماع ان کو اپنے دور کی ایک عبقری شخصیت بنا دیتا ہے۔ مگر کسی ایسی جامع شخصیت کے حسن کو دوسروں تک منتقل کرنا ٹیڑھی کھیر ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کام کو کیا ہی نہ جائے کوشش کی راہ ہی کامیابی کی منزل کو جاتی ہے۔

بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں کہ جنہیں ان کے شخصیت نگاروں کا قلم زندگی بنا دیتا ہے

ورنہ وہ ہمیشہ گمنامی میں پڑی رہتیں ۔ چنانچہ ڈاکٹر جانسن کے متعلق کارلائل نے ٹھیک کہا کہ اس کا نام شاعر اور قصہ گو یا مقالہ نگار اور مؤلف ہونے کی بناء پر زندہ نہیں بلکہ وہ زندہ ہے تو باسویل کی لافانی تصنیف کے اوراق کے بل پر زندہ ہے۔ اس سوانح عمری کے متعلق کہا جاتا ہے کہ دنیا کے سوانحی لٹریچر میں اپنا جواب نہیں رکھتی ۔

دوسری قسم کی شخصیات وہ ہوتی ہیں کہ جن کی عظمت ان کے سوانح نگاروں کو بھی شہرت وعظمت کے مقام پر لا کھڑا کرتی ہے۔ شخصیت نگار کو کسی حسین شخصیت کے حسن سے بھر پور حصہ ملتا ہے ۔ اس کی مثال میں مولانا فضل الرحمٰن کی شخصیت کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ کوئی بھی شخص جو آج یا کل مولانا کی شخصیت یا سوانح کو دنیا کے سامنے شایان شان طریق سے لائے گا اس کا نام مولانا فضل الرحمٰن کے ساتھ ساتھ رہے گا۔

مولانا فضل الرحمٰن کی شخصیت میں بہت ہی غیر معمولی اہمیت کیوں پیدا ہوگئی ؟ سچ یہ ہے کہ زرنگار قبائیں دیکھ کر نگاہ کتنے ہی مواقع پر بہکی ہوگی مگر وائے ناکامی کہ ان قباؤں میں انسان کم ہی ملا۔ فرماں رواؤں کے طنطنے دیکھے، ادیبوں کے چمنستان ہائے نگارش دیکھے، شعرا کی زمزمہ سنجیوں سے استفادہ کیا، جادو بیاں خطیبوں کی طلاقت لسانی کے شعبدے دیکھے، اہل علم کی نکتہ آفرینیوں سے بہرہ مند ہوئے۔ مذہبی شخصیات کو عقائد واحکام کی وضاحت کرتے اور کفر وایمان کے فیصلے کرتے دیکھا مگر کم ہی ایسا ہوا کہ انسانیت کے حسن سے دامن نگاہ بھرا ہو۔ کیا پوچھتے ہو!

آدمیت ! تیری تلاش رہی
دیکھے ہیں پردہ ہائے نام بہت

مگر مولانا فضل الرحمٰن کے اندر انسان کو موجود پایا اور اسے انسان عظیم پایا۔ مولانا کی عظمت تاریخی لحاظ سے یہ ہے کہ اس نے حالات کے دھارے پر بہنے والے انبوہ ہائے کثیر کے بالمقابل دھارے سے لڑنے کا مسلک اختیار کیا ہے۔ بہنے والے وہ بھی ہیں جو پانی پر پرشکوہ تخت بچھائے بہ رہے ہیں۔ وہ بھی جو خوبصورت بجروں میں بہہ رہے ہیں۔ وہ بھی جو

براہ راست موجوں کی آغوش میں جھولے لیتے ہوئے بہہ رہے ہیں اور وہ بھی جو غوطے کھا کھا کر بہہ رہے ہیں اور یہ بہنے والے ایک ایک کر کے ڈوب بھی رہے ہیں۔ مادہ پرستی کے اس طوفان مغرب میں جو قیمتی عنصر دھارے کے خلاف لڑ رہا ہے یا کم سے کم قدم جمائے کھڑا ہے یا کھڑا رہنے کی سعی کر رہا ہے اس کے درمیان مولانا فضل الرحمٰن کو ایک تنہا امتیازی مقام حاصل ہے کیونکہ وہ وقت کی ہوا کے ساتھ چلنے پر ایک لحہ کیلئے کبھی راضی نہیں ہوئے بلکہ برابر ہوا کا رخ بدلنے کیلئے کوشاں ہیں۔

مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں۔

مولانا فضل الرحمٰن نے اسلام کو انفرادی مذہب کی حیثیت سے نہیں بلکہ پوری زندگی کے بہترین نظام عدل کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے اور بیشمار دلوں کو اس کی برتری کے اعتراف پر مجبور کر دیا ہے۔ اتنا ہی نہیں، انہوں نے اس نظام کو عملاً قائم کرنے کی جدوجہد کیلئے نوجوان طاقت کو اٹھا کھڑا کیا ہے۔ شہریوں، دیہاتیوں، تاجروں، ملازمین، ادیبوں، صحافیوں، طلبہ، مزدوروں غرضیکہ ہر طبقے میں ایک فعال طاقت موجود ہو گئی ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن نے قوم کو پکارا، لبیک کہنے والوں کو جمع کیا، ان کو جماعتی نظم میں پرویا، ان کی تربیت کی، نصب العین کیلئے ان کو وقت، قویٰ اور مال کی قربانی دینے کا درس دیا، ان کو سیاسی و عمرانی مسائل کا گہرا شعور دیا، ان کو مفاد کی کشمکش سے بے نیاز رہ کر زندگیوں کو انسانی اور ملکی خدمات کیلئے وقف رکھنے کا جذبہ دیا۔ پھر اس بہم شدہ قوت کے بل پر ایک طرف الحاد پسند، امریکہ، مغرب پرست اور جاہ طلب عناصر کی مزاحمت نظریاتی اور سیاسی میدانوں میں جاری رکھی، دوسری طرف ملک کے عوام کو اسلامی نظام کے لئے تیار کرنے کی مہم چلائی۔ وقت کے مسائل سے جمہور کو آگاہ رکھنے کیلئے دینی مدارس اور جمعیۃ سے وابستہ سلجھے ہوئے خطیبوں اور مقرروں کی ایک بہت بڑی ٹیم میدان میں اتاری۔ نوجوان طلبہ کو الحاد، کمیونزم اور مغربیت کا مقابلہ تعلیمی دائروں میں کرنے کیلئے خطوط کار بہم پہنچائے اور ان کو رہنمائی اور تربیت دی۔

بدقسمتی سے مولانا فضل الرحمٰن کو نہایت گھٹیا حریفوں سے سابقہ پڑا اور زمانے نے اس داعیٔ اصلاح وفلاح اور داعیٔ جہاد کا خیر مقدم اولاً گالیوں، پھبتیوں، الزام تراشیوں اور اتہام و بہتان سے کیا اور یہ سلسلہ کسی نہ کسی حد تک برابر جاری رہا ہے۔ قید و بند کے دور آئے۔ ظلم و جور کی یہ بھٹی ہر داعیٔ کے لئے گرم کی جاتی ہے کیونکہ بغیر اس سے گزرے کھرے کھوٹے کا امتیاز نہیں ہوسکتا۔

چلی تھی بات جو منبر سے دار تک پہنچی
قلم کی نوک سے خنجر کی دھار تک پہنچی
مگر صدا تیری گردوں کے پار تک پہنچی

اسی لئے عشق کی نگری کا دستور یہ ہے کہ کلمہ خیر کہیے اور گالیاں کھایئے۔ پھول برسایئے اور کانٹوں سے دامن بھریے، موتی لٹایئے اور پتھر کھایئے، بے لوث خدمت کیجیے اور مجرم ٹھہریے، راستی کے مسلک پر چلیئے اور تعزیر بھگتیے۔ مولانا فضل الرحمٰن کی شخصیت بفضلہٖ تعالیٰ ان تمام بھٹیوں سے گزر کر کھرا سونا ثابت ہو چکی ہے اور آج اس کشمکش، عمر بھر کی تعمیری جدو جہد اور امتحان بلا کی لذت کشی نے صورت ایسی پیدا کر دی ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن راہ حق کی ایک علامت ٹھہرے ہیں۔

عینی مشاہدہ ہے کہ صد ہا لوگ آتے ہیں، ایک نظر مولانا فضل الرحمٰن کو دیکھتے ہیں اور بس اتنے ہی سے ان کی امیدیں، امنگیں اور ہمتیں استوار ہو جاتی ہیں۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ تجدید و احیائے اسلام اور جہاد کا کام اس تاریک ترین دور میں بھی ہوسکتا ہے۔ انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ رات کتنی بھی لمبی ہو اس کی کوکھ سے صبح جنم ضرور لے گی۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن کے اندر جو انسان عظیم پایا جاتا ہے وہ بہ حیثیت انسان کشمکش اور امتحان ہی کے مراحل میں نہیں بلکہ غیر معمولی درجے کی شہرت و اعزاز کے درمیان بھی برابر حسن پاش رہا ہے۔ ان کی طرف سے کسی کو کچھ بھی گھٹیا پن کا تجربہ نہیں ہوا۔

ہزار ہا انسان ان سے ہر روز ملتے اور انہیں سنتے ہیں۔ ہر روز مختلف طبقوں اور علاقوں کے نت نئے لوگوں کو ان سے واسطہ پڑتا ہے۔ مختلف قسم کے ظروف واحوال میں انہیں دیکھتے ہیں مگر انہیں دیکھ کر کبھی کسی کو مایوسی نہیں ہوئی حتیٰ کہ ان کے نادان حریف بھی تنہائیوں میں یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ آدمی بس وہ ایک ہے جو نہ کبھی بکا نہ جھکا۔

ایسی درخشاں شخصیت کی سوانح نگاری یا شخصیت نگاری کی ذمہ داری اٹھانے والوں کیلئے ایک اہم کام یہ ہے کہ ان کی شخصیت کا صحیح مرتبہ اور مقام اور موقف واضح کریں۔ ہونے کو تو یہ کام از خود ہو رہا ہے اور ایک شمع روشن کے گرد کتنا بھی غبار کیوں نہ پھیلا رہے وہ اپنے تعارف کیلئے اس کی محتاج نہیں ہوتی کہ کوئی قصیدہ خواں یہ بیان کرے کہ یہ شمع ہے اور اس کی روشنی بھی ہے۔

مبارک ہیں وہ ہاتھ جو تاریکی میں کاغذی فانوس کے اندر حسن انسانیت کی شمع روشن کر رہے ہیں۔

☆......☆......☆

☆ ہمیں اپنے اکابرواسلاف، ان کے دیئے ہوئے نظریات اور ان نظریات کی حامل اس جماعت (جمعیۃ علماء اسلام) پر مکمل اعتماد ہے اور ہم قلبی وثوق کے ساتھ اس راہ پر چل رہے ہیں اور اس راستہ کو کامیابی کا راستہ اور منزل تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

☆ اگر کسی جماعت کا جامع نظریہ محفوظ ہے اور وہ حق ہے تو پھر اس جماعت کے ساتھ وابستہ ہونا شرعاً واجب ہے اور اگر اس کا جامع عقیدہ باطل ہے تو اس جماعت سے لاتعلق ہونا شرعاً واجب ہے۔

قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ